جرنیل غزہ یحییٰ سنوار شہید کے قلم سے لکھا گیا ایک ایسا ناول جس کا حرف حرف سچ ہے
اور فلسطینی مزاحمت کا پتہ دیتا ہے۔

الشوک والقرنفل

اُردو ترجمہ

(کانٹے اور پھول)



تالیف

المجاهد الشهيد يحيى السنوار

یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے
جنھیں تُو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سِمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذّتِ آشنائی

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کِشور کشائی

انتساب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ نہ میری ذاتی کہانی ہے اور نہ ہی کسی خاص شخص کی کہانی ہے، البتہ اس کے تمام واقعات حقیقی ہیں ، ان میں سے ہر واقعہ یا واقعات کا ایک مجموعہ کسی نہ کسی فلسطینی یا کسی دوسرے سے متعلق ہے ، اس کام میں تخیل صرف اتنا ہے کہ اسے ایک ناول کی شکل دی گئی ہے جو مخصوص کرداروں کے گرد گھومتی ہے تاکہ اس میں ناول کے تقاضے اور شرائط پوری ہو سکیں ، اس کے علاوہ ہر چیز حقیقی ہے اور اس کا بیشتر حصہ میں نے ان لوگوں کی زبانی سنا ہے جنہوں نے یہ خود ، ان کے اہل خانہ اور پڑوسیوں نے فلسطین کی مقدس سرزمین پر کئی دہائیوں تک جھیلا ہے۔

میں اسے ان لوگوں کے نام کرتا ہوں جن کے دل معراج اور اسراء کی سرزمین سے محبت رکھتے ہیں، بحر اوقیانوس سے خلیج تک، بلکہ بحر اوقیانوس سے بحر اوقیانوس تک۔

یحییٰ ابراہیم السنوار

بئر سبع جیل 2004

عرض مترجم

للہ الحمد و الشکر اس خالق و منعم حقیقی کا احسان ہے کہ اس عالی مرتبت نے مجھ سراپا تقصیر کو اس کتاب کے ترجمے کی سعادت نصیب فرمائی ، یہ محض جہاد و مجاہدین سے محبت کا نتیجہ ہے جس نے ترجمے کے خیال کو ذہن و فکر پر چسپاں کیا ، یہ محبت تھی کہ جس نے خیالِ زیست اور خوفِ پابند سلاسل کو پرے رکھ کر عشق و محبت کی سنگلاخ وادی کو طے کرنا کا حوصلہ بیدار کیا ، یہ وہ شوق شہادت فی سبیل اللہ ہے جس نے موت کی آنکھوں سے سرمہ چرانے کی طاقت پیدا کردی ، بیشک جینا بھی اسی کا حق ہے جسے مرنے کا سلیقہ آتا ہو ، وہ لوگ جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں نہیں ڈال سکتے وہ کسی روز جیتے جی مر جاتے ہیں ، جو شہادت کو محبوبہ نہیں سمجھتے جو مرتے مرتے بچنا چاہتے ہیں وہ کل بچتے بچتے مرجائیں گے ، یہ کتاب الشوک و القرنفل مجاہد فلسطین قائد تحریک حماس شیخ یحیٰ سنوار حفظہ اللہ کی ہے ، کتاب کیا ہے بس ایک طوفان ہے جس نے ہلچل سی مچادی ، سوزِ دروں کے ساز چھیڑ دیے ، اس کا انداز بیشک ناول والا ہے ، لیکن مصنف کے بقول اس کے واقعات و حکایات حقیقت پر مبنی ہیں ، اگر کوئی سچے دل سے مکمل پڑھ لے تو دل کی دنیا بدل جائے ، قلب مومن کے آئینے پہ جمی دھول اڑ جائے ، پر سکون موجوں میں اضطراب پیدا ہوجائے ، واقعی یہ کتاب اقصیٰ کی بازیابی کے لیے کی جانے والی جد و جہد کی آئینہ دار ہے ، یہ کتاب پڑھ کر دل میں ارض مقدسہ سے لا جواب محبت ، قابضین کے خلاف جہاد و مزاحمت کا جوش ، نوجوانوں میں شوق و جذبۂ شہادت اجاگر ہوتا ہے ، معلوم ہوا کہ انقلاب محض ہاتھ پہ ہاتھ دھرے وظائف پر اکتفا کرنے کی صورت میں برپا نہیں ہوا کرتے ، بلکہ انقلاب کے لیے کشت ویراں کی خون جگر سے سینچائی کرنی ہوتی ہے ، جانوں کے نذرانے پیش کرنے پڑتے ہیں ، آزادی کا تمغہ بغیر کد و کاوش سینے پہ نہیں سجتا ، اس کی بہترین مثال جہاد افغانستان و جہاد فلسطین ہیں ، کہ مجاہدین نے دل جلا کر روشنی کی ، لاکھوں کروڑوں کی جانیں قفس عنصری سے جان آفریں کے سپرد ہوئیں ، تب جاکر انقلاب کی راہیں ہموار ہوئیں ، آج بھی مقبوضات کی بازیابی کا واحد علاج مزاحمت و جہاد ہے ، جہاد کی برکت سے اہل اسلام فتح حاصل کرتے آئے ہیں ، جہاد کی بدولت ہی دینی اداروں کا تحفظ ہوا ہے ، باقی جمہوری طریقے پر مقبوضات پر مذاکرات کی میز سجانا ، یہ عہد و معاہدے کے پل باندھنا چنداں مفید نہیں ، انقلاب کے لیے جمہوری طریقے تقریباً مفید نہیں ، خدا کی زمین پر خدائی نظام کے لیے خدا کا عطا کردہ طریقہ جہاد ہی مفید ہے ، رہی جمہوریت تو بقول اقبال ایک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے ۔

الغرض محبت و عقیدت کے یحیٰ سنوار اور دیگر مجاہدین کو ہزاروں سلام ، مجاہد کے کل گھرانے کو اگر مجاہد

گھرانہ یا جہادی گھرانہ کہنا بے جا نہ ہوگا ، ماں کا صبر اور قوت ضبط و تحمل ، ابراہیم کے جذبات و کوششیں ، محمد و حسن کی سچائی و صداقت مقبوضات کی آزادی کی تڑپ ، سبھی کچھ قابل رشک ہے ، جی چاہتا ہے بس اسی نقش پا کو چومتے جائیں دیکھتے جائیں اور اسی پر چلتے جائیں ، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مصنِف و مصنَف کا تعارف ہو جائے ۔

یحیی سنوار ایک فلسطینی عسکری اور سیاسی شخصیت ہیں جو حماس کے رہنما کے طور پر جانے جاتے ہیں ، یحیی سنوار نے حماس کے عسکری ونگ، القسام بریگیڈز میں اہم کردار ادا کیا ہے ، یحیی سنوار 1962 میں غزہ پٹی کے خان یونس میں پیدا ہوئے ، انہوں نے غزہ کی اسلامی یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی اور وہیں سے عربی زبان و ادب میں بیچلرز کی ڈگری حاصل کی ، پھر حماس کے قیام کے ابتدائی دنوں میں ہی تنظیم میں شمولیت اختیار کی اور تیزی سے اوپر کی جانب بڑھے ، 1988 میں انہیں اسرائیلی فوج نے گرفتار کیا اور انہیں عمر قید کی سزا سنائی گئی ، تاہم 2011 میں انہوں نے اسرائیل کے ساتھ ایک قیدی تبادلے کے معاہدے کے تحت رہائی پائی، جسے گلعاد شلیط معاہدہ بھی کہا جاتا ہے ، یحیی سنوار 2017 میں حماس کے سیاسی بیورو کے سربراہ منتخب ہوئے ، ان کی قیادت میں حماس نے اپنی عسکری صلاحیتوں کو مضبوط کیا اور غزہ میں اپنی حکمرانی کو مستحکم کیا ، سنوار کو ایک سخت گیر رہنما کے طور پر جانا جاتا ہے جو اسرائیل کے ساتھ کسی بھی قسم کے مفاہمت کے مخالف ہیں ، یحیی سنوار اب بھی حماس کے اندر ایک طاقتور شخصیت ہیں اور غزہ پٹی کی سیاست میں اہم کردار ادا کرتے ہیں ، ان کی قیادت میں حماس نے مختلف عسکری اور سیاسی چیلنجز کا سامنا کیا ہے ، انہوں نے جیل میں رہتے ہوئے یہ ناول "الشوک و القرنفل" تیس فصلوں پر لکھا ہے ، جس میں انہوں نے اپنی یادوں اور اپنی قوم کی کہانی کو امیدوں اور دردوں کے ساتھ دکھایا ہے ، اور اسے ہر فلسطینی کی کہانی بنایا ، اس ناول میں انہوں نے 1967 کی نکبہ سے لے کر الاقصیٰ انتفاضہ کے آغاز تک فلسطینی قوم کی اہم ترین مراحل کی تصویر کشی کی ہے ، یہ ناول قابض افواج کی جیلوں کے اندھیروں میں لکھا گیا، جسے درجنوں لوگوں نے نقل کیا اور جلادوں کی نظروں اور ان کے آلودہ ہاتھوں سے چھپانے کی کوشش کی ، انہوں نے اسے روشنی میں لانے کے لیے چیونٹی کی طرح محنت کی، تاکہ یہ قارئین کے ہاتھوں تک پہنچ سکے اور شاید یہ حقیقت کے قریب تر منظر میں تصویری شکل میں بھی دکھائی جائے، جو اسراء کی سرزمین پر موجود حالات کی صحیح عکاسی کرے ، یہ ناول عربی زبان میں ہے ، احقر نے انتہائی جانفشانی سے اس کا اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے ، ترجمہ نہ مکمل محاوری کیا گیا ہے نہ بالکل لفظی ، بلکہ ایسا درمیانی ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جس سے مطلب فہمی میں مدد ملے ، اللہ تعالیٰ بذل مجہود کو قبول فرمائے ، عافیت عطا فرمائے ، آمین

چند مشہور تنظیموں کا تعارف

(۱) تحریک حماس : جسے حماس بھی کہا جاتا ہے، ایک فلسطینی اسلامی تنظیم ہے جو 1987 میں قائم ہوئی تھی ، اس تنظیم کے بانیوں میں شیخ احمد یاسین، عبدالعزیز الرنتیسی، اور محمد طاھا شامل ہیں، اس کا پورا نام "حركة المقاومة الإسلامية" ہے، جس کا مطلب ہے "اسلامی مزاحمتی تحریک" حماس کی بنیاد فلسطینی علاقوں میں اسرائیلی قبضے کے خلاف مزاحمت کے طور پر رکھی گئی تھی ، حماس کے دو اہم پہلو ہیں : ایک سیاسی اور دوسرا عسکری ، سیاسی طور پر حماس فلسطینی اتھارٹی میں ایک اہم سیاسی جماعت ہے اور اس نے غزہ پٹی میں حکومت بھی کی ہے ، عسکری طور پر حماس کی عسکری شاخ "عزالدین القسام بریگیڈ" ہے، جو اسرائیل کے خلاف عسکری کارروائیوں میں مشغول ہے، حماس کا منشور اسرائیل کی ریاست کو تسلیم نہ کرنا اور فلسطین کی آزادی اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا مطالبہ کرتا ہے ۔

(۲) تحریک فتح : ایک فلسطینی قوم پرست اور انقلابی تحریک ہے ، جس کی بنیاد 1959 میں یاسر عرفات اور خلیل الوزیر (ابو جھاد)، صلاح خلف (ابو ایاد)، اور فاروق القدومی نے رکھی تھی ، اس تحریک کا پورا نام "حركة التحرير الوطني الفلسطيني" (یعنی "فلسطینی قومی آزادی کی تحریک") ہے ، تحریک فتح کا مقصد فلسطینی عوام کے حقوق کی بحالی اور اسرائیل کے زیر قبضہ فلسطینی علاقوں کی آزادی ہے ، یہ تحریک فلسطینی لبریشن آرگنائزیشن (PLO) کا ایک اہم حصہ رہی ہے اور اس نے فلسطینی مسئلے کو بین الاقوامی سطح پر اجاگر کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے ، فتح نے مختلف ادوار میں مسلح جدوجہد اور سیاسی مذاکرات دونوں کا استعمال کیا ہے ، 1993ء کے اوسلو معاہدات کے بعد فتح نے فلسطینی قومی اتھارٹی (PNA) کی تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کیا، جو کہ مغربی کنارے اور غزہ پٹی کے کچھ حصوں کی خودمختاری کی نگرانی کرتی ہے ، یاسر عرفات تحریک فتح کے بانی اور ایک لمبے عرصے تک اس کے قائد رہے، اور ان کے بعد محمود عباس نے اس تحریک کی قیادت سنبھالی ۔

(۳) تحریک الجبهة الشعبية لتحرير فلسطين : Popular) Front for the Liberation of Palestine – PFLP) ایک فلسطینی قوم پرست اور مارکسسٹ تنظیم ہے ، اس کا قیام 1967 میں ہوا تھا اور اس کا مقصد فلسطینی عوام کی آزادی اور اسرائیل کے خلاف مسلح جدوجہد ہے ، PFLP کی بنیاد جارج حبش نے رکھی تھی اور یہ تنظیم فلسطینی لبریشن آرگنائزیشن (PLO) کا حصہ ہے ، یہ گروپ تاریخی طور پر مسلح جدوجہد اور عسکری کارروائیوں کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے PFLP، نے 1970 اور

1980 کی دہائیوں میں کئی ہائی پروفائل ہائی جیکنگ اور دہشت گردانہ حملوں کی ذمہ داری قبول کی ، تنظیم کا نظریہ مارکسزم-لینزم پر مبنی ہے اور یہ فلسطین کی مکمل آزادی اور سوشلسٹ نظام کے قیام کی وکالت کرتی ہے ، آج کے دور میں PFLP سیاسی اور عسکری سطح پر سرگرم ہے اور مغربی کنارے اور غزہ پٹی میں موجود ہے۔

(۴) تحریک اسلامی جہاد : ایک عسکریت پسند گروپ ہے جس کا تعلق فلسطین سے ہے ، اس تنظیم کا پورا نام "حركة الجهاد الاسلامی فی فلسطین" ہے، اور یہ عام طور پر "اسلامی جہاد" یا "پی آئی جے" (Palestinian Jihad) Islamic کے نام سے معروف ہے ، یہ تنظیم 1981 میں قائم ہوئی تھی اس کی بنیاد ڈاکٹر فتحی شقاقی اور عبدالعزیز عودہ نے رکھی تھی ، اور اس کا مقصد اسرائیل کے خلاف جنگ کرنا اور فلسطینی علاقوں پر اسرائیلی قبضے کو ختم کرنا ہے ، اسلامی جہاد تنظیم کا نظریہ اسلام کے اصولوں پر مبنی ہے اور اس کا مقصد ایک اسلامی ریاست کا قیام ہے جو شریعت کے مطابق ہو ، یہ تنظیم حماس جیسی دیگر فلسطینی تنظیموں سے مختلف ہے، کیونکہ یہ زیادہ تر عسکریت پسندانہ کاروائیوں پر توجہ مرکوز کرتی ہے اور سیاسی عمل میں زیادہ حصہ نہیں لیتی ، اسلامی جہاد کی وجہ سے اسرائیل اور دیگر مغربی ممالک اسے ایک دہشتگرد تنظیم قرار دیتے ہیں، اور اس کے خلاف فوجی کاروائیاں اور پابندیاں عائد کی گئی ہیں ، تنظیم کی مالی معاونت اور اسلحے کی فراہمی کے لیے ایران اور دیگر کچھ ممالک پر الزام لگایا جاتا ہے۔

(۵) تحریک DFLP یا Palestine of Liberation the for Front Democratic ، ایک فلسطینی مارکسی-لیننسٹ سیاسی اور عسکری تنظیم ہے ، اس کی بنیاد نایف حواتمہ Hawatmeh) (Nayef نے رکھی تھی ،اس تنظیم کا قیام 1969 میں ہوا تھا اور یہ فلسطین کی آزادی اور اسرائیلی قبضے کے خاتمے کے لیے جدوجہد کرتی ہے ، DFLP کا مقصد ایک سوشلسٹ فلسطینی ریاست کا قیام ہے اور یہ فلسطینی حقوق کے دفاع اور جدوجہد کے مختلف پہلوؤں میں سرگرم ہے ، یہ تنظیم فلسطینی لبریشن آرگنائزیشن (PLO) کا حصہ ہے اور مختلف اوقات میں اسرائیل کے خلاف مسلح کاروائیوں میں بھی ملوث رہی ہے DFLP، کی نظریاتی بنیاد مارکسی-لیننسٹ اصولوں پر مبنی ہے، اور یہ سماجی انصاف، مساوات، اور قومی آزادی کی تحریکوں کی حمایت کرتی ہے۔

حامد قاسم پالن پوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی فصل

۱۹۶۷ کا موسم سرما بہت سخت تھا، جانے کا نام نہیں لیتا تھا، بہار کی روشن اور گرم دھوپ کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن جب بہار اپنی روشنی لانے کی کوشش کرتی، تو سردی بادلوں سے آسمان کو ڈھانپ دیتی تھی اور اچانک بارش شروع ہوجاتی تھی، یہ بارش غزہ شہر کے الشاطی پناہ گزین کیمپ کے سادہ گھروں کو ڈبو دیتی تھی اور سیلاب کی صورت میں گلیوں میں بہنے لگتی تھی، گھروں میں گھس جاتی تھی اور ان کے مکینوں کو ان کے چھوٹے کمروں میں تنگی میں ڈال دیتی تھی جن کی فرشیں قریب کی سڑک کے سطح سے نیچی تھی۔

بار بار بارش کے سیلاب کا پانی ہمارے گھر کے چھوٹے صحن میں داخل ہوتا تھا اور پھر ہمارے گھر کے اندر آ جاتا تھا جہاں ہماری فیملی رہتی تھی، 1948 میں مقبوضہ علاقوں میں واقع الفلوجہ قصبے سے ہجرت کرکے جب سے یہاں آ بسا تھا یہی صورتحال تھی، ہر بار میرے، میرے تین بھائیوں اور بہن کے دلوں میں خوف بیٹھ جاتا تھا، جو سب مجھ سے عمر میں بڑے تھے، ایسے میں میرے والد اور والدہ ہمیں اٹھا لیتے تھے، اور میری والدہ بستروں کو اٹھا لیتی تھی، تاکہ انہیں پانی سے بھیگنے سے بچا سکے، چونکہ میں سب سے چھوٹا تھا، میں اپنی والدہ کے گلے میں لپٹ جاتا تھا، اور میری چھوٹی بہن، جو عموماً ایسی حالتوں میں ان کے بازوؤں میں ہوتی تھی ،وہ بھی میرے ساتھ ہوتی تھی۔

کئی بار رات کو میں اپنی والدہ کے ہاتھوں کے لمس سے جاگ جاتا تھا، جو مجھے ایک طرف کر دیتی تھی اور میرے قریب ہی اپنے بستر پر ایلومینیم کا برتن یا بڑا مٹی کا پیالہ رکھ دیتی تھی تاکہ چھت کے شگاف سے ٹپکنے والا پانی اس میں گرتا رہے، ایک برتن یہاں، ایک مٹی کا پیالہ وہاں اور ایک اور برتن کسی اور جگہ، میں ہر بار سونے کی کوشش کرتا، کبھی کامیاب ہو جاتا اور کبھی پانی کے قطروں کی آواز سے جاگ جاتا جو باقاعدگی

سے برتن میں گر رہے ہوتے تھے ، جب برتن بھرنے کے قریب ہوتا، تو پانی کے چھینٹے ہر قطرے کے ساتھ چھڑکنے لگتے تھے ، تب میری والدہ اٹھ کر نیا برتن رکھ دیتی تھی اور بھرے ہوئے برتن کو کمرے سے باہر لے جا کر انڈیل دیتی تھی۔

میں پانچ سال کا تھا اور ایک سردیوں کی صبح، جب بہار کی دھوپ سردی کی رات کے حملے کے اثرات مٹانے کی کوشش کر رہی تھی، میرا سات سالہ بھائی محمد میرا ہاتھ پکڑ کر کیمپ کی گلیوں میں چلنے لگا ، ہم کیمپ کے کنارے کی طرف جا رہے تھے جہاں مصری فوج کا ایک کیمپ تھا۔

مصر کے فوجی اس کیمپ میں ہمیں بہت پسند کرتے تھے، ان میں سے ایک نے ہم سے جان پہچان کر لی تھی اور ہمارے نام بھی جان لیے تھے ، جب ہم نظر آتے تو وہ ہمیں آواز دیتا ... محمد ! احمد ! یہاں آؤ ... تو ہم اس کے پاس جاتے اور اس کے ساتھ کھڑے ہو کر انتظار کرتے کہ وہ ہمیں کیا دے گا ، وہ اپنی فوجی پتلون کی جیب سے ہر ایک کو ایک پستے کی مٹھائی کا ٹکڑا نکال کر دیتا ، ہم میں سے ہر ایک اپنا ٹکڑا لے کر شوق سے کھانے لگتا ، وہ فوجی ہمارے کندھوں پر ہاتھ رکھتا اور ہمارے سروں پر ہاتھ پھیرتا اور ہمیں گھر واپس جانے کا حکم دیتا ہم اپنے قدم گھسیٹتے ہوئے کیمپ کی گلیوں سے واپس چل پڑتے۔

سردی کا موسم بہت دیر تک رہنے اور شدت کے بعد ختم ہو گیا اور موسم گرم خوبصورت ہونے لگا ، بارش نے ہمیں اپنی آفتوں سے نہیں گھیرا ، میں نے سوچا کہ سردی کے انتظار پر بہت وقت گزر چکا ہے اور یہ جلدی واپس نہیں آئے گی، لیکن میں اپنے ارد گرد ایک بے چینی اور پریشانی کی حالت دیکھ رہا تھا ، سب گھر والے اس رات سے کہیں زیادہ بدتر حالت میں تھے ، میں اس وقت کی صورتحال کو سمجھنے کے قابل نہیں تھا، لیکن معاملہ عام نہیں تھا ، یہاں تک کہ سردی کی راتوں میں بھی، میری ماں اپنے پاس موجود ہر برتن میں پانی بھر رہی تھی اور ان برتنوں کو صحن میں رکھ رہی تھی ، میرے والد نے پڑوسیوں سے ایک کدال ادھار لی اور گھر کے سامنے والے صحن میں ایک بڑا اور لمبا گڑھا کھودنے لگے ، میرا بھائی محمود، جو اس وقت 12

سال کا تھا، کچھ حد تک ان کی مدد کر رہا تھا، جب گڑھا تیار ہوگیا تو میرے والد نے اس پر لکڑی کے ٹکڑے رکھ دیے، پھر اسے صحن کے ایک حصے کو ڈھانپنے والی لوہے کی چادروں (زنکو) سے ڈھانپنے لگے ، میں نے محسوس کیا کہ میرے والد مشکل میں ہیں کیونکہ وہ کچھ تلاش کرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے ، پھر میں نے دیکھا کہ انہوں نے باورچی خانے کا دروازہ اتار کر اس گڑھے کے اوپر دبا دیا ، لیکن میں نے دیکھا کہ میری ماں اور بھائی محمود اس گڑھے میں ایک کھلے ہوئے سوراخ سے نیچے جا رہے ہیں ، تب مجھے سمجھ آیا کہ کام مکمل ہو چکا ہے ، میں نے ہمت کر کے اس سوراخ کے قریب جا کر اس گڑھے میں جھانکا تو مجھے زمین کے نیچے ایک تاریک کمرہ نظر آیا ، میں کچھ نہیں سمجھ پایا، لیکن یہ واضح تھا کہ ہم کسی مشکل اور غیر معمولی چیز کا انتظار کر رہے ہیں، جو شاید ان طوفانی بارش والی راتوں سے کہیں زیادہ سخت ہے۔

کوئی بھی مجھے دوبارہ اپنے ہاتھ سے پکڑ کر قریب واقع مصری فوجی کیمپ نہیں لے جا رہا تھا تاکہ ہم پستے کی مٹھائی لے سکیں ، بلکہ میرا بھائی بار بار ایسا کرنے سے انکار کر رہا تھا ، یہ میرے اور محمد کے لیے ایک بڑی تبدیلی تھی، اور میں اسے سمجھنے کے قابل نہیں تھا ، حسن بھی ہمارے اس راز کو نہیں جانتا تھا، شاید وہ جانتا تھا لیکن ہمارا شریک نہیں تھا اور مجھے یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ کل ہمارے ساتھ کیوں نہیں تھا ؟ لیکن میرا ہم عمر چچا زاد بھائی ابراہیم، جو ہمارے پڑوسی گھر میں رہتا تھا، اس معاملے سے واقف تھا ، محمد کے انکار کرنے اور میرے ساتھ نہ جانے پر میں اپنے چچا کے گھر چلا گیا تاکہ ابراہیم کے ساتھ وقت گزار سکوں ، میں نے دروازہ کو دھکیلا اور کمرے میں داخل ہوا ، چچا وہاں بیٹھے تھے جن کے چہرے کے نقوش و خدو خال میں کبھی نہیں بھول پاؤں گا ، اور ان کے ہاتھ میں ایک بندوق تھی، جسے وہ مرمت کر رہے تھے ، میں نے دل میں سوچا کہ شاید میں بھی اس بندوق کے ساتھ کچھ کر سکوں ، بندوق نے میری توجہ کھینچ لی ، اور میری نظریں تمام وقت اسی پر مرکوز رہی ، چچا نے مجھے بلایا اور اپنے پاس بٹھایا، پھر بندوق میرے ہاتھ میں دے دی اور اس کے بارے میں باتیں کرنے لگے جنہیں میں سمجھ نہیں پا رہا تھا ، پھر انہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا

اور مجھے کمرے سے باہر نکال دیا، میں نے ابراہیم کو ساتھ لیا اور ہم دونوں گھر سے نکل کر کیمپ کی طرف چل پڑے تاکہ مصری فوج کے کیمپ جا سکیں، جب ہم وہاں پہنچے تو حالات بالکل بدل چکے تھے، وہ فوجی جو ہمیشہ ہمارا انتظار کرتا تھا اور خیر مقدم کرتا تھا، اس بار نہیں تھا، صورتحال غیر معمولی تھی اور مصری فوجی ہمیں ہمیشہ خوش آمدید کہتے تھے، لیکن اس بار انہوں نے ہمیں دور جانے کا اشارہ کیا اور کہا کہ ہم اپنی ماؤں کے پاس واپس جائیں، ہم مایوسی کے ساتھ واپس لوٹ آئے کیونکہ ہمیں اپنے حصے کی پستے کی مٹھائی نہیں ملی تھی اور میں اس تبدیلی کو سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

اگلے دن میری ماں نے گھر سے کچھ بستر لیے اور اس گڑھے میں بچھا دیے، پھر کچھ پانی کے دو یا تین گھڑے اور کچھ کھانا لے کر ہمیں اس گڑھے میں بٹھا دیا، چچا کی بیوی اور ان کے بچے حسن اور ابراہیم بھی ہمارے ساتھ شامل ہوگئے، میں اس تنگ جگہ سے بے حد پریشان تھا جہاں ہمیں بلاوجہ بٹھا دیا گیا تھا، ہم نے گھر، کمرے، صحن اور گلیاں چھوڑ دی تھی اور یہاں مجبوراً بٹھا دیے گئے تھے، جب بھی میں باہر نکلنے کی کوشش کرتا، میری ماں مجھے کھینچ کر واپس بٹھا دیتی، وہ ہمیں کبھی کبھی تھوڑی سی روٹی اور چند زیتون دیتی۔

سورج غروب ہو رہا تھا، دن کی روشنی ختم ہو رہی تھی اور اندھیرا اس گڑھے میں بڑھتا جا رہا تھا، خوف ہمارے دلوں میں سرایت کر رہا تھا اور ہم بچے چیخنے لگے، میری ماں اور چچا کی بیوی ہمیں روکنے کی کوشش کرتی تھی، وہ ہمیں کہتی کہ " بچو! دنیا میں جنگ ہو رہی ہے، کیا تم جنگ کا مطلب نہیں جانتے ؟ اس وقت میں جنگ کا مطلب نہیں جانتا تھا، لیکن میں نے جان لیا کہ یہ کچھ خوفناک، غیر معمولی، اور گھٹن بھری چیز ہے، ہم بار بار باہر نکلنے کی کوشش کرتے اور ہمیں بار بار روکا جاتا، ہمارے رونے کی آوازیں بلند ہو رہی تھی اور وہ ہمیں چپ کرانے کی کوشش کرتی، مگر بے سود، اس وقت محمود نے کہا: ماں، کیا میں چراغ لے آؤں تاکہ ہم اسے جلائیں ؟" ماں نے جواب دیا، "ہاں محمود لے آؤ " محمود گڑھے سے نکلنے کے لیے لپکا تو میری ماں نے اسے پکڑ کر روکا اور کہا، "باہر مت جاؤ محمود (مت نکلو بیٹا)۔"

ماں نے اسے بٹھایا اور وہ باہر نکل گئی، واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں کیروسین کا لیمپ تھا، اسے جلایا تو جگہ روشن ہوگئی، ایک خاموشی اور اطمینان سا پھیل گیا، نیند نے مجھے اور میرے بھائیوں اور چچا زاد بھائیوں کو اپنی آغوش میں لے لیا اور میری ماں اور چچی نیند سے لڑتے لڑتے سو گئیں ۔ اگلے دن کوئی خاص بات نہیں ہوئی، ہم سارا دن تقریباً خندق میں ہی رہے۔

ہماری پڑوسن معلمہ عائشہ ہمیشہ اپنے ریڈیو کے ساتھ رہتی اور خندق کے قریب رہنے کی کوشش کرتی تاکہ ریڈیو کی لہریں پکڑ سکیں اور تازہ ترین خبریں سن سکیں، جب بھی وہ کوئی نئی خبر سنتی تو میری ماں اور چچی کو بتاتی، جس سے ماحول میں افسردگی اور غم بڑھ جاتا، اور خاموشی چھا جاتی ، اس کا اثر ہماری ماؤں کی تیاری اور ہماری خواہشات کو سننے اور پورا کرنے کی صلاحیت پر بھی پڑتا، جب وہ ہمیں خاموش رہنے کا کہتی تو ہمیں زیادہ بوجھ محسوس ہوتا ، احمد سعید کی "صوت العرب" سے کی جانے والی دھمکیاں اور یہودیوں کو سمندر میں پھینکنے کی باتیں کمزور پڑنے لگیں، اور ہمارے والدین کے وطن واپسی کے خواب اس ریت کے محلوں کی طرح بکھرنے لگے، جو ہم بچے کھیل کے دوران بنایا کرتے تھے ، ہماری سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ ہم اس علاقے میں واپس جائیں جہاں ہم تھے، کہ ہمارے چچا جو فلسطین کی آزادی کے فوج میں بھرتی تھے ، صحیح سلامت واپس آئیں ، اور ہمارے والد جو عوامی مزاحمت میں شامل تھے، ہمارے پاس سلامت واپس آئیں ، ہر نئی خبر کے ساتھ جو محترمہ عائشہ سنتی، افسردگی اور تناؤ بڑھتا گیا، اور لوگ دعاؤں میں مشغول ہو گئے، ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر سلامتی اور واپسی کی دعائیں کرنے لگے ، دھماکوں کی آوازیں تیز اور قریب ہونے لگیں۔

میری ماں گاہے بگاہے خندق سے باہر نکلتی اور چند منٹوں بعد گھر سے کچھ کھانے یا اوڑھنے کے لیے لے آتی، یا پھر میری چچی کو دادا کے بارے میں تسلی دینے کے لیے آتی جو ضد میں اپنی کمرے میں رہنے پر مصر تھے اور ہمارے ساتھ خندق میں نہیں آنا چاہتے تھے۔

شروع میں ان کی امید تھی کہ ہم جلد ہی فلوجہ اپنے گھر اور کھیتوں میں واپس جائیں گے اور ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہوگا کیونکہ خطرہ یہودیوں کے لیے ہوگا جنہیں عرب افواج روند ڈالیں گی ، لیکن جب انہیں جنگ کی نئی حقیقت کا علم ہوا کہ یہ ہمارے حق میں نہیں ہے، تو انہوں نے پیچھے نہیں آنا چاہا کیونکہ زندگی اور موت ان کے لیے برابر ہو چکی تھی ، انہوں نے سوال کیا کہ کب تک ہم اپنے مقدر سے بھاگتے رہیں گے؟ موت اور زندگی ایک جیسے ہو گئے تھے ، ایک بار پھر اندھیرا چھا گیا اور ہم سو گئے، جسے کئی بار دھماکوں کی آوازوں نے توڑا ، اگلی صبح دھماکوں کی شدت میں اضافہ ہوگیا ، اس دن کوئی خاص بات نہیں ہوئی سوائے اس واقعے کے کہ بہت سے لوگ چیختے چلاتے ہوئے دوڑتے ہوئے آئے "جاسوس! جاسوس!" یہ واضح تھا کہ وہ جاسوس کا پیچھا کر رہے تھے، اس کے پاس کوئی چیز تھی جیسے وہ گاڑی جس میں پہیے ہوتے ہیں یا کچھ اسی طرح کا، اور لوگ اس کا پیچھا کر رہے تھے ، میں نے اپنی امی، چچی اور محترمہ عائشہ کی بات چیت سے سمجھا کہ اس جاسوس کا یہودیوں سے کچھ تعلق ہے ، دھماکے شدت سے ہونے لگے اور قریب آنے لگے، یہ واضح تھا کہ اب یہ مغربی گھروں کو نشانہ بنا رہے تھے ، ہر نئے دھماکے کے ساتھ خوف، چیخ و پکار بڑھنے لگی، اگرچہ امن دینے کی کوششیں کی جا رہی تھیں ، ہر کچھ دیر بعد عائشہ خندق کی کھڑکی کے قریب جا کر خبریں سن کر امی اور چچی کو بتاتی۔

کچھ دن بعد امی کے لیے باہر جانا ممکن نہ رہا جیسے پہلے دو دنوں میں کیا کرتی تھی ، عائشہ نے خبریں سنیں اور سنتے ہی رونے اور چیخنے لگی، اس کے پاؤں اسے سنبھال نہیں سکے اور وہ گر گئی ، وہ بڑبڑانے لگی کہ یہودیوں نے ملک پر قبضہ کر لیا ہے ، ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی... اس خاموشی کو میری چھوٹی بہن مریم کی درد بھری چیخ نے توڑ دیا ،وہ بھی اپنی ماؤں کے رونے سے متاثر ہو کر رونے لگی۔

بمباری اور دھماکوں کی آوازیں رک گئیں، اب صرف کبھی کبھار فائرنگ کی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں ، شام کے قریب یہ آوازیں بھی بند ہوگئیں اور خاموشی چھا گئی ، شام کو پڑوسیوں کی آوازیں بلند ہونے

لگیں، وہ خندقوں سے یا اپنے گھروں سے باہر نکلنے لگے جہاں وہ تمام وقت چھپے ہوئے تھے ، عائشہ باہر جا کر صورتحال کو جانچ کر واپس آئی اور کہا کہ جنگ ختم ہوگئی ہے... باہر آ جاؤ ، امی اور چچی پہلے باہر آئیں اور پھر ہمیں بھی باہر آنے کو کہا۔

کئی دنوں بعد ہم نے پہلی بار قدرتی ہوا کی سانس لی ، لیکن یہ ہوا بارود اور تباہ شدہ گھروں کے گرد و غبار سے بھری ہوئی تھی ، مجھے اپنے ارد گرد دیکھنے کا موقع ملا، اس سے پہلے کہ امی مجھے گھر کھینچ کر لے جاتی، میں نے دیکھا کہ ہمارے ارد گرد ہر سمت تباہی کے آثار تھے، بمباری نے کئی پڑوسیوں کے گھروں کو نقصان پہنچایا تھا ، ہمارا گھر محفوظ رہا، کوئی نقصان نہیں پہنچا ، ہم گھر کے اندر گئے، دادا نے ہمیں بانہوں میں لے لیا، ایک ایک کر کے بوسہ دیتے ہوئے، اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ ہم محفوظ ہیں، اور ہمارے والد کی جلد واپسی کی دعا کرتے رہے۔

اس رات چچی اور ان کے دو بیٹے ہمارے ساتھ سوئے ، میرے والد اور چچا اس رات واپس نہیں آئے، ایسا لگتا تھا کہ ان کی واپسی میں مزید وقت لگے گا ، صبح کے وقت، کیمپ کی گلیوں میں حرکت شروع ہوگئی، ہر ایک اپنے بچوں، رشتہ داروں اور پڑوسیوں کی خیریت معلوم کرنے نکلا، اور اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ وہ محفوظ ہیں، اور یہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ ان گھروں کے مکینوں کا کیا حال ہے جنہیں بمباری نے نقصان پہنچایا تھا۔

یہ ایک کہانی ہے جو ایک فلسطینی گاؤں کے حالات کو بیان کرتی ہے جب اسرائیلی فوج نے اس پر قبضہ کر لیا تھا ، اور گاؤں میں موت کے کچھ واقعات پیش آئے تھے، لیکن زیادہ تر گاؤں والوں نے سمندر کی طرف یا قریبی باغات اور کھلے میدانوں کی طرف بھاگ کر پناہ لی تھی، یا پھر انہوں نے پہلے سے کھودی ہوئی خندقوں میں پناہ لی تھی۔

قابض افواج کو ایک علاقے میں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تو وہ پیچھے ہٹ گئیں ، تھوڑی دیر بعد کچھ ٹینک اور فوجی جیپیں نمودار ہوئیں جن پر مصری جھنڈے لہرا رہے تھے ، مزاحمت کرنے والے یہ سمجھ کر خوش ہوگئے کہ مدد آگئی ہے اور اپنے ٹھکانوں اور خندقوں سے نکل کر ہوا میں گولیاں چلانے لگے ، جیسے ہی یہ قافلہ قریب آیا، اس نے مزاحمت کرنے والوں پر شدید فائرنگ کر دی، جس سے وہ ہلاک ہو گئے ، پھر ان ٹینکوں اور گاڑیوں پر مصری جھنڈوں کی جگہ اسرائیلی جھنڈے لہرا دیئے گئے۔

لوگ قریبی اسکولوں پر ٹوٹ پڑے، جو جنگ سے پہلے مصری فوج کا کیمپ تھے، اور وہاں سے جو کچھ مل سکا، لوٹ لیا ، کوئی کرسی لے کر بھاگ رہا تھا، کوئی میز، کوئی اناج کی بوریاں، تو کوئی باورچی خانے کے اوزار ، اس طرح، بجائے اس کے کہ قابض فوج ان چیزوں پر قبضہ کرتی، لوگوں نے خود کو ان کا وارث سمجھا کیونکہ مصری فوج وہاں سے غائب ہو چکی تھی ، کچھ لوگوں نے قریبی دکانوں کے دروازے توڑ کر وہاں سے چیزیں لوٹنی شروع کر دیں، جبکہ کچھ نے کیمپوں میں چھوڑے گئے اسلحہ اور گولہ بارود پر قبضہ کر لیا ، یہ افراتفری کئی دن تک جاری رہی، ہر کوئی اپنے کام میں مصروف تھا۔

ایک دن دوپہر کے قریب، دور سے بلند آواز میں بھدی عربی زبان میں اعلان سنائی دیا کہ کرفیو کا اعلان کیا جا رہا ہے اور سب کو اپنے گھروں میں رہنا ہے ، جو بھی باہر نکلے گا، وہ موت کے خطرے میں ہوگا ، لوگ اپنے گھروں میں رہنے لگے اور فوجی جیپیں یہ اعلان کرتی رہیں ، پھر انہوں نے اعلان کیا کہ ۱۸ سال سے اوپر کے تمام مرد قریبی اسکول میں جمع ہوں، اور جو بھی حکم کے خلاف ورزی کرے گا، اسے موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

میرے والد اور چچا واپس نہیں آئے تھے اور میرا بڑا بھائی محمود ان کے مقابلے میں چھوٹا تھا ، جب میرے دادا اسکول کی طرف جانے لگے تو ایک فوجی نے انہیں دیکھ کر واپس جانے کا حکم دیا کیونکہ وہ بوڑھے اور کمزور تھے ، وہ مایوس ہو کر واپس آگئے ، تھوڑی دیر بعد، بڑی تعداد میں فوجی، بندوقیں تھامے گھر گھر تلاشی

لینے لگے اور جو بھی مرد انہیں ملا، انہیں بغیر کسی ہچکچاہٹ کے گولی مار دی۔

محلے کے مرد قریبی اسکول میں جمع ہوئے جہاں فوجیوں نے انہیں اسکول کے میدان میں زمین پر قطاروں میں بٹھا دیا، اور فوجیوں نے ہر طرف سے انہیں گھیر لیا اور اپنی بندوقیں ان کی طرف نشانہ بنا رکھی تھیں ، جب مردوں کو اکٹھا کرنے کا کام مکمل ہوا، تو ایک ڈھکی ہوئی ملٹری جیپ اسکول میں آئی جس میں سے ایک شخص اترا جو سویلین لباس میں تھا، لیکن وہ قبضے والی فوج کا حصہ تھا کیونکہ تمام فوجی اس کی باتوں کو بڑی توجہ سے سن رہے تھے اور وہ انہیں احکامات دے رہا تھا اور وہ اس کی ہدایت کے مطابق صف بندی کر رہے تھے ، انہوں نے مردوں کو زمین پر ایک ایک کر کے اٹھنے اور چلنے کا حکم دینا شروع کیا تاکہ وہ اس جیپ کے سامنے سے گزریں جو آخر میں آئی تھی ، مرد ایک ایک کر کے اٹھتے اور گزرتے، اور جب بھی ایک مخصوص سپاہی بگل (زامور) بجاتا، تو فوجی اس مرد کی طرف دوڑتے، اسے زور زبردستی اور ذلت کے ساتھ پکڑ کر پیچھے کے میدان میں لے جاتے جہاں نگرانی اور بھی سخت تھی ، جیسے کہ اسکول کے مرکزی میدان میں تھی۔

یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ جس کے گزرنے پر بگل بجتا، اس کی قسمت خراب ہو چکی ہے کیونکہ اسے ایک خطرناک آدمی قرار دیا گیا تھا ، اس طرح یہ سلسلہ جاری رہا جب تک کہ آخری مرد بھی گزر نہ گیا ، ہر تھوڑی دیر میں بگل بجتا اور کسی کو جیپ کے سامنے سے ہٹا دیا جاتا، اور جس کے گزرنے پر بگل نہ بجتا، اسے سائیڈ پر بٹھا دیا جاتا ، جب یہ کام ختم ہو گیا، تو وہ سویلین لباس میں ملبوس افسر کھڑا ہوا اور بیٹھے ہوئے لوگوں سے بھاری مگر قابل فہم عربی میں بات کرنے لگا ، اس نے اپنا تعارف " ابو الدیب " کے نام سے کرایا ، جو کہ اسرائیلی خفیہ ایجنسی کا افسر اور اس علاقے کا انچارج تھا ، اس نے عربوں کی شکست کے بعد نئے حالات کے بارے میں ایک لمبی تقریر کی ، اور کہا کہ وہ علاقے میں امن و امان چاہتا ہے اور کسی بھی قسم کی مشکلات نہیں چاہتا ، اگر کسی نے امن خراب کرنے کی کوشش کی تو اسے موت یا قید کا سامنا کرنا پڑے گا ، اس نے یہ بھی کہا کہ اس کا دفتر کھلا ہے اگر کسی کو اسرائیلی دفاعی فوج سے کوئی سروس چاہیے ، جب اس

نے اپنی بات ختم کی، تو اس نے حاضرین کو ایک ایک کر کے اور خاموشی سے جانے کا حکم دیا، مرد اٹھنے لگے اور اسکول سے اپنے گھروں کی طرف جانے لگے، ہر ایک یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ یقینا موت سے بچ گیا ہے ، انہوں نے محلے کے تقریبا سو مردوں کو الگ کر دیا تھا۔

وہ افسر جس جیپ میں آیا تھا، اسی میں بیٹھ کر اس میدان میں چلا گیا جہاں ان آدمیوں کو جمع کیا گیا تھا اور اس نے انہیں حکم دیا کہ ایک ایک کر کے کھڑے ہوں، اور دوبارہ جیپ کے سامنے سے گزریں ، جب بھی بگل بجتا، گزرنے والے کو دوبارہ پکڑ لیا جاتا اور قریب کی دیوار کے پاس کھڑا کر دیا جاتا، اس کا چہرہ دیوار کی طرف ہوتا ، باقی لوگ میدان کے کنارے بیٹھ گئے ، اس گروپ میں سے پندرہ آدمیوں کو چن کر دیوار کے پاس کھڑا کر دیا گیا ، افسر نے کچھ سپاہیوں کو ان کے سامنے کھڑے ہونے کا حکم دیا، انہوں نے اپنی بندوقیں نکالیں اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے، پھر ان پر نشانہ لگا کر فائر کر دیا، جس سے وہ زمین پر گر پڑے ، باقی لوگ جو پسینے سے شرابور تھے، ان کے ہاتھ پیچھے باندھ دیے گئے اور آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئیں، اور انہیں ایک بس میں بٹھا دیا گیا جو انہیں مصر کی سرحد پر لے گئی ، وہاں موجود سپاہیوں نے انہیں حکم دیا کہ سرحد عبور کر کے مصر چلے جائیں، اور جو آگے نہیں بڑھے گا یا پیچھے مڑ کر دیکھے گا، اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا جائے گا۔

دوسری فصل

دن گزرتے چلے گئے اور میرے والد اور چچا واپس نہ آئے اور ان کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی ، میرے دادا ، والدہ اور چچی نے ہر وہ شخص یا عورت سے پوچھا جس سے وہ پوچھ سکتے تھے، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا ، ہمارا غم بہت سے پڑوسیوں کی طرح تھا ، کیونکہ فلسطینی آزادی فوج کے فوجیوں یا عوامی مزاحمتی تحریک کے لوگوں میں سے بہت سے لاپتہ تھے ، ہمارے محلے کا حال بھی ویسا ہی تھا جیسا کہ مغربی کنارے اور غزہ پٹی کے دوسرے علاقوں کا، یعنی مایوسی، اضطراب اور افراتفری کی حالت میں تھے ، اور لوگ نہیں جانتے تھے کہ

ان کے ساتھ کیا ہو گا۔

ہر صبح میرے دادا اپنی چھڑی اٹھاتے اور اپنے بیٹوں کی تلاش میں نکلتے، ان لوگوں سے پوچھتے جو ان کے بارے میں جانتے تھے یا نہیں جانتے تھے، حتیٰ کہ وہ تھکن اور مشقت سے نڈھال ہو جاتے ، میری والدہ اور چچی، جو جنگ کے خاتمے کے بعد سے ہمارے گھر سے نہیں نکلی تھیں، دروازے کے پاس بیٹھ جاتی تھیں اور دادا کے واپس آنے کی خبر کا انتظار کرتی تھیں، وہ دونوں اپنے شوہروں کے نامعلوم انجام کی فکر اور پریشانی سے جل رہی تھیں ، میرے بھائی، بہنیں اور چچا کے بچے اچھی طرح جانتے تھے کہ کیا ہو رہا ہے، لیکن میں اتنا چھوٹا تھا کہ پوری طرح سمجھ نہیں پاتا تھا کہ میرے ارد گرد کیا ہو رہا ہے ، میری والدہ اور چچی ہمارا خیال رکھنے کی فکر میں تھیں، تو میری بڑی بہن (فاطمہ) نے ہمیں کھانے پینے کی کچھ چیزیں فراہم کرنے اور ضروری صفائی ستھرائی کا کچھ کام کرنے کی ذمہ داری سنبھالی تھی ۔

ان دنوں میں سے ایک دن شام کے وقت، جب دادا اپنے بیٹوں کی تلاش سے واپس آتے تھے، میری والدہ نے دروازہ کھولا اور گلی کی ابتدا سے ہی ان کا انتظار کرنے لگی ، کچھ دیر بعد دادا اپنی چھڑی کے سہارے نمودار ہوئے، اور اپنے قدم ایسے گھسیٹتے ہوئے آ رہے تھے کہ ان کے پاس کوئی بری خبر ہے جو ان کے کندھوں پر بھاری پڑی ہے ، میری والدہ نے میرے بڑے بھائی محمود کو دادا کا استقبال کرنے اور ان کی مدد کرنے کے لیے دوڑنے کو کہا ، محمود دوڑتے ہوئے دادا کی طرف گیا اور ان کے چہرے پر نظر ڈالنے لگا، جو آنسوؤں سے بھرا ہوا تھا ، محمود کی کوششوں کے باوجود دادا سے کوئی بات نکلوانے میں ناکام رہا، حتیٰ کہ وہ دونوں گھر کے دروازے تک پہنچ گئے ، دادا دیوار کے سہارے کھڑے ہو گئے، اور ان کے پاؤں انھیں سنبھالنے کے قابل نہیں رہے ، تو وہ گرنے لگے ، میری والدہ اور چچی نے انہیں سنبھال کر اٹھایا اور پوچھنے لگیں، کیا خبر ہے ؟ کیا معلوم ہوا ؟ کیا ہوا ؟ وہ دونوں خوف اور ہراس سے کانپ رہی تھیں کہ دادا کیا خبر لائے ہیں ، دادا نہ بولنے کے قابل تھے اور نہ ہی حرکت کرنے کے، تو جیسا بھی ممکن تھا انہیں اندر کمرے

میں لے آئے اور ان کے بستر پر بٹھا دیا، گھر کے سب لوگ ان کے ارد گرد جمع ہو گئے اور ان کے لبوں سے نکلنے والے ہر حرف کا انتظار کرنے لگے ، میری ماں نے مٹی کا گھڑا اٹھاکر دیا، آپ نے اسے پکڑ لیا لیکن اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ، پھر ماں نے ان کی مدد کی پھر چند قطرے پانی کے پیے۔

دادا کی نظریں زیادہ تر میری چچی کی طرف مرکوز تھیں ، جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ان کے پاس کوئی خبر ہے جو چچا سے زیادہ متعلق ہے ، چچی کی بے چینی بڑھ جاتی تھی اور وہ التجا کر رہی تھی ، "ابو ابراہیم، کیا ہوا؟ کیا خبر ہے ؟ سب خیر ہے نا ؟ دادا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ، اور وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کی ، چچی روتے ہوئے چلائی ، "کیا محمود انتقال کر گئے ؟" تاکیدا تصدیقا دادا نے سر ہلایا ، چچی کا رونا اور چیخنا بڑھ گیا ، اور وہ اپنے بال کھینچنے لگی ، میری ماں بھی رونے لگی ، لیکن وہ زیادہ مضبوط دل کی ہے اور چچی کو تسلی دینے کی کوشش کرتی ، جو مسلسل کہہ رہی تھی ، "مات محمود ، مات محمود " نہیں ام حسن ! وہ مرے نہیں، بلکہ شہید ہوئے ہیں ، میرے چچا کے بچے، میرے بہن بھائی، سب رو رہے تھے اور میں اپنی جگہ پر جمود میں تھا، کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ کیا ہو رہا ہے۔

دروازے پر دستک ہوتی ہے، میرا بھائی محمود دیکھنے کے لیے جاتا ہے کہ کون ہے ، کچھ ہمسایہ عورتیں آتی ہیں جنہوں نے رونا اور چیخنا سنا تھا اور وہ خبر جاننے اور غم میں شریک ہونے کے لیے آتی ہیں ، کمرہ خواتین سے بھر جاتا ہے، میں پیروں اور ہجوم میں گم ہو جاتا ہوں، اور چیخ و پکار بڑھ جاتی ہے۔

دن گزرتے ہیں اور میرے والد کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملتی آخری بار جنہوں نے انہیں دیکھا تھا، انہوں نے بتایا کہ وہ زندہ ہیں، جب یہودیوں نے شہر پر قبضہ کیا تھا، وہ اور کچھ عوامی مزاحمتی لوگ جنوب کی طرف پسپائی اختیار کر گئے تھے ، یہی سب کچھ معلوم تھا، اور کچھ نیا نہیں ملا ، دادا نے چچا کے ایام سوگ کے بعد سے دوبارہ میرے والد کو تلاش کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی، لیکن یہی سب کچھ ملا ، دن گزرنے کے ساتھ ساتھ دادا اس نتیجے پر پہنچے کہ انتظار کرنا ہی بہتر ہے، شاید کوئی خبر خود ہی آئے ، اور سب کو انتظار

کرنا پڑا، کیونکہ میرے والد ہمارے مقام سے واقف تھے اور ہم ان کے مقام سے ناواقف تھے۔

دن گزرتے گئے اور زندگی کو معمول کی طرف لوٹنا پڑا، سب کو نئے حالات کے ساتھ خود کو ایڈجسٹ کرنا پڑا، اسکول دوبارہ کھل گئے اور میرے بہن بھائی اور بڑا چچا زاد بھائی اسکول جانے لگے، صبح ماں اور چچی انہیں اسکول کے لیے تیار کرتی تھیں اور وہ سب ساتھ نکلتے تھے، میں میری چھوٹی بہن اور چچا زاد بھائی ابراہیم گھر میں رہتے تھے، دن کے بڑھتے ہوئے دادا گھر سے نکلتے تھے اور کبھی کبھار کچھ سبزیاں، جیسے کہ ٹماٹر، پالک کا گٹھا، آلو یا بینگن لے کر آتے تھے، تاکہ ماں یا چچی انہیں پکا سکیں اور وہ بچوں کی اسکول سے واپسی پر تیار ہوں۔

ہر صبح میری ماں یا میری چچی پانی کے مٹی کے برتن اور لوہے کے پانی کے گرم کرنے والے برتن کو لے کر نکلتی تھی اور انہیں ایسی ہی دوسری چیزوں کی قطار میں رکھ دیتی تھی جو نلکے کے سامنے ہوتے، یہ نلکہ یونائیٹڈ نیشنز ریلیف اینڈ ورکس ایجنسی UNRWA نے محلے کے صحن میں لگایا تھا، جہاں پانی دن میں دو یا تین گھنٹے آتا تھا، جس کو نمبر ملتا وہ اپنے برتن بھر لیتا اور جس کو نمبر نہیں ملتا وہ اگلے دن کا انتظار کرتا اور پڑوسیوں سے کچھ پانی ادھار لیتا، کئی بار ایسا ہوتا کہ کوئی پڑوسن جو صبح سویرے اٹھ کر اپنے برتن قطار میں نہیں رکھ پاتی، وہ دوسروں کا نمبر چرانے کی کوشش کرتی اور اپنے برتن دوسروں کے برتنوں سے آگے رکھ دیتی، جب یہ بات پکڑی جاتی تو جھگڑا شروع ہو جاتا جو پہلے تو لفظوں میں ہوتا کہ "میرا نمبر" "تمہارا نمبر" اور پھر ہاتھا پائی اور بال کھینچنے تک پہنچ جاتا اور کبھی کبھار تو مٹی کے برتن بھی ٹوٹ جاتے، نلکے کے پاس زمین پر مٹی کی ایک تہہ جمی ہوتی۔

جب میرے بھائی اور پڑوس کے بچے اسکول سے واپس آتے اور اپنا دوپہر کا کھانا کھا لیتے، تو وہ "سات ٹکڑے (سبع شقف) کھیلنے کے لیے نکلتے وہ نلکے کے علاقے سے مٹی کے ٹکڑے لے آتے اور انہیں سات گول ٹکڑوں میں کاٹ لیتے، ہر ٹکڑا دوسرے سے بڑا ہوتا، پھر وہ انہیں ایک دوسرے کے اوپر رکھتے، سب سے بڑا

نیچے اور سب سے چھوٹا اوپر ، پھر وہ ایک گیند بناتے جو پرانے موزے سے بنی ہوتی تھی جسے ہم امدادی سامان سے حاصل کرتے تھے ، جو ہمیں سال میں دو بار ملتا تھا، وہ اس موزے کو کپڑے سے بھر دیتے اور اسے ہاتھ کی مٹھی جتنی گیند کی شکل میں باندھ اور سی لیتے تھے ، پھر دو ٹیموں میں تقسیم ہو جاتے، ایک ٹیم کا ایک کھلاڑی چند میٹر کے فاصلے پر کھڑا ہو کر گیند کو مٹی کے ٹکڑوں کی طرف پھینکتا، کوشش کرتا کہ وہ انہیں گرا دے ، اگر وہ ناکام ہو جاتا تو دوسری ٹیم کا کھلاڑی آتا، اور اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو وہ اور اس کی ٹیم کے باقی ارکان بھاگ جاتے ، پھر وہ کھلاڑی جو مٹی کے ٹکڑوں کے پاس کھڑا ہوتا، گیند کو دوسرے ٹیم کے ارکان کی طرف پھینکتا، کوشش کرتا کہ انہیں مار دے اگر وہ کسی کو مار دیتا تو اس کی ٹیم کو مٹی کے ٹکڑوں کو گرانے کا موقع ملتا، اور اگر وہ ناکام ہو جاتا تو وہ انتظار کرتا جب تک کہ اس کی ٹیم کے ارکان اسے گیند واپس نہ کر دیں ، اس دوران پہلی ٹیم کے ارکان مٹی کے ٹکڑوں کو دوبارہ ترتیب دینے کی کوشش کرتے، اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو کھیل دوبارہ شروع ہو جاتا اور اگر وہ ناکام ہو جاتے، اور جب وہ دیکھتے کہ گیند واپس آ رہی ہے تو وہ دوبارہ بھاگنے کی کوشش کرتے تاکہ گیند انہیں نہ مار دے۔

لڑکیاں "پٹھو گرام" (حجلہ) کھیلتی تھیں ، جہاں وہ ایک نرم پتھر یا ٹائل کا ٹکڑا لے کر زمین پر تین مربعے بناتیں، ہر ایک تقریباً ایک میٹر لمبا اور ایک میٹر چوڑا ہوتا تھا اور پھر تیسرے مربعے کے سرے پر ایک دائرہ بناتیں ، کھلاڑی پتھر کو پہلے خانے میں پھینکتی اور اس میں چھلانگ لگاتی ، اور ایک ٹانگ پر کھڑی رہتی ، پھر پتھر کو اپنی ٹانگ سے ایک خانے سے دوسرے خانے میں دھکیلتی ، اور اس میں چھلانگ لگاتی ، اب بھی وہ ایک ٹانگ پر ہوتی ، پھر وہ پتھر کو تیسرے خانے میں دھکیلتی ، اور اس میں چھلانگ لگاتی ، پھر وہ اسے دائرے میں دھکیلتی اور اس میں چھلانگ لگاتی ، یہاں وہ اپنی دونوں ٹانگوں پر کھڑی ہو سکتی تھی ، پھر وہ آخر پتھر کو تیسرے خانے میں دھکیلتی ہے اور اس میں ایک ٹانگ پر چھلانگ لگاتی ، اسی طرح آخر تک ، اگر وہ گر جاتی یا اس کی ٹانگ کسی لائن پر آ جاتی تو وہ فیل ہو جاتی اور اس کی جگہ اور مدمقابل کی باری آ جاتی ، کبھی کبھار

لڑکیاں رسی کودنے کا کھیل بھی کھیلتی تھیں ۔

کبھی کبھار لڑکے عرب اور یہود کا کھیل کھیلتے ، جہاں وہ دو ٹیموں میں تقسیم ہو جاتے ، عربوں کی ٹیم اور یہود کی ٹیم ، ہر ٹیم لکڑی یا چھڑی کے ٹکڑے اٹھاتی ، جو بندوقوں کی شکل میں ہوتے اور وہ ایک دوسرے پر چلا کر کہتے " ٹھاخ میں نے تمہیں مارا " تو دوسرا چلا کر کہتا "نہیں ، میں نے تمہیں پہلے مارا"، اور اکثر اوقات یہ جھگڑے میں تبدیل ہو جاتا کہ کس نے دوسرے کو پہلے مارا ، لیکن زیادہ تر یہ ہوتا کہ عربوں کی ٹیم یہود کی ٹیم پر جیت حاصل کرتی تھی ، کیونکہ بڑے یا طاقتور لڑکے ہر ٹیم کے ارکین کا انتخاب کرتے تھے اور وہ عربوں کی ٹیم میں ہوتے تھے ۔

میرے دادا مہینے میں ایک بار مرکزِ راشن (سپلائی سینٹر) جاتے تھے، جہاں وہ اپنے ساتھ اپنا ہمارا اور میرے چچا کے گھر کے راشن کارڈز لے جاتے تھے ، وہ دوپہر بعد تک غائب رہتے تھے اور پھر واپس آتے تھے، وہ اور محلے کے دیگر مرد یا عورتیں ایک گدھا گاڑی کے ساتھ واپس آتے تھے جس پر آٹے کے تھیلے، گھی یا تیل کے گیلن اور کچھ ٹوکریاں ہوتی تھیں ، جن میں چھوٹی چھوٹی بوریوں میں مختلف قسم کی دالیں ہوتی تھیں ، جیسے چنا اور مسور ، جب گاڑی ہمارے گھر کے سامنے رکتی تھی، تو بچے اس پر چڑھنے کے لیے دوڑتے تھے، گاڑی چلانے والا انہیں ڈانٹتا اور اپنی چھڑی لہراتا تھا، پھر انہیں دور کرتا تھا ، میرے دادا اپنا سامان اٹھاتے تھے، اسے گھر کے اندر اتارتے تھے، اور پھر گاڑی چلانے والے کو چند سکے دیتے تھے جسے وہ اپنی جیب سے نکالتے تھے ، گاڑی چلانے والا ان سکوں کو قبول کرتا تھا اور اپنے تھیلے میں ڈال کر کہتا تھا "اللہ آپ کو خوش رکھے"، اور پھر اپنے گدھے کو لے کر چل پڑتا تھا، اور بچے گاڑی کے پیچھے دوڑتے تھے اور بڑے لوگ انہیں دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

میری ماں کبھی کبھار میری چھوٹی بہن (مریم) کو ایجنسی کے کلینک (صحتیابی.. سویڈش) لے جاتی تھی ، جو کیمپ کے کنارے پر تھا ، وہاں اس کا معائنہ ہوتا تھا اور اس کا بچوں اور ماؤں کی دیکھ بھال کے سیکشن میں

وزن کیا جاتا تھا ، کلینک میں بہت سی عورتیں جمع ہوتی تھیں اور اپنے بچوں کے ساتھ معائنہ کراتی تھیں ، عورتیں کمرے میں ان لمبی لکڑی کی بینچوں پر بیٹھتی تھیں جو سفید رنگ سے رنگی ہوئی تھیں اور کچھ زمین پر بیٹھ کر باتیں کرتی تھیں۔

ہر ایک اپنی مشکلات اور پریشانیوں کے بارے میں دوسرے سے بات کر رہی ہوتی تھی اور اپنی شکایتیں دوسروں کے سامنے بیان کر رہی ہوتی تھی ، تاکہ ایک دوسرے کا دل ہلکا کر سکیں اور دیکھ سکیں کہ دوسروں کی مشکلات بھی کم نہیں ہیں ،ہر عورت دوسری عورتوں کو اپنے مسائل اور پریشانیوں کے بارے میں بتاتی اور اپنی شکایات کا اظہار کرتی ، اور دوسری عورتیں اس کی شکایات سنتیں ، اس طرح ایک دوسرے کو تسلی دیتی اور پاتی کہ دوسری عورتوں کی پریشانیاں بھی کم نہیں ہیں ، میری ماں کئی بار مجھے سویدی لے جا چکی تھی ، وہاں السویدی کے دروازے پر کچھ خوانچہ فروش کھڑے ہوتے ، جو مختلف قسم کی مٹھائیاں بیچتے تھے ، جو انہوں نے اپنے بچوں کی روزی کمانے کے لیے بنائی ہوتی تھیں ، میں ہمیشہ اپنی ماں کا کپڑا کھینچ کر اس خوانچہ فروش کی طرف اشارہ کرتا اور ماں سے فرمائش کرتا کہ وہ مجھے نمورا کا ایک ٹکڑا خرید دے، میرے اصرار پر وہ مجبوراً مجھے وہ خرید کر دیتی ، حالانکہ میرے باپ کی غیر موجودگی طویل ہو چکی تھی ۔

فائدہ : "نمورا" ایک مشہور مصری مٹھائی ہے جو سوجی، دہی، چینی، اور ناریل سے تیار کی جاتی ہے ، اس کی سطح پر بادام یا پستے کا استعمال کیا جاتا ہے ، نمورا کی ساخت میں نرمی اور خشکی کا ایک خوبصورت امتزاج ہوتا ہے، اور اسے اکثر شربت یا عطر کی خوشبو سے مزیدار بنایا جاتا ہے ، یہ مٹھائی خاص مواقع، تہواروں اور مہمان نوازی کے لیے بہت پسند کی جاتی ہے۔

..... اور میرے دادا کے لیے کام کرنا مشکل ہو گیا تھا ، کیونکہ اس وقت نوجوانوں اور طاقتور لوگوں کے لیے روزگار کے مواقع کم تھے ، پھر بھی ہماری مالی حالت باقی پڑوسیوں کے مقابلے میں اتنی بری نہیں تھی، کیونکہ میں نے اپنے دادا یا ماں کے پاس کچھ پیسے دیکھے تھے، جو مجھے معلوم نہیں تھا کہ کہاں سے آئے تھے ، لیکن

میں نے جنگ سے پہلے اپنی ماں کے ہاتھوں پر کچھ سونے کے کنگن دیکھے تھے، جو میں نے جنگ کے بعد کبھی نہیں دیکھے ، پھر میرے ماموں صالح کبھی کبھار ہمیں ملنے آتے تھے اور میری ماں کو کچھ پیسے دیتے تھے ، اسی طرح ہمیں یا میرے چچا کے بچوں کو کچھ پیسے دیتے تھے تاکہ ہم "ابو جابر" کی دکان سے کچھ مٹھائی خرید سکیں۔

میرے ماموں صالح بہت خوش قسمت تھے ، کیونکہ اس کا ایک ٹیکسٹائل کا کارخانہ تھا ، جس میں کچھ برقی ٹیکسٹائل مشینیں تھیں ، جنہیں وہ مصر سے لائے تھے ، یہ کارخانہ قبضے کے بعد بھی چل رہا تھا، اور یہ اچھی مقدار میں کپڑا پیدا کرتا تھا ، جسے وہ غزہ کے تاجروں کو بیچتے تھے ، ۱۹۶۷ کی جنگ کے بعد رفتہ رفتہ مغربی کنارے اور غزہ کے درمیان نقل و حرکت شروع ہوئی، تو انہوں نے اپنی کچھ پیداوار مغربی کنارے کے جنوب میں الخلیل کے علاقے میں بیچنا شروع کیا ، ان کی مالی حالت اچھی تھی، اس لیے وہ ہر کچھ عرصے میں میری ماں کو کچھ پیسے دیتے تھے ، میری ماں انکار کرتی تو وہ اس پر قسم کھاتے اور ناراض ہوتے اور کہتے : اگر میں تمہاری مدد نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا اور تمہارے بچے کیسے زندہ رہیں گے ؟ تو وہ سر جھکا کر ان سے پیسے لے لیتی اور ماں کے گالوں پر آنسو بہنے لگتے ، وہ اس پر ناراض ہو کر کہتے : ہر بار تم روتی ہو!

میرے چچا کی بیوی اور ان کے بچے تقریباً مکمل طور پر ہمارے ساتھ رہتے تھے اور ہمارے ساتھ روٹی اور پانی بانٹتے تھے ، میرے دادا نے میرے بھائی محمود اور میرے چچا کے بیٹے حسین سے کہا کہ وہ دیوار کا حصہ توڑ دیں جو ہمارے گھر اور میرے چچا کے گھر کے درمیان تھی ، تو کچھ پرائیویسی کے ساتھ دونوں گھروں کو ایک گھر بنا دیا گیا ، میرے چچا کے اہل خانہ مشکل حالت میں تھے اور دادا ان کی مدد کرنے کے قابل نہیں تھے، ان کے شوہر شہید ہو چکے تھے اور اس کا معیل ختم ہو چکا تھا ، وقت کے ساتھ وہ ان پر دباؤ ڈالنے لگے کہ وہ شادی کر لے، کیونکہ ان کا شوہر فوت ہو چکا تھا، تو انہیں کنواری رہنے کا کیا جواز ہے؟ اور وہ اس خوف سے انکار کرتی تھی کہ اس کے بچے ضائع ہو جائیں گے، اور وہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتے تھے کہ اس

کے دادا اور چچا کی فیملی اس کا خیال رکھے گی، اور وہ اس کی مدد کرنے کی کوشش کریں گے، لیکن اسے شادی کرنی چاہئے کیونکہ وہ ابھی جوان ہے اور اس کا مستقبل اس کے سامنے ہے ، اسے وقت اور سالوں کو اپنے جوانی کو ضائع کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے کہ اس پر یہ موقع نہ گزر جائے ، اور اسی طرح ہمارے دن ، مہینے اور سال گزرتے گئے۔

ایک مرتبہ ہمارے ماموں ہمیں ملنے آئے اور جب انہوں نے اپنی جیب سے پیسے نکال کر میری ماں کو دینے کی کوشش کی تو اس نے سختی سے انکار کر دیا ، باوجود تمام کوششوں کے وہ اسے راضی نہ کر سکے کہ وہ پیسے لے لیں، تب انہوں نے ایک چال چلی ، انہوں نے ماں کو قائل کیا کہ وہ کسی نئے مزدور کو اپنے کارخانے میں صفائی اور ترتیب کا کام نہیں دینا چاہتے، اور چونکہ محمود اور حسن بڑے ہوگئے ہیں اور جوان ہوگئے ہیں، اس لیے وہ چاہتے ہیں کہ وہ دونوں اسکول سے واپسی کے بعد روزانہ کارخانے میں کام کریں اور یہ رقم ان کی ماہانہ تنخواہ کے حساب میں ایڈوانس ہے۔

تب ماں نے صرف اسی شرط پر رقم لی کہ وہ اگلے دن سے ہی کام شروع کریں گے اور واقعی محمود اور حسن نے خاندان کی کفالت کی ذمہ داری سنبھال لی ، وہ دوپہر کو اسکول سے واپس آتے، اپنی کپڑے کی بنائی ہوئی بوری نما بستے رکھتے، ماں ان کے لیے اور باقی بہن بھائیوں اور چچا زاد بھائی کے لیے دوپہر کا کھانا ڈالتی، اور پھر لمبی نصیحتوں کی نشست شروع کرتی کہ کس طرح راستے میں چلنا ہے، کس طرح ایمانداری سے کام کرنا ہے، کس طرح صفائی کرنی ہے اور کیسے کیسے ، پھر وہ ان کے کندھوں پر تھپکی دیتی اور دروازے سے باہر تک انہیں الوداع کہتی ، غروب آفتاب سے کچھ پہلے وہ ان کا استقبال ایسے کرتی جیسے وہ فاتح سپاہی ہوں ، اسی طرح ماموں ماں کو پہلے کی طرح رقم دیتے رہے، گویا یہ محمود اور حسن کی تنخواہ ہو، حالانکہ وہ کارخانے میں جا کر کچھ خاص کام نہیں کرتے تھے۔

اکثر میں فجر کے وقت دادا کی دعاؤں کی آواز پر جاگتا، جب وہ وضو کر رہے ہوتے ، میں اس آواز اور ان

دعاؤں کا لطف اٹھاتا ، پھر ان کی آواز میں قرآن مجید کی تلاوت اور فجر کی نماز کے بعد دعا سنتا ، دنوں کے گزرنے کے ساتھ میں تقریباً وہ دعائیں یاد کرنے لگا تھا ، جیسے "اللھم اھدني فیمن ھدیت"... دادا مسجد میں فجر کی نماز پڑھنے نہیں جا سکتے تھے کیونکہ اس وقت کرفیو لگا ہوتا اور جو باہر نکلتا وہ قابض فوج کی گولیوں کا شکار ہو سکتا تھا جو کیمپ کی گلیوں میں گشت کر رہی ہوتی یا کہیں چھپی ہوئی ہوتی ،یہ کرفیو روزانہ شام سات بجے سے صبح پانچ بجے تک ہوتا تھا ، باقی نمازیں دادا عموماً مسجد میں پڑھتے، سوائے کسی مجبوری کے ، جیسے راشن لینے جانا یا کرفیو کے دن۔

یہ گاؤں کی مسجد ایک بڑی کمرے کی مانند تھی جس کی چھت لوہے کی چادروں سے ڈھکی ہوئی تھی ، اس میں چند کھڑکیاں تھیں اور ایک چھوٹی سی مینار تھی ، جس پر موذن پتھریلی سیڑھیوں سے چڑھ کر اذان دیتا تھا ، مسجد کے دروازے پر ایک بیت الخلا اور چند مٹی کے وضو اور پینے کے برتن تھے ، مسجد کی زمین پر کچھ پرانے اور بوسیدہ چٹائیاں یا قالین بچھے ہوئے تھے ، مسجد کے سامنے ایک چھوٹا سا منبر تھا جو چند لکڑی کی سیڑھیوں پر مشتمل تھا۔

میرے دادا اکثر ظہر کی اذان سے پہلے مجھے مسجد لے جاتے تھے، وہ میرے ہاتھ کو پکڑتے تھے جو ان کے بڑے ہاتھ میں ڈوب جاتا تھا ، ان کی عمر ستر برس سے تجاوز کر چکی تھی اور وہ بہت آہستہ چلتے تھے، لیکن پھر بھی مجھے ان کے پیچھے دوڑنا پڑتا تھا کیونکہ وہ تقریباً مجھے کھینچتے ہوئے لے جاتے تھے ، ہم اذان سے پہلے مسجد میں نماز پڑھتے تھے ، میں اپنے دادا کے ساتھ کھڑا ہوتا اور ان کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ، میں ان کے پاس بیٹھ کر سر ان کے ہاتھوں میں رکھتا جیسے کہ اچھے بچے کرتے ہیں۔

شیخ حامد اپنی جیب سے گھڑی نکالتے اور وقت دیکھتے ، جب اذان کا وقت قریب آتا تو وہ مینار پر چڑھ جاتے اور اپنی دلکش آواز میں اذان دیتا میں خوشی سے ادھر ادھر دیکھنے لگتا ، جب شیخ حامد اذان مکمل کرتے اور مینار سے نیچے آتے تو ہم سنت پڑھتے ، میں اپنے دادا کے ساتھ کھڑا ہو کر ان کی نقل کرنے کی کوشش کرتا

، کیمپ کے کچھ بڑے لوگ آکر ظہر کی نماز باجماعت ادا کرتے، جن کی تعداد دس سے زیادہ نہیں ہوتی تھی ، سب بوڑھے لوگ ہوتے تھے، سوائے میرے اور ایک یا دو بچوں کے جنہیں ان کے دادا لے آتے تھے۔

میرے دادا اور امی نے شاید میرے والد کے نامعلوم انجام کے بارے میں حقیقت کو قبول کر لیا تھا کیونکہ ان کی باتیں ان کے بارے میں کم ہوتی جا رہی تھیں ، یا شاید وہ سمجھ چکے تھے کہ انتظار کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔

ہمارے گھر میں نیا واقعہ یہ تھا کہ میرے چچا کی بیوی کو گھر والوں نے اسے دوبارہ شادی کے لیے مجبور کیا تھا جو کہ آسان نہیں تھا اور وہ رات کو ان کے ساتھ رہتی تھی ، میری امی ان دونوں کے ساتھ ویسے ہی برتاؤ کرتی تھی ، جیسے کہ اپنے گھر والوں کے ساتھ کرتی تھی ، لیکن اس سے والدین کے نقصان کی تلافی نہیں ہوتی تھی، پھر بھی یہ کچھ حد تک تسلی دیتا تھا ، اور اسی طرح دن گزرتے رہے، میں اپنے دادا کی فجر کی نماز اور وضو کی آواز سے جاگتا تھا، پھر امی میرے بہن بھائیوں اور چچازاد بھائی کو جگا کر اسکول کے لئے تیار کرتی تھی ، اور وہ اسکول روانہ ہو جاتے تھے ، میرے دادا بازار چلے جاتے تھے، امی گھر کی صفائی شروع کر دیتی تھی اور میں اپنی چھوٹی بہن مریم کے ساتھ بیٹھتا تھا تاکہ وہ جاگ کر رونے نہ لگے جبکہ امی گھر کے کام میں مصروف ہوتی تھی ، دادا واپس آتے تھے۔

میرے دادا اکیلے واپس آتے اور میرے بھائی اور چچا کے بیٹے بھی اسکول سے واپس آتے ، پھر میری ماں ہمارے لیے دوپہر کا کھانا تیار کرتی اور ہم سب مل کر کھانا کھاتے ، پھر میری ماں اپنے معمول کے مطابق میرے بھائی محمود اور حسن کو نصیحتیں کرتی اور جب وہ اپنے ماموں کے کارخانے کی طرف کام پر روانہ ہوتے تو انہیں دروازے تک الوداع کہتی ، ہم باہر نکل کر کھیلتے ، کبھی عرب یہودی کھیلتے ، یا "سات ٹکڑے" اور لڑکیاں "پانچ گٹیاں" کھیلتی ، یہاں تک کہ شام کا وقت قریب آجاتا اور محمود اور حسن کارخانے سے واپس

آتے ، زندگی اسی معمول کے ساتھ بغیر کسی نئے واقعے کے چلتی رہتی ۔

ایک شام محمود اور حسن کارخانے سے واپس نہیں آئے، وہ دیر سے آئے اور اکیلے نہیں بلکہ ان کے ساتھ ہمارے ماموں صالح بھی آئے ، ہمیشہ کی طرح ہم ان کے گرد جمع ہوگئے اور ہمیشہ کی طرح انہوں نے ہم سب سے ملاقات کی اور ہمیں گرمجوشی سے بوسہ دیا، پھر ہر ایک کو ان کا حصہ دیا اور بات چیت شروع کی ، وہ ہماری ماں سے ہماری خالہ فتحیہ کے رشتے کے بارے میں بات کرنے آئے تھے ، ایک رشتہ آیا تھا اور وہ لوگ جو انکو جانتے تھے وہ مغربی کنارے کے ایک چھوٹے سے قصبے سے تعلق رکھتے تھے جو کپڑوں کا کاروبار کرتے تھے اور ہمارے ماموں سے کپڑا خریدنے آتے تھے ، وہ ہمارے ماموں کو اچھی طرح جانتے تھے اور ان کا مشورہ چاہتے تھے ، ہماری ماں نے کہا کہ فیصلہ آپ کا ہے، اگر فتحیہ راضی ہے اور آپ بھی راضی ہیں اور آپ ان لوگوں کو جانتے ہیں تو اللہ کے نام پر کردیں ، اس دوران ہماری ماں نے ہمیں ماموں کے ساتھ چھوڑ دیا اور وہ ہمارے بارے میں پوچھتے رہے، ہماری اسکول کی خبریں اور دیگر باتیں۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آئی اور ایک چائے کا ابریق تیار کیا ، ہمارے ماموں نے ہمارے ساتھ چائے پی اور پھر جانے کے لیے اٹھے ، ہماری ماں نے انہیں رات یہاں گزارنے کے لیے قائل کرنے کی کوشش کی، مگر انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا: تم جانتی ہو کہ میں گھر سے باہر رات نہیں گزار سکتا ، میرے پاس صرف بیٹیاں ہیں " ہماری ماں نے دعا دی کہ "اللہ تمہیں اچھی جگہ عطا کرے صالح " ہمارے ماموں نے کہا کہ وہ لوگوں کو رضا مندی کے بارے میں بتائیں گے اور جب وہ تاریخ بتائیں گے تو وہ ہمیں بھی بتائیں گے تاکہ ہم تیار ہو جائیں۔

اگلی صبح سویرے جب ہمارے دادا نے نماز ختم کی تو انہوں نے فوجی جیپوں کے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان سنا جو ٹوٹی پھوٹی عربی میں کرفیو کا اعلان کر رہے تھے : " الو الو.. منع تجول تاحکم ثانی " اور جو اس کی خلاف ورزی کرے گا، وہ موت کے خطرے سے سامنا کرے گا ، ہماری ماں نے ہم سب کو کہا کہ آج اسکول نہیں جائیں

گے اور کسی کو گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے ، وہ دوسرے کمرے میں گئیں تاکہ دادا اور میرے چچا زاد حسن اور ابراہیم کو خبر دیں ، ہم سارا دن گھر میں بند رہے اور ہر بار جب کوئی دروازے کے قریب جاتا تو ہماری ماں اسے زور سے منع کرتی اور کہتی کہ اگر دروازہ کھولا تو اسے مارے گی۔

ہم نے بار بار سنا کہ کرفیو لگ گیا ہے ، میرے بھائی اور بہنیں گھر کے اندر کھیلنے پر مجبور ہو گئے اور میری ماں نے ہمیں آج دوپہر کے کھانے کے لیے بیصارۃ تیار کی ، جو کہ ملوخیہ کے خشک پتے کے ساتھ دال کے پکوان کا نام ہے ۔

فائدہ : بیصارۃ ایک مشہور مصری پکوان ہے جو زیادہ تر سبزی خور افراد کے لئے مقبول ہے ، یہ پکوان بنیادی طور پر فوا اور مصالحوں کا استعمال کرکے تیار کیا جاتا ہے ، اس میں پیاز، لہسن، دھنیہ، زیرہ اور دیگر مصالحے شامل کیے جاتے ہیں تاکہ اسے مزیدار بنایا جا سکے ، بیصارۃ عام طور پر ایک گاڑھی پیسٹ کی شکل میں تیار کی جاتی ہے اور اسے روٹی یا چاول کے ساتھ کھایا جاتا ہے ۔

میرے بھائی، بہنیں اور میرے چچا کے بیٹے اپنے اسکول کی کتابوں میں پڑھ رہے تھے، اور میں بیٹھا ان کی کتابوں کو دیکھتا رہا ، شام کو ہم نے دوبارہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز سنی جو کرفیو کے بارے میں تصدیق کر رہی تھی اور کہا کہ جو بھی اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ خطرے میں پڑ جائے گا ، صبح کو میرے دادا کی نمازوں اور دعاؤں کی آواز کے تھوڑی دیر بعد، لاؤڈ اسپیکر کی آواز آئی جو صبح پانچ بجے کرفیو کے ختم ہونے کا اعلان کر رہی تھی ، میری ماں نے سب کو جگایا اور اسکول کے لیے تیار کیا اور معاملات معمول کے مطابق چلنے لگے۔

اس دن کی نئی بات یہ تھی کہ ہمیں معلوم ہوا کہ گزشتہ روز کرفیو کیوں لگایا گیا تھا ، ایک شخص نے قابض فوج کی ایک گشتی گاڑی پر ہینڈ گرنیڈ پھینکا تھا ، جو دھماکے سے پھٹ گیا اور گاڑی میں موجود فوجیوں کو زخمی کر دیا ، ان فوجیوں نے بے ترتیبی سے فائرنگ شروع کر دی جس سے کئی لوگ زخمی ہو گئے۔

تیسری فصل

جمعہ کے دن میری ماں نے ہمیں ہمارا بہترین لباس پہنایا جو اُس نے راشن سے ملنے والے کپڑوں سے دوبارہ سیا تھا، اور ہمیں اپنے ساتھ خالہ کے گھر لے جانے کی تیاری کی تاکہ انہیں منگنی کی مبارکباد دے سکیں جو جلد ہونے والی تھی ، پھر ماں نے ہم سات بھائی بہنوں کو ساتھ لیا اور کئی گھنٹوں تک پیدل چلتی رہی ، جہاں ہم نے کیمپ کی حدود پار کیں اور ایک اہم سڑک پر چلنے لگے ، جہاں کبھی کبھار فوجی اور شہری جیپیں چلتی تھیں ،جن میں سپاہی اپنی بندوقیں لہراتے ہوئے لوگوں کو نشانہ بناتے تھے ، گاڑیاں بہت آہستہ چل رہی تھیں ، ہم کافی دیر تک چلتے رہے یہاں تک کہ ہم اپنے ماموں صالح کے گھر پہنچ گئے ، ان کا گھر ہمارے گھر سے بہت بہتر تھا کیونکہ ہمارے گھر کی چھت ٹاکلوں کی تھی جبکہ ان کے گھر کی چھت سیمنٹ کی تھی، فرش پر ٹائلیں لگی ہوئی تھیں اور بجلی بھی تھی۔

میرے بھائی محمود نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا تو ہماری ماموں زاد "وردہ" نے دروازہ کھولا اور فوراً چیخ کر کہا کہ یہ میری پھوپھی اور ان کے بچے ہیں ، ہمیں سلام کیا اور ہم گھر میں داخل ہو گئے جہاں ماموں، ممانی اور ان کی دوسری بیٹی "سعاد" ہمیں سلام کرنے اور خوش آمدید کہنے کے لیے باہر آئے ۔

خالہ نے ہمیں سلام کیا اور ایک ایک کر کے بوسہ دیا ، ماں، بھائی بہنوں نے انہیں منگنی کی مبارکباد دی جو جلد ہونے والی تھی اور باتیں کرنے لگے ، ہم کھیلنے اور ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنے میں مصروف ہو گئے ، شام سے پہلے ہم گھر واپس آ گئے، چند دنوں بعد جب محمود اور حسن ماموں کے کارخانے سے کام کر کے واپس آئے تو انہوں نے ماں کو بتایا کہ ماموں نے کہا ہے کہ اگلے جمعے کو خالہ فتحیہ کا نکاح ہوگا ، دوبارہ ماں نے ہمیں جمعہ کی طرح تیار کیا اور دوپہر کے بعد ہم ماموں کے گھر گئے ، تین گاڑیاں آئیں جن میں کچھ مرد اور عورتیں تھیں، وہ اترے اور ماموں کے گھر میں داخل ہو گئے ، چھوٹے بچے سرگوشیاں کر رہے تھے اور ایک نوجوان گندمی رنگ کے لڑکے کی طرف اشارہ کر رہے تھے کہ یہ دولہا ہے ،مرد گھر کے ہال میں بیٹھے

اور ان کے درمیان مولوی صاحب اپنی سرخ ٹوپی کے ساتھ بیٹھے تھے۔

عورتیں ایک کمرے میں بیٹھ گئیں اور ہم آرام کیے بغیر ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے، کبھی کمروں میں، کبھی گھر کے باہر اور کبھی گاڑیوں سے چپٹے ہوئے، ہم اپنے کھیل میں مگن تھے اور مرد اپنے نکاح کے کاموں میں مصروف تھے اور عورتیں خالہ فتحیہ کے ساتھ مصروف تھیں، وہ دن کبھی نہیں بھول سکتا کہ ہم نے بے حساب بقلاوہ کھایا، یہاں تک کہ ماں کو فکر ہوئی کہ کہیں بیمار نہ ہو جائیں، آخرکار انہوں نے خالہ کو رخصت کرنے کا فیصلہ کیا۔

تقریباً ایک مہینے بعد رات کے گہرے اندھیرے میں اور خاموشی اور سکون کی چادر میں لپٹے ہوئے جو کیمپ کے غریب اور بدحال گھروں پر چھائی ہوئی تھی، سوائے دور سے آنے والی کتے کی بھونکنے کی آواز یا بلی کے میاؤں کی آواز جو اپنے بچے کو ڈھونڈ رہی تھی جسے کسی بچے نے اٹھا لیا تھا تاکہ وہ اسے اپنے گھر میں پالے، شاید جب وہ بڑی ہو جائے تو وہ چوہے کھا سکے جو خاندان کا سکون برباد کر دیتے ہیں، کیمپ کی چھوٹی اور پیچیدہ گلیوں میں، کرفیو کے قانون اور ممکنہ خطرے کے باوجود، ابو حاتم بلی کی طرح ان گلیوں میں چپکے چپکے حرکت کر رہا تھا، ہر نئی موڑ پر رک کر وہ ہر طرف دیکھتا تھا کہ کہیں کوئی دشمن حرکت میں تو نہیں، یا چھپا ہوا تو نہیں، جب اس کو یقین ہو جاتا کہ وہاں کوئی نہیں ہے تو وہ اپنی راہ پر چلتا رہتا تھا۔

ابو حاتم ایک لمبے قد کا، چاق و چوبند، مضبوط جسم کا آدمی تھا، اس کے سر پر کفیہ (روایتی فلسطینی رومال) لپٹا ہوا تھا جو اس کے چہرے کے گرد بھی لپٹا ہوا تھا، صرف اس کی آنکھیں نظر آتی تھیں، جب مصر کی غزہ پر حکومت تھی وہ فلسطین کی آزادی کی فوج کا ایک سپاہی تھا، اس نے ۱۹۶۷ کی جنگ میں بے پناہ بہادری دکھائی، لیکن وہ اور چند بہادر لوگ ایک مجموعی طور پر ہارنے والی جنگ میں کیا کر سکتے تھے، ابو حاتم کیمپ کی گلیوں اور سڑکوں میں چپکے چپکے چل رہا تھا، وہ اپنا راستہ جانتا تھا، تھوڑی دیر رکا، ارد گرد کا جائزہ لیا، پھر ایک گھر کی کھڑکی کی طرف بڑھا اور آہستگی سے تین بار کھڑکی کی کنارے پر دستک دی، پھر ایک بار، پھر دوبارہ دو

بار دستک دی "ابو یوسف" کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا اور سر کو قریب کر کے آہستہ آواز میں پوچھا: کون ہے ؟ ابو حاتم نے آہستہ آواز میں جواب دیا: "ابو حاتم ہوں" ابو یوسف نے بڑبڑاتے ہوئے کہا: "یہ ناقابل یقین ہے، آواز آئی : "قابل یقین ہے ابو یوسف، قابل یقین ہے ، ابو یوسف نے کہا: میں دروازہ کھولتا ہوں ، ابو حاتم اندر آ گیا اور ابو یوسف نے دروازہ بند کر دیا اور دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگالیا ، ابو یوسف بڑبڑاتے ہوئے کہہ رہا تھا: ناقابل یقین ، شکر ہے کہ تم خیریت سے ہو ابو حاتم ۔

ام یوسف بھی جاگ گئی تھی، سر پر دوپٹہ لے کر کمرے سے باہر آئی اور آہستہ آواز میں کہا: شکر ہے کہ تم خیریت سے ہو ابو حاتم ، آؤ اندر آؤ! ابو یوسف اور ابو حاتم کمرے میں داخل ہو گئے اور ام یوسف باورچی خانے کی طرف چلی گئی ، ابو حاتم نے ام یوسف سے کہا ، کھانا یا چائے تیار نہ کرو اور چولہے نہ جلاؤ ، ام یوسف نے حیرت سے کہا: خیر تو ہے ابو حاتم ! تم ہمارے گھر میں مہمان ہو! ابو حاتم نے مسکرا کر آہستہ آواز میں کہا: آپ سب پر ہزارہا سلامتی ہو اور آپ کی نیکی پر ، لیکن میں بھوکا نہیں ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ چولہا جلانے کی آواز آئے ، آپ سب کو ہزارہا سلامتی ہو اور آپ کی نیکی پر۔

یوسف کی ماں نے آہستہ سے کہا: ٹھیک ہے، میں تمہارے لیے کچھ روٹی اور زیتون لے کر آتی ہوں ، ابو حاتم مسکراتے ہوئے آہستہ سے بولا: ٹھیک ہے، میں جانتا ہوں کہ تم مجھے کھانا کھائے بغیر جانے نہیں دوگی، ٹھیک ہے ان یوسف ، ابو یوسف مسلسل مسکراتا رہا ، ابو یوسف اور ابو حاتم نے آہستہ سے باتیں شروع کیں ، ابو یوسف نے پوچھا: تم کہاں تھے ؟ خدا کی قسم ، میں نے سوچا کہ تم شہید ہو گئے ہو یا مصر چلے گئے ہو ؟ ابو حاتم نے جواب دیا کہ وہ وسطی کیمپوں کے علاقے میں جھڑپوں کے دوران زخمی ہو گیا تھا اور ایک گاڑی کی طرف رینگتے ہوئے پہنچا جہاں ایک بدوی خاندان نے اسے پالیا ، اس کے زخموں کا علاج کیا، اسے کھانا دیا اور اسے چھپا دیا جب تک وہ صحت یاب نہ ہو گیا۔

یوسف کی ماں سلام کرتی ہوئی داخل ہوئی اور انہوں نے آہستہ سے جواب دیا ، اس نے ایک ٹوکری میں کچھ

روٹیاں اور ایک پلیٹ میں زیتون رکھا اور اس کے ساتھ ایک مٹی کا پانی کا جگ ، پھر کمرے سے نکل گئی اور بچوں کے کمرے میں جا بیٹھی جہاں مٹی کے تیل کا چراغ جھول رہا تھا اور اس چھوٹے سرخ چھت والے کمرے کو روشنی دے رہا تھا ، ابو حاتم اور ابو یوسف ایک دوسرے کے کانوں میں سرگوشی کر رہے تھے ، ابو یوسف نے پوچھا: کیا کوئی جوان ابھی بھی زندہ ہے ؟ ابو حاتم نے جواب دیا : ہاں ، بہت سے ، میں اور ابو ماہر خان یونس میں ہیں ، ابو صقر رفح میں ، اور ابو جہاد وسطی کیمپوں میں ہیں ، میں نے انہیں خود دیکھا اور ان سے دوبارہ مزاحمت شروع کرنے کا وعدہ کیا ہے ۔

ابو یوسف نے ابو حاتم کے قریب ہو کر چپکے سے کہا کہ مختار کا کیا حال ہے ؟ ابو حاتم نے قریب ہو کر چپکے سے کہا کہ "سنا ہے کہ وہ ابھی بھی زندہ ہے اور مشرقی پہاڑیوں میں شجاعیہ اور زیتون کی طرف متحرک ہے ، میں اسے تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں اور شاید چند دنوں میں اسے پالوں ، اہم بات یہ ہے کہ ہمیں کام کو منظم کرنا چاہیے تاکہ مزاحمت پورے علاقے میں ایک ساتھ شروع ہو ، ملک ٹھیک ہے ابو یوسف، ملک ٹھیک ہے اور جوان تیار ہیں اور صرف انہیں منظم کرنے والا اور پہلا قدم اٹھانے والا چاہیے ، ہمیں سب کو جمع ہونا چاہیے اور کام کو منظم کرنا چاہیے، اگلے جمعہ کی صبح صالح محمود اپنی بہن کی شادی کر رہا ہے اور اس کا شوہر اسے خلیل لے جائے گا اور رات کو ان کا گھر خالی ہوگا ، میں نے اس سے کہا ہے کہ وہ چابی دروازے کے نیچے رکھ دے ، نوجوانوں کا گروپ وہاں جمع ہوگا اور ہم کام کو منظم کریں گے اور جلد از جلد آغاز کریں گے، ان شاء اللہ ، تم صالح کا گھر جانتے ہو ،جمعہ کی رات کے بعد وہاں ملاقات ہوگی ، جو شخص دیر کرے گا، وہ کھڑکی پر مخصوص طریقے سے دستک دے گا ، اس دوران ابو حاتم کچھ نوالے اور ہر نوالے کے ساتھ ایک زیتون کھا رہا تھا اور زیتون کی گٹھلی کو خاص انداز سے چوس رہا تھا، جو اس گھر کے مالک سے اس کی محبت اور یوسف کی ماں کے پکائے ہوئے کھانے کے لیے اس کی آرزو کو ظاہر کرتا تھا۔

جمعہ کے دن ہم نے صبح سویرے سے ہی تیاری شروع کر دی ، بہترین لباس پہن کر ہم ماموں صالح کے گھر

روانہ ہوئے ، اگرچہ ہم جلدی پہنچے تھے، پھر بھی ہم نے ماموں کے گھر کو لوگوں اور شادی کی تیاریوں سے بھرا ہوا پایا ، ہم کھیل میں مصروف ہوگئے اور میری بہنیں طبلہ بجاتی ، گاتی اور ناچتی رہیں ، ان کے ساتھ ماموں کی بیٹیاں اور دوسری لڑکیاں بھی تھیں ، محمود اور حسن کچھ کاموں میں مصروف تھے جیسے کہ کرسیوں کو ترتیب دینا اور ماموں کے گھر کے سامنے کے صحن میں پانی چھڑکنا تاکہ دھول نہ اڑے ، میری ماں ، ماموں کی بیوی اور دوسری عورتیں دلہن کی تیاری میں مصروف تھیں، ان کے لباس کا انتظام کر رہی تھیں ، میرے ماموں ہر طرف دوڑتے پھر رہے تھے اور بیک وقت ہزاروں کاموں میں مصروف تھے ، اس دن لوگوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور طبل کی آواز زیادہ منظم اور درست ہوتی جا رہی تھی ، اس کام کی ذمہ داری خالہ کی ایک بڑی پڑوسن لڑکی اور اس کی سہیلیوں نے سنبھالی۔

کچھ دیر بعد کئی گاڑیاں اور ایک بس آئی جس میں دولہا کے خاندان کے کئی افراد سوار تھے ، گاڑیاں رک گئیں اور ان میں سے دولہا عبدالفتاح سمیت کئی لوگ نکلے ، طبل بجنے لگا اور مشہور نغمہ صفاوی لہجے میں گائے جانے لگا ، وہ سب گھر کی طرف بڑھے جہاں ماموں اور دوسرے مرد ان کا استقبال کرنے کے لیے نکلے ، مردوں نے مردوں سے مصافحہ کیا اور عورتوں نے عورتوں سے سلام کیا اور ایک دوسرے کو بوسے دیے ، عورتیں اندر ہال میں چلی گئیں اور مرد گھر کے صحن میں بیٹھ گئے ، بقلاوہ پلیٹوں میں تقسیم کی گئی ، میرا بھائی محمود تقسیم کرنے والوں میں سب سے زیادہ فعال تھا ، اس نے حاضرین میں سرخ مشروب تقسیم کیا اور عورتوں کے نغمے اور طبل کی آواز مسلسل گونجتی رہی۔

یہ سلسلہ تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہا اور ماموں مسلسل دولہا اور اس کے والد سے بات کر رہے تھے، ان کے ساتھ کچھ اور مرد بھی تھے جنہیں میں نہیں جانتا تھا ، پھر ماموں گھر میں گئے اور سب تیار ہوگئے ، دولہا اور اس کے والد دروازے پر کھڑے ہوگئے ، طبل اور نغمے کے ساتھ خالہ نے دلہن فتحیہ کا بازو پکڑ کر باہر نکالا، جو سفید لباس میں ملبوس تھی اور اس کے سر پر سفید دوپٹہ تھا جس نے اس کی خوبصورتی کو اور بڑھا دیا

تھا، وہ چاند کی طرح چمک رہی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ دروازے تک پہنچی جہاں دولہا نے اس کا بازو تھاما اور عورتوں نے زوردار زغردہ (شادیانے کی آواز) بلند کیا، دلہن اور دولہا ایک گاڑی کی طرف بڑھے، اور سب لوگ ان کے پیچھے چلنے لگے، میری ماں مسلسل خالہ کے پاس ماموں اور ان کی بیوی کے ساتھ ساتھ تھی ، دلہن اور دولہا مزین گاڑی میں سوار ہوگئے، اور مردوں اور عورتوں نے گاڑیوں اور بس میں سوار ہونا شروع کیا، میری ماں نے محمود کو تلاش کرتے ہوئے زور سے آواز دی: اپنے بھائیوں کو لے آؤ اور دادا کے ساتھ واپس گھر جاؤ، میں عنقریب لوٹ آؤں گی واپس آؤں گی، گھر میں سب کچھ تیار ہے، میرے بیٹے! تمھیں میری واپسی تک کچھ بھی ضرورت نہیں ہوگی، دادا اور چچا کے بیٹوں کا خیال رکھنا، کرفیو سے پہلے دروازہ بند کر دینا اور سورج طلوع ہونے تک دروازہ نہ کھولنا ، محمود نے ہمیشہ کی طرح سر ہلاتے ہوئے اپنی بات کی تصدیق کی، وہ ہمیشہ میری ماں کی ہدایات کو سمجھتا اور فوراً عمل کرتا تھا، فاطمہ نے مریم کو اپنی بانہوں میں اٹھا رکھا تھا، میری ماں، خالہ، میری بہنیں اور خالہ کی بیٹیاں ایک گاڑی میں سوار ہو گئیں اور محمود نے ہمیں دادا کے پاس جمع کیا جو اپنی چھڑی پر ٹیک لگائے کھڑے تھے۔

سب کے گاڑیوں میں سوار ہونے کے بعد میرے ماموں اور دلہا کے والد معاملات کو منظم کر رہے تھے، تو میرے ماموں نے گھر کو بند کرنے کی اجازت طلب کی اور ان سے کچھ دیر انتظار کرنے کو کہا، وہ تیزی سے گھر واپس آئے اور باورچی خانے سے ایک تھیلا اٹھایا اور اسے مہمانوں کے کمرے میں رکھ دیا، پھر بیرونی دروازہ بند کیا، ان کے ہاتھ سے کچھ گرا اور انہوں نے اسے اٹھانے کے لیے جھک کر گھر کی چابی دہلیز کے نیچے چھپا دی، پھر وہ گاڑی میں سوار ہو گئے اور قافلہ روانہ ہو گیا، جبکہ ڈھول کی آواز اور عورتوں کا نغمہ گونجتا رہا، یہاں تک کہ وہ غائب ہو گئے، پھر ہم اپنے دادا کے ساتھ گھر واپس آئے، ہم غروب آفتاب سے پہلے پہنچے، اس دن کے کھیل، کھانے اور خوشی نے ہمیں تھکا دیا تھا، محمود نے دروازہ مضبوطی سے بند کیا اور

ہم گہری نیند میں ڈوب گئے۔

رات نے غزہ پر اپنے سیاہ پردے ڈال دیے اور اسے ایک اندھیرے سمندر میں ڈبو دیا، جہاں کوئی مشکل سے اپنی انگلی دیکھ سکتا تھا، شہر کے مرکزی سڑکوں پر قابض فوج کی گشت جاری تھی اور لاؤڈ اسپیکرز سے کرفیو کے وقت کا اعلان ہو رہا تھا، ایک گہری خاموشی چھا گئی، جسے صرف کبھی کبھار گشتی گاڑیوں کی آواز توڑتی، جو اپنی موجودگی اور امن و امان کی حفاظت کو یقینی بناتی تھی، سات آدمی خاموشی سے میرے ماموں کے گھر کی طرف بڑھ گئے، انہوں نے دہلیز کے نیچے سے چابی نکالی، روشنی نہیں جلائی جب تک کہ سب اندر نہ آ گئے، پھر انہوں نے پردے گرا دیے اور پردوں کے اوپر کمبل ڈال دیے تاکہ کوئی روشنی باہر نہ جا سکے، اس کے بعد انہوں نے روشنی جلائی تو انہیں وہ تھیلا ملا جو میرے ماموں نے رکھا تھا، ابو حاتم نے اسے کھولا تو وہ کھانے اور مٹھائیوں سے بھرا ہوا تھا، انہوں نے کہا: صالح واقعی شریف اور کریم ہے، چاہے وہ گھر سے باہر ہو، آدمی ایک چھوٹے سے دائرے میں بیٹھ گئے اور گھنٹوں تک سرگوشیاں کرتے رہے، پھر آدھی رات کو سو گئے، پہرہ دینے کی باری، باری باری کرتے رہے، جب فجر قریب آئی، تو وہ ایک ایک کر کے گھر سے نکلنے لگے، آخر میں ابو حاتم نے دروازہ بند کیا اور چابی دہلیز کے نیچے رکھ دی، وہ اللہ کے بھروسے پر روانہ ہو گئے، یہ آیت پڑھتے ہوئے: و جعلنا من بین ایدیھم سدا و من خلفھم سدا فاغشیناھم فھم لا یبصرون۔

میں دادا کی نماز فجر کی آواز سے بیدار ہوا، اور محمود جلدی اٹھ کر ماں کا کردار ادا کرنے لگا، اس نے میرے بھائی حسن، محمد، اور میرے چچا زاد حسن اور ابراہیم کو جگایا اور انہیں ناشتہ دیا، اور وہ پانچوں اسکول روانہ ہو گئے، میں اور دادا گھر میں اکیلے رہ گئے۔

اس دن دادا بازار نہیں گئے، اور جب سورج بلند ہوا تو مجھے لے کر اس کی گرم شعاعوں کے نیچے بیٹھ گئے، کچھ دیر بعد انہوں نے مجھے جوانی کے دنوں اور کھوئے ہوئے ملکوں کی باتیں سنانی شروع کیں، پھر انہوں نے اپنی چھوٹی سی تھیلی نکالی اور اس میں سے ایک پیسہ نکال کر مجھے دیا اور کہا: جاؤ، اپنے لیے کچھ خرید لو اور

جلدی واپس آؤ ، میں "ابو خلیل" کی دکان کی طرف دوڑ گیا اور چند کھٹ مٹھی گولیاں خرید لایا ، جب میں واپس آیا تو ایک گولی منہ میں ڈال رکھی تھی ، دادا نے مجھے اپنے پاس بٹھا کر پوچھا : کیا خریدا ؟ میں نے انہیں ہاتھ میں پکڑی چیز دکھائی اور ایک گولی ان کی طرف بڑھا دی۔

وہ بہت ہنسے اور بولے : نہیں، یہ تمہارے لیے ہے میرے پیارے ، میں ان کے پاس بیٹھ گیا، دھوپ کی کرنوں کا مزہ لیتے ہوئے ان گولیوں کو چوسنے لگا ، دوپہر کا وقت قریب تھا ، دادا اپنی لاٹھی کے سہارے اٹھے اور بولے : آؤ احمد، مسجد چلیں، ظہر کی نماز پڑھیں ، انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم روانہ ہو گئے ، مسجد پہنچ کر دادا وضو کرنے بیٹھ گئے اور میں ان کی نقالی کرتے ہوئے وضو کرنے لگا ، وہ مجھے مسکراتے ہوئے دیکھ رہے تھے ، شیخ حامد آئے اور مسکراتے ہوئے دادا سے بولے : ان شاء اللہ یہ بچہ دیندار بنے گا ، دادا نے زیر لب کہا : ان شاء اللہ... ان شاء اللہ۔

دن آہستہ آہستہ گزرتے رہے اور میں اپنے ارد گرد کی چیزوں کو زیادہ سمجھنے لگا ، نئی چیز جو واضح طور پر نظر آ رہی تھی وہ مزاحمت کی شروعات تھی ، ہر دن قبضے کی گشتیوں پر فائرنگ ، یا دستی بم پھینکنے ، یا بارودی مواد کا دھماکہ ہوتا ، ہر بار قابض فوجی پوری طاقت اور شدت کے ساتھ نہتے شہریوں پر حملہ کرتے، لوگوں پر اندھا دھند فائرنگ کرتے، مارتے اور زخمی کرتے ، پھر مزید کمک آتی اور علاقے میں کرفیو نافذ کر دیا جاتا اور مردوں کو اسکول میں جمع ہونے کا حکم دیا جاتا ، وہاں فوجی مردوں کو مارتے، ذلیل کرتے اور بعض کو گرفتار کر لیتے ، یہی مناظر اور آوازیں کئی دنوں تک دہرائی جاتی رہیں ، مزاحمت بڑھتی گئی اور زیادہ جری اور بہادر ہوتی گئی، یہاں تک کہ ہم نے کچھ نقاب پوش مردوں کو دیکھا جو انگریزی بندوقیں یا کارلوستاف بندوقیں اور دستی بم لے کر کیمپ کی گلیوں میں گھومتے تھے، خاص طور پر شام کے قریب ، یہ ہمارے لیے معمول بن گیا کہ ہم جانتے تھے کہ رات کا کرفیو محض ایک جھوٹ ہے جو ہم بچوں، ہماری ماؤں اور کچھ معصوم لوگوں پر نہیں چلتا ، مزاحمت کے مرد رات کو کیمپ پر قابض ہو جاتے اور قابض فوج کی گشتیں گلیوں میں داخل نہیں

ہو سکتی تھیں اور صرف مرکزی سڑکوں پر رہتی تھیں ، صبح ہوتے ہی مزاحمت کے مرد غائب ہو جاتے۔

گرمیوں کی چھٹیاں آ گئیں اور میری ماں نے مجھے اسکول میں داخل کروا دیا ، میں چند دنوں بعد اسکول جانے کی تیاری کرنے لگا، تو میری ماں نے مجھے ایک نیا جوتا خریدا، جو میرے لیے نیا تھا، لیکن پہلے سے استعمال شدہ تھا ، یہ جوتے کی دکانوں پر استعمال شدہ جوتے ہوتے تھے جو کیمپ کے بازار میں بیچے جاتے تھے، لیکن کچھ رنگ و روغن کرنے کے بعد یہ بالکل نئے جیسے دکھائی دینے لگتے تھے ، اس کا سرخ رنگ مجھے بہت پسند آیا اور میرے دادا کو بھی بہت پسند آیا ، میری ماں نے پرانے کپڑوں سے ایک چھوٹا سا بستہ بھی تیار کیا ، اسکول کے لیے میرے پاس سب کچھ تیار تھا، خاص طور پر جو میرے بھائی، بہنیں اور چچا زاد بھائی بہن مجھے اسکول کے بارے میں بتاتے تھے، جیسے صبح کی اسمبلی، کلاسز، اساتذہ، اور وقفے (چھٹی) کے بارے میں۔

گرمیوں کی چھٹیوں کے ختم ہونے سے پہلے، مزاحمت کے ایک جنگجو نے ایک گلی میں گھات لگا کر قابض فوج کی گشتی پارٹی کا انتظار کیا ، جب وہ قریب پہنچے تو اس نے ان پر بم پھینکا جو پھٹ گیا اور جیپ میں موجود کئی فوجیوں کو زخمی کر دیا ، جیپ ایک قریبی دیوار سے ٹکرا کر رک گئی، فوجیوں کی چیخ و پکار سنائی دینے لگی ، جو زندہ بچ گئے وہ جب ہوش میں آئے تو انہوں نے ہر چیز پر گولیاں برسانا شروع کر دیں ، فوراً بڑی تعداد میں فوجی کمک پہنچ گئی اور لاؤڈ اسپیکر سے کرفیو نافذ کرنے کا اعلان کیا گیا اور کہا گیا کہ خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دی جائے گی ، لوگ اپنے گھروں میں جانے لگے، پھر فوجی درجنوں کی تعداد میں کیمپ کے کنارے والے گھروں میں گھسنے لگے اور عورتوں، مردوں اور بچوں کو لاٹھیوں سے بری طرح مارنے لگے۔

لاؤڈ اسپیکر سے ۱۸ سال سے ۶۰ سال کے مردوں کو اسکول جانے کا حکم دیا گیا ، جب لاؤڈ اسپیکر خاموش ہوئے تو کچھ لوگوں کی آوازیں بلند ہوئیں جو سب کو باہر نہ نکلنے کی تلقین کر رہی تھیں اور بتا رہی تھیں کہ وہ کیمپ میں داخل نہیں ہو سکتے کیونکہ مزاحمت کے جنگجو ہر طرف موجود ہیں اور تیار ہیں ، واقعی ، صرف وہ لوگ اسکول گئے جن کے گھر کیمپ کے کنارے تھے جہاں تک قابض فوج کو پہنچنے میں زیادہ خطرہ نہیں تھا ،

جب فوجی کیمپ میں داخل ہونے کی کوشش کرتے تو ہر بار گلیوں کے کونوں سے بندوقوں اور مشین گنوں کی گولیاں ان پر برسنے لگتیں ، وہ بھاگنے اور چیخنے پر مجبور ہو جاتے۔

جو لوگ اسکول گئے، انہیں دوگنا مارا گیا اور بے عزت کیا گیا، پھر انہیں کیمپ واپس جانے کی اجازت دی گئی ، کرفیو ایک پورے ہفتے تک جاری رہا ، جس نے ہمیں بیصارا، دال، چنے اور زیتون پر گزارا کرنے پر مجبور کیا ، اگرچہ یہ کھانا خوف کے ساتھ ملا ہوا تھا، لیکن یہ ہمیں قابض فوج کے آغاز سے لے کر اب تک کا سب سے مزیدار کھانا لگا، کیونکہ ہر کوئی مزاحمت کی حفاظت میں عزت محسوس کر رہا تھا اور کرفیو کے پہلے دو دن گزرنے کے بعد لوگ اپنے گھروں سے باہر نکلنے اور گلیوں میں اپنے گھروں کے دروازوں کے پاس بیٹھنے کی جرات کرنے لگے، خاص طور پر کیمپ کی گہرائی میں تنگ گلیوں میں جہاں قابض فوج آسانی سے نہیں پہنچ سکتی تھی ، وہاں پہلے ہی سے مزاحمت کے مرد حضرات اپنی جگہوں پر تیار بیٹھے تھے، اور کسی کونے یا دیوار کے پیچھے سے دشمن کی تاک میں تھے ، میں نے بہت سے مزاحمت کرنے والے مردوں کو دیکھا، لیکن کسی کو پہچان نہیں سکا کیونکہ وہ سب کوفیاں باندھے ہوئے تھے، اپنے ہتھیار اٹھائے ہوئے تھے اور اپنی جگہوں پر موجود تھے۔

میں نے محلے کے کئی پڑوسیوں کو ایک کونے میں بیٹھے چائے پیتے، سگریٹ بنا کر پیتے اور اپنی جذبات اور خوف و ہراس پر بات کرتے دیکھا ، وہ قابض فوج کی طرف سے ذلت و رسوائی کا شکار ہونے کے باوجود عزت اور وقار محسوس کر رہے تھے، اور انجان مستقبل کے خوف میں مبتلا تھے ، کیا حالات ایسے ہی رہیں گے ؟ کیا وہ بڑی فوج کے ساتھ کیمپ پر حملہ نہیں کریں گے ؟ یا کیا وہ کیمپ کو توپوں سے گولہ باری کرکے یا اسے جلا کر اس کے باشندوں کے سروں پر تباہی نہیں لائیں گے ؟ آراء مختلف تھیں، لیکن صبر و استقامت کی ضرورت پر مبنی رائے غالب تھی اور بار بار دہرائی جانے والی بات یہی تھی کہ "ہمارے پاس کھونے کے لیے کیا ہے!! ہمارے پاس صرف زنجیر اور ایجنسی کا گھر ہی تو ہے، تو پھر خوف کس بات کا؟" اس طرح ہر گفتگو

ختم ہوتی تھی ، ہاں بھائی، بالکل صحیح، ایک منٹ کی عزت اور وقار کی زندگی ہزار سال کی ذلت بھری زندگی سے بہتر ہے ، یہ صرف ہمارے کیمپ میں نہیں تھا بلکہ پورے غزہ کے کیمپوں میں، اور بہت سے شہروں اور دیہاتوں کی سڑکوں پر بھی یہی حالت تھی ، مغربی کنارے اور غزہ میں مزاحمت بڑھ رہی تھی ، کچھ منظم اور بہت سے فردی، اور مقامی آزاد منش لوگوں کی طرف سے اقدامات کیے جا رہے تھے، اور ہم نے خاص طور پر ہمارے قریب جبالیہ کیمپ میں مزاحمت کے کارناموں کے بارے میں سننا شروع کر دیا ، وہاں ابو حاتم مزاحمت کی قیادت کررہے تھے، اور کیمپ کے نوجوانوں اور مردوں سمیت قریبی علاقوں کے درجنوں افراد اس میں شامل ہو چکے تھے ، سب ہی اسے "مخیم الثورۃ" کہنے لگے تھے۔

خبریں کیمپ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی تھیں، لوگوں کی خوشی بڑھا رہی تھیں اور حوصلے بلند کر رہی تھیں ، ہم بچوں پر بھی اس کا اثر تھا، یہاں تک کہ ہمارے کھیل "عرب اور یہودی" میں بھی، ہم اسے روزانہ کھیلنے لگے اور یہ عام قاعدہ بن گیا کہ عرب غالب آئیں گے اور اپنے دشمنوں کو مار ڈالیں گے۔

چوتھی فصل

ساری رات یا تو میں اسکول کے لیے تیار ہو رہا تھا یا اس کے بارے میں بات کر رہا تھا اور اپنے بھائیوں سے کچھ باتیں پوچھ رہا تھا، یا خواب دیکھ رہا تھا، کیونکہ کل میرا اسکول میں پہلا دن تھا ، سونے سے پہلے میں (نملیہ) جو کہ ہمارے کمرے میں ایک چھوٹی سی الماری تھی ، وہاں گیا اور کپڑے نکال کر پہننے لگا اور اپنے نئے جوتے پہن لیے ، جب میری ماں نے مجھے دیکھا تو چلائی ، کیا کر رہے ہو احمد؟ میں نے آہستہ سے جواب دیا، "اسکول کے لیے تیار ہو رہا ہوں ، وہ ہنسنے لگی اور بولی ، ابھی صبح ہونے میں کافی وقت باقی ہے۔

صبح سویرے میں اپنے دادا کی دعاؤں اور نمازوں کی آواز پر جاگ گیا اور اس کے بعد سو نہ سکا ، جیسے ہی میری ماں نیند سے جاگی، میں فوراً اپنے بستر سے اٹھ کر اسکول کے لیے تیار ہونے لگا ، کچھ دیر بعد ماں نے

میرے بھائیوں کو جگایا اور میرے بھائی محمود کو بھیجا کہ وہ دوسرے کمرے میں میرے چچا زاد بھائیوں کو جگا دے، جو دادا کے ساتھ سوتے تھے ، میری ماں نے مجھے بہترین طریقے سے تیار کیا، جیسے کہ میں اپنی شادی میں جا رہا ہوں، اور مجھے بہت سی نصیحتیں کی ، اور میری تعریف کرتے ہوئے کہا کہ میں "سمارٹ" اور بڑا ہو گیا ہوں ، پھر اس نے ہم میں سے ہر ایک کو (شلنا) دیا، جو کہ پانچ اغورات اسرائیلی لیرہ کے تھے، اور ہم سب کی خالی بیگ میں ایک روٹی کا ٹکڑا رکھ دیا۔

فائدہ : اسرائیلی اغورات (agorot) اسرائیلی کرنسی کا ایک حصہ ہیں ، اسرائیلی کرنسی شیکیل (shekel) ہے، اور ایک شیکیل کو 100 اغورات (agorot) میں تقسیم کیا جاتا ہے ، یعنی اغورات شیکیل کی چھوٹی یونٹس ہیں، جیسے کہ امریکی ڈالر میں سینٹس ہوتے ہیں ، اغورات کے مختلف سکے ہیں، جیسے 10 اغورات، 50 اغورات وغیرہ ، یہ سکے اور نوٹ اسرائیل کے مرکزی بینک، بینک آف اسرائیل، کی طرف سے جاری کیے جاتے ہیں۔

فائدہ : اسرائیلی لیرۃ ، اسرائیل کی سابقہ کرنسی تھی جو 1980ء تک استعمال ہوتی رہی ، 1980ء میں، اسرائیلی لیرۃ کی جگہ "اسرائیلی شیکل " نے لے لی، اور بعد میں 1985ء میں "نیا شیکل" متعارف کرایا گیا اسرائیلی لیرۃ کا استعمال اسرائیل کے قیام کے بعد شروع ہوا تھا اور یہ ملک کی ابتدائی معاشی تاریخ کا حصہ ہے ، اس کرنسی کی تبدیلی اور نئے شیکل کی متعارف کرانے کا مقصد تھا کہ ملک کی اقتصادی حالت کو بہتر بنایا جائے اور افراط زر کو کنٹرول کیا جائے ،آج اسرائیل کی موجودہ کرنسی " نیو اسرائیل شیکل ہے" جو کہ عالمی مالیاتی نظام میں بھی قبول کی جاتی ہے۔

میری ماں نے میرے بھائی محمود کو مجھ پر خاص خیال رکھنے کی تاکید کی، کیونکہ محمد تیسرے گریڈ میں تھا اور وہ تیسری جماعت میں تھا اور میرے ساتھ ہی اسی اسکول، ذکور اللاجئين الابتدائية (ا) میں تھا ، میری بہن مہا اس وقت پانچویں جماعت , إناث اللاجئين الابتدائية (ب) میں تھی، اور میرا بھائی حسن پہلی جماعت "ذکور اللاجئين الاعدادية (أ) میں تھا ، میری بہن فاطمہ تیسری جماعت میں "إناث اللاجئين الإعدادية (ا) میں تھی

، میرا بھائی محمود دوسری جماعت میں "مدرسۃ الکرمل" میں تھا ، میرا چچا زاد ابراہیم دوسری جماعت میں میرے ہی اسکول میں تھا، اور میرا چچا زاد حسن پہلی جماعت میں "مدرسۃ الکرمل" میں تھا ، ہم سب ایک ساتھ گھر سے نکلے ، میرا بھائی محمد ایک ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اور میرا چچا زاد ابراہیم دوسرے ہاتھ کو پکڑے ہوئے تھا، جبکہ میں نے اپنے کپڑے کا بیگ اپنے گلے میں لٹکا لیا اور ہم اسکولوں کی طرف روانہ ہو گئے ، کچھ فاصلے کے بعد ہم مختلف گروپوں میں الگ ہو گئے اور ہم تینوں ساتھ رہ گئے۔

گلیاں لڑکوں اور لڑکیوں سے بھری ہوئی تھیں ، جس سے ہم سب نسلوں کے بچے اسکول جا رہے تھے ، لڑکے مختلف رنگوں اور شکلوں کے کپڑے پہنے ہوئے تھے، جبکہ لڑکیاں ایک یکساں لباس پہنے ہوئے تھیں جسے "مربول" کہتے ہیں ، یہ سفید اور نیلے رنگ کی دھاریوں والا کپڑا تھا، ہر رنگ کی دھاری آدھے سینٹی میٹر کی تھی، اور انہوں نے اپنے بالوں کو سفید ربن سے باندھ رکھا تھا ، ہمیں لڑکوں کی پہچان ہمارے بالوں سے ہوتی تھی جو بالکل چھوٹے یا تقریباً صفر نمبر کے کٹے ہوتے تھے ، ہم اسکول پہنچے جہاں مردوں اور عورتوں کے کچھ خوانچہ فروش تھے ، کچھ اپنی چیزیں چھوٹی گاڑیوں پر لے کر آئے تھے اور کچھ نے انہیں چھوٹے چھوٹے سٹالوں پر سجا رکھا تھا ، ہم اسکول کے اندر داخل ہوئے تو ایک بہت بڑا میدان تھا ، جس میں اونچے درخت تھے، اور میدان کے ارد گرد کئی کمرے تھے ، داخلے پر ایک چھوٹا سا باغ تھا جس میں پھول اور پودے تھے اور ایک تالاب (پانی کا حوض) بھی تھا ، میرے بھائی محمد نے مجھے اسکول کے بارے میں بتایا ، یہ پہلی کلاس (اے) ہے، یہ پہلی کلاس (بی) ہے، اور یہ پہلی کلاس (سی) ہے ، یہ دوسری کلاسیں ہیں، یہ تیسری کلاسیں ہیں... یہ اساتذہ کا کمرہ ہے، یہ ناظم (پرنسپل) کا کمرہ ہے، یہ کینٹین ہے، یہ بیت الخلاء ہیں، اور یہ پینے کے فوارے ہیں۔

جب صبح کی گھنٹی بجی تو اساتذہ آئے اور پرانے طلباء کی صفوں کو ترتیب دینے لگے ، پرانے طلباء جلدی سے ترتیب میں کھڑے ہوگئے، لیکن ہم نئے طلباء جو پہلی کلاس میں تھے، کو اساتذہ نے اکٹھا کیا اور ہمارے نام

پکارنے لگے، اور جن کا نام پکارا جاتا وہ ایک طرف کھڑے ہوجاتے ، اس طرح ہمیں تین گروپوں میں تقسیم کیا گیا، اور ہر گروپ کو ایک استاد لے گیا، ہمارا استاد ایک شیخ تھے جو جبہ پہنے ہوئے تھے اور ان کے سر پر "طربوش" تھا، یعنی وہ ایک ازہری شیخ تھے ۔

ہمیں پہلی ابتدائی کلاس (اے) میں لے جایا گیا، وہاں استاد نے ہمیں قد کے حساب سے ترتیب دیا، سب سے چھوٹے کو پہلے رکھا، ہر گروپ میں تین افراد تھے اور ہر تین افراد ایک لکڑی کے بنچ پر بیٹھتے تھے ، ہم ایک لکڑی کی تختی پر بیٹھتے تھے ، جس کی لمبائی ایک میٹر سے زیادہ اور چوڑائی تقریباً پچیس سینٹی میٹر تھی، اور ہمارے سامنے ایک اور تختی ہوتی تھی ، جس کی لمبائی وہی اور چوڑائی تقریباً چالیس سینٹی میٹر ہوتی تھی، جہاں ہم اپنی کتابیں اور کاپیاں رکھتے تھے ، ہمارے نیچے ایک اور تختی ہوتی تھی جہاں ہم اپنے بستے رکھتے تھے، اور یہ سب کچھ لکڑی کے ستونوں سے جڑا ہوا تھا، جسے "بنچ" کہا جاتا تھا ، ہر کلاس میں تین صفیں ایسی بنچوں کی ہوتی تھیں ، ہر صف میں تقریباً سات بنچ ہوتے تھے اور ہر بنچ پر تین طلباء بیٹھتے تھے ، ہر صف کے درمیان تقریباً ڈیڑھ میٹر کا فاصلہ ہوتا تھا ، کمرے کے درمیان میں، ان بنچوں کے سامنے، استاد کی میز اور کرسی ہوتی تھی، اور دیوار پر ایک کالا تختہ ہوتا تھا جسے ہم "سبورہ" (بورڈ) کہتے تھے۔

ہم میں سے ہر ایک اپنے مقررہ نشست پر بیٹھ گیا جو استاد نے ہمیں دی تھی ، استاد نے اپنا تعارف کرایا کہ وہ شیخ حسن ہیں، اور پھر ہم سے ایک ایک کرکے ہمارا تعارف لینے لگے ، ہر ایک سے اس کا نام پوچھتے، اور پھر اس کے والد، چچا، اور دادا کے بارے میں پوچھتے، یہاں تک کہ ہمیں یقین ہو گیا کہ وہ ہمارے تمام اہل و عیال کو جانتے ہیں ، جب میں نے اپنا تعارف کرایا کہ میرا نام احمد ابراہیم الصالح ہے، تو شیخ حسن نے بلند آواز میں دعا کی اور ہاتھ اٹھا کر کہا: اللہ آپ کے والد کو سلامت واپس لائے ، تب مجھے معلوم ہوا کہ وہ جانتے ہیں کہ میرے والد غائب ہیں اور ہمیں ان کا پتہ نہیں ہے۔

تھوڑے وقت کے بعد ہمارے کلاس میں کتابیں، کاپیاں، پنسلیں، اور ربڑ لائے گئے، اور شیخ حسن نے ان

چیزوں کی تقسیم شروع کی ، ہر ایک کو ایک پڑھائی کی کتاب ملی جو خوبصورت رنگین تصویروں سے بھری ہوئی تھی، اور نیچے ایسی تحریر تھی جسے ہم ابھی نہیں پڑھ سکتے تھے، ایک حساب کی کتاب، اور قرآن پاک کا جز عم ، ہر ایک کو پانچ کاپیاں، پانچ پنسلیں، اور ایک ربڑ دی گئی ، کاپی کے غلاف کا رنگ سبز اور سرخ تھا، جس پر اقوام متحدہ کی تعلیمی شاخ یونیسکو کا نشان بنا ہوا تھا ، پھر شیخ حسن نے ہمیں ان چیزوں کا تعارف کرایا جو ہمیں دی گئی تھیں، یہ پڑھائی کی کتاب ہے، یہ حساب کی کتاب ہے، یہ کاپیاں ہیں، تین کاپیاں اپنی ماؤں کے پاس رکھو، ایک کو پڑھائی کے لیے اور ایک کو حساب کے لیے مخصوص کرو ، ہر روز پڑھائی کی کتاب، حساب کی کتاب، جز عم، دو کاپیاں، ایک پنسل، اور ایک ربڑ لے کر آنا ، پھر انہوں نے ہر ایک کی چیزوں پر خوبصورت اور شاندار سیاہ روشنائی سے اس کا نام لکھا۔

تعلیمی دن ختم ہوا اور محمد اور میرے چچا زاد ابراہیم نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم گھر کی طرف روانہ ہوئے ، ہر ایک نے اپنا کپڑے کا بستہ اٹھایا ہوا تھا جو کاپیوں سے بھرا ہوا تھا ، دن گزرتے گئے اور میں پڑھائی، لکھائی، اور حساب سیکھنے لگا، اور جیسے باقی طلباء کی طرح میں بھی کچھ چھوٹی سورتیں حفظ کرنے لگا ، ہم سب مل کر اسکول جاتے ،ہم وقفے میں نکلتے ، جہاں ہم کھیلتے اور وہ سینڈوچز کھاتے جو ہماری ماں نے ہمارے لیے تیار کیے ہوتے ، جن میں دُقّہ یا کٹی ہوئی مرچ بھری ہوتی ، اور کبھی کبھار عربی پنیر بھی ہوتا تھا ، کبھی کبھی ہم سکول کے دروازے پر بیٹھی ہوئی عورتوں سے آدھی روٹی کے بدلے کچھ لبنہ خرید لیتے تھے اور جب ہم اسے چباتے تو وہ نکل جاتی تھی اور اس کا کھٹا ذائقہ سب سے مزیدار ہوتا تھا ، گھر واپس آتے، دوپہر کا کھانا کھاتے، اور پھر محمود اور حسن میرے ماموں صالح کی فیکٹری پر چلے جاتے ، ہم وقت کھیل میں گزارتے، یا اسکول کی کتابیں پڑھتے اور شیخ حسن کے دیے ہوئے کام کرتے ، کبھی رات میں ہم سب غسل کے طشت کے ارد گرد جمع ہوتے، اسے الٹ کر اس کے درمیان چراغ رکھتے، اور ہر ایک اپنی کتاب یا کاپی اس پر رکھتا اور زمین پر بیٹھ کر پڑھائی کرتا ، میری ماں اور باقی جو پڑھائی نہیں کرتے تھے، ہمارے قریب بیٹھ کر باتیں کرتے۔

کوئی ہفتہ ایسا نہیں گزرتا تھا کہ ہم لاؤڈ اسپیکر کی آواز نہ سنیں جو کرفیو کے نفاذ کا اعلان کرتا، جس سے ہم سمجھ جاتے کہ کسی فدائی نے قابض افواج کے خلاف کوئی کارروائی کی ہے، جیسے کہ دستی بم پھینکنا یا کسی پیٹرولنگ پارٹی پر فائرنگ کرنا، جب بھی قابض افواج کیمپ میں داخل ہونے کی کوشش کرتی تو فدائی ان کا مقابلہ کرتے اور وہ ناکام واپس لوٹتی، اس سال کا نیا واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پڑوسی ابو یوسف شہید ہو گئے، ابو یوسف دو اور نوجوانوں کے ساتھ اپنی ایک فدائی کارروائی کے لیے نکلے تھے جن کا مقصد روزانہ ایک ہی وقت میں گزرنے والی پیٹرولنگ پارٹی پر حملہ کرنا تھا، منصوبہ یہ تھا کہ ایک نوجوان پارٹی پر بم پھینکے اور پیچھے ہٹتے ہوئے انہیں دکھائے کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے، اور اس کے پیچھے ہٹنے کے راستے میں ابو یوسف اور دوسرا فدائی کارلوستوف بندوقوں اور دستی بموں کے ساتھ گھات میں بیٹھے تھے، تاکہ اس کا پیچھا کرنے والی کمک کا انتظار کر سکیں، لیکن جب وہ نوجوان اپنی کارروائی کے لیے انتظار کر رہا تھا تو پیچھے سے فوجی اس پر حملہ آور ہو گئے اور ابو یوسف اور اس کے ساتھی ابراہیم پر اچانک حملہ کر دیا اور انہیں گولی مار کر شہید کر دیا۔

اس بار قابض افواج نے کیمپ میں کرفیو نافذ نہیں کیا، کیمپ کے تمام مرد، عورتیں، بڑے اور بچے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور زیادہ تر ابو یوسف کی شہادت پر رو رہے تھے، شہداء کا عظیم الشان جنازہ نکالا گیا، جس میں کیمپ کے تمام باشندوں نے شرکت کی اور نعرے لگائے: "بالروح بالدم نفدیک یا شہید ... بالروح بالدم نفدیک یا فلسطین"، اور جنازے کو کئی بار کیمپ بھر میں گھمایا گیا، پھر انہیں قریب کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا، اس دن عصر کے وقت میرے دادا مجھے اپنے ساتھ گھر کے کونے میں لے گئے جہاں محلے کے کچھ مرد اور بزرگ جمع ہوتے تھے، باتیں کرتے تھے اور موجودہ حالات اور تازہ ترین پیش رفت پر بحث کرتے تھے، ظاہر ہے کہ آج کی گفتگو ابو یوسف اور اس کے ساتھیوں کی شہادت کے بارے میں تھی اور سب حیران تھے کہ یہ کیسے ہوا، ایک آدمی نے کہا: گروپ کو اچانک پکڑ لیا گیا (گروپ کو دھوکہ دیا گیا) دوسرے نے پوچھا کہ یہ کیسے ہوا؟ تو اس کے ساتھی نے جواب دیا: گولیاں ان کی پشت سے چلائی گئیں، یعنی

اس رخ سے جس طرف سے وہ دشمن کی توقع نہیں کر رہے تھے ، ایک تیسرے نے پوچھا: کیا کہہ رہے ہو بھائی ؟ تو اس نے جواب دیا: جیسا کہ میں نے سنا، میرے دادا نے پوچھا: کیا اس کا مطلب غداری اور دھوکہ ہے؟ تو آدمی نے کہا: میں کیسے جان سکتا ہوں؟ یہی ہوا ہے، ایک اور نے دہراتے ہوئے کہا: یہ تو عقل کو اڑا دینے والی بات ہے ، اللہ آپ پر رحم کرے ابو یوسف پر اور ہمیں آپ کا اچھا بدل دے۔

چند دن بعد جب سورج غروب کے قریب تھا اور حسب معمول کرفیو کے نفاذ کا وقت قریب آ رہا تھا، ہم گلی میں کھیل رہے تھے کہ اچانک کئی نقاب پوش فدائی مسلح افراد نے جگہ بھر دی اور ہر ایک نے گلی کے سرے پر اپنی پوزیشن لے لی ، پھر "ابو حاتم" آیا اور کیمپ کے ایک آدمی کو اس کے کان سے گھسیٹتا ہوا لایا، وہ آدمی ذلت اور رسوائی کی حالت میں تھا ، ابو حاتم کے ہاتھ میں ایک بانس کی چھڑی تھی اور اس کے کندھے پر بندوق لٹک رہی تھی ، ہم سب کھیلنا چھوڑ کر رک گئے اور محلے کے لوگ جمع ہونے اور اپنے گھروں سے جھانکنے لگے ، ہاتھ میں چھڑی پکڑے ہوئے کھڑے ہونے کی حالت میں ابو حاتم نے اس آدمی کو، جو اپنا چہرہ اپنے ہاتھوں سے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا اور زیادہ سے زیادہ اپنے جسم کو جھکا رہا تھا، لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

ایک گہرا سکوت چھا گیا جسے ابو حاتم کی گونج دار آواز نے توڑ دیا: اے لوگو، تم سب ابو یوسف کو جانتے ہو، جو کیمپ میں عوامی آزادی فوج کے قائد تھے اور تم نے ان کی بہادریوں اور کاروائیوں کے بارے میں سنا ہے جنھوں نے ہم سب کا سر بلند کیا اور قابضین کو سبق سکھایا اور تم سب اس ذلیل کے بارے میں بھی جانتے ہو جو کہ جاسوس نکلا اور یہ وہی ہے جس نے ابو یوسف کی نگرانی کی اور یہودی فوج کو اطلاع دی ، کیمپ کے تمام لوگ غیر واضح اور نہ سنائی دینے والے الفاظ میں بڑبڑانے لگے ، ابو حاتم نے اپنی لاٹھی ہوا میں بلند کی اور چیخ کر اس آدمی سے پوچھا: اے ذلیل، لوگوں کے سامنے بتا کہ کیا ہوا تھا ، آدمی نے غیر واضح الفاظ میں کچھ کہا تو ابو حاتم کی لاٹھی اس پر پے در پے برسنے لگی ، وہ آدمی بیٹھ گیا اور اپنے سر کو ہاتھوں سے ڈھک لیا

، ابو حاتم نے اسے حکم دیتے ہوئے چیخا: اٹھ فوراً اور لوگوں کو بتا کہ کیا ہوا تھا، آدمی نے اعتراف کیا کہ اس نے تھوڑی سی رقم کے عوض ابو یوسف اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اطلاع دی تھی اور اسے معلوم نہیں تھا کہ انہیں قتل کیا جائے گا، ابو حاتم کی لاٹھی اس پر پھر سے برسنے لگی اور لوگوں کی آوازیں بلند ہو گئیں: اللہ تجھے رسوا کرے، اے ذلیل، اللہ تجھے رسوا کرے، اے غدار، اے جاسوس۔

ابو حاتم نے اپنی لاٹھی بلند کی اور لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا، سکوت چھا گیا تو ابو حاتم نے کہا: اے لوگو، یہ یہودی ہماری زمین پر قابض ہو گئے ہیں، ہمیں ہمارے ملک سے نکال دیا، ہمارے مردوں کو قتل کیا، اور ہماری عصمتوں کو پامال کیا، اور ہمارے اندر کچھ لوگ ہیں جو ان کے ساتھ مل کر ان فدائیوں کے خلاف کام کرنے کے لیے تیار ہیں جنہوں نے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ لی ہیں، ایسے غدار کا کیا انجام ہونا چاہیے جو یہودیوں کے ساتھ کام کرتا ہے؟ لوگوں کی آوازیں بلند ہو گئیں: موت... موت... ابو حاتم نے اپنی بندوق اپنے کندھے سے اتاری اور اس غدار کے سر کی طرف نشانہ کیا، میری ماں نے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا، میں نے اسے ہٹانے کی کوشش کی تاکہ دیکھ سکوں کہ کیا ہو رہا ہے، لیکن میں نے گولیوں کی آواز سنی اور لوگوں کی آوازیں بلند ہو گئیں: غداروں کو موت، جاسوسوں کو موت۔

اگلے دن فدائیوں نے ایک قابض فوج کی گشتی پارٹی کے لیے گھات لگا دی، انہوں نے شہداء کے خون کی قسم کھائی کہ ابو یوسف کا بدلہ لیں گے، جب جیپ گاڑی پہنچی تو انہوں نے اس پر کئی دستی بم پھینکے اور اسے گولیوں سے بھون دیا، جس سے کئی فوجی ہلاک ہو گئے اور کچھ زخمی ہو گئے، فوجی فوری طور پر اپنی بندوقیں اٹھا کر فائرنگ نہ کر سکے، بڑی تعداد میں قابض فوج کی کمک آئی، علاقے کو گھیر لیا، اور قریبی گھروں سے لوگوں کو مار پیٹ، ٹھوکریں مار کر اور ذلت آمیز سلوک کے ساتھ نکالنے لگے اور ہوا میں فائرنگ کرنے لگے، انہوں نے مردوں کو دیوار کے ساتھ منہ دیوار کی طرف کر کے کھڑا کیا اور ان کے سروں پر بندوقیں تانی ہوئی تھیں، اور مار پیٹ کا سلسلہ جاری تھا، علاقے کے انچارج انٹیلی جنس افسر آئے اور مردوں کا ایک ایک

کر کے جائزہ لینے لگے، پھر انہیں ایک ایک کر کے بلانے لگے جبکہ وہ اپنی گاڑی میں بیٹھے تھے اور گاڑی کا دروازہ کھلا ہوا تھا ، ہر ایک ان کے پاس آتا اور بندوقیں اس کی طرف نشانہ باندھے ہوتی تھیں، پھر وہ سوالات شروع کرتے، درجنوں بلکہ سینکڑوں سوالات، شاید انہیں فدائیوں کی تشخیص میں کوئی معمولی سی بھی معلومات مل سکے۔

چند دنوں بعد کرفیو اٹھا لیا گیا اور ہم معمول کے مطابق اسکول چلے گئے ، پہلے تین پیریڈز کے بعد وقفے کے دوران میں بیت الخلاء کی طرف گیا ، وہاں میں نے بچوں کو ایک دیوار پر چڑھتے دیکھا، جو زیادہ اونچی نہیں تھی، اور وہ اس دیوار کے اوپر سے جھانک کر دوسرے بچوں سے بات کر رہے تھے ، میں بھی دیوار کی طرف بڑھا اور دوسرے بچوں کی طرح میں بھی اس پر چڑھ گیا اور جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہم اس دیوار سے اس ہائی اسکول کو دیکھ سکتے ہیں جہاں میرا بھائی حسن پڑھتا ہے ، اس ہائی اسکول کے بچے بڑے لگتے تھے، عمر میں مجھ سے بڑے اور قد میں بھی مجھ سے بہت لمبے۔

اس دن جب ہم اسکول سے گھر واپس جا رہے تھے، میں، میرا بھائی محمود اور میرا چچا زاد ابراہیم، اور سیکڑوں طلباء و طالبات کے درمیان میں نے اپنے چچازاد حسن کو کچھ فاصلے پر دیکھا ، ہمارے درمیان بہت سے طلباء و طالبات تھے، میں نے دیکھا کہ حسن نے اپنا ہاتھ منہ کی طرف اٹھایا اور کچھ منہ میں ڈالا، کیا یہ سگریٹ ہے؟ پھر میں نے دیکھا کہ اس نے اپنا ہاتھ نیچے کیا اور منہ سے دھواں نکالا ، میں نے محمد اور ابراہیم، جو حسبِ معمول میرے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، کو زور سے پکڑا اور اپنی آنکھوں سے حسن کی طرف اشارہ کیا ، وہ مجھے نہ سمجھ سکے اور حیران ہو کر پوچھنے لگے : کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟ میں نے کہا: حسن ! وہ پوچھنے لگے : اسے کیا ہوا ؟ حسن نے محسوس کر لیا کہ ہم اس کے پیچھے ہیں، اس نے جلدی سے سگریٹ کا ٹکڑا پھینک دیا ، محمد اور ابراہیم کچھ نہ دیکھ سکے، اور ہم ان کے قریب پہنچ چکے تھے، میں نے خاموشی اختیار کی تاکہ کہیں حسن کی کسی لات کا نشانہ نہ بن جاؤں ، جب ہم گھر پہنچے تو میں نے ماں کو اکیلا پایا ، موقع ملتے ہی میں نے اس کے

کان میں سرگوشی کی : اماں میں نے حسن کو سگریٹ پیتے دیکھا ہے ، ماں نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا اور کہا : یقیناً تم غلطی پر ہو اور وہم میں ہو، یہ بات کسی سے نہ کہنا، ٹھیک ہے ؟ میں نے سر ہلایا اور بھاگ گیا، لیکن اس دن میں نے دیکھا کہ ماں نے حسن کو الگ بلایا اور اس سے بات کرنے لگی ، حسن سر جھکائے باتیں سن رہا تھا، میں ان کی گفتگو نہ سن سکا ، چند دن بعد جب ہم اسکول سے واپس آئے تو میں نے سنا کہ میرا بھائی محمود ماں سے کہہ رہا تھا کہ آج حسن اسکول نہیں گیا، وہ اسکول سے بھاگ گیا ، میں نے ماں کے چہرے پر پریشانی دیکھی، وہ اس مسئلے کا حل کیسے نکال سکتی تھی؟ میں نے دیکھا کہ وہ میرے دادا سے بات کر رہی تھی اور انہوں نے حسن کو بلایا اور اس سے سختی سے بات کی ، حسن نے اپنی صفائی دینے کی کوشش کی مگر ناکام رہا ، انہیں یہ دھمکی دی گئی کہ اگر وہ دوبارہ اسکول سے بھاگا تو وہ محمود اور حسن کو کہیں گے کہ اسے پکڑ کر گھر کے صحن میں موجود ستون سے باندھ دیں اور اسے ماریں ، کچھ دن بعد میری والدہ نے اس کے پتلون کی جیب میں چند سگریٹ اور ایک چوتھائی لیرہ پایا ، انہوں نے یہ چیزیں لے کر دادا کے پاس جا کر کہا : دیکھیں، میں نے آپ کے پوتے کی جیب میں کیا پایا ، دادا نے حیرت سے ان چیزوں کی طرف دیکھا اور پوچھا : اس لڑکے کو پیسے کہاں سے ملے؟ اسی وقت والدہ نے محمود اور حسن کو بلایا اور کہا کہ وہ فوراً میرے چچا زاد حسن کو لے آئیں ، وہ دونوں تھوڑا سا غائب رہے اور پھر حسن کو ساتھ لے کر آئے ، دادا غمگین اور پریشان تھے، اس لیے وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے ، یہاں والدہ نے حسن سے تفتیش شروع کی ، تمھیں یہ پیسے کہاں سے ملے؟ حسن نے پوچھا : کون سے پیسے؟ والدہ نے چوتھائی لیرہ اور سگریٹ دکھا کر جواب دیا ، حسن خاموش ہوگیا اور ایسا لگا جیسے اسے اپنی مصیبت کا احساس ہوگیا ہو ، اس نے بہانے بنانے کی کوشش کی، تو والدہ نے محمود اور حسن کو حکم دیا کہ اسے پکڑیں اور فاطمہ کو کہا کہ رسی لے آؤ ، سب نے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کی جلدی کی، میں، میرا بھائی محمد اور میرا چچا زاد ابراہیم دادا کے پیچھے کھڑے ہو کر یہ سب دیکھ رہے تھے اور بہت خوفزدہ اور حیران تھے۔

محمود اور حسن نے میرے چچا زاد حسن کو پکڑا اور ستون کی طرف کھینچ لیا، فاطمہ رسی لے آئی اور والدہ نے اسے ستون سے باندھنے کی کوشش کی جبکہ وہ اس سے تفتیش کر رہی تھیں، جب حسن نے دیکھا کہ یہ سب سنجیدہ ہے، تو وہ چلایا: میں نے دادا کی نصف لیرہ گرنے پر اٹھائی تھی، دادا حیران ہوئے کہ ان سے نصف لیرہ کیسے گر سکتی ہے، اور ان کے پاس کتنی نصف لیرے ہیں بھی ؟ والدہ نے تفتیش جاری رکھی: کہاں گری تھی ؟ حسن ہچکچایا اور اس کا جھوٹ واضح ہوگیا، والدہ نے محمود اور حسن کو حکم دیا کہ اسے ستون سے باندھیں اور رسی لہراتے ہوئے کہا: میں نے یہ دادا کے تھیلے سے لی جب وہ سو رہے تھے، والدہ چلائی: تم نے اسے لیا اور اسے لینا کہتے ہو؟ کہو کہ تم نے دادا کے تھیلے سے چوری کی، پھر وہ دادا کی طرف مڑی اور پوچھا: ابو ابراہیم، آپ کا کیا خیال ہے؟ ہمیں اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ دادا نے اپنے پیسے کا تھیلا نکالا اور اس میں موجود رقم کو چیک کیا تو اس میں صرف نصف لیرہ تھی، مطلب حسن نے نصف گھر کا خرچ چوری کیا تھا، دادا نے کمزور آواز میں کہا: اسے ستون سے باندھ دو... باندھ دو، والدہ نے دادا کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہی ہوں کہ کیا وہ واقعی سنجیدہ ہیں ؟ دادا نے سر ہلا کر اشارہ کیا اور آنکھوں سے ہمیں دیکھ کر کہا کہ بچوں کو یہ دکھانا ضروری ہے کہ ایسے کاموں کی سزا ملتی ہے، ورنہ اس کا ان پر کیسے اثر ہوگا ؟ میری ماں نے حسن کو ستون کے ساتھ باندھ دیا اور وہ رو رہی تھی اور اپنی قسمت اور حسن کی قسمت کو رو رہی تھی، افسوس ہے تجھ پر، شہید کے بیٹے، تیرا باپ ایک شہید ہے حسن، تجھے معلوم ہے شہید کا مطلب؟ تیرا باپ ایک شہید ہے اور تو اپنے دادا کے تھیلے میں سے آدھا چوری کرتا ہے !! خاندان کے آدھے خرچ کو، حسن!! تجھے شرم نہیں آتی حسن ؟ پھر وہ ہم سب پر چیخی، سب کے سب کمرے میں چلو ! تو ہم سب فوراً بغیر کسی ہچکچاہٹ کے چلے گئے۔

اس رات ہم پر نہ صرف گھر میں کرفیو لگا بلکہ کمرے میں بھی، جو کہ ہماری ماں کی طرف سے تھا، اس نے ہمیں رات بھر کمرے سے باہر جانے سے منع کر دیا، سوائے انتہائی ہنگامی صورتوں میں، اور ہمیں زبردستی

جلدی سونے پر مجبور کیا۔

پانچویں فصل

میری خالہ فتحیہ اور ان کے شوہر ہماری زیارت کے لیے آئے، میری امی نے خالہ کا استقبال بوسے اور پیار کے ساتھ کیا اور خالہ نے ہمیں ایک ایک کر کے بوسے دیے ، میری امی مہمانوں کے لیے بستر تیار کرنے لگی اور دادا کو آواز دی ، یا عمی ابو ابراہیم، مہمان آئے ہیں ، دادا اپنے کمرے سے باہر آئے اور خالہ کے شوہر سے مصافحہ کیا ، خالہ اپنے ساتھ ایک ٹوکری لائی تھیں جس میں کئی کاغذی تھیلے تھے، انہوں نے وہ تھیلے میری امی کو دیے ، فاطمہ نے چائے بنائی، سب نے چائے پی اور پھر خالہ کے شوہر نے رخصت لی تاکہ وہ ماموں کے گھر جا سکیں ، خالہ نے بتایا کہ وہ آج اور رات ہمارے ساتھ رہیں گی اور ان کے شوہر کل انہیں واپس لے جائیں گے ، دادا نے انہیں روکا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ رات گزاریں، مگر انہوں نے معذرت کی کہ انہیں کچھ کام ختم کرنے ہیں ، دادا، امی اور خالہ نے انہیں دروازے تک الوداع کہا، پھر دادا اپنے کمرے میں چلے گئے اور امی اور خالہ ہمارے کمرے میں واپس آئیں اور ہم ان کے گرد جمع ہو گئے۔

امی ٹوکری لائی اور اس میں سے چیزیں نکالنے لگی ، ایک تھیلے میں بڑے بڑے سرخ سیب تھے جو ہم نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے، اور یقیناً ایسے سیب نہیں چکھے تھے کیونکہ ہم نے اپنی عمر میں دو یا تین بار ہی سیب کھائے تھے اور وہ بھی اس قسم کے نہیں ، دوسرے تھیلے میں ایک اور پھل تھا جس کا نام ہمیں اس وقت معلوم نہیں تھا، لیکن بڑا ہونے پر پتہ چلا کہ وہ آڑو تھا ، تیسرے تھیلے میں خشک دودھ کے ٹکڑے تھے ، امی نے خالہ سے کہا: تم نے بڑا احسان کیا فتحیہ ، خالہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور بولی: کاش میں تمہاری صحیح معنوں میں مدد کر سکتی، میری پیاری بہن ، پھر انہوں نے بتایا کہ ان کے شوہر کی مالی حالت اچھی ہے ، الحمد للہ ، امی نے پھل اٹھائے اور انہیں دھو کر واپس آئی ، اور محمود کو تقریباً آدھے سیب اور آڑو دیے کہ وہ انہیں دادا اور چچا کے بیٹوں کے کمرے میں لے جائے ، امی اور خالہ دیر رات تک باتیں کرتی رہیں اور ہم

ان کے گرد خوشی سے بیٹھے رہے کیونکہ ہماری پیاری خالہ آئی تھی ۔

خالہ کا شوہر عبد الفتاح ماموں کے گھر گئے اور ان کے ساتھ رات گزارنے لگے، انہیں الخلیل کے علاقے، شہر اور دیہات کی صورتحال کے بارے میں بتانے لگے ، عبد الفتاح نے چند سال پہلے اپنی ثانوی تعلیم مکمل کی تھی اور اپنے والد کی زراعت اور مویشی پالنے کے کاموں میں مدد کرنے لگے تھے ، وہ اردن یا سعودی عرب کی کسی یونیورسٹی میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے ، ماموں ان سے مزاحمت اور فدائیوں کی صورتحال، لوگوں کی زندگی کے معیار اور ان کی تیاریوں اور حوصلے کے بارے میں پوچھنے لگے، خاص کر گزشتہ تین سالوں میں جب سے اسرائیلی قبضہ ہوا تھا۔

الخلیل شہر پر قبضے کے بعد چند ہی دنوں میں سیاحوں کے بڑے بڑے گروہ حرم ابراہیمی کی زیارت کے لیے آنے لگے ، یہودیوں کا ماننا ہے کہ اس مقام پر ان کا تاریخی حق ہے، جس سے شہر میں اقتصادی خوشحالی کا دروازہ کھلا ، شہر کے بہت سے تاجروں نے اس موقع کا فائدہ اٹھایا، اپنی دکانیں کھولیں اور سیاحوں کو اپنی مصنوعات بیچنے لگے، اور انہیں ہر ممکن چیز زیادہ قیمت پر فروخت کرنے لگے، یہاں تک کہ انہوں نے انہیں بلوط بھی فروخت کیا ، غیر ملکی یہ سمجھتے تھے کہ بلوط ہمارے ابا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ملک کی وجہ سے مقدس ہے ، یہاں تک کہ یہودی بھی الخلیل میں اپنی ضروریات کی چیزیں مختلف دکانوں، مارکیٹوں اور بازاروں سے خریدنے آتے تھے، جس سے شہر میں حقیقی اقتصادی خوشحالی آئی اور زندگی کے معیار میں بہتری آئی۔

یہ بھی دیکھا گیا کہ قابض فوجی زیادہ اختلاط سے گریز کرتے تھے ، ایسا لگتا ہے کہ یہ شہر کے میئر شیخ الجعبری کی درخواست پر تھا، جنہوں نے شہر کے قبضے کے بعد اعلیٰ اسرائیلی قائدین سے ملاقات کی تھی اور ان سے درخواست کی تھی کہ ان کے فوجی لوگوں کے عزت و مال پر حملہ نہ کریں ، ان قائدین میں موشے دیان بھی شامل تھے، جنہوں نے اس کی اہمیت کو سمجھا اور اس نصیحت پر عمل کرنے میں سختی برتی ، اس وجہ سے

فوجیوں کا لوگوں سے کم ہی میل جول تھا۔

لوگ ابھی نکبہ اور شکست کی صدمے سے باہر نہیں نکلے تھے، اور اکثریت پر قبضے اور یہودیوں کا خوف طاری تھا ، ایک یہودی اکیلا شہر میں گھومتا تھا اور اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتا تھا، نہ ہی کوئی اس پر حملہ کرنے کا سوچتا تھا ، اگر لوگوں کو پتہ چلتا کہ کوئی ایسا سوچ رہا ہے، تو وہ اسے خوف اور احتیاط کی بنا پر روک دیتے ، لیکن کبھی کبھار کچھ مزاحمت بھی ہوتی تھی، اور وقفے وقفے سے کبھی کبھار فائرنگ، نشانہ بازی یا گولے پھینکنے کی کارروائیاں کی جاتی تھیں ، یہ حملے شہر کے کناروں یا ارد گرد کے گاؤں اور قصبوں میں قابض فوج کی گشتی کیا کرتی تھی ، حالانکہ کئی گاؤں اور علاقے ایسے تھے جہاں قابض فوج کبھی داخل نہ ہوئی تھی ، کچھ مجاہدین پہاڑوں میں غاروں میں رہتے تھے، جو کہ پہاڑوں کے نیچے بہت دور تک پھیلی ہوتی تھیں ، وہ کبھی کبھار نکلتے اور قابض فوج کی گشتی پر حملہ کرتے، جس سے زخمی اور کبھی کبھار ہلاکتیں بھی ہوتیں ، پھر وہ دوبارہ پہاڑوں میں پناہ لیتے جہاں قابض فوج نہ تو داخل ہونے کی ہمت کرتی تھی اور نہ ہی ان علاقوں کو جانتی تھی ، ان مزاحمت کاروں میں سب سے مشہور "ابو شرار" تھے، جو اس علاقے میں قابض فوجیوں کی نیند حرام کر دیتے تھے۔

فتح نے شہر اور اس کے آس پاس مزاحمت شروع کرنے کی کوشش کی، لیکن علاقے میں کامیابیاں انتہائی محدود تھیں ، کیونکہ قابض فورسز ان گروپوں کو گرفتار کر رہی تھیں جو مزاحمت شروع کرنے کی کوشش کر رہی تھے ، یا جو ابھی اپنی ابتدائی مراحل میں تھے اور ابھی اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہوسکے تھے ، شاید لوگوں کی اپنی زندگی کی مشکلات، اقتصادی پیداوار اور کامیابی کے امکانات کی وجہ سے مزاحمت علاقے میں نمایاں اور عام نہیں ہو سکی۔

لیکن شہر میں احتجاجات کی ایک سیاسی تحریک شروع ہوئی جسے فتح کے حامی اراکین، خاص طور پر طلباء کے حلقوں میں منظم کر رہے تھے ، اسی طرح جبهة الشعبية بھی سرگرمیاں شروع کرنے کی کوشش کر رہی تھی

، چونکہ مزاحمت کے میدان میں واضح کامیابی نہیں ملی، اس لیے سرگرمیاں سیاسی اور عوامی کاموں اور کچھ سماجی سرگرمیوں پر مرکوز ہو گئیں ، میرے خالو دلچسپی کے ساتھ میرے خالہ کے شوہر عبد الفتاح کی تفصیلی باتیں سن رہے تھے جو علاقے کی صورتحال بیان کر رہے تھے اور وقتاً فوقتاً کچھ وضاحتی سوالات پوچھ کر ہر چھوٹی بڑی بات جاننے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ غرب اردن اور غزہ پٹی کی صورتحال کے فرق کو سمجھ سکیں۔

غزہ پٹی میں ۱۹۶۷ کی جنگ میں تحلیل ہونے والے فلسطینی آزادی فوج کے افسران اور لڑاکوں کو جمع کرنے کے لیے ایک نئی فورس تشکیل دی گئی تھی ، جسے قوات التحریر الشعبی کہا جاتا تھا ، یہ غزہ میں سب سے بڑا مزاحمتی گروپ تھا ، ساتھ ہی فتح اور جبھۃ الشعبیۃ کے گروپوں نے بھی مزاحمت شروع کی اور مجموعی طور پر غزہ پٹی میں مزاحمت کی سطح اچھی تھی، باوجود اس کے کہ قابض فورسز بعض قیادتوں کو قتل کرنے اور علاقے میں مزید سرایت کرنے اور اس کے راز جاننے میں کامیاب ہو رہی تھیں۔

کچھ دنوں بعد خالہ کے جانے کے بعد محلے میں خبر پھیل گئی کہ مغربی علاقے المشتے میں ایک ایجنٹ کی لاش پڑی ہوئی ہے ، ہم سب وہاں لاش دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے، جیسا کہ ایسی خبروں پر عام طور پر ہوتا ہے ، لاش وہاں پڑی ہوئی تھی، کسی کو بالکل معلوم نہیں تھا کہ اس لڑکی کو کس نے قتل کیا ، یہ افواہ تھی کہ وہ ایک ایجنٹ تھی اور اسی وجہ سے قتل کی گئی ، کسی نے اس پر اعتراض کرنے یا تفصیلات پوچھنے کی جرأت نہیں کی، لیکن محلے میں سرگوشیوں اور چپکے چپکے باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ ایجنٹ نہیں تھی اور کچھ لوگ جو خود کو فدائی ظاہر کر رہے تھے، انہوں نے اپنی حصانت کا فائدہ اٹھا کر اسے دھوکہ دیا، اس کی عزت لوٹی، اور پھر اپنے جرم کے راز افشا ہونے کے خوف سے اسے قتل کر دیا اور اسے ایجنٹ قرار دے دیا ، قابض فورسز نے عوام میں سرایت بڑھانے کے لیے اپنے انٹیلی جنس کام کو مزید تیز کر دیا ، عوام کی کمزوریوں، ضرورتوں اور غربت کا فائدہ اٹھا کر ایجنٹ بھرتی کرنے لگیں جو مزاحمت کاروں کی معلومات اور ان کی نقل و حرکت کی

خبریں فراہم کرتے تھے۔

قوات قابضہ بڑے پیمانے پر مردوں اور نوجوانوں کو گرفتار کر رہی تھی ، جنہیں سرایا عمارت منتقل کیا جاتا تھا ، جہاں خفیہ ایجنسی کا دفتر واقع ہے ، وہاں بڑی تعداد میں فوجی ان کا استقبال تھپڑ لاتوں اور گھونسوں سے کرتے ، ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی اور انہیں دیوار کی طرف منہ کرکے گھنٹوں کھڑا رکھا جاتا ، ان کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوتے ، ٹھنڈ اور بارش میں خوف اور سردی سے وہ کانپتے رہتے ، فوجی ان کے پیچھے کھڑے ہوتے ، باری باری ڈیوٹیاں کرتے ، جو بھی دیوار پر سہارا لینے کی کوشش کرتا یا ادھر اُدھر حرکت کرتا ، اسے لات ماری جاتی اور پیٹا جاتا۔

ایک قریبی روشن اور ایئر کنڈیشن کمرے میں شین بیٹ کے انٹیلی جنس افسران بیٹھے ہوتے ، وہ مردوں کو ایک ایک کرکے بلاتے ، انہیں کرسیوں پر بٹھاتے اور ان کی آنکھوں سے پٹی ہٹا دیتے ، پھر وہ ان سے ان کے کام، ان کے گاؤں، ان کے خاندان، ان کے بھائیوں، ان کے پڑوسیوں اور مزاحمت کرنے والے لوگوں کے بارے میں ہزاروں سوالات پوچھتے ، وہ ان پر بے شمار گالیاں اور لعنتیں بھیجتے ، اور بعض اوقات مارتے بھی ، کبھی مذاق اڑاتے اور کبھی دھمکاتے ، تاکہ ان سے کوئی معلومات حاصل کریں یا کسی کو ان کے ساتھ تعاون کرنے پر مجبور کریں ، کچھ مرد اس ذلت اور خواری کے سامنے غصے اور غم سے بھر جاتے ، لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتے ، اگر وہ کچھ کرتے بھی تو انہیں مزید ذلت اور خواری کا سامنا کرنا پڑتا ، کچھ لوگ اس بحران سے بہتر طریقے سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ نہ ان کے ساتھ نہ ان کے خلاف، نہ مزاحمت کے ساتھ نہ اس کے خلاف ، وہ صرف جینا چاہتے ، اور اپنے بچوں اور خاندان کو کھانا کھلانا چاہتے ، کچھ لوگ اپنے خون اور روح کو قابضوں کے ہاتھوں سستا بیچ دیتے اور ان کے ساتھ تعاون کرنے پر راضی ہو جاتے۔

غزہ پٹی میں مزاحمت کی حالت مغربی کنارے کی نسبت نمایاں طور پر مضبوط تھی ، اس کی بنیادی وجہ شاید وہ فوجی بٹالین تھی ، جسے فلسطین کی آزادی کی فوج کے نام سے جانا جاتا تھا ، اسے فلسطین کی آزادی کی تنظیم کے

ایک فوجی قوت کے طور پر بنایا گیا تھا، جسے عرب حکومتوں نے اس وقت قائم کیا تھا تاکہ فلسطین کی ذمہ داری سے بچ سکیں ، 1967 کی جنگ کے بعد یہ فوج بکھر گئی، کچھ شہید ہو گئے، زیادہ تر مصر چلے گئے یا وہاں منتقل ہو گئے، اور کچھ غزہ میں رہ گئے اور انہوں نے عوامی آزادی کی فوج بنائی، جس نے مزاحمت کا آغاز کیا، پھر فتح اور الجبھۃ الشعبیۃ کے کچھ گروپوں اور سیلوں نے غزہ میں کام شروع کیا اور خاص طور پر کیمپوں کے علاقوں میں ان کی موجودگی بڑھنے لگی۔

ایک دن جب ہم اسکول میں صبح کی تقریب میں تھے، تو ایک بڑا واقعہ پیش آیا، پھر ہم نے بلند نعرے سنے "بالروح بالدم نفدیک یا فلسطین، بالروح بالدم نفدیک یا فلسطین ، اسکول کے بچے دوسرے اسکولوں کے ساتھ مل کر ایک جلوس میں نعرے لگانے لگے اور ہر کوئی خوشی اور مسرت سے بھرپور تھا ، یہ دن یوم کرامہ تھا جب فلسطینی جنگجوؤں نے اردن میں اسرائیلی حملے کو ناکام بنا دیا تھا ، جلوس کی صورت میں مظاہرین کیمپ کی گلیوں میں نعرے لگاتے، جھنڈے لہراتے رہے اور پھر ہم اپنے گھروں کو واپس آ گئے ، سب کا جذبہ اور فخر عروج پر تھا، کیونکہ 1967 کی شکست کے بعد، جو کہ سرکاری عربی نظام کے مطابق نکسہ کہلاتی تھی، یہ اسرائیلی فوج پر پہلی فتح تھی ۔

فدائیوں کے گروپ جو دریائے اردن کے مشرقی کنارے پر کیمپ لگائے ہوئے تھے، کچھ حد تک سرحد پار کارروائیاں شروع کر چکے تھے ، اس دن عصر کے بعد میں حسب معمول اپنے دادا کے ساتھ گھر کے قریب میدان میں بیٹھا، جہاں محلے کے مرد بات چیت کرتے تھے ، سب خوشی سے بھرپور تھے اور "فلسطینی انقلاب" اور "تحریکِ آزادی (فتح)" کا نام سنائی دے رہا تھا ، واضح ہو گیا تھا کہ "فتح" نے فلسطینی قومی تحریک اور مزاحمت میں قیادت کی پوزیشن سنبھال لی تھی ، اس دن میں نے کچھ مردوں کو یہ کہتے سنا: یا عمی، یہ بات ٹھیک ہے، زمین کو ہل کوئی اور نہیں چلا سکتا، ہم عربی فوجوں پر اعتماد کرتے تھے، ہم ہار جاتے تھے، اور پہلی بار جب ہم خود لڑے تو ہم جیت گئے، چاہے ہمارے پاس کمزور ہتھیار ہی کیوں نہ ہوں ، تمام مرد اپنی رضا

مندی میں سر ہلا رہے تھے۔

اگلے دنوں میں مغربی کنارے اور غزہ میں فدائیوں کی کارروائیاں بڑھ گئیں ، جیسا کہ میری ماں ہمیشہ کہتی تھی "نفس الرجال بحيي رجال" معرکہ کرامہ کی فتح نے بہت سے لوگوں میں امید اور تیاری کی روح بھر دی ، یوں لگتا تھا کہ قبضے کی خفیہ ایجنسیوں کو یہ معلومات ملی تھیں کہ غزہ میں ہونے والی بہت سی کارروائیوں کی جڑ کیمپ الشاطی سے ہے، تو انہوں نے ہمارے کیمپ پر کرفیو لگا دیا ، اس بار کرفیو کافی عرصے تک جاری رہا، تین ہفتے سے زیادہ ، یہاں تک کہ ایک مہینے سے تجاوز کر گیا اور کیمپ میں ہمارے حالات مزید خراب اور سخت ہو گئے ، کیمپ میں کرفیو نافذ تھا، لیکن شہر میں چند قدموں کے فاصلے پر زندگی معمول کے مطابق چل رہی تھی ، غزہ کی مساجد میں ظہر کی اذان بلند ہوئی ، مسجد العباس جو شہر کی مرکزی سڑک، شارع عمر المختار پر واقع ہے، میں کچھ مرد اور نوجوان نماز ادا کرنے کے لیے جمع ہونے لگے۔

نماز ختم کرنے کے بعد ایک جوان لڑکا جو بیس کی دہائی کے آغاز میں تھا، اعتماد کے ساتھ کھڑا ہوا اور اس نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا، پھر اس نے لوگوں سے مخاطب ہو کر ان میں اپنے بھائیوں کی قوت اور بہادری کو اجاگر کیا جنہوں نے الشاطئ کیمپ میں ایک ماہ سے کرفیو کا سامنا کیا ہوا تھا ، ایک شیخ نے سوال کیا : بیٹا ! ہم کیا کر سکتے ہیں ؟ لڑکے نے جواب دیا ، کم از کم ہم یکجہتی کا ایک مظاہرہ کر سکتے ہیں ، مسجد میں موجود لوگ باہر نکلے، نعرے لگاتے ہوئے اور تکبیرات بلند کرتے ہوئے کچھ لوگوں نے اس جوان کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیا، اور وہ نعرے لگا رہا تھا ، "بالروح بالدم نفدیک یا فلسطین... کلنا فلسطين مواطنين و مهاجرين ۔

مہاجرین اور شہری لوگ بڑی تعداد میں مظاہرے میں شامل ہونے لگے اور شہر کی سڑکیں کیمپ کے قریب تھیں، اور قابض فوج کی گاڑیاں صورتحال کی نگرانی کر رہی تھیں، ہنگامی حالات کے پیش نظر بغیر مداخلت کے مظاہرہ ختم ہوگیا اور سب نے محسوس کیا کہ انہوں نے اپنی ضمیر کے مطابق کچھ کیا ہے ، اگلی صبح لاؤڈ

اسپیکر سے اعلان کیا گیا کہ کیمپ سے کرفیو ختم کر دیا گیا ہے تاکہ زندگی دوبارہ معمول پر آ سکے ، صبح کے وقت ہم اسکول کی قطار میں کھڑے ہوتے تھے، اور کچھ محدود ورزشوں کے بعد اور صبح کی تقریر جو ایک طالب علم اس قطار کے سامنے پتھر کی سیڑھیوں سے دیتا تھا، ہم قطار در قطار دودھ کے کاؤنٹر کی طرف بڑھتے تھے ، یہ ایک ایسی جگہ تھی جو تین طرف سے پتھروں سے بند تھی اور اس کی چھت زِنک کی چادروں سے ڈھکی ہوئی تھی ،اس کے اوپر ایک سیمنٹ کا پلیٹ فارم تھا جس پر بڑی میزیں تھیں اور ان کے پیچھے چار آدمی نیلے رنگ کے لباس اور سفید ٹوپیاں پہنے کھڑے ہوتے تھے ، ہم قطار میں کاؤنٹر میں داخل ہوتے تھے اور ہمارے اساتذہ اس کی نگرانی کرتے تھے ، وہ آدمی ہمیں ایک ایک کر کے لوہے کے کپ دیتے تھے جنہیں وہ دودھ سے بھرتے تھے اور ہمیں ہر ایک کو مچھلی کے تیل کی ایک گولی دیتے تھے، اور ہمیں اسے نگلنے کے لیے کہتے تھے پھر ہم دودھ پیتے تھے اور ہم کپ کو ایک بڑے برتن میں ڈال دیتے تھے جس میں کھولتا ہوا پانی ہوتا تھا، اور اپنی قطار سے نکل کر اپنے کلاس رومز کی طرف جاتے تھے ، پوری اسکول یعنی تمام طلبا ہر دن اسکول میں مچھلی کے تیل کی گولی اور دودھ پیتے تھے ، ہم مچھلی کے تیل سے شدید نفرت کرتے تھے اور اس پر گرم دودھ پینے سے بھی نفرت کرتے تھے ، اساتذہ ہماری نگرانی کرتے تھے تاکہ ہم وہ چھوٹی گولیاں نہ پھینک دیں، اور ہمیں مجبور کرتے تھے کہ ہم انہیں لیں اور ہمیں جلدی جلدی دودھ پینے اور کلاس رومز میں جانے کی تاکید کرتے تھے۔

مچھلی کا تیل بہت فائدہ مند ہے، لیکن گرم دودھ کا اپنا ایک الگ ہی مزہ ہے اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ اس کا پیالہ ہاتھوں میں پکڑنے سے جو گرمی ملتی ہے، خاص کر جب آپ کے چھوٹے ہاتھ ٹھنڈ سے تقریباً جم چکے ہوں، تو آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ آپ کے ہاتھ دوبارہ آپ کے جسم کا حصہ بن گئے ہیں جیسے کہ وہ پہلے الگ ہوگئے ہوں ، ان دنوں میں سے ایک دن بہت ہی سرد اور طوفانی تھا اور ہم میں سے زیادہ تر لوگ بارش کے پانی سے بھیگ چکے تھے ، جب ہم نے دودھ پیا تو اپنے کلاس روم میں جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور

سردی سے کانپنے لگے ، ہمارے استاد شیخ کلاس میں داخل ہوئے اور ایسا لگا جیسے انہوں نے سمجھ لیا ہو کہ ہم اس حالت میں نہیں ہیں کہ پڑھائی کر سکیں یا کچھ سمجھ سکیں ، انہوں نے ہمیں ہنسانے کا ارادہ کیا اور کہا: بچو! تصور کرو کہ آسمان سے اب چاول اور گوشت برس رہا ہے ، کلاس میں شور مچ گیا اور ہم سردی اور بھیگنے کو بھول گئے ، جب ہم نے چاول اور گوشت کا ذکر سنا، اور ہم بے ترتیبی سے باتیں کرنے لگے ، میں تو صرف گوشت کھاؤں گا... مجھے چاول پسند ہیں... میں... میں... شیخ نے ہمیں تھوڑی دیر کے لیے خوابوں میں چاول اور گوشت کے ساتھ کھیلنے دیا، پھر ہم پر چیخ پڑے : چپ کرو تم سب! اللہ کرے کہ تم پر ٹڈیاں برسیں جو تم سب کو کاٹیں : پھر کہا: پڑھائی کی کتاب نکالو سبق نمبر بیس کھولو ، احمد، تم پڑھو ، میں نے اپنی کتاب کھولی جو پانی سے بھیگی ہوئی تھی، اور سردی سے کانپتے ہوئے پڑھنے لگا ، شیخ کے ہونٹ ہل رہے تھے اور وہ کہہ رہے تھے: "لاحول ولا قوۃ الا باللہ... انا للہ وانا الیہ راجعون ، تمہیں پڑھنا چاہیے تاکہ تم انسان بن سکو۔

چھٹی فصل

میری خالہ فتحیہ صوریف گاؤں میں رہتی تھی ، جو کہ ضلع الخلیل کا ایک گاؤں ہے ، یہ گاؤں فلسطین کے دیگر تمام دیہاتوں کی طرح 1967 میں قبضے میں آیا، اور اسے مزاحمت میں اس کے کردار کی وجہ سے جلاوطنی اور تباہی کے حصے کا سامنا کرنا پڑا ، یہ گاؤں سرحدی علاقہ ہونے کی وجہ سے 1948 سے پہلے کی جنگوں میں بھی شامل رہا ، یہ گاؤں سبز لکیر کے قریب واقع ہے ، جو 1948 میں قبضے میں آئی ، زمینوں اور ان زمینوں کے درمیان حد بندی کرتی ہے جو 1967 تک اردنی حکومت کے تحت تھیں ۔

قبضے کے کچھ ہی دیر بعد قابض فوج کی گشتیں گاؤں کے قریب آئیں اور اسے دیگر مغربی کنارے کے دیہات کی طرح گھوم کر دیکھنے لگیں ، لوگ یہاں چھوٹے، سادہ اور خوبصورت پتھریلے گھروں میں زیتون، انجیر، انگور اور بادام کے درختوں کے درمیان رہتے ہیں ، وہ مویشی اور پولٹری پالتے ہیں اور اپنی روزی کما کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جس کی نعمتیں بے شمار ہیں ، گاؤں کے مرد بلند کردار اور مردانگی کے لیے مشہور ہیں اور

وہ فلسطینی دیہاتی لباس پہنتے ہیں۔

ایک کو دیکھو تو وہ اپنی لاٹھی پکڑے ہوئے اپنی بھیڑ بکریوں کو پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتا دیکھتا ہے، اور عورتیں اپنے لباس اور سر کے ڈھانپنے کے ساتھ ظاہر ہوتی ہیں ، میری خالہ کو غزہ سے صوریف منتقل ہونے پر زیادہ فرق محسوس نہیں ہوا، صرف دیہی اور زرعی ماحول میں فرق تھا ، لوگوں کے طور طریقے اور ان کی خالص روحیں ایک جیسی تھیں، شاید مقامی لہجہ تھوڑا مختلف تھا لیکن یہ کوئی بڑا فرق نہیں تھا، اور جلد ہی وہ وہاں کی زندگی میں رچ بس گئی ، ان کے شوہر عبد الفتاح نے اپنی ثانوی تعلیم الخلیل شہر کے طارق بن زیاد اسکول میں مکمل کی، کیونکہ صوریف میں کوئی ثانوی اسکول نہیں تھا ، جیسے کہ شہر کے ارد گرد کے دیگر دیہات ، جو لوگ اپنی ثانوی تعلیم مکمل کرنا چاہتے تھے، انہیں الخلیل میں پڑھنا پڑتا تھا ، خالہ کے شوہر کی الخلیل میں تعلیم نے اسے شہر اور وہاں کے حالات سے واقف کر دیا تھا، اور اس کے وہاں بہت سے دوست تھے جو اس کے ساتھ اس اسکول میں پڑھتے تھے۔

خالہ کو ایک بیٹا ہوا جس کا نام عبد الرحیم رکھا ، میری ماں مالی حالت کی وجہ سے الخلیل سفر کرکے خالہ کو نئے بچے کی مبارکباد دینے نہیں جا سکتی تھی ، تو وہ ماموں کے گھر جا کر انہیں مبارکباد دیتی ہے اور ان سے کہتی ہے کہ جب وہ فتحیہ کے پاس جائیں تو ان کی طرف سے بھی مبارکباد دے دیں اور ان کا عذر پیش کریں، کیونکہ وہ ہماری مالی حالت اور خاندان کی حالت کو جانتی ہے ۔

میری خالہ کے شوہر عبد الفتاح یونیورسٹی آف اردن میں شعبہ شریعت میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے سفر کی تیاری کر رہے تھے، لیکن ان کے والد کی شدید بیماری نے انہیں اس منصوبے کو ملتوی کرنے پر مجبور کردیا ، پھر والد کی وفات نے انہیں یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے سے مکمل طور پر دستبردار کردیا ، انہوں نے اپنے والد کی تجارت کی پیروی کرنے اور ان کی زمین کا خیال رکھنے کا فیصلہ کیا اور اپنی تعلیم جاری نہ رکھنے کا غم اس بات سے مٹایا کہ وہ اپنے بھائی عبد الرحمن کی تعلیم میں مدد کریں گے، جو الخلیل میں طارق بن زیاد

اسکول میں دوسرے سال کا طالب علم تھا۔

عبد الفتاح اکثر اپنے گھر کی چھت پر کھڑے ہو کر اپنی بیوی کو مغربی علاقے میں 'خربہ علین' کی طرف اشارہ کرتے تھے، جہاں 1967 کی جنگ سے پہلے 'الجهاد المقدس' کے مجاہدین نے کیمپ لگائے تھے ، وہاں کے رہائشی ان کی ضروریات پوری کرتے تھے ، ایک دن صوریف کے ایک رہائشی، محمد عبد الوهاب القاضي، جو اپنی بکریاں چرا رہا تھا، نے 'صناعین' نامی علاقے میں ایک یہودی قافلہ دیکھا جو بیت شیمش سے آتسیون کی طرف جا رہا تھا ، اس نے مجاہدین کو اطلاع دی، جنہوں نے جلدی سے 'ظهر الحجة' نامی علاقے میں گھات لگا کر حملہ کیا اور ان سب کو مار ڈالا ، ان میں 35 افسران، فوجی اور ڈاکٹر شامل تھے ، اس واقعے نے یہودیوں کے دلوں میں صوریف کے خلاف نفرت پیدا کر دی، اور جب 1967 کی جنگ ہوئی، تو انہوں نے انتقام کے طور پر صوریف پر توپ خانے سے حملہ کر کے کئی گھروں کو تباہ کر دیا۔

عبد الفتاح کے تجارتی کام اور الخلیل شہر کے تاجروں اور صنعتکاروں کے ساتھ تعلقات نے انہیں ایک بڑی نیٹ ورک فراہم کی ، اپنی نشستوں اور ملاقاتوں میں، وہ لمبی گفتگو اور تفصیلی مباحثے کرتے تھے ، ایک دکان میں بیٹھ کر، وہ ہیٹر کے گرد جمع ہوتے جس میں انگارے سلگ رہے ہوتے ، چائے پیتے اور مزاحمت اور قبضے کے بارے میں بات کرتے ، ان حوادث نے ہمیشہ اس بات کی عکاسی کی کہ اس علاقے کے لوگ مزاحمت کے فائدے پر یقین نہیں رکھتے تھے اور اسے نقصان دہ سمجھتے تھے ، ان کا زیادہ تر دھیان اپنی زندگی کی سطح کو بلند کرنے، اقتصادی ترقی اور دولت میں اضافہ کرنے پر ہوتا تھا ، ان کا ہمیشہ یہ کہنا تھا کہ جب عربی فوجیں اسرائیلی فوج کے مقابلے میں ناکام ہو چکی ہیں، تو چند فدائی اپنی معمولی اسلحے اور محدود وسائل کے ساتھ کیسے کامیاب ہو سکتے ہیں۔

عبد الفتاح ان کی آراء کی کھل کر مخالفت کرنے کی جرات نہیں کرتے تھے، لیکن وہ ان کی باتیں سنتے اور منطقی اور معروضی طریقے سے بحث کرنے کی کوشش کرتے ، آخر میں وہ لوگ چائے پیتے ہوئے ایک گھنٹہ یا

کچھ وقت بیٹھنے کے بعد رخصت ہو جاتے ، ان میں سے کوئی کہتا: ہمیں اس مسئلے سے کیا لینا دینا، خالق کو اس کے حال پر چھوڑ دو، اللہ وہی کرے گا جو بہتر ہو ، اس مخصوص لہجے میں جو الخلیل کے باشندوں کی خصوصیت ہے، جہاں وہ بولتے وقت حروف کو زیادہ کھینچتے ہیں۔

ان جلسوں، حلقوں اور تعلقات میں میری خالہ کے شوہر کی ملاقات ابو علی سے ہوئی جو کہ مسئلہ فلسطین کے حوالے سے کچھ کرنے کی ضرورت پر زیادہ ایمان رکھتا تھا ، اگرچہ مزاحمت وطن کی آزادی اور قبضہ کو ختم کرنے میں مؤثر نہیں ہوسکتی ،لیکن یہ کم از کم قومی فرض کی ادائیگی ضرور ہے۔

میری خالہ کے شوہر اور ابو علی اکثر الخلیل کی سڑکوں پر چلتے تھے جب میری خالہ کے شوہر الخلیل جاتے یا جب ابو علی صوریف آتے تو وہ بات چیت کرتے تھے ، باتیں زیادہ تر قبضے کے خلاف مزاحمت کرنے کی ضرورت اور صرف مال کمانے، دولت بڑھانے اور مکان بنانے میں مشغول نہ ہونے کی ضرورت پر ہوتی تھیں ، چونکہ ان کے خیالات ملتے جلتے تھے، اس لیے ان کی دوستی بہت مضبوط ہوگئی ، ایک دن ابو علی نے میری خالہ کے شوہر سے کہا: میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتا، مجھے اپنا کم از کم فرض ادا کرنا ہوگا ، میری خالہ کے شوہر نے پوچھا: تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ کیا تم کوئی ہتھیار ڈھونڈ کر قبضے کی کسی گشتی پارٹی پر حملہ کرنا چاہتے ہو، پھر بھاگ کر ان مطلوب افراد جیسے 'ابو شرار' اور دیگر مجاہدین کی طرح زندگی گزارنا چاہتے ہو ؟ ابو علی نے جواب دیا: نہیں، یہ میرا مقصد نہیں ہے ، میں مزاحمت کو منظم کرنا چاہتا ہوں تاکہ اسے ایک تحریک، ایک تنظیم بنایا جاسکے ، میری خالہ کے شوہر نے پوچھا: کیسے ؟ ابو علی نے جواب دیا: میں اردن جاؤں گا اور وہاں فتح کے سامنے اپنی بات رکھوں گا ، تم جانتے ہو کہ کرامہ کے بعد فتح نے اپنی جگہ بنالی ہے اور وہ یقیناً میری تجویز کو پسند کریں گے اور مجھے اس میں مکمل مدد فراہم کریں گے ، میری خالہ کے شوہر نے اس خیال کی تعریف کی اور ابو علی کو ہر ممکن احتیاط برتنے کی تاکید کی ، انہوں نے کہا کہ وہ اسے ہر قدم پر اپنا شریک سمجھ سکتے ہیں اور اس بات پر اتفاق ہوا کہ ابو علی اکیلے سفر کرے گا اور اپنے سفر کے

لیے ایک تجارتی بہانہ بنائے گا تاکہ کسی کو شک نہ ہو۔

اس دوران اردن میں کرامہ کی فتح کے بعد پورا ملک مزاحمت کے تابع تھا اور مہاجر کیمپوں میں فتح کی کامیابی کا جشن منایا جا رہا تھا، ہر کوئی فدائیوں کی زندگی کے حق میں نعرے لگا رہا تھا اور قومی تحریک آزادی فلسطین کے لیے دعا گو تھا، ابو علی جیسے شخص کے لیے یہ مشکل نہ تھا کہ وہ وہاں فدائی قیادت تک پہنچے اور ان کے ساتھ مغربی کنارے کے ہر علاقے میں فتح کی عسکری خلیے منظم کرنے کا معاہدہ کرے، اسے اس مقصد کے لیے مالی اور عسکری امداد فراہم کی جائے گی، کچھ رشتہ داروں سے ملنے کے بعد ابو علی نے کچھ تجارتی معملات نپٹائے تاکہ اپنی اصل مشن کو خفیہ رکھ سکے، پھر وہ مغربی کنارے واپس آیا اور مختلف شہروں میں اپنے نوجوان جان پہچان والوں سے رابطہ کرنا شروع کیا۔

جو بھی فتح تحریک کے صفوں میں شامل ہوتا تو اس سے درخواست کرتے کہ وہ اپنے دو یا تین قابل اعتماد دوستوں کو بھی شامل کریں جو قبضے کے خلاف مسلح جدوجہد کے لیے تیار ہوں، یہ عمل شمالی مغربی کنارے سے لے کر الخلیل تک اور دیہات و قصبات تک پھیلا، جب بھی کوئی قابل اعتماد شخص ملتا، اسے یہ تجویز دی جاتی اور اگر وہ تیار ہوتا، تو اسے ایک سیل تشکیل دینے کی ہدایت دی جاتی، عبد الفتاح جو کہ میری خالہ کے شوہر تھے، کو ہتھیاروں کی جمع آوری کی ذمہ داری دی گئی کیونکہ ان کی تجارت ان کے لیے ایک بہترین پردہ تھی، اس طرح تھوڑے وقت میں، مختلف شہروں میں سیلز اور گروپس بننے لگے، یہ گروپس چھوٹی چھوٹی فدائی کارروائیاں کرنے لگے جیسے کہ فوجی گاڑیوں پر دیسی بم پھینکنا، ان پر گولیاں چلانا یا دور سے نشانہ بازی کرنے کی کوششیں، جیسا کہ ہر مزاحمتی تحریک میں ہوتا ہے، ایک سیل میں کوئی عملی خرابی پیدا ہوئی اور سیل کے افراد کو گرفتار کر لیا گیا، تفتیش کے دوران کچھ نے اعتراف کیا اور مزید لوگوں کی گرفتاری ہوئی، اس طرح معاملہ ابو علی تک پہنچ گیا اور اسے گرفتار کرکے الخلیل جیل کے تفتیشی کمروں میں شدید تشدد کا نشانہ بنایا گیا، ابو علی نے بڑی مردانگی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا اور اس نے کسی بھی چیز کا اعتراف کرنے سے

انکار کر دیا جس کا ذکر کچھ نوجوانوں نے تفتیش کے دوران کیا تھا۔

اسرائیلی خفیہ ایجنسی نے ابو علی کے تعلقات اور دوستوں کے بارے میں تحقیق کی اور میرے خالہ کے شوہر کو گرفتار کرلیا، ان کے گھر کی تلاشی لیتے ہوئے، انہوں نے کافی توڑ پھوڑ کی، میری خالہ اور ان کے چھوٹے بیٹے عبد الرحیم کو بھی مارا پیٹا گیا، خالہ کے شوہر کو الخلیل کی جیل میں لے جایا گیا اور شدید تفتیش اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا، انہیں ابو علی کے بارے میں پوچھا گیا اور یہ کہ ابو علی نے ان کے خلاف اعتراف کیا ہے، جس پر انہوں نے انکار کیا، اس کے نتیجے میں انہیں چھ ماہ کی انتظامی قید کی سزا سنائی گئی اور ابو علی کو نوجوانوں کے اعترافات کی بناء پر پانچ سال کی سزا دی گئی۔

یہاں سے میری خالہ کی جیل کے ایک نئے عالم میں داخل ہونے کی کہانی شروع ہوتی ہے، وہ ہر ماہ اپنے شوہر سے ملنے جاتی تھی، ملاقات کے دن وہ صبح سویرے اٹھتی، اپنے بچے کو تیار کرتی اور گاؤں کے مرکز کی طرف روانہ ہوتی، یہاں سے وہ گاڑی پکڑتی جو گاؤں سے کم ہی گزرتی ہے اور شہر خلیل کی طرف جاتی ہے، یہاں وہ ایک لمبا سفر طے کرتی ہے، تاکہ عمارت پہنچ سکیں جو کہ خلیل جیل اور شہر کی فوجی حکمرانی کا مرکز ہے، وہاں وہ سینکڑوں لوگوں کو دیکھتی ہیں جو اپنے قیدیوں سے ملنے آئے ہوتے ہیں، وہ عورتوں کی قطار میں کھڑی ہوتی ہیں اور اپنا شناختی کارڈ تھامے ہوتی ہیں، انہیں شاید پہلے گروپ میں موقع مل جائے یا جیل کا سپاہی اعلان کرے کہ گروپ مکمل ہو چکا ہے تو اسے دوسرے گروپ تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔

جب وہ دیوار میں اس چھوٹے سے سوراخ تک پہنچتی ہیں تو اپنا شناختی کارڈ سپاہی کو دیتی ہیں جو دیوار کے پیچھے بیٹھا ہوتا ہے تاکہ وہ چیکنگ، تصدیق اور رجسٹریشن کر سکے، پھر وہ پاس والا دروازہ کھولتا ہے اور وہ خواتین کے حصے میں داخل ہوتی ہیں جہاں ایک عورت تفصیلی تلاشی لیتی ہے، خالہ اپنا غصہ ضبط کرتی ہیں کیونکہ وہ دورہ ضائع نہیں کرنا چاہتی، اس وقت ابو عبد الرحیم ان کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں اور یقیناً وہ اور ان کا بیٹا عبد الرحیم ان سے ملنے کے مشتاق ہیں اور اس حقیر سپاہی سے الجھنے کا کوئی جواز نہیں ہے، تلاشی کے بعد

زائرین کو ایک کمرے میں جمع کیا جاتا ہے، پھر انہیں لمبے راستوں اور کم روشنی والے دالانوں سے گزارتے ہوئے زیارتی حصے میں لے جایا جاتا ہے جہاں ایک دیوار میں کھڑکیاں ہوتی ہیں جن پر لوہے کی جالیاں لگی ہوتی ہیں ، ہر کھڑکی کے پیچھے ایک قیدی کھڑا ہوتا ہے، اور زائرین اپنے عزیز قیدیوں کو تلاش کرتے ہیں ، جب وہ انہیں پا لیتے ہیں تو کھڑکی کے پاس آتے ہیں اور والد کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں جب وہ اپنے بچے کو کھڑکی کے پیچھے دیکھتے ہیں اور گلے نہیں لگا سکتے ، بیوی یا ماں کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں جب وہ اپنے شوہر یا بیٹوں کو سلاخوں کے پیچھے دیکھتی ہیں، اور انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے ساتھ ان دیواروں کے اندر کیا ہوتا ہے جو کہ بے رحم ہیں ، لوگ سفر کی تھکن، انتظار اور تلاشی سے ابھی سکون نہیں پاتے، نہ ہی اپنے شوہروں، بیٹوں اور عزیزوں کی خیریت معلوم کر پاتے ہیں کہ جیل کے سپاہی جو قیدیوں اور زائرین کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں، تالیاں بجانا شروع کر دیتے ہیں اور چیختے ہیں کہ ملاقات ختم ہو گئی ، وہ قیدیوں کو اس لوہے کے دروازے کے پیچھے کھینچنے لگتے ہیں اور زائرین کو باہر نکال دیتے ہیں ، خالہ کے شوہر اپنے آنسو ضبط کرتے ہیں تاکہ سپاہی انہیں دیکھ کر مزید خوش نہ ہوں ، اور وہ اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے اپنی بیوی کو حوصلہ دیتے ہیں کہ رہائی قریب ہے، صرف پانچ ماہ اور باقی ہیں ، وہ اسے عبد الرحیم کا خیال رکھنے اور گھر کی دیکھ بھال کرنے کی تاکید کرتے ہیں اور سب کو سلام پہنچانے کا کہتے ہیں ، خالہ اپنے سر کے سفید اور کناروں سے کڑھے ہوئے دوپٹے کے کونے سے اپنے آنسو پونچھتی ہیں اور کہتی ہیں : کوئی بات نہیں، بس تم حوصلہ رکھو اور فکر نہ کرو، خدا حافظ۔

گلی کوچوں، دیہاتوں اور کیمپوں میں نئے گروپس اور جماعتیں مغربی کنارے کے شہروں، دیہاتوں اور خرابوں میں منظم ہو رہی ہیں ، نوجوان وادیوں کی گہرائیوں میں یا بلند پہاڑوں کے پیچھے جا کر حال ہی میں ملنے والے یا اپنے آباؤ اجداد سے پائے گئے ہتھیاروں کے استعمال کی تربیت لے رہے ہیں، اور پہلی فرصت میں دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں ، وہ بے صبری سے اس لمحے کا انتظار کر رہے ہیں جب ہتھیاروں سے لیس

ہو کر دشمن کا سامنا کریں گے، چاہے وہ ہتھیار کتنے ہی کمزور اور سادہ کیوں نہ ہوں یا انہیں استعمال کرنے کا تجربہ کتنا ہی ناکافی کیوں نہ ہو، لیکن نوجوانوں کے دل جوش و جذبے سے بھرے ہوئے ہیں۔

جس زمانے میں شدید سردی تھی، میری خالہ کے شوہر اور ابو علی چند تاجروں کے ساتھ ایک دکان میں ملتے تھے، چائے پیتے تھے اور لڑائی کی خبروں اور ان دونوں کی گرفتاری پر گفتگو کرتے تھے، کئی تاجر اس بات پر متفق تھے کہ ان کا عمل بے کار تھا اور ان کی گرفتاری ان کی نظریات کی سچائی کا ثبوت ہے، ایک تاجر نے حساب لگایا کہ میری خالہ کے شوہر نے قید میں کتنے دن گزارے اور اس دوران وہ روزانہ تین اسرائیلی لیرے کما سکتے تھے، یعنی انہوں نے کم از کم پانچ سو لیرے گنوا دیے، اس کے علاوہ انہیں اور ان کے خاندان کو ذلت اور کم وقاری کا سامنا کرنا پڑا، معاشی بدحالی اور اس کے نتیجے میں بہت سے لوگوں کے مزاحمت یا تخریبی کام کرنے کی وجوہات کے پیش نظر، اسرائیلی قائدین نے سوچا کہ انہیں بتدریج کام کے مواقع فراہم کیے جائیں، اس کے ساتھ ساتھ سخت سیکیورٹی جانچ پڑتال کے بعد انہیں اجازت دی جائے، اس اعلان کے بعد، پاسپورٹ اور پرمٹ دفاتر نے 1948 میں مقبوضہ علاقوں میں کام کے لیے درخواست دینے والے مردوں کی درخواستیں قبول کرنا شروع کر دیں، اس اقدام نے فلسطینی عوام میں شدید بحث و مباحثے کو جنم دیا۔

ہمارے محلے کے چوراہے پر جہاں مرد حضرات بیٹھتے ہیں، میرے دادا کی بیماری اور بڑھتی عمر کے باوجود، وہ روزانہ کے اس اجلاس میں شرکت کرتے تھے، اس معاملے پر بھی بات چیت کی گئی، لوگوں کی رائے دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، کچھ نے شدید مخالفت کی، کیونکہ دشمن کی ریاست کی تعمیر اور مضبوطی میں حصہ لینا کیسے جائز ہو سکتا ہے، جبکہ دشمن کے فوجی ہماری جنگ اور ہمارے لوگوں کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے ہیں، کچھ لوگوں نے اس کو غداری کی ایک شکل قرار دیا، جبکہ حقیقت پسند لوگ سمجھتے تھے کہ حقیقت نے خود کو مسلط کر دیا ہے اور اسرائیل کی ریاست قائم ہو چکی ہے، جسے چند سو یا ہزاروں مزدوروں کے نہ کام

کرنے سے نہ توڑا جا سکتا ہے اور نہ ہی کمزور کیا جا سکتا ہے۔

اور ساری بات یہ ہے کہ اس مسئلے کو اس زاویے سے دیکھنا ضروری ہے کہ کچھ گھرانے ایسے ہیں جنہیں روٹی کا نوالہ اور بچوں کے لیے دودھ کی بوند کی ضرورت ہے اور ہمیں وہ بھی نہیں ملتی اور (اسرائیل) میں کام کرنا، اگرچہ مشکل اور کڑوا ہے، دوسرے زاویے سے ہمارے لوگوں کے کیمپوں اور دیہاتوں میں رہائش برقرار رکھنے کے لیے ایک قومی فرض ہے تاکہ انہیں ضرورت کی وجہ سے ہجرت نہ کرنی پڑے ، لیکن خلیل الرحمن کے اس بازار میں اسرائیل میں کام کرنے کو قبول کرنا زیادہ قابل قبول تھا کیونکہ وہاں کے لوگ حساب کتاب کو بہت بہتر طریقے سے سمجھتے ہیں ، یہاں اعداد و شمار کا کھیل ہے اور لوگوں کے لیے کام کے مواقع کھولنا ملک کی معیشت کو فروغ دیتا ہے، جس سے ملک کا معیار ہر شعبے میں بلند ہوگا اور ہمارے لوگوں کی زمین سے وابستگی اور مضبوطی میں اضافہ ہوگا، حتی کہ اللہ تعالی عملی طور پر تبدیلی کا حکم دے۔

خاص طور پر کیمپوں میں رہنے والے مزاحمت کے لوگوں، جیسے کہ الشاطئ کیمپ ، نے اسے جرم سمجھا ، انہوں نے ان لوگوں کے بارے میں معلومات جمع کرنا شروع کیں جنہوں نے اجازت نامے حاصل کیے اور ان اجازت ناموں کو مزدوروں سے جمع کرکے تباہ کرنا شروع کیا، اور اس کے خطرات اور قومی وابستگی کے خلاف ہونے کی وضاحت کی ، کبھی کبھار، اجازت نامے کے حامل کو پیشانی پر کئی بار بانس کی چھڑی سے مارا جاتا ہے یا اسے تھپڑ مارا جاتا ہے یا سخت الفاظ سننے پڑتے اور آپ دیکھتے ہیں کہ ان مزدوروں میں سے ایک قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور وہ اپنا اجازت نامہ دینے سے انکار کر رہا ہے، اپنے پیچھے موجود اپنے آٹھ بچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو بھوکے ہیں اور وہ اقوام متحدہ جو امداد دیتی ہے وہ کچھ بھی نہیں کرتی اور وہ اکثر بھوکے رہتے ہیں، اور وہ فدائین سے جو اس کا اجازت نامہ لینا چاہتے ہیں، درخواست کرتے ہیں کہ اس کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا اجازت نامہ چھوڑ دیں اور اسے کام کرنے کی اجازت دیں، لیکن وہ انکار کرتے ہیں اور اجازت نامہ لینے پر اصرار کرتے ہیں اور ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں جب وہ

دیکھتے ہیں کہ کتنا بڑا تضاد ہے ؟ اس تلخ حقیقت اور اس کی ضروریات اور مطالبات کے درمیان اور قومی خواہشات کی بلند چوکھٹ کے درمیان ، شاید انہوں نے اس پر بعد بات چیت کی ہو جب وہ چلے گئے ، اور انہوں نے اس آدمی کا اجازت نامہ پھاڑ دیا حالیکہ وہ شرمندگی محسوس کر رہے تھے ۔

ساتویں فصل

میرے بھائی محمود کے میٹرک کے امتحانات سے چند ہفتے قبل گھر میں ہنگامی حالت کا اعلان کیا گیا تھا ، جب بھی ہم میں سے کوئی اپنی آواز بلند کرتا، میری ماں چلا کر کہتی کہ شور نہ مچاؤ اور اپنے بھائی محمود کے لیے سکون فراہم کرو، کیونکہ چند دنوں بعد اس کا میٹرک کا امتحان ہے ، اگر ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتا، تو میری ماں چیختی ، اگر ہم میں سے کسی کی کوئی چیز گر جاتی، اگر ہم میں سے کوئی دوسرے کو دھکا دیتا یا چھیڑتا، جیسے کہ ہماری عادت تھی جب ہم رات کو کپڑے دھونے کے طشت کے ارد گرد بیٹھ کر پڑھتے تھے، تو اسے اپنی حصے کی چپت یا کان مروڑنے کی سزا ملتی ، ہم سب کو محمود کی پڑھائی کے لیے سکون فراہم کرنا ہوتا تھا اور اگر ہم میں سے کوئی دوسرے کو پھنسانا چاہتا تاکہ ماں سے مار کھائے، تو وہ چپکے چپکے اسے مضحکہ خیز چہرے بناتا اور اکثر میری بہن اس میں پھنس جاتی کیونکہ وہ ہنسے بغیر نہیں رہ سکتی تھی ، وہ اپنی ہنسی کو روکتی جتنی ممکن ہوتی، لیکن جب ہم ان مضحکہ خیز حرکات کو جاری رکھتے تو وہ پھوٹ کر ہنس پڑتی اور ماں سے کئی چپتیں کھاتی، جو عام طور پر وجوہات کی گہرائی میں نہیں جاتی تھی اور اصل ذمہ دار کو نہیں پکڑتی تھی۔

ہم نے اپنے سالانہ امتحانات مکمل کر لیے ، لیکن محمود پڑھتا رہا کیونکہ میٹرک کے امتحانات ہمارے امتحانات کے تقریباً ایک ماہ بعد ہوتے تھے اور ہمارے امتحانات ختم ہونے کے باوجود ہنگامی حالت برقرار رہی ، ہم محمود کے امتحانات کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگے، جیسے ہم قبضے کے خاتمے کا انتظار کر رہے ہوں ، میٹرک کے امتحانات کے آخری دن جب محمود اسکول سے واپس آیا، تو ہم نے اس کا استقبال ایک زبردست پارٹی سے کیا

، جو ایک بھائی کو اس کی واپسی پر دی جا سکتی ہے ، ہم نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی جو تقریباً دو ماہ تک ہم نے دبائے رکھی تھی ، گھر شور اور چیخوں سے بھر گیا ، ہم سب لڑکے اور لڑکیاں محمود پر ٹوٹ پڑے، اسے مارنے، لاتیں مارنے اور چٹکی کاٹنے لگے ، میری ماں ہمیں دیکھ رہی تھی، کوشش کر رہی تھی کہ سنجیدہ رہے اور چلا رہی تھی کہ اپنے بھائی کو چھوڑ دو، لیکن وہ اپنے چہرے پر مسکراہٹ چھپانے میں ناکام رہی ، جب ہم نے محمود کو چھوڑا تو ہم سب، محمود سمیت، ماں پر ٹوٹ پڑے، اس کے سر، ہاتھ اور پاؤں چومنے لگے، جبکہ وہ غیر سنجیدگی سے ہم سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی اور اپنی ہنسی کو روکنے میں ناکام رہی۔

ہمارے نتائج کا اعلان ہوا اور ہم سب پاس ہو گئے، سوائے میرے چچا زاد حسن کے، جو دسویں جماعت میں ناکام ہو گیا ، ہمیں اب محمود کے میٹرک کے نتائج کا انتظار کرنا تھا ، نتائج کے اعلان کے دن، ہنگامی حالت کا دوبارہ اعلان کیا گیا ، ایک اور شدید ہنگامی صورتحال اس دن تک جاری رہی جب تک محمود واپس نہ آیا ، اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا، دروازہ کھولتے ہی اس نے پہلی بات کہی : (امی 92) میری ماں کے گال پر ایک تیز آنسو بہہ گیا اور پھر اس کی خوشی کی آواز نکل گئی ، ہم نے دوبارہ پرجوش جشن منایا کیونکہ محمود کی کامیابی ہماری سب کی کامیابی تھی، جس میں ہم سب نے اپنا حصہ ڈالا تھا ، میری ماں کچن میں گئی، حلبہ ابالنے لگی، اور اس کے پانی کے ساتھ آٹا اور چینی ملا کر حلبہ کی مٹھائی تیار کرنے لگی تاکہ محمود اسے محلے کی بھٹی میں لے جا کر پکا سکے ، جب وہ واپس آیا، تو ہم نے انتظار نہیں کیا کہ ماں اسے باورچی خانے سے لائے ہوئے برتنوں میں ڈالے، ہم نے ہر طرف سے اسے لقمہ لقمہ کیا ، وہ اپنے ہاتھ سے اشارہ کر رہی تھی جیسے کہ کسی کو مارنے والی ہو، مگر کسی کو نہیں مارا پھر بھی، وہ کئی پلیٹیں اٹھانے میں کامیاب ہو گئی اور جو ملنے اور مبارکباد دینے آتے ،ان کو پیش کرتی۔

میرے دادا شدید بیمار ہو گئے تھے اور ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ہمیں چھوڑنے والے ہیں وہ کم ہی اپنے کمرے سے باہر نکلتے تھے، جمعہ کے علاوہ مسجد نہیں جاتے تھے، اور محلے کے معروف میدان میں روزانہ ہونے والے

اجلاس میں حصہ نہیں لیتے تھے ، حسن کے فیل ہونے سے ان کی فکر اور بیماری میں اضافہ ہوا اور وہ ہماری تقریبات میں شامل ہونے کی خواہش نہیں رکھتے تھے ، پھر بھی ہم سب ان کے پاس جمع ہوئے اور پہلی رات ان کے ساتھ گزارنے کی کوشش کی، انہیں ہنسانے اور ان کا دل بہلانے کی کوشش کی ، محمود کو اپنی ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد پورے سال کی چھٹی کا انتظار کرنا تھا تاکہ وہ مصری یونیورسٹیوں میں داخلہ لے سکے ، یہ وقت اس کے لیے پیسے جمع کرنے کا بہترین موقع تھا جو اس کے مصر جانے پر کام آئیں گے ، ۱۹۴۸ میں مقبوضہ زمین میں کام کرنے کا خیال بالکل مسترد کردیا گیا تھا، اس لیے اسے اپنے ماموں کے کارخانے میں کام جاری رکھنا تھا اور کوئی اضافی کام تلاش کرنا تھا تاکہ وہ یہاں وہاں سے کچھ پیسے جمع کرسکے ، محمود اور میری ماں نے طویل غور و فکر کیا، اور آخر کار انہوں نے فیصلہ کیا کہ محمود ماموں کے کارخانے میں کام چھوڑ دے اور اس کی جگہ میرا بھائی محمد لے لے، تاکہ میرے بھائی حسن اور محمد دونوں ماموں کے کارخانے میں کام کریں اور محمود زیادہ سنجیدہ اور بہتر کمائی والے کام میں مصروف ہو جائے۔

انہوں نے ایسا کام شروع کرنے کا فیصلہ کیا جس میں زیادہ سرمایہ نہ لگے ، محمود نے اپنے علاقے میں سبزیوں کا ایک سٹال لگانے کا فیصلہ کیا، جس میں صرف چند لیرات کی ضرورت تھی اور وہ تھوڑی سی کمائی کر سکتا تھا، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ بچت کر کے معقول رقم جمع کر سکتا تھا ، واقعی میری ماں صبح سویرے محمود کو بیدار کرتی اور کرفیو ختم ہونے کا اعلان ہوتے ہی وہ شہر کے ہول سیل بازار کی طرف جاتا، جہاں وہ تین یا چار لیرات کے ساتھ دستیاب سبزیاں خریدتا ، وہ اپنی ریڑھی پر سبزیاں سجاتا اور بیچنے لگتا ، دوپہر کے وقت، جو سبزیاں بچ جاتیں، وہ گھر لے آتا اور والدہ ان کا استعمال گھر میں کرتی ، ہر روز وہ اپنی کمائی میں سے بیس پیسے یا چوتھائی لیرہ بچا کر رکھتا ، دن کے وقت کرفیو کا نفاذ بار بار ہوتا رہتا ، لیکن چونکہ محلے والوں کو محمود کی سبزیوں کی ضرورت ہوتی تھی، کرفیو کے باوجود بھی اس کی کوئی سبزی خراب نہیں ہوتی تھی ، وہ اپنی ریڑھی گھر لے آتا اور محلے کی گلیوں میں جا کر جو بھی سبزی درکار ہوتی، وہ پہنچا دیتا ، قابض فوج کے سپاہی محلے میں

داخل ہونے سے ڈرتے تھے کیونکہ وہاں مزاحمتی لوگوں کے حملوں کا خوف ہوتا تھا۔

مزاحمت اور فدائی کارروائیوں کی وجہ سے فوجی کمانڈروں کو احساس ہونے لگا کہ کیمپوں کی تنگ گلیوں میں کارروائی کرنا مشکل ہے ، اسی لیے انہوں نے سوچا کہ کیمپوں کو چوڑی سڑکوں سے تقسیم کیا جائے تاکہ ان کا کنٹرول اور تلاشی آسان ہو سکے ، ایک دن کرفیو نافذ ہوا اور بڑی تعداد میں فوجی جیسے نیا قبضہ کرنے آگئے ہوں ، کچھ فوجیوں کے پاس لال رنگ کے پینٹ کی بالٹیاں اور برش تھے وہ کچھ گھروں کی دیواروں پر بڑے لال کراس کے نشان بناتے، کچھ دیواروں پر عمودی لکیریں کھینچتے اور پھر کچھ گھروں پر چھوٹے کراس کے نشان بناتے ، ہر نشان کے بعد متعلقہ گھر کے مالک کو نوٹس دیا جاتا کہ جن گھروں پر بڑے کراس ہیں، انہیں مکمل طور پر گرا دیا جائے گا، جن گھروں پر عمودی لکیریں اور چھوٹے کراس ہیں، ان کے کچھ حصے گرائے جائیں گے ، ہر نوٹس کے بعد چیخ و پکار اور گالیاں شروع ہو جاتیں ، یہ لوگ اپنے بچوں، بیٹیوں اور بیویوں کو لے کر کہاں جائیں گے ؟ وہ دوبارہ سڑک پر آ جائیں گے۔

خوش قسمتی سے ہمارے گھر پر کوئی نشان نہیں لگا، اس لیے ہمارا گھر بچ گیا ، اب ہمارا گھر تنگ گلی کے بجائے چوڑی سڑک پر ہوگا ، ہمارے پڑوسی کا گھر مکمل طور پر گرایا جائے گا ،یہ خاص طور پر میرے بھائی محمود کے لیے خوش قسمتی تھی ، کیونکہ اگر ہمارا گھر یا اس کا کوئی حصہ منہدم ہو جاتا تو مصر میں تعلیم کے لیے محمود کی ساری جمع پونجی صورتحال کو بہتر بنانے کے لیے کافی نہ ہوتی اور اس کے لیے ممکن نہ ہوتا کہ وہ غزہ چھوڑ کر ہمیں سڑک پر چھوڑ دے ، لیکن اللہ اسے اور میری غریب ماں کو پسند کرتا ہے جیسا کہ میں نے ان دونوں کو بات کرتے ہوئے سنا ، چند دن بعد بلڈوزر اور بڑی فوج آئی اور انہوں نے اعلان کیا کہ ان گھروں کو خالی کر دیا جائے جو منہدم کیے جائیں گے ، بلڈوزر نے گھروں کو اس طرح پیسا جیسے کوئی دیو اپنے شکار کی ہڈیاں پیستا ہے، اور اس سے سینکڑوں مردوں، عورتوں اور بچوں کے دل ٹوٹ گئے جو ایک بار پھر خود کو سڑک پر بے یار و مددگار پاتے تھے۔

بلڈوزر کیمپ میں آتا جاتا رہا اور ہر بار کسی نہ کسی مرد کا دل ٹوٹ جاتا یا کوئی عورت اپنے بال نوچتے اور اپنے گالوں پر تھپڑ مارنے کے بعد گر جاتی، یا کسی مرد کو فوجیوں نے بری طرح مارا پیٹا جب اس نے اپنے جسم کو بلڈوزر کے سامنے رکھ کر اسے اپنے بچوں اور بیٹیوں کو پناہ دینے والی چھت کو منہدم کرنے سے روکنے کی کوشش کی ، شام تک سینکڑوں ایسے دوبارہ کھل گئے تھے اور لوگوں کو اپنے زخموں کو بھرنا تھا ، میرے چچا کا گھر شادی کے بعد سے خالی تھا کیونکہ میرے چچا کے بیٹے حسن اور ابراہیم میرے دادا کے ساتھ ایک ہی کمرے میں رہتے تھے، لہذا میری ماں نے ہمارے دو پڑوسی خاندانوں کو عارضی طور پر وہاں رہنے کی اجازت دی جب تک کہ وہ اپنے معاملات کو ٹھیک نہ کر لیں اور شکر گزاری اور تعریف کے الفاظ کی کوئی کمی نہ رہی جو ہمیں موصول ہوئے ، اگلے دن ریڈ کراس کے نمائندے آئے تاکہ حالات کا جائزہ لیں اور حقائق کو ریکارڈ کریں ، اس کے اگلے دن UNRWA کے ہاؤسنگ سیکشن کے اہلکار آئے، انہوں نے معلومات جمع کیں اور لوگوں کو بتایا کہ انہیں نئے گھروں میں آباد کیا جائے گا جو ایجنسی دوسرے علاقوں میں بنا رہی ہے ، یہ خبر لوگوں کے لیے آسمان سے نازل ہونے والی ایک کشادگی تھی ، لوگوں نے بہت سے سوالات پوچھنے شروع کر دیے کہ کب ہم رہائش کریں گے؟ کہاں؟ کیسے؟ وغیرہ اور ملازمین کے پاس واضح جوابات نہیں تھے، لیکن پہلے مہینے کے دوران ہی خاندانوں نے اپنے نئے گھروں میں منتقل ہونا شروع کر دیا جو غزہ کے علاقے میں یا العریش شہر میں تعمیر کیے گئے تھے، جہاں اسرائیل نے 1967 میں پورے سینا پر قبضہ کر لیا تھا ، اس دوران وہ دونوں خاندان بھی چلے گئے جو میرے چچا کے گھر میں رہ رہے تھے اور ہر خاندان کو ایک نیا گھر ملا ، 1948 میں مقبوضہ علاقوں میں کام کے مواقع نے لوگوں میں بڑی ہلچل مچا دی، لیکن اپنے بچوں کی بھوک مٹانے اور ان کی عزت کی حفاظت کے لیے معقول گھروں میں رہائش کی اشد ضرورت نے لوگوں کو ان علاقوں میں کام کرنے پر مجبور کر دیا۔

تعلیم، دوا اور مہنگائی کی ضروریات اس کام کی مخالفت کرنے والے تمام اعتراضات سے زیادہ مضبوط تھیں، لہذا

زندگی کی روانی نے زندگی کو جاری رکھنے اور اس کی سطح کو بہتر بنانے کی خواہش کو زندہ کر دیا اور والدین کی کوشش کہ اپنے بچوں کی زندگی اور مستقبل کو یقینی بنائیں، اس روانی کو تدریجاً بڑھنے دیا یہاں تک کہ یہ ایک معمول بن گیا، اور فدائیوں کے لیے اسے روکنا یا بند کرنا ممکن نہ تھا۔

سڑکوں کی کھدائی اور اندر کام کے مواقعوں کے کھلنے کے بعد، اور قابضین کی انٹیلی جنس اور فوج کی جانب سے مزاحمت پر جاری جنگ کے باوجود، یہ واضح ہو گیا کہ وہ کچھ ریلیف محسوس کرنے لگے ہیں، صبح کے وقت کرفیو ہٹانا عام ہو گیا تاکہ مزدور جلدی نکل کر اپنے کام پر وقت پر پہنچ سکیں، جو کہ مغربی کنارے اور غزہ سے حیفا، یافا وغیرہ میں کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد ممکن ہوتا تھا، یہ بھی واضح ہو گیا کہ جن خاندانوں کے سربراہ اندرون ملک کام کرتے تھے ان کی زندگی کا معیار بتدریج بہتر ہونے لگا، اور کچھ ہی عرصے میں یہ آدمی اپنے گھر کی چھت کو ٹائلوں سے بدل کر لوہے کی چادروں سے ڈھانپنے لگے، دوسرے آدمی اپنی دیوار کو اونچا کرنے لگے، کسی نے اپنے گھر کے لیے مضبوط دروازہ لگایا، کسی نے سیمنٹ کا تھیلا اور سمندر کی کھردری ریت خریدی اور ایک مزدور کو بلا کر اپنے گھر کی زمین کو پختہ کرایا، اس طرح ہمارے اردگرد کے مکانات دوبارہ ترقی کرنے لگے اور ان کا معیار بلند ہونے لگا، جب کہ ہمارا گھر ویسے ہی رہا، جنگ سے پہلے یہ محلے کے بہترین گھروں میں سے ایک تھا، مگر اب اس کی حالت دوسرے گھروں کی ترقی کے مقابلے میں پیچھے رہ گئی تھی۔

وہ پڑوسی جن کے پاس گھر کی تعمیر میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں کرنے کے وسائل نہیں تھے، انہوں نے بڑے بڑے پلاسٹک کی چادریں خرید کر انہیں چھت پر بچھا دیا، پھر ان کے کناروں کو موڑ کر لکڑی کے ٹکڑوں سے کیلوں کے ذریعے باندھ دیا، ہر نیل پلاسٹک کی چادر کے دونوں اطراف میں باندھا گیا تاکہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے، اس طرح کی چادریں پلاسٹک پر وزن ڈال کر اسے حرکت سے روک دیتی ہیں اور گرنے سے بچاتی ہیں، اس منصوبے کی لاگت زیادہ نہیں تھی اور یہ بارش کے پانی کے کمرے میں رسنے اور بستر پر گرنے

کے مسئلے کا مناسب حل تھا، جس کی وجہ سے ہمیں سونے کے دوران اپنے بستروں کے درمیان برتن رکھنے پڑتے تھے تاکہ قطرے ان میں جمع ہو سکیں ، جب میری ماں نے اس مسئلے پر میرے بھائی محمود سے مشورہ کیا اور اس کی لاگت معلوم کی، تو انہوں نے چھت پر پلاسٹک ڈالنے کا فیصلہ کیا، محمود نے پلاسٹک، لکڑی کے ٹکڑے اور کیلیں خریدیں، اور ایک پڑوسی سے ہتھوڑا اور سیڑھی ادھار لی ، میرے دونوں بھائی حسن اور محمد نے اس کام میں مدد کی ، چھت پر پلاسٹک ڈالنا ہماری زندگی میں ایک حیران کن تبدیلی تھی، خاص طور پر سردیوں میں ، ہم پانی کے رسنے اور برتنوں میں گرنے والی بوندوں کی آواز سے نجات پا گئے اور ہماری نیند پرسکون ہو گئی۔

جب میں تیسری جماعت میں پہنچا تو عموماً ہوتا یہ تھا کہ ایجنسی کے کلینک کا ڈاکٹر کبھی کبھار اسکول کا دورہ کرتا اور کلاسوں کا جائزہ لیتا، طالب علموں کی صحت کا معائنہ کرتا اور جسے واضح طور پر غذائی قلت اور جسمانی کمزوری نظر آتی، اس کا نام نوٹ کر لیتا ، چند دنوں بعد ان طالب علموں کو "کرونا" کے طور پر ایک کارڈ دیا جاتا جو انہیں پناہ گزینوں کے کیمپ میں موجود ایجنسی کے مرکز صحت میں ایک بار کھانے کی اجازت دیتا ، اس بار ڈاکٹر آیا اور اسکول کا دورہ کیا، جب وہ ہماری کلاس میں داخل ہوا تو اس نے میرا نام پوچھا اور نوٹ کر لیا، مجھے معلوم ہوا کہ چند دنوں میں مجھے کھانے کا کارڈ ملے گا ، جب میں نے وہ کارڈ حاصل کیا تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، ایسا لگا جیسے میرا سر چھت سے جا لگا ، میں کارڈ لے کر گھر واپس آیا اور اپنے بہن بھائیوں کو خوشخبری دی ، فاطمہ کو بہت غصہ آیا اور وہ مجھ سے کارڈ چھیننے کی کوشش کرنے لگی اور چیخنے لگی کہ ہم غریب نہیں ہیں ، میں نے مدد کے لیے اپنی ماں کو پکارا، جنہوں نے فاطمہ کو بلایا اور اسے سمجھایا کہ کارڈ لینے میں کوئی عیب نہیں ہے، ہم پناہ گزین ہیں اور یہ فطری بات ہے کہ بچوں میں سے کسی کو کھانے کا کارڈ مل جائے ، ہم ویسے بھی ایجنسی کے سہارے زندگی گزار رہے ہیں، گھر ایجنسی کا ہے، اسکول ایجنسی کے ہیں، صحت کی سہولتیں ایجنسی فراہم کرتی ہے، جب لوگوں کے گھر تباہ ہو گئے تو انہیں دوبارہ کس نے آباد کیا ؟

ایجنسی نے ، اس پر فاطمہ مجبوراً خاموش ہوگئی، مگر یہ بات اس کی مرضی کے خلاف اور بغیر قائل ہوئے ہوئی۔

ہر روز کلاسوں کے دوران یا ان کے ختم ہونے کے بعد، سینکڑوں بچے اور بچیاں کھانے کے مرکز کی طرف دوڑتے ، ہم ایک لمبی قطار میں کھڑے ہوتے اور اندر جانے کے لیے دھکم پیل، مداخلت اور لڑائی جھگڑے کرتے ، کھانے کے مرکز کے اندر جاتے تو وہاں خاموش رہنا پڑتا کیونکہ کھانے کے مرکز کا انچارج میز کے پیچھے بیٹھا ہوتا ، وہ ہر ایک سے اس کا کارڈ لیتا، اس پر آج کی تاریخ درج کرتا، اسے واپس کرتا اور ایک چھوٹی روٹی دیتا ، پھر ایک اور کارکن ہمیں ایک پلیٹ دیتا جس میں مختلف قسم کے کھانے ہوتے ، تین یا چار اقسام جن میں پھل یا مہلبیہ بھی شامل ہوتی ، ہم وہ کھانا لے کر ہال میں جاتے جہاں میزیں اور کرسیوں پر بیٹھ کر وہ لذیذ کھانا کھاتے ، پھر پلیٹ لے کر اسے کچن کی کھڑکی سے پھینک دیتے تاکہ وہ اسے دھو سکیں اور ہم باہر نکل جاتے ، باہر کے دروازے پر ایک کارکن یا کارکنہ کھڑے ہو کر یہ دیکھتے کہ کہیں ہم کھانا چھپا کر تو نہیں لے جا رہے، کیونکہ وہ کھانا ہمارے لیے صحت کی بنیاد پر مخصوص ہوتا تھا ،اگر کسی کو پکڑ لیا جاتا تو اس سے کھانا لے کر کچرے کے ڈبے میں ڈال دیا جاتا تاکہ وہ سیکھ سکے کہ اپنا کھانا اندر ہی کھانا ہے۔

فائدہ : مہلبیہ ایک مشہور مشرقی میٹھا ہے جو عرب ممالک، ترکی، ایران اور برصغیر پاک و ہند میں بنایا جاتا ہے۔ یہ ایک قسم کی دودھ کی کھیر ہے جو عام طور پر دودھ، چینی، چاول کا آٹا یا کارن فلور اور خوشبو دار اجزاء جیسے کہ عرق گلاب یا الائچی کے ساتھ تیار کی جاتی ہے۔

... میرے چچازاد بھائی ابراہیم میرا سب سے عزیز دوست تھا اور ہم ہمیشہ ساتھ ہوتے تھے ، ایک روز منگل کے دن ہم نے طے کیا کہ میں اس کے لیے آدھی روٹی میں کفتہ بھر کر دوں گا کیونکہ منگل کا دن کفتہ کے لیے مخصوص ہوتا تھا ، میں اپنے ساتھ ایک چھوٹا سا نائلون کا تھیلا لے کر گیا ، میں میز پر بیٹھا تھا اور ابراہیم دروازے کے قریب میرا انتظار کر رہا تھا ، میں نے آہستگی اور بڑی احتیاط سے اپنی آدھی کفتہ کی حصے کو

آدھی روٹی میں بھر کر نائلون کے تھیلے میں ڈال دیا اور اسے اپنی پتلون میں چھپا لیا، باقی کھانا کھا کر میں نے پتلون کا جائزہ لیا تاکہ تلاشی کے دوران کچھ ظاہر نہ ہو، میں نے پلیٹ کو باورچی خانے کی کھڑکی سے باہر پھینک دیا اور مؤدب بچے کی طرح تلاشی کے لیے دروازے پر کھڑی مس عائشہ کے پاس پہنچ گیا، میں نے اپنے ہاتھ سر کے اوپر اٹھا دیے، انہوں نے جلدی سے میری تلاشی لی اور میں باہر نکل گیا، میں نے ابراہیم کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا اور پتلون میں ہاتھ ڈال کر آدھی روٹی نکالنے لگا۔

جیسے ہی روٹی میرے ہاتھ میں آئی، میں نے دیکھا کہ قریباً تیس بچوں کا ایک گروہ، جو ایک قریبی علاقے میں رہتا تھا اور جنہیں ہم ان کی زیادہ مشکلات کی وجہ سے ہیکسوس کہتے تھے، میری طرف بڑھ آیا، وہ میری روٹی چھیننے کی کوشش کر رہے تھے، میں نے اپنی پوری قوت سے دوڑنا شروع کر دیا اور کافی دور دوڑنے کے بعد مجھے لگا کہ میں ان سے دور ہوگیا ہوں، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تاکہ یہ یقین کر سکوں کہ وہ رک گئے ہیں یا واپس چلے گئے ہیں، لیکن جیسے ہی میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا، ایک بڑا پتھر کسی نے میری آنکھ پر مار دیا، میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور آدھی روٹی میرے ہاتھ سے گر کر مٹی میں مل گئی، میں نے اسے اٹھانے کے لئے جھکنے کی کوشش نہیں کی بلکہ میں نے کارڈ کو پکڑا اور امی امی چیختے ہوئے گھر کی طرف دوڑنے لگا، میں نے ایک لمبا فاصلہ طے کیا اور اپنی آنکھ پر ہاتھ رکھ کر گھر پہنچا، میری ماں نے خوف سے چیخ ماری اور میری آنکھ سے ہاتھ اٹھا کر دیکھا کہ کیا ہوا ہے، چیخ کر بولی: افسوس، بچے کی آنکھ گئی۔

اس نے اپنا دوپٹہ لیا اور مجھے کبھی گود میں اٹھا کر اور کبھی میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے ایجنسی کی کلینک کی طرف دوڑ پڑی، بڑی مشقت اور تکلیف کے بعد ہم کلینک پہنچے اور آنکھوں کے علاج کے کمرے میں داخل ہوئے جہاں ایک ماہر نرس موجود تھی، جب ہم پہنچے تو انہوں نے میری ماں سے کلینک کا کارڈ (راشن کارڈ) مانگا جو دکھائے بغیر کسی کا علاج نہیں کیا جاتا اور کچھ معمول کی کارروائیاں کرتے ہیں، لیکن میری ماں کی فکر اور خوف کی وجہ سے وہ کارڈ ساتھ لینا بھول گئی تھی، انہوں نے بہت منتیں کیں اور کوشش کی مگر بے سود،

انہوں نے کہا کہ راشن کارڈ لے کر آؤ، بغیر اس کے بچے کا علاج نہیں ہو سکتا، میری ماں نے مجھے آنکھوں کے کلینک کے سامنے لکڑی کے بینچ پر بٹھا دیا اور کارڈ لانے کے لیے دوڑ پڑی تاکہ کلینک بند ہونے سے پہلے واپس آ سکے۔

جب نرس کو یقین ہوگیا کہ وہ واقعی کارڈ لینے گئی ہے، تو اس نے مجھے بلایا اور کرسی پر بٹھا دیا اور میری آنکھوں کا معائنہ شروع کر دیا، اس نے میری آنکھ پر ایک موٹا کپڑا (پٹی) رکھ دیا اور اسے چپکا دیا، میں اپنی ماں کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگا، میری ماں واپس آئی تو وہ ہانپ رہی تھی اور لمبے فاصلے تک چلنے کی وجہ سے تھکی ہوئی تھی، انہوں نے رجسٹریشن کی تمام کاروائیاں مکمل کر لیں اور نرس سے میری آنکھ کے بارے میں تسلی کر لی کہ وہ ٹھیک ہے، پھر میری ماں نے محبت سے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم گھر واپس آ گئے۔

میرا مسئلہ اور میری ماں کا مسئلہ اس وقت صرف میری آنکھ کی چوٹ نہیں تھی بلکہ یہ تھا کہ میری بہن فاطمہ نے اس موقع کا فائدہ اٹھایا اور کھانے کا کارڈ پھاڑ دیا، اس طرح جیسے اس نے میری دوسری آنکھ پھوڑ دی ہو کیونکہ اس نے مجھے کھانے سے محروم کر دیا تھا، ہماری مالی حالت اس دور میں درمیانی تھی، کچھ لوگ ہم سے آگے بڑھ گئے تھے کیونکہ ان کے خاندان کے سربراہ مقبوضہ زمینوں میں کام کرتے تھے، اور کچھ لوگ ہم سے بہت پیچھے، تھے جیسے ہماری پڑوسن ام العبد کی فیملی، وہ چار بیٹوں اور تین بیٹیوں کی ماں تھی اور ان کا کوئی کفیل نہیں تھا، ان کے شوہر 1967 میں شہید ہوگئے تھے اور اپنے بچوں اور بیوی کو (ان کی ماں کے بقول) گوشت کے ٹکڑے (بے یارومددگار) چھوڑ گئے تھے۔

اقوام متحدہ کی امدادی ایجنسی زندگی کے زیادہ تر پہلوؤں کا احاطہ کرتی تھی، لیکن کچھ گوشے ایسے تھے جن کے لیے مالی امداد کی ضرورت تھی، جو ایجنسی فراہم نہیں کر سکتی تھی، ام العبد کو اپنی فیملی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہر جائز ذریعہ استعمال کرنا پڑتا تھا، اس کے بیٹے ہر جمعے کو خالی بورے لے کر 1948 کی حدود کے قریب ایک علاقے میں جاتے تھے جہاں یہودی بستیوں کا کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا، وہاں سے

پرانے جوتے، استعمال شدہ ڈبے، خالی بیئر کی بوتلیں اور جو کچھ بھی بیچنے یا استعمال کرنے کے قابل ہوتا تھا، جمع کرتے تھے اور انہیں اپنے بوروں میں ڈال کر واپس لاتے تھے۔

ان کی ماں بوتلوں کو اچھی طرح دھوتی اور انہیں ایک عورت کو بیچ دیتی تھیں ، جو کلینک کے سامنے بیٹھ کر انہیں فروخت کرتی تھی ، لوگ انہیں خرید کر کلینک سے حاصل کردہ دوائی ڈالنے کے لیے استعمال کرتے تھے وہ جوتے صاف کرتی اور جوڑوں میں بیچ دیتی تھی، جو انہیں بازار میں فروخت کر دیتا تھا ، اسی طرح وہ ہر صبح کھانے کی تقسیم کے مقام پر جاتی تھی اور ان عورتوں سے دودھ خریدتی تھی جنہیں وہ استعمال نہیں کرنا چاہتی تھیں ، اس دودھ سے وہ جبید (نیم سخت دہی) بناتی تھی اور اسکول کے دروازے پر بیٹھ کر بچوں کو بیچتی تھی ، جب بچوں کے پاس پیسے نہیں ہوتے تھے، تو وہ انہیں روٹی کے ٹکڑوں کے بدلے فروخت کرتی تھی ، وہ اس روٹی میں سے اپنے خاندان کے لیے ضرورت کی روٹی رکھ کر باقی فروخت کر دیتی تھی ، تاکہ تھوڑا تھوڑا پیسہ جمع کر سکے اور اپنے بچوں کی ضروریات پوری کر سکے ، وہ اپنی قسمت سے خوش اور مطمئن تھی اور اپنے شوہر کے بچوں کی پرورش اپنی جان کی بازی لگا کر کر رہی تھی۔

میرے بھائی محمود کا قاہرہ یونیورسٹی میں انجینئرنگ کالج میں داخلہ ہوگیا، جس دن ہمیں اس کا علم ہوا، ہم نے معمول کے مطابق اس کا جشن منایا، چیخ و پکار کی اور محمود پر حملہ کر کے اسے مارا پیٹا اور چٹکی کاٹی ، ہماری ماں نے اس کے لیے حلبہ کی مٹھائی تیار کی اور مبارکبادیں اور مبارکبادیں وصول کیں ، محمود نے مصر جانے کی تیاری شروع کردی ، سبزی کی دکان کو جاری رکھنا ضروری تھا کیونکہ اس سے آنے والے سالوں کی تعلیم کے اخراجات پورے ہونے تھے، اس لیے اسے اپنی پڑھائی اور اسکول کے وقت کے مطابق اس کا انتظام کرنا تھا ، یہ یقیناً محمود کے مصر جانے کے آخری دن سے پہلے تک تھا، کیونکہ وہ اپنے سفر کے دن تک اپنے کام میں مگن رہا، اور مجھے اپنے چچا کے کارخانے میں اپنے بھائی محمد کے ساتھ صفائی اور ترتیب میں اپنی باری لینی پڑی ، مصر جانے سے پہلے، ہماری ماں نے اس کے لیے بہت سی چیزیں تیار کیں جو وہ اپنے ساتھ لے جائے گا، اس

کے لیے کچھ زیتون کا تیل، چائے، خشک ملوخیا، خشک بھنڈی اور اسی طرح کی دوسری چیزیں تیار کیں ، انہوں نے اپنی جمع شدہ رقم سے مصری پاؤنڈز خریدے اور محمود نے انہیں ایک درزی کے پاس لے گیا جس نے انہیں پتلون کے کپڑے کے اندر بیلٹ میں ڈال دیا اور کپڑے پر سلائی کر دی، تاکہ محمود مصر میں اپنے اخراجات لے جا سکے، کیونکہ یہودی کسٹمز اہلکار پیسہ ضبط کرتے ہیں اور مسافروں کو مصر لے جانے سے روکتے ہیں۔

محمود ریڈ کراس کے دفتر میں بار بار گیا جو قبضے کے حکام اور مصری حکام کے درمیان طلباء کے غزہ سے مصر سفر اور واپسی کے عمل کو منظم کرتا تھا ، یہاں تک کہ اسے اپنے سفر کی تاریخ معلوم ہوئی ، اسے دوسرے طلباء کی طرح سرایا میں انٹیلی جنس کے شعبے میں جانا پڑا ، جہاں ان سے تفتیش کی گئی اور تنظیم کے ساتھ کام کرنے سے متنبہ کیا گیا اور جسے وہ بھرتی کر سکتے تھے، کرنے کی کوشش کی گئی ، مصر جانے سے ایک رات پہلے ہم سب اس کے ساتھ زیادہ دیر تک جاگتے رہے جتنا ہم عادی تھے کیونکہ وہ ہم سے رخصت ہونے والا تھا، اور تقریباً ایک سال تک ہم سے دور رہے گا ، یہ رات ہنسی، رونے، خوشی اور غم کے جذبات کا ایک عجیب امتزاج تھی اور خاص طور پر میری ماں کی ہدایات اور احکامات سے بھری ہوئی تھی۔

صبح ہم جلدی اٹھ گئے، میری ماں نے دو بڑی استعمال شدہ بیگ تیار کی تھیں، جو محمود نے خریدی تھیں، جس میں اس نے تمام چیزیں اور سامان رکھا تھا ، میرے بھائی حسن نے ایک بیگ اٹھایا اور میرے چچازاد حسن نے دوسرا بیگ اٹھایا اور میری ماں ان کے ساتھ محمود کو الوداع کہنے نکلی ، ہم نے اسے گلی کے کنارے تک الوداع کہا، اور اداس دلوں کے ساتھ واپس لوٹ آئے، کیونکہ ہم نے مزید سمجھنا شروع کردیا تھا کہ پیاروں کی جدائی کا کیا مطلب ہے۔

انہوں نے اسے ریڈ کراس کے دفتر تک پہنچایا جہاں بہت سے لوگ اپنے بچوں کو الوداع کہنے آئے تھے ، طلباء بسوں کے اندر انتظار کر رہے تھے اور والدین ان کے سامنے دور سے ان کو ہاتھ ہلا رہے تھے، پھر بسیں

روانہ ہو گئیں اور والدین ہاتھ ہلاتے رہے یہاں تک کہ بسیں نظروں سے اوجھل ہو گئیں ، محمود کے سفر کے چند دن بعد ہماری ایک پڑوسن آئی اور شکایت کی کہ میرا چچا زاد حسن اس کی بیٹیوں کو تنگ کر رہا ہے ، میری ماں شرمندگی سے سرخ ہو گئی اور وعدہ کیا کہ اس معاملے کا حل نکالے گی ، میرے دادا بیماری اور بڑھاپے کی وجہ سے بستر پر تھے، اور محمود مصر جا چکا تھا، گھر میں صرف حسن سے چھوٹے بچے تھے جن پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا، اس لیے میری ماں نے حیلہ اور قائل کرنے کا سوچا۔

جب شام کا وقت آیا تو اس نے حسن کو بلایا اور بیٹھ کر بات کرنے لگی ، (میرے پیارے، پڑوسی کا حق اور تمہارے شہید والد کی عزت، خاندان کی عزت، ہماری ساکھ اور ہماری عزت) آخر میں حسن نے وعدہ کیا کہ وہ پڑوس کی بیٹی کے قریب نہیں جائے گا ، اس نے پوچھا: کیا یہ وعدہ شرف ہے، حسن؟ حسن نے کہا: وعدہ شرف ہے چچی ۔

چند دنوں بعد، پڑوسن کانپتی ہوئی واپس آئی اور گھر میں چیختی ہوئی داخل ہوئی : اے ام محمود، یہ لڑکا نبی پر درود نہیں بھیجتا، اس نے لڑکی کو سڑک میں پکڑا اور اس پر ہاتھ ڈال دیا ، میری ماں غصے سے بھر گئی اور اس کو تسلی دینے کی کوشش کی اور اسے گھر کے اندر لے آئی، کہتی ہوئی : اے ام العبد، تم جانتی ہو کہ نہ تمہارے پاس اور نہ میرے پاس کوئی مرد ہے جو اس کو سدھار سکے ، اللہ جانتا ہے کہ تمہاری بیٹیاں میری بیٹیوں جیسی ہیں ، آؤ سوچتے ہیں کہ اس لڑکے کو کیسے روکا جائے، ہم بیٹھ گئے اور میری ماں نے تجویز دی کہ وہ اسے سوتے وقت باندھ دے اور وہ اور لڑکے اسے ماریں گے ، اگر اس نے دوبارہ ایسا کیا تو وہ فدائیوں سے مدد لے گی اور اس کا ہاتھ اور ٹانگ توڑ دیں گے۔

میری ماں نے رسی اور لاٹھی تیار کی اور جب حسن واپس آیا اور کھانا کھا کر سونے چلا گیا تو میری ماں اور میرے بھائی حسن اور محمد نے اس کے سو جانے کا اطمینان کر لیا ، پھر میری ماں نے آہستہ سے اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیے ، پھر انہوں نے دادا کو جگایا اور انہیں حسن کی حرکت کے بارے میں بتایا ، دادا کانپتے

ہوئے کہنے لگے، اللہ تمہارا چہرہ کالا کرے حسن ، اللہ تمہارا چہرہ کالا کرے حسن ، اسے مارو اس کے ہاتھ اور ٹانگیں توڑ دو ، حسن جاگ گیا اور خود کو بندھا ہوا پایا تو وہ دھمکیاں دینے لگا ، پھر لاٹھی اس کی پسلیوں پر پڑنے لگی ، وہ گالیاں دینے لگا اور دھمکیاں دیتا رہا ، انہوں نے اسے خوب پیٹا اور میری ماں نے اسے سمجھایا کہ انہوں نے یہ سب گھر کے اندر کیا تاکہ بدنامی نہ ہو، اور اگر وہ دوبارہ سعاد کو تنگ کرے گا تو وہ فدائیوں کو بتائے گی اور ان سے کہے گی کہ اس کا ہاتھ اور ٹانگ توڑ دیں ، پھر اسے صبح تک بندھا ہوا چھوڑ دیا اور میرے چچازاد ابراہیم سے کہا کہ اسے کھول دے۔

ابراہیم اچھا ، فرمانبردار، ذہین اور پڑھائی میں محنتی تھا ، وہ گیا اور اپنے بھائی کی رسیوں کو کھول دیا، تو حسن نے اسے مارا اور دھمکیاں دینے لگا، پھر وہ ہمارے کمرے کی طرف بڑھا تاکہ ہماری ماں کو دھمکائے اور خوف زدہ کرے ، ماں نے اس پر چیخ کر کہا: جاگ جا ، تم سمجھتے ہو کہ تم مجھے ڈرا سکتے ہو؟ تم ایک ناکارہ ہو، اور ناکارہ کسی کو نہیں ڈراتے، اور تم کبھی آدمی نہیں بنو گے، نہ ہی مرد ، حسن غصے میں گرجا اور ماں کی طرف بڑھا اور اسے دھکیل دیا تو وہ زمین پر گر گئی ، ہم سب بچے اور بچیاں حسن پر حملہ آور ہو گئے، اسے زمین پر گرا دیا اور مارا، اس کے بال نوچ لیے اور اسے کاٹا ، حسن نے لاتیں مارتے ہوئے اور گالیاں دیتے ہوئے گھر سے باہر نکل گیا ، حسن چلا گیا اور واپس نہیں آیا ، ہم نے اس کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ 1948 کے مقبوضہ علاقوں (اسرائیل کے اندر) چلا گیا ہے اور وہاں کام کر رہا ہے اور اس نے دوبارہ پڑھائی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

دادا کی صحت بگڑ گئی اور انہوں نے اپنی روح اللہ کے سپرد کردی ، ہم نے انہیں آنسوؤں اور رونے کے ساتھ الوداع کہا، اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے اور انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے ، دادا اس بات کو جانے بغیر فوت ہو گئے کہ والد کا کیا ہوا جو پانچ سال سے زیادہ عرصہ سے غائب تھے، اور انہوں نے اپنے پوتے کو نہیں دیکھا جو غزہ سے بھاگ کر اسرائیل میں کام کرنے چلا گیا، اور نہ ہی محمود ان کے پاس تھا، لیکن

ہم نے اپنا فرض ادا کیا اور پڑوسیوں نے ہمارا ساتھ دیا، مہاجر کیمپ خوشی اور غم میں ایک خاندان کی طرح ہوتا ہے۔

آٹھویں فصل

ہر صبح سات بجے کے قریب کیمپ کے سینکڑوں بچے اور بچیاں اپنے اسکولوں کے لیے نکلتے، سات سال کی عمر کے بچے (جو پہلی جماعت میں پڑھتے تھے) سے لے کر اٹھارہ سال کے نوجوان، جو ہائی اسکول میں پڑھتے تھے، سب شامل ہوتے، لڑکوں کے گروپ پیچھے پیچھے چلتے اور ان کے بعد لڑکیوں کے گروپ ہوتے، اور یہ سلسلہ ہر صبح جاری رہتا، کیمپ کے زیادہ تر بچے اور بچیاں محبت اور عشق کے تعلقات قائم کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے، کیونکہ کیمپ کے محلے کے اصولوں کے مطابق پڑوسیوں کی لڑکیوں کے ساتھ بہنوں کی طرح برتاؤ کرنا لازمی تھا، میری ماں ہمیشہ میرے بھائیوں اور بہنوں کو مخالف جنس کے ساتھ کسی بھی قسم کے تعلقات سے خبردار کرتی رہتی تھی، وہ اکثر میرے بھائیوں کو پڑوسیوں کی لڑکیوں کی طرف دیکھنے یا ان کے ساتھ بات چیت کرنے سے منع کرتی تھی اور ہمیں خبردار کرتی تھی کہ دوسروں کی عزت پر ہاتھ ڈالنے سے بچنا چاہیے، کیونکہ اگر ہم ایسا کریں گے تو لوگ ہماری عزت پر بھی ہاتھ ڈالیں گے، چاہے کوئی خود کو کتنا ہی ہوشیار کیوں نہ سمجھے، یہ ہمارے لیے ایک روک تھی کہ سوچیں بھی نہیں کہ ہم وہ کریں جو کچھ دیگر لڑکے اور نوجوان کرتے ہیں، یعنی چاندنی کے مانند لڑکیوں کے اسکول جاتے اور آتے وقت سڑک کے کنارے پر کھڑے ہونا۔

ان میں سے کچھ نوجوان صرف لڑکیوں کو دیکھنے یا چند عام الفاظ کہنے کے لیے لڑکیوں کی راہ پر کھڑے ہوتے تھے، جیسے کہ " کہاں جا رہی ہو، خوبصورت؟ " یا " ہمیں بھی دیکھ لو " لوگو... بڑائی اللہ کے لیے ہے، کچھ اور لوگ وہاں اپنی پسندیدہ لڑکیوں کو دیکھنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے، جن سے وہ پیار کرتے تھے اور اپنے دل میں ان کے ساتھ محبت کا یقین رکھتے تھے، اس امید میں کہ ان کے ساتھ تعلقات میں بہتری آئے اور

وہ لڑکی جس سے وہ محبت کرتے ہیں، ان کی طرف ایک نظر ڈالے جو ان کے دن کو خوشی سے بھر دے اور اس امید میں کہ وہ ان سے ایک خط قبول کرے، جو انہوں نے اپنے دل کی گہرائیوں سے لکھا ہوتا تھا ، ہاں کیمپ کے لوگ بھی دوسرے تمام لوگوں کی طرح تھے ، بظاہر اپنی مشکلات اور مصیبتوں کے باوجود، وہ بھی عشق و محبت عشق کرتے اور زندگی کو ویسے ہی جیتے جیسے دوسرے لوگ جیتے ہیں ، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ عادات و روایات کی پاسداری کی سطح اور ہمسایوں کی لڑکیوں کے قریب جانے کو ان روایات کے خلاف ورزی سمجھنے نے محبت اور عشق کے اظہار کو زیادہ منضبط اور باعفت بنا دیا اور ان میں سے زیادہ تر جذبات دلوں میں محبوس رہے، سوائے کبھی کبھار کی محبت بھری نظروں یا دور سے کی جانے والی عقیدت اور شوق کے ، یا کسی خاندان کی واضح اور نمایاں مدد جو اہل خانہ کو اس بات کی تحقیق کرنے پر مجبور کرے کہ اس خدمت گزاری اور مفاد کی حفاظت کے پیچھے کیا وجہ ہے۔

لیکن کیمپ کے کچھ نوجوان ان اصولوں کو عبور کرنے کی جرات کرتے تھے، لہذا وہ اپنے لیے عشق و محبت کے خطوط لکھنے اور بانٹنے کا جواز فراہم کرتے تھے اور اسکول جاتے اور واپس آتے وقت ملتے تھے، چاہے وہ بظاہر ایک دوسرے کے پیچھے چل رہے ہوں جیسے کہ یہ ایک اتفاقی امر ہو، اور کبھی کبھار کچھ الفاظ کا تبادلہ ہوتا جیسے کہ ہر ایک اپنے دوستوں یا سہیلیوں سے بات کر رہا ہو، اور بعض لڑکیاں اپنے آپ کو اپنے کمرے کی کھڑکی ایک خاص وقت میں کھولنے کی اجازت دیتی تھیں، جہاں ان کا محبوب دل کے قریب سے گزر رہا ہوتا، وہ اس لمحے میں اس کو خط پھینکتا ، کئی لڑکیوں کو ان کے والدین یا بھائی بہنوں نے مارا جب وہ نوجوانوں کے ساتھ خطوط کا تبادلہ کرتے ہوئے پائی گئیں، لیکن یہ کہانیاں جنگ کے بعد کی ابتدائی مدت میں کیمپ میں بہت کم اور نایاب تھیں ۔

دوسری طرف ان مزدوروں کی تعداد جو صبح کے وقت 1948 کی مقبوضہ اراضی میں کام کرنے کے لیے جاتے تھے، بتدریج بڑھنے لگی، اور اس کے ساتھ ساتھ دیگر ظواہر بھی بڑھنے لگیں ، صبح سویرے مرد نکلتے

تھے، ہر ایک اپنے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ یا تھیلا لے کر جس میں وہ اپنے دن کا کھانا رکھتا تھا، اور لمبی مسافت طے کر کے مزدوروں کے اسٹاپ تک پہنچتا تھا ، وہاں بڑی تعداد میں گاڑیاں، ٹرک اور بسیں موجود ہوتی تھیں، یہ یافا کے لیے، یہ اشدود کے لیے، یہ تل ابیب کے لیے وغیرہ، اور ہر ڈرائیور اپنے مسافروں کو اپنی منزل کی طرف بلاتا تھا اور مزدور اس کے پیچھے چلتے تھے، وہ گاڑیاں چڑھتے جو انہیں لے جاتی تھیں ، فلافل، فول یا سحلب وغیرہ بیچنے والوں نے ان مزدوروں کی بڑی تعداد کو اپنے کاروبار کے لیے ایک مناسب ہدف اور منافع بخش بازار پایا، امزدور جب گاڑی کی طرف جاتے تو وہ اپنی جیب سے کچھ پیسے نکال کر فلافل خریدتے ، جلدی سے اسے کھاتے یا اپنے کھانے کے تھیلے میں رکھ لیتے اور گاڑی میں سوار ہوتے اور وہ اپنی نیند پوری کرتے جو انہوں نے ایک یا دو گھنٹے کے لیے منقطع ہوگئی تھی یہاں تک کہ وہ اپنے کام کی جگہ پر وہاں اپنے مقبوضہ وطن میں پہنچ جاتے ۔

فائدہ : فلافل ایک مشہور مشرق وسطی کا کھانا ہے جو چنے یا فوا کے بیجوں سے بنایا جاتا ہے ، چنے یا فوا کے بیجوں کو پیس کر ان میں مختلف مصالحے اور سبزیاں ملائی جاتی ہیں، پھر ان کے گول یا چپٹے گولے بنا کر گرم تیل میں تل لیا جاتا ہے ، فلافل کو عام طور پر پیتا بریڈ یا روٹی میں لپیٹ کر، سلاد، ترشی اور چٹنی کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ ایک مزیدار اور مقوی ویجیٹیرین کھانا ہے جو دنیا بھر میں مقبول ہے۔

فول : ایک خاص قسم کی لوبیا ہے ، یہ خوراک میں استعمال ہوتی ہے اور مشرقِ وسطی، شمالی افریقہ اور جنوبی ایشیاء میں مقبول ہے فول مدامی کو مختلف طریقوں سے پکایا جاتا ہے اور یہ غذائیت سے بھرپور ہوتی ہے۔

سحلب : ایک مشہور مشروب ہے جو خاص طور پر سردیوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ مشروب مشرق وسطی، ترکی، اور جنوبی ایشیا میں بہت مقبول ہے۔ سحلب ایک گرم، کریمی اور میٹھا مشروب ہے جو عام طور پر دودھ، چینی، اور سحلب پاؤڈر سے تیار کیا جاتا ہے۔ سحلب پاؤڈر ایک قسم کی آرکڈ (orchid) کے جڑوں سے حاصل

کیا جاتا ہے۔

..... یہ مزدور تعمیرات، زراعت یا صفائی وغیرہ میں کسی بھی مشکل اور پیشہ ورانہ کام میں جسے یہودی فخر کے ساتھ کرنے سے انکار کرتے ہیں کام کرتے ، وہاں یہودی مالک (معلم) ان کے سروں پر کھڑا ہوتا ، انہیں احکام دیتا اور ان کے کام کی نگرانی کردیتا ، صبح دس بجے وہ آدھے گھنٹے کا وقفہ لیتے ، جس میں وہ اپنا ناشتہ یا دوپہر کا کھانا کھاتے اور اگر وہ چائے بنا سکیں تو چائے پیتے ، پھر وہ اٹھ کر اپنا دن کا کام مکمل کرتے اور شام تین یا چار بجے اپنے کام کو ختم کرتے ، وہ گاڑی تلاش کرتے جو انہیں غزہ یا مغربی کنارے واپس لے جاتی ، واپسی کے راستے میں سوتے اور اپنے گھروں کو پہنچتے جبکہ کام نے انہیں تھکا دیا ہوتا تھا۔

جمعہ کے دن وہ صرف دوپہر دو بجے تک کام کرتے ، کیونکہ یہودی مالکان ہفتہ کے دن کی تیاری کرتے ، جو کہ ہفتہ وار چھٹی کا دن ہوتا ہے ، ان میں سے کچھ مزدور روزانہ کام کرتے اور دن کے اختتام پر اپنی مزدوری وصول کرتے ، اور اگلے دن دوبارہ مزدوروں کے مقامات پر جمع ہوتے ، ٹھیکیدار اور یہودی مالکان اپنی گاڑیوں میں آتے اور مزدوروں کی تلاش کرتے ، جو ان کے مطلوبہ کام کے لیے موزوں ہو ، کچھ مزدور ہفتہ وار یا ماہانہ بنیادوں پر یا مستقل طور پر کام کرتے ۔

مزدوروں اور یہودی مالکان کے درمیان تعلقات میں بہتری اور روزانہ سفر کی تھکاوٹ کے باعث، مالکان نے اپنے مزدوروں کے لیے ہفتے بھر رہنے کی جگہیں تلاش کیں تھی ، مزدور اتوار کی صبح اپنے گھر سے نکلتے اور جمعہ کی دوپہر تک کام کرتے ، پھر اپنے گھر واپس آتے ، ان کے جیب میں پیسے اور تھیلے میں اسرائیل سے لائے گئے سامان ہوتے ، کچھ مزدور قلقیلیہ یا طولکرم میں گھر کرائے پر لیتے ، تاکہ داخلی علاقوں میں قریب ہوں، کئی مزدور ایک کمرے یا گھر میں ہفتے بھر یا کبھی کبھی پورے مہینے رہتے ، تاکہ سفر کی کرایہ بچائیں اور روزانہ کے سفر کی تھکاوٹ سے بچ سکیں ، اندرونی علاقوں میں فلسطینی مزدور ایک نئی دنیا سے ملتے ، جس کی عادات، روایات اور اقدار ہمارے معاشرے سے بالکل مختلف ہوتی ، ان میں سے اکثر مزدور ان چیزوں سے

متاثر نہیں ہوتے بلکہ انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، لیکن کچھ نوجوان ان چیزوں سے متاثر ہو جاتے ، کچھ شراب پینے لگتے ، زانیہ عورتوں کے ٹھکانوں اور رقص گاہوں میں جانے لگتے ، نادر حالات میں کوئی مزدور کسی یہودی لڑکی سے ملتا ، اس سے محبت کرتا اور اس کے معاشرے کی عادات کے مطابق اس کے ساتھ رہنے لگتا۔

مزدوروں کی آمد و رفت میں اضافہ کے باعث مزید گاڑیوں کی ضرورت پڑی، جس سے نئے ڈرائیوروں کو موقع ملا ، کچھ مزدوروں نے اپنی گاڑی خرید لی اور اپنے ساتھ پڑوسی مزدوروں کو لے جاتے جو انہیں کرایہ دیتے ، اس طرح وہ صبح کے وقت پیدل چلنے اور شام کو واپسی کے سفر سے بچتے ، جیجو گاڑیاں علاقوں میں داخل ہونے لگیں اور گاڑیوں کی آمد و رفت میں اضافہ ہوا ، آپ دیکھتے ہیں کہ ان میں سے کچھ مزدور اپنی گاڑی پر کچھ کرسیاں یا دیگر فرنیچر لا رہے ہیں جو ان کے یہودی مالک نے نئے فرنیچر کے بدلے میں نکال دیا ہوتا تھا یہ مزدور ان چیزوں کو اپنے گھر کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے لے آتے ، یا اپنے دوستوں ، رشتہ داروں کو تحفہ دیتے ، یا (Hardware Market) میں فروخت کرتے ۔

یہودی تاجروں نے الخلیل شہر اور دیگر قریبی علاقوں جیسے طولکرم اور قلقیلیہ میں آنا شروع کر دیا، جہاں وہ اپنی ضرورت کی اشیاء خریدتے تھے ، کچھ تاجروں نے ورک شاپس، لوہار کی دکانوں یا درزیوں کے ساتھ معاہدے کیے تاکہ وہ انہیں سو دروازے یا ہزار کھڑکیاں فراہم کریں ، انہیں یہ اشیاء اسرائیلی کارخانوں کی نسبت بہت سستی مل جاتیں ، فلسطینی کاروباری افراد قیمت بڑھا کر زیادہ منافع کماتے، اور اس طرح زیادہ سے زیادہ لوگوں کو روزگار فراہم کرتے۔

حالات بہتر ہونے کے باوجود مزاحمت جاری رہی ،یہ مزاحمت کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتی رہی، کیونکہ یہ صرف مالی حالت سے وابستہ نہیں تھی ، بلکہ قومی وابستگی اور ذمہ داری کے احساس سے جڑی ہوئی تھی ، اگرچہ تنگ دستی ان جذبات کو مزید بھڑکاتی تھی، مزاحمتی کارروائیاں پھر بھی جاری رہتی ، کبھی یہاں بم پھینکا جاتا،

کبھی وہاں فائرنگ ہوتی ، کبھی یہاں کرفیو لگتا تو کبھی وہاں گرفتاریاں ہوتیں، تفتیشیں ہوتی اور لوگوں کو گھنٹوں روک کر رکھا جاتا ، کبھی کوئی مخبر پکڑا جاتا تو اسے مار دیا جاتا۔

یہودی ریاست کے اندر سینکڑوں اور ہزاروں مزدوروں کے داخلے نے مزاحمت کاروں کو 1948 سے قبضے میں لی گئی زمینوں کے اندر بڑے پیمانے پر کارروائیاں کرنے کا موقع فراہم کیا ،عبدالحفیظ جو ہماری پڑوسن ام العبد کا بیٹا تھا، نے اپنی ماں کو قائل کیا کہ اپنے بھائیوں کے مستقبل کے لیے اسے پڑھائی چھوڑ کر کام شروع کرنا چاہیے تاکہ اس کے بھائی تعلیم جاری رکھ سکیں اور اس کی ماں کو مشکل کاموں سے آرام مل سکے ، کئی کوششوں کے بعد اس کی ماں راضی ہو گئی ، عبدالحفیظ نے دوسرے ہزاروں لوگوں کی طرح اسرائیل میں کام شروع کر دیا ، چند ماہ بعد وہ اپنے گھر کے لیے ایک مناسب دروازہ اور ٹین کی چادریں خریدنے میں کامیاب ہو گیا ، انہوں نے گھر کی زمین کو بھی کنکریٹ سے ہموار کر دیا۔

لیکن کچھ عرصے بعد سب کو یہ علم ہوا کہ عبدالحفیظ کا مقصد صرف بہتر زندگی اور اپنے بھائیوں کی تعلیم نہیں تھا ، تقریباً دو سال بعد پتہ چلا کہ عبدالحفیظ عوامی محاذ میں شامل ہو چکا تھا اور اس کا مقصد اسرائیل میں فدائی کارروائیاں کرنا تھا ، چند ماہ بعد جب وہ کام کے دوران وقفے لیتا، تو وہ اپنے کھانے کے تھیلے میں چھپائی ہوئی بم کو یافا لے جاتا اور کسی بس، کیفے یا نائٹ کلب میں رکھ دیتا ، کام ختم کرنے کے بعد گھر واپس آتا، اور بم وہاں پھٹ جاتا، جہاں زخمی یا ہلاکتیں ہوتی تھیں۔

عبد الحفیظ اس حالت میں دو سال تک رہا، اور وہ انتہائی احتیاط اور چالاکی سے کام کرتا رہا ، اس دوران اس نے کئی کامیاب کاروائیاں کیں، مگر شین بیت مخبروں کے تحقیقات نے اس پر شک پیدا کر دیا ، ایک رات قابض فوج کی بڑی تعداد نے اس کے محلے پر چھاپہ مارا، اس کے گھر کو گھیر لیا اور اسے گرفتار کر لیا ، تحقیقات کے دوران، اسے شدید تشدد، مار پیٹ اور اذیت کا سامنا کرنا پڑا، مگر وہ کسی بھی الزام کو قبول نہیں کرتا تھا ، آخرکار انہوں نے اس کے ایک ساتھی کو گرفتار کیا، جس نے اعتراف کیا کہ عبد الحفیظ " الجبهة الشعبية " میں

منظم ہے ، جب اس سے سامنا کروایا گیا تو اس نے صرف اتنا ہی قبول کیا، اور اسے ڈیڑھ سال کی قید کی سزا دی گئی۔

فائدہ : شین بیٹ (ShinBet) جسے اسرائیل میں عمومی سیکیورٹی سروس General) Service Security یا GSS) کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، اسرائیل کی داخلی سیکیورٹی اور انسداد دہشت گردی کی ایجنسی ہے ، اس کا مقصد اسرائیل کی اندرونی سیکیورٹی کو یقینی بنانا، دہشت گردی کو روکنا، اور جاسوسی کے خلاف اقدامات کرنا ہے ، شین بیٹ کی ذمہ داریوں میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مختلف خطرات کا پتہ لگانا اور ان کا سد باب کرنا شامل ہے ، یہ ایجنسی مختلف انٹیلی جنس اور سیکیورٹی آپریشنز انجام دیتی ہے تاکہ اسرائیل کی عوام اور حکومت کی حفاظت کی جا سکے ، شین بیٹ کی تشکیل 1948 میں ہوئی تھی، اور تب سے یہ اسرائیل کی سیکیورٹی کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس کی کارکردگی اور آپریشنز عموماً خفیہ ہوتے ہیں، اور ان کے بارے میں عوام کو زیادہ معلومات نہیں ہوتی۔

جب تعلیمی سال کے اختتام پر میرے بھائی محمود کی گرمیوں کی تعطیل کی وجہ مصر سے واپسی قریب ہوتی ، تو ہم صلیب احمر کے دفتر جا کر پوچھتے کہ مصری جامعات کے طلباء کب واپس آئیں گے، یا پھر اعلانات کی تختی پر نظر رکھتے جہاں واپس آنے والے گروہوں کے نام اور واپسی کی تاریخیں لکھی ہوتی تھیں ، جس دن محمود واپس آتا، ہم سب پاسپورٹ کے دفتر کے سامنے اس کا انتظار کرتے ، وہاں بسیں طلباء کو لے کر آتی تھی جن کے ساتھ فوجی جیپیں بھی ہوتی تھی ، وہ پاسپورٹ دفتر میں داخل ہو کر اترتے اور انتظار گاہ میں بیٹھتے، جہاں ان کے اہل خانہ ان سے ملنے کے لیے لپکتے، انہیں چومتے اور گلے ملتے، اور پھر گھر لے جاتے۔

.... ہم ہر سال محمود کی واپسی پر وہاں بیٹھتے اور اس کا انتظار کرتے، وہ باہر آتا اور ہم اس کی طرف دوڑتے، پھر وہ ہمیں پیار کرتا، ہمارے حالات پوچھتا، اور میری ماں کے سر اور ہاتھ کو چومتا ، میری ماں فخر اور محبت سے اس کی طرف دیکھتی، اور اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو ہوتے ، وہ اپنے بیٹے "باش مھندس محمود"

پر فخر کرتی تھی ، ہماری محدود وسائل کے باوجود میری ماں مختلف قسم کے کھانے تیار کرتی تاکہ محمود کا استقبال کیا جاسکے اور اس کی ایک سال کی محرومی کو پورا کیا جاسکے۔

محمود ہمارے لیے مصری مصنوعات کے کچھ سوتی کپڑے لاتا تھا ، انہی دنوں میں ہم نے نئے کپڑوں کی لمس اور خوشبو کو جانا، کیونکہ اس سے پہلے ہم صرف وہ کپڑے پہنتے تھے جو ہم خیرات سے لیتے یا دوسری استعمال شدہ چیزوں کی دکانوں سے خریدتے ، پہلی سال کی تعلیم کے اختتام سے ہی میری ماں نے اسے "باش مھندس" کہنا شروع کر دیا تھا۔

ایک گلی کے کونے پر کچھ نوجوان ایک سیاہ کمبل بچھاتے ، جو انہیں ایجنسی سے ملتا اور اس پر بیٹھ کر تاش کھیلتے ، ہر روز شام کے بعد وہ وہاں بیٹھ کر کچھ وقت گزارتے کیونکہ کوئی اور تفریحی ذرائع موجود نہیں تھے ، وہ اپنے کھیل کو مغرب کے بعد تک جاری رکھتے ہیں جب اندھیرا چھا جاتا تو پھر وہ اپنے تاش کے پتے سمیٹتے ، کمبل جھاڑتے اور اسے تہہ کرکے اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے ، کیونکہ کچھ دیر بعد کرفیو کا وقت ہو جاتا ، ایک دن جب وہ وہیں بیٹھے تھے تو شیخ احمد وہاں سے گزرے، انہیں اسی نام سے بلایا جاتا تھا حالانکہ وہ ابھی جوان ہی تھے، اور وہ مغرب کی نماز پڑھ کر مسجد سے واپس آ رہے تھے ، وہ ہمیشہ کی طرح سلام کرتے ہوئے گزرے لیکن اس بار وہ ان کے پاس آئے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے ، ان نوجوانوں نے حیرانی سے کھیل روک دیا، تاش کے پتے سمیٹ لیے اور اس نئے آنے والے کی طرف متوجہ ہو گئے ، شیخ احمد ان کے پاس بیٹھ گئے اور کہا : مجھے ایک اہم بات کرنی ہے جو آپ لوگوں سے متعلق ہے ، ان کے چہروں پر حیرت واضح تھی اور انہوں نے کہا : جی فرمائیں ، پھر شیخ نے قرآن کی آیات اور احادیث کا حوالہ دیتے ہوئے تفصیل سے بات کی، وقت ضائع کرنے کے نقصانات اور عبادت کی اہمیت پر زور دیا، اللہ کی نعمتوں کی یاد دہانی کرائی اور آخرت میں خسارہ اور جہنم کے عذاب سے خبردار کیا، اس سب کو بڑی نرمی سے اسلام کے مستقبل سے جوڑتے ہوئے کہا کہ ضروری ہے کہ اسلام کا جھنڈا فلسطین کی سرزمین میں جو معراج اور اسراء

کی جگہ ہے، بلند ہو ، یہاں تک کہ ارض فلسطین آزاد ہوجائے اور لوگ نجات پالیں اور کوششیں کامیاب ہوجائیں ۔

چاروں نوجوان خاموشی سے شیخ کی باتیں سنتے رہے، یہ پہلی بار تھا کہ وہ ایسا کچھ سن رہے تھے ، انہیں دین اور وطنی جذبے کا یہ عجیب مرکب اچھا لگا ، فلسطینی منظرنامے میں حالیہ دنوں میں یا تو شیخ یا دیندار کو دیکھا گیا تھا جو حقیقت اور قومی درد سے بے خبر ہوتا تھا یا پھر قومی یا فدائی جو دین اور دینداری سے بے خبر ہوتا تھا ، ان کے چہروں پر پسندیدگی اور قناعت کے آثار نمایاں ہونے لگے ، ان میں سے ایک نے پوچھا: شیخ صاحب، ہم سے کیا توقع ہے؟ شیخ احمد کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور کہا: کل ان شاءاللہ، آپ غسل کریں، پاک صاف ہوں اور وضو کریں، پھر اذان بلند ہونے پر مسجد جائیں اور نماز ادا کریں ، نوجوانوں نے سر ہلا کر رضامندی ظاہر کی ، شیخ احمد نے ایک ایک کر کے ان سے مصافحہ کیا اور روانہ ہو گئے ، نوجوانوں نے اپنے تاش کے پتے سمیٹ لیے ، کمبل جھاڑا اور اسے تہہ کر لیا اور روانہ ہو گئے کیونکہ اندھیرا چھا چکا تھا اور کرفیو کا وقت قریب تھا۔

سڑکیں کھودنے کی مہم کے بعد یہ واضح ہوگیا کہ قابض فوج کی کیمپ پر قابو پانے کی صلاحیت زیادہ آسان اور ہموار ہوگئی ہے، اور اس کی گشت کرنے والی گاڑیاں آسانی سے حرکت کر سکتی ہیں اور کیمپ میں ہونے والی چیزوں پر نظر رکھ سکتی ہیں، اور پھر کسی بھی مشتبہ حرکات والے علاقے کو گھیر کر تلاشی لے سکتی ہیں اور مشتبہ افراد کو گرفتار یا قتل کر سکتی ہیں ، گشت کی گاڑیوں کی تیز رفتار حرکت اور کیمپ کے ہر حصے میں اچانک پہنچنے کی صلاحیت نے مزاحمت اور فدائیوں پر اثر ڈالنا شروع کر دیا، لہٰذا ایک نئی طریقہ کار کی ضرورت تھی تاکہ فدائیوں کو جلدی سے قابض فوج کی موجودگی کے بارے میں آگاہ کیا جا سکے، تاکہ وہ اپنی حفاظت اور تیاری کر سکیں، اور ایسا ہوا کہ ہر جگہ جہاں قابض فوج کے فوجی نظر آئے اور جیسے ہی کسی بچے یا لڑکی یا یہاں تک کہ بڑے مرد اور خواتین نے قابض فوج کو دیکھا، انہوں نے بلند آواز میں "بیعو" کا نعرہ

لگایا اور جس نے بھی یہ لفظ سنا، فوراً بلند آواز میں "بیعو بیعو... و اتربح منو " " کا نعرہ لگایا، اس وقت مقصد قابض فوج کے فوجیوں سے اپنے ہتھیار فروخت کرنے کا مطالبہ تھا۔

یہ نعرہ بلند کرنے اور اس نعرے کو زور سے کہنے کی روایت کچھ ہی وقت میں ایک عوامی نغمے کی شکل اختیار کر گئی، جب طلباء اور طالبات اسکول جانے اور وہاں سے واپس آنے کے دوران قابض فوج کی گشتی دیکھتے تو ان کے گلے میں ایک عوامی نغمہ گونجنے لگتا " بیعو... بیعو... واتربح منو والصندل أحسن منه " اور وہ اس نعرے کو اس وقت تک دہراتے رہتے جب تک ان کی آنکھیں اس گشتی پر پڑی رہتی اور فوجی نہیں جانتے کہ اس کے بارے میں کیسے عمل کریں اور الجھن اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتے۔

فدائی یہ آوازیں سنتے اور ان کے مقام کو جان لیتے اور اپنی حفاظت اور تیاری کرتے، طریقہ یہ تھا کہ چھوٹے بچے یہ نعرہ دہراتے، لیکن جب چھوٹے بچے موجود نہ ہوتے اور بڑوں کے لیے یہ نعرہ دہرانا ضروری ہوتا تو وہ بھی بلند آواز میں یہ نعرہ لگانے سے گریز نہیں کرتے، دن تیزی سے گزر گئے، اور ہم نے محمود کی مصر سے واپسی کے دن گننا شروع کر دیے، وہ انجینئرنگ کالج سے فارغ التحصیل ہو کر واپس آ رہا تھا، اور ہم روزانہ ریڈ کراس کے دفتر جا کر اس کے نام کا انتظار کرتے، اور مصر سے واپس آنے والے قافلوں میں اس کا نام ڈھونڈتے، کچھ دنوں کے بعد واپس آنے والوں کی فہرستیں اعلان بورڈ پر لٹکائی گئیں اور ہمیں تیسرے قافلے میں محمود کا نام ملا، ہم گھر کی طرف دوڑے تاکہ اپنی ماں کو باش انجینئر محمود کی واپسی کی خوشخبری دیں۔

اور اس کی آمد کا انتظار اور تیاری زور و شور سے شروع ہوگئی، سب سے اہم بات یہ تھی کہ ماں نے میرے بھائی حسن سے چونا (شید) خریدنے کو کہا، ہم نے گھر کے بیچ میں ایک گڑھا کھودا اور اس میں چونا ڈال کر پانی ڈالا تاکہ وہ ٹھنڈا ہو جائے، پھر ہم نے اس کو چھان کر سارے گھر کو سفید رنگ سے پینٹ کیا، جس میں کچھ نیلاہٹ بھی شامل تھی، اس کے بعد میری ماں نے کھانے پینے کی تیاری شروع کی، خاص طور پر حلوہ اور

بسبوسہ جو کہ ہمارے اور آنے والے مہمانوں کے لیے تھا۔

محمود کے آنے کے دن ہم نے تیاری کی اور اسے خوش آمدید کہنے کے لیے نکلے ، ہم "جنرل ڈائریکٹوریٹ آف پاسپورٹس" کے سامنے پہنچے، جہاں بسیں فوجی گاڑیوں کی نگرانی میں آئی ، ہم اور سینکڑوں خاندان بے صبری سے انتظار کر رہے تھے ، واپس آنے والے ایک ایک کر کے باہر آنے لگے، یہاں تک کہ محمود باہر آیا ، ہم دوڑ کر اس کی طرف گئے اور ہماری ماں ہم سے آگے تھی ، اس نے ہمیں بانہوں میں بھر لیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے ، جب ہم اپنی ماں تک پہنچے تو وہ بھی خوشی سے رو رہی تھی ، محمود نے اس کا سر اور ہاتھ چومے اور وہ اسے گریجویشن کی مبارکباد دے رہی تھی ، محمود نے کہا "میں واپس آ گیا ہوں، ماں، اور ان شاء اللہ اب محنت اور پریشانی کا دور ختم ہوگیا ہے ، اس نے جواب دیا "الحمد للہ، الحمد للہ، ان شاء اللہ، ان شاء اللہ۔

جب ہم گھر پہنچے تو تقریباً سارا محلہ محمود کا استقبال کرنے کے لیے جمع ہو گیا ، ایک بڑے جشن کی طرح تھا، سب مرد اسے گلے لگا رہے تھے اور عورتیں میری ماں کو مبارکباد دے رہی تھیں اور کچھ زغردیں نکال رہی تھیں ، گھر میں داخل ہونا مشکل ہو گیا کیونکہ گلی میں بہت بھیڑ تھی ، ہمسائے گھر میں داخل ہو کر مبارکباد دے رہے تھے اور ہماری ماں اور بہن بھائی مہمانوں کو مٹھائیاں اور مشروبات پیش کر رہے تھے ، لوگ محمود کو "باش مهندس" کہہ کر پکار رہے تھے اور اس سے مصر، یونیورسٹی، اور اس کی صحت کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔

سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور اندھیرا چھانے لگا، جس کے ساتھ ہی کرفیو کا وقت قریب آ گیا ، ہمسائے اپنے گھروں کو جانے لگے اور مبارکبادی کے کلمات دہرا رہے تھے ، ہم سب محمود کے گرد بیٹھ گئے، ہماری فیملی اور چچا ابراہیم کا گھر بھی جو کہ ہمارے خاندان کا حصہ بن چکا تھا ، باتیں شروع ہو گئیں، حسن اپنی دکان بند کر کے صرف پڑھائی پر توجہ دے گا، محمد اور میں اپنے خالو کے چھوٹے سے کارخانے میں کام کرنا

چھوڑ دیں گے ، ہم گھر میں ایک نیا کمرہ بنائیں گے، جس سے دو کمروں کی چھت بلند ہو جائے گی اور اس کی دیواریں اونچی کر کے اسبیسٹوس سے چھت ڈالی جائے گی ، اور ہم گھر کی زمین کو سیمنٹ سے پکی کریں گے ، یہ سب منصوبے تبھی پورے ہوں گے جب محمود نوکری پر لگے گا اور اپنی تنخواہ حاصل کرنا شروع کرے گا۔

یہ واضح تھا کہ محمود کیمپ کو نہیں چھوڑے گا، اور نہ ہی علاقے کو چھوڑ کر بیرون ملک کام کرنے جائے گا ، وہ گھر اور خاندان سے دور تعلیم مکمل کرنے کے بعد واپس آکر بہت خوش تھا ، ہم نے محمود کی واپسی اور گریجویشن کی خوشی میں دو دن مزید گزارے اور مبارکباد دینے والوں کا استقبال کیا ، تیسرے دن رات کو جب کرفیو کا وقت گزر چکا تھا اور ہم سو رہے تھے، تو ہم نے گاڑیوں کی آوازیں سنیں جو دوبارہ چل پڑی اور چلی گئیں، لیکن ہمیں اچانک صحن میں فوجیوں کی آوازیں سنائی دیں اور ان کی زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے کی آوازیں آئیں اور انہوں نے ہمیں صحن میں باہر نکلنے کو کہا ، میری ماں اور بہنوں نے جلدی سے اپنے سروں کو ڈھانپ لیا اور ہم سب باہر نکلے، محمود آگے آگے جا رہا تھا، تو ہم نے دیکھا کہ درجنوں فوجی گھر پر قابض ہیں اور ہر طرف سے ہم پر بندوقیں تانی ہوئی ہیں ، میری ماں چیخ کر بولی، "تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ کیا چاہیے؟" ایک افسر نے محمود کی طرف دیکھ کر پوچھا "کیا تم محمود ہو؟" محمود نے جواب دیا، "ہاں، میں محمود ہوں " افسر نے کہا، "ہمیں تمہیں سرایا لے جانا ہے" میری ماں چیخ کر بولی "کیوں؟ کل ہی تو مصر سے واپس آیا ہے " افسر نے کہا، "انہیں صرف کچھ سوالات پوچھنے ہیں اور کل صبح تمہیں واپس بھیج دیں گے " اس نے محمود سے ان کے ساتھ چلنے کو کہا، محمود نے کپڑے بدلنے کی درخواست کی، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور اسے اسی حالت میں چلنے کو کہا ، جب میری ماں باہر نکلنے کی کوشش کر رہی تھی تو انہوں نے اسے روک دیا اور دروازہ بند کر کے نکل گئے ، گاڑیوں کے انجن کی آوازیں دور ہوتی گئیں ،اس رات ہم سو نہ سکے، اور میری ماں چیخ رہی تھی، رو رہی تھی اور اپنی قسمت کو کوس رہی تھی ، فاطمہ اور حسن اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہے تھے کہ محمود صبح تک واپس آ جائے گا، کیونکہ افسر نے کہا تھا کہ انہیں صرف کچھ سوالات

پوچھتے ہیں ، لیکن وہ کہتی رہتی، "کچھ سوالات؟ اگر انہیں کچھ سوالات پوچھنے تھے تو دن میں بلا لیتے، نوٹس بھیج کر ، پھر اپنی قسمت کو روتی، 'ہائے میری قسمت، ہائے میری قسمت، محمود، تم نے کیا کیا ؟

صبح کے پہلے پہر میں اور کرفیو ختم ہونے کے بعد وہ اپنے ساتھ حسن کو لے کر سرایا چلی گئی ، وہاں گیٹ پر پہرا دینے والے فوجیوں نے اسے روک دیا اور اندر جانے نہیں دیا جبکہ وہ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ کیا ہوا ہے اور وہ محمود سے ملنا چاہتی ہے، لیکن وہ کچھ نہیں سمجھے اور صرف یہی کہتے رہے، "یہاں سے چلی جاؤ " حسن نے اس کی حالت دیکھ کر اسے سمجھایا کہ وہ انہیں اندر جانے نہیں دیں گے اور انہیں گیٹ کے سامنے انتظار کرنا ہوگا ، وہ اسے کھینچ کر سامنے والی طرف لے گیا اور بٹھا دیا ، ایک گھنٹہ گزرتا گیا، پھر دوسرا... محمود باہر نہیں نکل رہا تھا اور وہ جانا چاہتی تھی، کبھی کوشش کرتی تھی کہ اندر جائے اور حسن اسے روکتا تھا، اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ وہ اسے اندر نہیں جانے دیں گے اور اسے ذلیل کریں گے ، ہم گھر میں حالتِ استنفار میں تھے اور ہم نے عام سوگ کا اعلان کر دیا تھا، اور ہم انتظار کر رہے تھے کہ ماں اور حسن محمود کے ساتھ واپس آئیں گے اور انتظار طویل ہو گیا۔

غروب کے قریب ماں اور حسن واپس آئے، اپنے قدموں کو گھسیٹتے ہوئے اور ان کے چہروں پر غم چھایا ہوا تھا، اور ماں ایسی حالت میں تھی کہ میں نے کبھی ایسی بدتر حالت نہیں دیکھی تھی ، حالت سوال کے لیے کافی تھی اور ہم میں سے کوئی بھی ایک لفظ بولنے کی جرات نہیں کرسکا، بلکہ ہر کوئی اپنے بستر پر جا گرا بغیر کسی آواز کے ، حسن اس کے پاس بیٹھا تھا اور اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا، کہہ رہا تھا: کل میں ایک وکیل کے پاس جاؤں گا تاکہ ہم اسے محمود کے بارے میں پوچھنے اور اس کے معاملے کو دیکھنے کے لیے مقرر کر سکیں، اور ہم ریڈ کراس کو اس کی گرفتاری کی اطلاع دیں گے ، ماں نے جواب دیا: میرا پاؤں تمہارے پاؤں پر ہے ، تو اس نے اس سے اتفاق کیا۔

صبح سویرے دونوں دوبارہ روانہ ہو گئے تاکہ اس کام کو انجام دیں، ایک وکیل مقرر کیا اور ریڈ کراس کو

اطلاع دی ، انہیں اچھی طرح سمجھ آگیا کہ ہمارے اور ان کے سامنے صرف انتظار ہے، کیونکہ کوئی معلومات ایک ماہ گزرنے سے پہلے واضح نہیں ہو سکتی ، صرف انتظار اور صرف انتظار ... پہلے دن سیاہ، بھاری اور غمگین تھے، لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہمیں ہر مصیبت کے ساتھ جینے کی طاقت مل گئی ہے چاہے وہ کتنی ہی بڑی ہو، بس اس کے پہلے گھنٹوں اور دنوں کو گزارنا ہوتا ہے پھر معاملہ پہلے کی طرح عام ہو جاتا ہے جیسے ہر پچھلی مصیبت ، اہم بات یہ ہے کہ ہماری پچھلی تمام منصوبے منسوخ یا بہترین حالت میں ملتوی ہو گئے ہیں ، حسن کو دکان پر کام جاری رکھنا تھا، اور مجھے اور محمد کو اپنے ماموں کی فیکٹری میں صفائی اور ترتیب کے لیے جانا تھا۔

کچھ دن گزرنے کے بعد ماں حسن کو وکیل اور ریڈ کراس کے پاس لے جاتی تھی، باقاعدگی سے ہفتے میں ایک یا دو بار، اور ایک ماہ سے زیادہ کے بعد، وکیل نے ہمیں بتایا کہ محمود کے خلاف الزامات کی فہرست تیار کی جائے گی اور اسے عدالت میں پیش کیا جائے گا، لیکن لگتا ہے کہ معاملہ سادہ ہے اور دو یا تین ہفتوں میں واضح ہو جائے گا ، تقریباً دو ہفتے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ محمود کو عدالت میں پیش کیا گیا ہے، اور جج نے اس کی حراست میں دو مہینے کی توسیع کر دی ہے ، دو ہفتے بعد ہمیں ریڈ کراس سے معلوم ہوا کہ محمود کی ملاقاتیں غزہ کے مرکزی جیل میں ہوں گی اور ہم اسے ہر مہینے کی پہلی جمعہ کو مل سکتے ہیں، اگلے مہینے سے شروع ہو کر۔

حسن نے ثانوی تعلیم مکمل کر لی تھی اور خاندان کی معاشی حالت کے پیش نظر جو اس کے مصر یا کہیں اور پڑھنے کے لیے سفر کرنے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی تھی، اس نے راضی ہو کر یو این آر ڈبلیو اے کے صنعتی اسکول میں داخلہ لے لیا اور مکینیکل فٹنگ اور مشیننگ کے شعبے میں قبول کیا گیا ، اسے سال کے آغاز میں اسکول میں داخلہ لینا تھا جہاں دو سال کی تعلیم کے بعد صنعتی ڈپلومہ حاصل کرے گا۔

نویں فصل

اردن میں کرامہ کی فتح کے بعد شاہ حسین نے کہا: ہم سب فدائی ہیں اور اس فتح کی عزت کے جذبات کے ساتھ فلسطینی نوجوان ہزاروں کی تعداد میں عرب ممالک کے پناہ گزین کیمپوں سے نکل کر فتح تحریک کے دفاتر میں شامل ہونے لگے ، اردن اور دیگر عرب ممالک میں فلسطینی انقلاب نے اپنی جڑیں مضبوط کرنی شروع کر دیں ، اس کے رہنما اور قائدین، خاص طور پر یاسر عرفات، عرب دارالحکومتوں میں بڑے پرتپاک استقبال سے نوازے جانے لگے، خاص طور پر قاہرہ میں جمال عبد الناصر کے دور میں، جو عرب قوم کے رہنما سمجھے جاتے تھے۔

بہت سے فلسطینی خاندان مغربی کنارے اور پناہ گزین کیمپوں میں تقسیم ہوگئے تھے ، نہ صرف وہ خاندان جو 1948 میں ہجرت کر چکے تھے بلکہ وہ بھی جو 1967 کی جنگ کے دوران بکھر گئے، اور اسرائیلی قبضے سے بچنے کے لیے فرار ہو گئے تھے ، ان میں سے ایک خاندان تاجر احمد کا تھا جو الخلیل سے تھا ، احمد کے چار بیٹے تھے، جن میں سے ایک الخلیل میں اس کے ساتھ رہا، جبکہ تین 1967 میں اسرائیلی قبضے کے دوران اردن ہجرت کر گئے اور وہیں مقیم ہو گئے ، ان میں سے دو نے اردن کے انقلاب میں شمولیت اختیار کی، جبکہ تیسرا وہاں ٹرک ڈرائیور کے طور پر کام کرتا تھا ، جن دو نے انقلاب میں شمولیت اختیار کی تھی وہ کبھی بھی الخلیل واپس نہیں آسکتے تھے ، کیونکہ انہیں گرفتار ہونے کا حقیقی خطرہ تھا ، جبکہ تیسرا احمد کبھی کبھار اپنے خاندان سے ملنے آتا تھا اور اپنے والد کے ساتھ دکان میں بیٹھتا تھا جہاں وہ میری خالہ کے شوہر سے ملتا اور اردن میں فلسطینیوں کی حالت کے بارے میں بات کرتا۔

اردن میں فلسطینیوں کی حالت بلا شبہ فخر اور اعزاز کا باعث تھی ، لیکن احمد مستقبل کے بارے میں فکرمند تھا ، اسے یقین تھا کہ اردن میں فلسطینیوں کی بڑھتی ہوئی طاقت بادشاہ حسین کو پریشان کر رہی ہے اور اس سے بھی زیادہ تشویش ناک بات یہ تھی کہ کچھ فدائی وہاں لوگوں کے جذبات کا لحاظ کیے بغیر اپنی کارروائیاں کر رہے تھے، جو ممکنہ طور پر انقلاب اور بادشاہ کے درمیان تصادم کا باعث بن سکتا تھیں ، احمد نے متعدد بار

اپنی تشویش کا اظہار کیا، لیکن بعض حاضرین خود کو تسلی دینے کی کوشش کرتے تھے کہ معاملات تصادم اور تنازع تک نہیں پہنچ سکتے، بلکہ یہ ناممکن ہے ، اور اچانک خبریں آئیں کہ ۱۹۷۰ کے ستمبر کی ان جھڑپوں کا آغاز ہوا جو " سیاہ ستمبر " کے واقعات کے نام سے جانی گئیں اور حقیقی جنگوں میں تبدیل ہو گئیں ، جن کی بازگشت پوری علاقے میں سنائی دی اور اس نے عرب رہنماؤں کی سطح پر سیاسی حرکات کو جنم دیا۔

ام احمد کے تین بیٹے اردن میں ان خونی جھڑپوں میں شامل تھے اور ان کے تینوں بیٹوں کی بیویاں اور کئی بچے تھے، اور وہ وہاں حقیقی خطرے میں تھے، جس کی وجہ سے ام احمد نہ سو سکتی تھی اور نہ ہی اپنے منہ میں کھانا ڈال سکتی تھی، کیونکہ وہ ان کے لیے خوف سے کانپتی تھی ، ابو احمد اسے تسلی دینے اور اللہ پر بھروسہ کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ جو اللہ نے مقدر کیا ہے وہی ہوگا، لیکن ماں کا دل ایسی حالت میں سکون نہیں جانتا۔

اس کے پیش نظر ابو احمد کو مجبوراً اردن جانے کا فیصلہ کرنا پڑا تاکہ وہ اپنے بیٹوں اور ان کے خاندانوں کی خیریت معلوم کر سکے ، ام احمد چیخ اٹھی : کیا آپ اکیلے جائیں گے؟ ابو احمد نے جواب دیا : ہاں ، ام احمد بولی : اس کا کیا فائدہ ؟ میرا خوف اور فکر بڑھ جائے گی ، ابو احمد نے پوچھا : تو پھر کیا حل ہے؟ کیا رائے ہے ؟ ام احمد نے جواب دیا : ہم دونوں ساتھ جائیں گے ، ابو احمد نے اسے اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے ، انہوں نے اپنے اور اس کے لیے پرمٹ تیار کیے اور اردن جانے کے لیے روانہ ہو گئے، جہاں حالت تقریباً ایک حقیقی جنگ کے مانند تھی۔

ان کے بیٹے ڈرائیور سعید کے گھر پہنچنے میں شدید خطرات شامل تھے ، جب وہ گھر پہنچے تو انہیں سکون نہیں ملا کیونکہ حالات انتہائی خطرناک تھے اور گولیوں کی بوچھاڑ بند نہیں ہو رہی تھی، جس کی وجہ سے انہیں کھڑکیاں بند کرنی پڑیں اور فرنیچر اور الماریاں ان پر رکھنی پڑیں تاکہ گولیاں گھر میں داخل نہ ہوں اور کسی کو نقصان نہ پہنچائیں ، وہ ہمیشہ جھک کر چلنے پر مجبور تھے، اور جب بھی کوئی اپنا سر اٹھا کر سیدھا چلنے لگتا تو سب اسے چیخ

کر کہتے کہ سر نہ اٹھاؤ، کہیں کوئی بھٹکی ہوئی گولی نہ لگ جائے ، ابو احمد کبھی کبھار بڑبڑاتے : یہ سب تمہاری وجہ سے ہے، ہم وہاں محفوظ تھے ، تو ام احمد جواب دیتی : یہاں اپنے بیٹوں اور بچوں کے ساتھ، چاہے خطرہ ہو، وہاں انتظار کرنے سے ہزار گنا بہتر ہے " ابو احمد پھر سے بڑبڑاتے ، ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، اللہ خیر کرے... یا ساتر، یا ساتر"۔

ستمبر کے جرش اور عجلون کے واقعات ختم ہوئے اور تحریک لبنان منتقل ہوگئی ، جیسے ہی حالات پرسکون ہوئے، ابو احمد اور ان کی بیوی واپس الخلیل لوٹ آئے، اور ابو احمد اپنی دکان میں واپس جاکر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے خوفناک واقعات اور حقیقی دہشت کے بارے میں بات کرتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے ، موجودہ لوگ ان کی سلامتی پر مبارکباد دیتے اور وہ دوبارہ اللہ کا شکر ادا کرتے کہ وہ، ام احمد، ان کے بیٹے اور ان کے بچے سب محفوظ رہے۔

زیادہ وقت نہیں گزرا کہ ریڈیو نے جمال عبد الناصر کی موت کا اعلان کیا، جو فلسطینی عوام پر بجلی کی طرح گری ، جنھوں نے اکثریت میں انہیں عرب قوم کا رہنما اور امید سمجھا تھا ، اس پر ملک بھر میں، اس کے کیمپوں، شہروں اور دیہاتوں میں زور دار مظاہرے شروع ہو گئے ، مخیم الشاطئ میں کئی دنوں تک تعلیم معطل رہی، بھوک ہڑتال کا اعلان کیا گیا تو دکانیں نہیں کھلیں اور مظاہرے کیے گئے، جن کی قیادت کیمپ کے متعدد اساتذہ اور دانشوروں نے کی، جو عرب اتحاد کے حق میں نعرے لگا رہے تھے اور آنجناب صدر کی تعریفیں کر رہے تھے، اور وہ عرب قومی شعارات اور جمال عبد الناصر کے لیے دعا کرتے ہوئے تصاویر اور بینرز بلند کر رہے تھے ان مظاہروں میں کیمپ کے ہر فرد یا ان کی اکثریت نے شرکت کی، مرد رو رہے تھے اور عورتیں آہ و زاری کررہی تھی ، اور ان کی آہیں بلند ہو رہی تھی ، مظاہرہ اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا، یہ کیمپ سے نکل کر شہر کی اہم سڑکوں مرکزِ شہر اور شارع عمر مختار کی طرف بڑھا،، ہم بھی بطور طالب علم ان میں شامل ہو گئے، چھوٹے بڑے لڑکے اور لڑکیاں سب نعرے لگا رہے تھے : "تعیش الوحدۃ العربیۃ...

فلسطين عربية، بالروح بالدم نفديك يا جمال۔

جب مظاہرہ پہلی بار غزہ شہر کی مرکزی سڑک عمر المختار اسٹریٹ پر پہنچا تو وہاں ان کا سامنا بڑی تعداد میں قابض فوج سے ہوا، جنھوں نے مظاہرین کو ڈرانے اور منتشر کرنے کے لیے ان کے سروں پر گولیاں چلانا شروع کر دیں ، مظاہرین نے پتھراؤ شروع کر دیا تو فوج نے ٹانگوں پر گولیاں چلانا شروع کر دیں جس سے متعدد زخمی ہوئے جنھیں دار الشفاء اسپتال اور ایجنسی کلینک لے جایا گیا جو ۱۹۶۷ کے قبضے کے بعد اس دور میں علاج مہیا کرتی تھیں ،قابض فوج اور اس کے حکام نے علاقے کو کنٹرول کرنے اور مزاحمت کی تحریک کو روکنے کے لیے متعدد اقدامات کیے تھے، جن میں شہریوں کی گنتی کرنا، بالغ مردوں اور عورتوں کو شناختی کارڈ جاری کرنا، بچوں کا اندراج کرنا اور پیدائش کا اندراج کرنا شامل تھا ، اس مقصد کے لیے پاسپورٹ اور پرمٹ کا دفتر کھولا گیا جو شہری امور کی نگرانی کرتا تھا۔

انھوں نے علاقائی سرداروں اور معززین کے ساتھ رابطے اور سمجھوتے شروع کیے، جنھیں فوجی گورنر وقتاً فوقتاً بلاتا تھا ، تاکہ لوگوں کی زندگی کے معاملات پر تبادلہ خیال کرے اور ان کے ذریعے لوگوں تک اپنی بات پہنچائے ، آپ دیکھتے کہ ان سرداروں یا معززین میں سے کئی افراد شہر کے فوجی گورنر کے دفتر جاتے، عبایاں پہنے اور مونچھیں مروڑے ہوئے، گورنر کے کمرے میں داخل ہوتے، جو عام حالات میں ان کے ساتھ احترام سے پیش آتا تھا، مگر مظاہرے یا آپریشن کی صورت میں غصے میں ہوتا اور ان پر چیختا چلاتا تھا اور وہ خاموش رہتے ، اگر کوئی ان میں سے بولتا تو "جناب حاکم" اور "جناب محترم" جیسے الفاظ سے بات شروع کرتا۔

یہ مخاتیر اپنے ساتھ مختاری کی مہر رکھتے تھے ، جب وہ کوئی بھی دستاویزی معاملہ کرتے تھے تو شہریوں اور باشندوں کے لیے ضروری ہوتی تھی ، اگر کوئی بیرون ملک جانا چاہتا یا کوئی منصوبہ شروع کرنا چاہتا یا تعمیر کے لیے اجازت نامہ چاہتا یا کوئی بھی رسمی معاملہ کرتا تو اسے اپنے گاؤں کے مختار کے پاس جانا پڑتا، جو اس کاغذ

پر اپنی مہر لگاتا اور عام طور پر اس کے بدلے میں کچھ پیسے لیتا۔

"مقبوضہ علاقوں میں موجود فوجی گشت کر رہے تھے، وہ اپنے پاس فوجی نقشے رکھتے تھے اور ان کے مطابق چلتے تھے تاکہ وہ علاقوں کی خفیہ معلومات اور ان کی تفصیلات کو ہر وقت، دن رات جانچ سکیں ، وہ شہریوں، دیہاتوں اور کیمپوں میں میدانوں، وادیوں اور پہاڑوں میں چلتے پھرتے تھے، آپ کو درجنوں فوجی دو، تین یا چار قطاروں میں چلتے نظر آئیں گے، اور ہر ایک کے درمیان کچھ فاصلہ ہوگا ، وہ اپنی رائفلیں اٹھائے ہوئے ہوتے تھے اور دائیں اور بائیں دیکھ رہے ہوتے تھے، جبکہ آخری قطار میں موجود فوجی کبھی کبھار مکمل گردش کرتے تھے ، تاکہ یہ جان سکیں کہ آیا ان کے پیچھے کوئی انہیں حملہ کرنے والا تو نہیں وہ چلتے رہتے ، پھر کچھ دیر کے لیے رکتے ، افسر اپنے ہاتھ میں موجود نقشے کو دیکھتا اور پھر طے شدہ سمت میں بڑھتا ، اکثر وہ کسی نوجوان یا مرد کو روکتے ، اس کی شناختی کارڈ مانگتے ، تاکہ اس کی شناخت کر سکیں ، افسر اپنی جیب سے ایک کاغذ نکالتا ہے جس پر کچھ مطلوبہ افراد کے نام اور شناختی نمبر لکھے ہوتے ، جنہیں گرفتار یا تحقیقات کے لیے بلایا جانا ہوتا تھا، آپ کو ہر روز یا کچھ دنوں کے بعد بڑی تعداد میں فوجی جیپیں نظر آتی، جن کے آگے ایک بے نشان شہری گاڑی ہوتی ، جس پر زرد لائسنس پلیٹ ہوتا ، اس کے پیچھے درجنوں فوجی جیپیں چلتی ، یہ سب کسی گھر، باغیچے یا جگہ پر چھاپہ مارنے جا رہی ہوتی ہیں تاکہ کسی مطلوبہ فدائی یا ان کے مددگار کو گرفتار کر سکیں ، کبھی کبھار وہ واپسی پر ہوتے جبکہ وہ اس شخص کو گرفتار کر چکے ہوتے ، اس کے ہاتھ جیپ کی سیٹ کے ساتھ بندھے ہوتے ، اور اس کے سر پر موٹا کپڑے کا تھیلا ہوتا ہے جو فوجی رنگ کا ہوتا ، کبھی کبھی آپ اس شخص کو اس کے کپڑوں سے پہچان سکتے ہیں اور کبھی نہیں پہچان پائیں گے اور وہ تحقیقات کے لیے لے جایا جا رہا ہوتا ہے۔

ان تمام کاروائیوں کے باوجود، مزاحمتی کارروائیاں جاری رہیں ، ہر چند دنوں بعد آپ سنتے کہ کسی گشتی پر بم پھینکا گیا جس سے کچھ فوجی زخمی ہوئے ، یا کسی فدائی نے کارلوستاف رائفل سے کسی فوجی جیپ یا پیدل گشت

کرنے والے فوجیوں پر گولیاں چلائیں جس سے کچھ زخمی یا ہلاک ہوئے ، لیکن اکثر ان مسلح فدائیوں کی واضح یا نیم واضح شکلیں نظر آئیں جو کھلے عام ہتھیار لے کر چلتے یا ان کے کپڑوں کے نیچے ہتھیار ہوتے یا بوریوں میں ہتھیار لے کر چلتے، اور باشندے جانتے تھے کہ یہ ہتھیار ہیں۔

یہ تمام مظاہر بتدریج غائب ہونے لگے اور فدائیوں کی تحریک زیادہ سے زیادہ خفیہ ہونے لگی ، ستر کی دہائی کے اوائل میں جنرل ایریل شیرون کی قیادت میں یونٹ ۱۰۱ کا قیام عمل میں آیا، جس کی قیادت میجر مائیر داجن نے کی ، یہ یونٹ سرخ ٹوپیاں پہننے کے حوالے سے مشہور ہوئی اور عوام میں اسے "سرخ ٹوپیوں والے" کہا جانے لگا ، یہ ایک خصوصی یونٹ تھی ، جسے خصوصی تربیت دی گئی تھی ، یہ یونٹ کیمپوں کی گلیوں اور کھیتوں کے درمیان چھپ کر مشتبہ افراد پر گولیاں چلاتی، لوگوں پر حملہ کرتی، انہیں مارتی پیٹتی اور بغیر کسی ضابطے یا قانون کے تشدد کرتی تھی ، اس یونٹ کا مزاحمت کے خلاف جنگ میں اہم کردار تھا اور اس نے بہت سے رہنماؤں اور کارکنوں کو مارا ، اس یونٹ کی ایک ٹیم تقریباً دس سے بیس فوجیوں پر مشتمل ہوتی تھی جو سب رسمی فوجی لباس میں ملبوس ہوتے تھے ، یہ تمام جوان ہوتے تھے اور بہترین تربیت یافتہ تھے جن کے پاس نئے ہتھیار ہوتے تھے اور سرخ کپڑوں کی ٹوپیاں پہنتے تھے ، ان کے پاس لکڑی کے چھوٹے ڈنڈے ہوتے تھے اور ان میں سے ایک سے زیادہ کے پاس بڑے وائرلیس آلات ہوتے تھے جن کے اینٹینا اونچے ہوتے تھے اور ان سے مسلسل رہنمائی اور ہدایات کی آوازیں آتی رہتی تھیں۔

ایک دن اس یونٹ نے ایک فدائی کا پیچھا کیا جس کے پاس ایک بم تھا اور وہ کیمپ کی گلیوں میں بھاگنے لگا ، یونٹ کے فوجی اس کے پیچھے گولیاں چلاتے ہوئے بھاگے اور وائرلیس والا فوجی اپنی قیادت سے رابطہ کرنے لگا ، انہوں نے اس علاقے کو پہچان لیا جہاں وہ نوجوان چھپ گیا تھا اور انہوں نے اس علاقے کو گھیر لیا ، جلد ہی بڑی تعداد میں اضافی فوجی قوتیں پہنچ گئیں اور انہوں نے اس علاقے کو مکمل طور پر گھیر لیا ، لوگوں کو اپنے گھروں سے نکلنے کا حکم دیا گیا اور انہیں سڑک کے کنارے بٹھا دیا گیا ، جاسوسوں نے ایک ایک کرکے

ان سے تفتیش شروع کی اور فوجی گھروں میں داخل ہو کر اس نوجوان یا اس کے چھپنے کی جگہ کی تلاش میں ہر چیز کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے ، کسی طرح انہوں نے اس گھر کو پہچان لیا جہاں وہ نوجوان چھپا ہوا تھا ، افسران اور جاسوس اندر داخل ہوتے اور باہر آتے اور مشورہ کرتے رہے ، آخر کار انہوں نے اس پناہ گاہ کا مدخل پہچان لیا جہاں وہ نوجوان چھپا ہوا تھا اور انہوں نے لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعے اسے باہر نکلنے کا حکم دیا، لیکن کوئی باہر نہیں آیا۔

وہ پناہ گاہ کے دروازے کے قریب پہنچے تو ان پر گولی چلائی گئی جس کی وجہ سے وہ واپس چلے گئے ، پھر اس یونٹ کے کچھ فوجی چھپ کر آئے اور جگہ کو دھماکہ خیز مواد سے بھر دیا اور واپس چلے گئے، پھر انہوں نے دھماکہ کر دیا ، دھماکے کی آواز نے پورے کیمپ کو ہلا کر رکھ دیا ، پھر وہ ایک بلڈوزر لائے جس نے مکان کو مسمار کر دیا اور پناہ گاہ اور اس میں موجود چیزوں کو تلاش کرنے کے لیے کھدائی شروع کر دی ، کچھ دیر بعد چار فدائیوں کی لاشیں نکالی گئیں جو اس پناہ گاہ میں چھپے ہوئے تھے۔

وقت کے ساتھ ساتھ " الجبهة الشعبية " فورسز کی موجودگی کم ہوگئی اور زیادہ تر مزاحمت کار فتح تحریک سے وابستہ ہو گئے، کچھ علاقوں میں جبہۃ کی اکثریت تھی اور مردوں اور نوجوانوں میں گرفتاریاں کبھی نہیں رکی ، ہر روز درجنوں افراد کو گرفتار کیا جاتا تھا، خاص طور پر فدائی کارروائیوں کے بعد ، اور ہمیشہ کچھ ایسے ہوتے تھے جنہیں رہا کر دیا جاتا تھا ، اسی وقت تم دیکھتے ہو کہ ایک عورت اپنے شوہر یا بیٹے کے رات کے وقت گرفتاری کے خوف سے روتی ہے اور نہیں جانتی کہ کیا کرے اور دوسری طرف تم دیکھتے ہو کہ کوئی عورت اپنے شوہر یا بیٹے کے جیل سے چند دنوں ، مہینوں یا سالوں تک تفتیشی کمروں اور جیلوں میں غائب رہنے کے بعد واپسی پر زغردہ بلند کر رہی ہے ۔

الخلیل شہر میں گرفتاری کا سلسلہ قبضے کے ابتدائی دنوں سے ہی شروع ہو گیا تھا، جب اسرائیلی اعلیٰ حکام شہر کے میئر اور بزرگ رہنما شیخ محمد علی الجعبری کے گھر آئے اور ان سے خاص احترام اور تعریف کا اظہار کیا

اور ان سے ان کی خواہشات کے بارے میں پوچھا ، انہوں نے کہا کہ ان کے سپاہی لوگوں کی عزت اور مال پر حملہ نہ کریں ، ان حکام نے یقین دلایا کہ ایسا ہی ہوگا اور ان کے سپاہیوں نے اس کا معقول حد تک احترام بھی کیا ، لیکن اگلے دنوں میں وسیع علاقوں پر قبضہ کر لیا گیا، جن میں زیادہ تر علاقے الجعبری خاندان کے تھے اور کچھ دیگر خاندانوں کی زمین بھی شامل تھی ، ان زمینوں پر کریات اربع کالونی کی تعمیر شروع ہوئی اور اسی وجہ سے خالد بن ولید مسجد کی تعمیر روک دی گئی جو ان قبضہ شدہ زمینوں کے قریب تھی ، اسی طرح اسامہ بن منقذ اسکول، پرانا بس اسٹینڈ، اور الدبوئیہ عمارت پر بھی قبضہ کر لیا گیا، جہاں فوجی مراکز قائم کیے گئے جو وقت کے ساتھ ساتھ آباد کاری کے مراکز اور حرم ابراہیمی کی جانب مستوطنین کی نقل و حرکت کے مراکز بن گئے۔

یہ دشمن وقت کے ساتھ ساتھ فوجی تحرکات کو بڑھاتا گیا، لیکن اس نے ہمیشہ کوشش کی کہ مقامی لوگوں کے ساتھ ٹکراؤ نہ ہو اور ان کے ساتھ تعلقات بہتر بنائے جائیں اور جہاں تک ممکن ہو اچھے تعلقات قائم رکھے جائیں، یا کم از کم غیر دشمنی کے تعلقات ہوں ، کچھ فوجیوں کی مدد سے عرب اور یہودی بچوں کے درمیان کچھ جھڑپیں بھی ہوئیں ، بڑے آباد کار جیسے " ربی حاخام لیونگر " اور دیگر علاقے کے معززین کے پاس آتے تھے تاکہ عربی روایات کے مطابق صلح کی جا سکے، ان کا اصرار ہوتا تھا کہ اچھے ہمسائے اور برادرانہ تعلقات قائم رہیں ، وہ (عطوہ) لیتے اور جرمانہ طے کرتے اور اگر ضروری ہو تو دیت بھی ادا کرتے، اہم بات یہ تھی کہ عرب لوگوں کو پر سکون اور صلح پسند حالت میں رکھا جائے۔

کچھ علاقے جہاں مزاحمت کی حرارت برقرار رہتی تھی، وہ قریب کے کیمپوں میں تھے جہاں دہیشہ اور العروب کیمپ مرکزی سڑک پر واقع تھے جو یروشلم اور بیت لحم کے درمیان تھے ، جب فوجی حکام، فوجی ملازمین، آباد کار یا سیاح اس سڑک پر حرکت کرتے، تو انہیں ان کیمپوں سے کچھ فدائی حملوں کا سامنا کرنا پڑتا، جس کے بعد وہاں کے رہائشیوں کے سروں پر آسمان ٹوٹ پڑتا، کرفیو نافذ کیا جاتا، مردوں کو حراست میں لیا جاتا،

انہیں مارا پیٹا جاتا اور لمبے عرصے تک گرفتار رکھا جاتا۔

شہری علاقوں کے لوگوں، خاص طور پر خلیل شہر کے لوگوں، کی نظر ہمیشہ ان کیمپوں کے باشندوں پر حقارت کی رہی کیونکہ مہاجرین یا پناہ گزینوں کو ہمیشہ کمتر سمجھا گیا، اگرچہ انہیں بھی اسی قبضے نے ان کے دیہات اور شہروں سے بے دخل کیا تھا جو اب سب کے سروں پر مسلط ہے، اسی طرح دیہات کے ارد گرد کے لوگوں کے بارے میں بھی شہر کے لوگوں کی حقارت آمیز نظر قائم رہی، جیسا کہ وطن کے مختلف علاقوں میں دیکھنے کو ملتا ہے، جہاں شہر کا باشندہ دیہات کے باشندے کو حقارت سے دیکھتا ہے اور اس کے ساتھ بہت زیادہ فوقیت سے پیش آتا ہے، سوائے کچھ نادر مواقع کے، دیہات کے لوگ اور ان کی عورتیں کھیتی باڑی، پیداوار، مویشی پالنے اور دودھ دہی بنانے کا کام کرتے ہیں، اور پھر شہر میں آکر اپنے سامان جیسے ٹوکریوں میں انجیر، انگور اور مختلف پھل وغیرہ بیچتے ہیں یا دودھ، دہی یا مکھن کے برتن بیچتے ہیں، اور شہر سے اپنی ضرورت کی اشیاء جیسے کپڑے، جوتے، صابن وغیرہ مہنگے داموں خریدتے ہیں، اور چند پیسوں کے ساتھ خوش و خرم اپنے دیہات واپس جاتے ہیں۔

آپ کو صبح سویرے گاؤں کے بیچ میں دیکھنے کو ملے گا کہ کوئی بچہ یا عورت ٹوکری میں انجیر یا انڈے لے کر بس کے انتظار میں ہوتی ہے، وہ اپنے سامان کو سینے سے لگائے ہوتے ہیں، اور جب بس آتی ہے تو ان کی لمبی سفر پر روانگی ہوتی ہے، جو کچے راستوں سے گزرتی ہے اور پھر پکی سڑک پر پہنچتی ہے، شہر کے بازار میں اتر کر تاجر ان سے ان کا سامان خرید لیتے ہیں، اور وہ شہر کے بازار میں گھومتے ہیں، شہر کی اشیاء دیکھتے ہیں اور اپنی پسند کی چیزیں خریدتے ہیں، پھر بس کے انتظار میں واپس آتے ہیں تاکہ اپنے گاؤں واپس جا سکیں، جب وہ گاؤں کے بس اسٹاپ پر اترتے ہیں تو انہیں لمبی مسافت طے کرنی پڑتی ہے، اور اگر ان کا بوجھ بھاری ہوتا ہے تو وہ گھنٹوں انتظار کرتے ہیں تاکہ کوئی رشتہ دار یا جاننے والا آکر ان کی مدد کرے، اس کے باوجود وہ خوش و خرم اور مطمئن ہوتے ہیں۔

جب 1948 میں مقبوضہ علاقوں کے اندر فلسطینی مزدوروں کے لیے کام کرنے کا دروازہ کھولا گیا تو ان مزدوروں نے یہودی معاشرے کی تفصیلات، عادات و روایات اور مذہب کے بارے میں بہت کچھ جاننا شروع کیا، جمعہ کی دوپہر کے بعد یہودیوں کے ہاں ہفتہ کا آغاز ہوتا ہے جو غروب آفتاب کے کچھ وقت بعد تک رہتا ہے، لیکن ان میں سے بہت سے لوگ اس کی پابندی اپنی نجی زندگی اور گھروں میں نہیں کرتے، لیکن سرکاری ادارے بند ہوتے ہیں اور آگ یا بجلی کے کسی چیز کو جلانا یا بجھانا نہیں کیا جاتا، یہ سختی اور قطعیت یوم کپور (یوم الغفران) کے دن ہوتی ہے۔

فائدہ: یوم کپور (Yom Kippur) یہودی کیلنڈر کا ایک سب سے اہم مذہبی موقع ہے، جو عموماً ستمبر یا اکتوبر میں آتا ہے، اسے "توبہ کا دن" یا "عیدِ کفارہ" بھی کہا جاتا ہے، یوم کپور کا مقصد اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا اور توبہ کرنا ہے، یہ دن اس حقیقت کی یاد دلاتا ہے کہ انسانی زندگی میں ندامت اور اصلاح کی ضرورت ہے، یوم کپور کے دوران، یہودی لوگ روزہ رکھتے ہیں، دعا اور عبادت کرتے ہیں، اور اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگتے ہیں، یہ دن نرمی، خود احتسابی اور دوسروں کے ساتھ خوشگوار روابط قائم کرنے کی تلقین کرتا ہے، یوم کپور سے پہلے ایک دن، "رش ہشانہ" کے موقعے پر نئے سال کا جشن منایا جاتا ہے، جو کہ یوم کپور کے دن کے بعد کی مدت کے لیے حساب کتاب کا آغاز کرتا ہے، اس دن کی اہم رسومات میں عبادت گاہوں میں خصوصی خدمات اور دعائیں شامل ہوتی ہیں، اور لوگ ایک دوسرے سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگتے ہیں، یوم کپور کے اختتام پر، لوگ دوبارہ ملتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اپنے تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

..... یوم کپور سے کچھ دن پہلے، جو 6 اکتوبر 1973 کو تھا، مزدور اندر سے واپس آئے تاکہ وہ بھی تعطیل کریں کیونکہ کارخانے، کاروبار اور ادارے بند تھے یہ مزدور اپنے گھروں کے سامنے جمع ہو کر باتیں، مذاق اور چائے پینے لگے اسی طرح ہمارے محلے کے کچھ مزدور بھی 6 اکتوبر کی دوپہر کو بیٹھے ہوئے تھے، جب ایک

ہمسایہ اپنے گھر سے ریڈیو لے کر بھاگتا ہوا آیا اور چیخا: "عربوں اور اسرائیل کے درمیان جنگ چھڑ گئی ہے" سب لوگ چونک گئے اور کہنے لگے: کیا کہہ رہے ہو؟ عربوں اور اسرائیل کے درمیان جنگ؟ کون سے عرب؟" اس نے اپنے ریڈیو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: سن لو! مصری نشریاتی ادارے کی آواز گرج رہی تھی، جو مصر کی مسلح افواج کی قیادت کا پہلا فوجی بیان پڑھ رہا تھا، جس میں سینا اور سویز نہر کے ساحلوں پر مصری حملے اور بار لیف لائن پر قبضے کا اعلان کیا گیا تھا، کئی لوگوں نے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے دیکھا کہ کیا وہ سچ سن رہے ہیں!! پھر جشن کی آوازیں اور خوشی کے اظہار شروع ہوگئے جب مزید فوجی بیانات نے جنگ میں شامی شرکت اور معرکوں میں عربوں کی پیش قدمی کی تصدیق کی، مصری اور شامی فضائی دفاع نے بڑی تعداد میں اسرائیلی طیارے گرائے اور بڑی تعداد میں ٹینک تباہ کیے۔

جنگ جیتنے اور واپسی کے خواب ہر ایک کے دل میں جگمگانے لگے، جسے صرف قابض فوجوں کے لاؤڈ اسپیکر سے نکلنے والی آواز نے توڑا، جو کرفیو اور گھروں میں رہنے کا اعلان کر رہے تھے، لوگ گھروں میں رہنے لگے، یہ خواب دیکھتے ہوئے کہ یہ آخری بار ہے کہ ان پر کرفیو لگایا جا رہا ہے، سب خاندان ریڈیو کے گرد جمع ہوگئے، اور ہم بھی ریڈیو کے گرد بیٹھے تھے۔

دسویں فصل

اگلے دن جب میرا بھائی محمود مصر سے اپنی پڑھائی مکمل کر کے غزہ آیا، ایک اور طالب علم جو مصر سے گرمیوں کی چھٹیوں پر آیا تھا، اس کے سامان کی تلاشی کے دوران ایک خط پکڑا گیا، جس میں ان فلسطینی نوجوانوں کی فہرست تھی جو مصر میں فتح تحریک کے لیے منظم کیے گئے تھے، تاکہ غزہ کے علاقے میں فدائی کام کی تنظیم شروع کریں، اس فہرست میں محمود کا نام بھی تھا، جس کی بنا پر اسے گرفتار کر لیا گیا اور اس سے تفتیش شروع ہوگئی، غزہ کی جیل میں تفتیشی شعبے کو "مسالخ" کہا جاتا تھا کیونکہ وہاں جو بھی داخل ہوتا تھا، اس پر بے پناہ تشدد اور ظلم ہوتا تھا، یہ ایک عمارت تھی جس کے بیچ میں ایک راہداری تھی، جس کی

چوڑائی تقریباً چار میٹر اور لمبائی بیس میٹر تھی ، اس کے دونوں طرف مختلف سائز کے کمروں کے دروازے کھلتے تھے ، جہاں تفتیش ہوتی تھی ، اس لمبی راہداری میں قیدیوں کو زمین پر بٹھایا جاتا یا دیوار کی طرف منہ کرکے کھڑا کیا جاتا تھا اور ان کے سروں کو موٹے کپڑے کے تھیلوں سے ڈھانپ دیا جاتا تھا جو کندھوں تک ہوتے تھے اور ان کے ہاتھ پیچھے بندھے ہوتے تھے ، سپاہی ان کے درمیان گھومتے رہتے، مارتے، ٹھوکر مارتے اور تھپڑ مارتے رہتے تھے ، اگر سپاہیوں کو لگتا کہ کوئی لمحہ بھر کے لیے بھی سو گیا ہے یا اونگھ گیا ہے تو اس پر ٹھنڈا پانی انڈیل دیتے تھے ، وقتاً فوقتاً کسی قیدی کو گھسیٹ کر ایک طرف کے کمروں میں لے جایا جاتا، جہاں اس کے سر سے تھیلا ہٹا دیا جاتا اور وہ اپنے سامنے چند تفتیشی افسران کو پاتا جو عبرانی لہجے میں عربی بولتے تھے اور اس سے ہزاروں سوالات کرتے تھے ، اس دوران لاتیں، مکے اور تھپڑ مارتے رہتے تھے ، ایک تفتیشی افسر دوست بن کر قیدی کی مدد کرنے کا ڈراما کرتا تھا، وہ اسے مارنے والے ظالم افسران سے بچاتا تھا اور کہتا تھا : اسے چھوڑ دو، میں اس سے بات کروں گا، مجھے معلوم ہے کہ مار پیٹ سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، اور مجھے معلوم ہے کہ وہ اعتراف کرنا چاہتا ہے ، وہ ظالموں کو کمرے سے باہر نکال دیتا تھا اور پھر میٹھے بول بول کر قیدی کو اعتراف کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ انکار کا کوئی فائدہ نہیں، سب کچھ معلوم ہے، اور وہ پھر اسے ماریں گے اور اذیت دیں گے یہاں تک کہ وہ اعتراف کرلے، تو اس تکلیف کا کیا فائدہ؟ اور اسی طرح کی میٹھی باتیں کرتا تھا ، کبھی اسے سگریٹ دیتا تھا یا چائے کا کپ پیش کرتا تھا ، اگر وہ اعتراف کروانے میں کامیاب ہو جاتا تو اس سے لکھوا لیتا، اور اگر ناکام رہتا تو دوبارہ ظالم افسران کو بلا لیتا جو اپنی طاقت سے اعتراف کروانے کا کام جاری رکھتے تھے۔

قیدی کو اس کی پیٹھ پر لٹایا جاتا اور اس کے ہاتھ پیچھے ہتھکڑیوں سے بندھے ہوتے ، اس کے چہرے اور سر پر کپڑے کی بوری ہوتی ، اور ایک شخص اس کے سینے پر بیٹھ جاتا ، تاکہ اسے گلا گھونٹے اور بوری پر پانی ڈالے ، دوسرا شخص اس کے پیٹ پر کھڑا ہوتا ، جبکہ تیسرا شخص کرسی کو اس کی ٹانگوں کے درمیان رکھ کر بیٹھ جاتا ،

تاکہ اس کی ٹانگوں کو الگ کر سکے، اور چوتھا شخص اس کے خصیوں کو دباتا ، دو اور افراد اس کے دونوں پیروں کو پکڑے ہوتے ، اسی طرح ایک راؤنڈ کے بعد چند سیکنڈ کا وقفہ ہوتا اور پھر دوبارہ اسی طرح تشدد کیا جاتا ، کبھی کبھار اس کے ہاتھوں کو پیچھے ہتھکڑیوں سے باندھ دیا جاتا اور اسے حلقے میں یا دیوار پر لگے پائپ سے باندھ دیا جاتا ، جہاں وہ تقریباً معلق ہوتا اور اس کی انگلیوں کے سرے زمین کو چھوتے ، اس دوران اس کے سر پر ایک یا زیادہ بوریاں ڈال دی جاتی ، اور پھر اس کے پیٹ میں مکوں اور جسم کے دیگر حصوں میں لاتوں سے مارا جاتا اور اس پر ٹھنڈا پانی ڈالا جاتا کبھی کبھار اس پر پنکھا بھی چلایا جاتا ، جس سے وہ سردی سے کانپنے لگتا اور اس کا جسم جم جاتا ۔

ان تمام سلوک سے محمود کو (غزہ کی جیل) کی سلاخوں میں تفتیش کے دوران گزرنا پڑا ، اس کے جسم کا ڈھانچہ کمزور ہوگیا اور وہ پہچانا نہیں جا سکتا تھا ، چالیس دن تک یہ سلسلہ جاری رہا جس میں اسے کم ہی نیند میسر آئی یا کھانا نصیب ہوا اور اس کے جسم کو پانی نہیں چھوا ، جب کبھی وہ چاہتے کہ وہ کچھ دیر آرام کرے تاکہ وہ مر نہ جائے تو اسے ایک چھوٹے سے سیل میں ڈال دیا جاتا جو ڈیڑھ میٹر چوڑا اور ڈھائی میٹر لمبا ہوتا، وہاں وہ پانچ یا چھ دوسرے قیدیوں کے ساتھ ہوتا جنہیں تفتیش اور کم نیند نے کمزور کر دیا ہوتا ، وہ ایک دوسرے کے اوپر گر کر سو جاتے اور صرف جلادوں کے ہاتھوں سے ہی بیدار ہوتے جو انہیں دوبارہ تفتیش کے لیے لے جاتے ، ہفتوں کے انکار کے بعد کہ محمود کا کسی تنظیم یا فتح سے کوئی تعلق نہیں، اس کے سامنے ایک طالب علم کا ذکر کیا گیا جو مصر سے آیا تھا اور جس کے پاس اس کے اور دیگر لوگوں کے ناموں کی فہرست تھی ، محمود نے انکار جاری رکھا اور کہا کہ یہ سب جھوٹ ہے ، اس کے بعد اسے دوبارہ پرانے طریقوں سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا ، بالآخر محمود نے اعتراف کیا کہ مصر میں کسی نے اسے فتح کے لیے منظم کیا تھا اور کہا کہ وہ اس سے رابطہ کریں گے ، محمود نے سوچا کہ اس کے بعد معاملہ ختم ہو جائے گا، لیکن تفتیش دوبارہ شروع ہوگئی ، کیا آپ نے کسی ہتھیار کی تربیت لی ہے؟ آپ سے کون سی مشن کی توقع کی گئی؟ آپ

کے ساتھ کون شامل تھا؟ کیا آپ نے کسی اور کو شامل کیا؟ اور وہ کون تھے؟ ہزاروں سوالات تھے، اور اس کے انکار کے باوجود کہ اس نے کچھ نہیں کیا، تفتیش دوبارہ شروع ہوئی اور زیادہ سخت اور اذیت ناک ہوگئی، محمود نے تب سمجھا کہ اس نے غلطی کی ہے، حسین نے اپنا پہلا اقرار کر لیا تھا اور وہ ویسے بھی اسی عذاب میں مبتلا رہتا، لہذا اسے اپنے اقرار پر قائم رہنا چاہیے، تاکہ وہ خود کو زیادہ عرصے قید میں نہ پھنسا لے، اسی طرح تفتیش کار محمود اور دوسرے قیدیوں کو اذیت دیتے رہے جہاں سارا دن اور رات قیدیوں کی چیخیں اور تفتیش کاروں کی گالیاں اور شتم سنائی دیتی رہتی۔

تقریباً چالیس دن بعد تفتیش کاروں نے سمجھا کہ انہیں محمود سے مزید کچھ حاصل نہیں ہوگا، لہذا اسے خصوصی قید میں منتقل کر دیا، چند ہفتوں بعد اسے عام جیل میں منتقل کر دیا، اس نے جیل کے ایک سیکشن میں ایک کمرے میں داخل ہو کر کچھ کپڑے، کمبل، دو پلاسٹک کی پلیٹیں اور ایک چمچ حاصل کیا، وہاں اس نے تقریباً بیس قیدیوں کو پایا، جن میں سے کچھ کو وہ کیمپ کے بیٹے کے طور پر جانتا تھا، وہاں اس کے بھائیوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس کو تسلی دی، سب نے اپنا تعارف کروایا، نام، علاقہ اور الزام وغیرہ۔

محمود کو سب سے زیادہ پریشانی اور فکر اپنی ماں اور ہمیں دیکھنے اور یہ یقین دہانی کرانے کی تھی کہ وہ ابھی زندہ ہے، اور ٹھیک ہے، اسے امید تھی کہ اسے زیادہ عرصے کے لیے قید نہیں کیا جائے گا، جیسے کہ بہت سے لوگ جو قید ہو کر جیل میں داخل ہوتے ہیں اور پھر کبھی باہر نہیں آتے، اس نے پہلے لمحے سے ہی اہل خانہ کی ملاقاتوں کے بارے میں پوچھا، تو نوجوانوں نے اسے بتایا کہ غزہ کے علاقے کے لیے ملاقات ہر مہینے کے پہلے جمعہ کو ہوتی ہے، اس نے تاریخ پوچھی تو معلوم ہوا کہ اسے مزید دو ہفتے انتظار کرنا ہوگا۔

میری ماں نے کچھ پڑوسیوں سے پوچھا، جن کے بیٹے قید میں تھے، خاص طور پر ہماری پڑوسن ام العبد سے، کہ کیا ہم کھانے پینے اور کپڑے وغیرہ جیل لے جاسکتے ہیں اور کیا انہیں اندر لے جانے کی اجازت ہوگی؟ تو جواب نفی میں ملا، اس نے معلوم کیا کہ کتنے لوگوں کو ملاقات کی اجازت ہے؟ اور جانا کہ تین بڑے یا دو

بڑے اور ایک چھوٹے کو اجازت ہے، اور اس رات جو پہلی ملاقات سے پہلے تھی، ہم نے بہت بحث کی کہ ماں کے ساتھ محمود سے ملنے کون جائے گا، ہر کوئی چاہتا تھا کہ وہ جائے۔

آخری بات یہ ہوئی کہ ماں نے میری بہن فاطمہ، مجھے اور مریم کو منتخب کیا، حسن ناراض ہوا اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا، لیکن ماں نے اسے واضح کیا کہ وہ اسے فوجیوں اور جیلروں کے ساتھ جھگڑے سے بچانا چاہتی ہے اور یہ کہ پہلی ملاقات ہے، ہم جائیں گے، صورتحال کو جانچیں گے، پھر فیصلہ کریں گے، حسن نے مایوسی کے ساتھ اس بات پر رضامندی ظاہر کی۔

جمعہ کی صبح جب سورج طلوع ہو رہا تھا، ہم غزہ سینٹرل جیل کی عمارت سرایا کے سائیڈ گیٹ کے باہر کھڑے تھے، وہاں پہنچنے پر ہم نے دیکھا کہ سینکڑوں خاندان دیوار کے ساتھ انتظار کر رہے تھے، وہاں آہنی پائپوں کی ایک رکاوٹ تھی تاکہ قطار کو منظم کیا جا سکے، ہم سب ایک مخصوص انتظار گاہ میں بیٹھ گئے، دروازے میں ایک کھڑکی کھلی اور ایک سپاہی نے جھانک کر دیکھا، پھر دروازہ کھولا اور ہاتھ میں ایک رجسٹر لے کر باہر آیا اور نام پکارنے لگا، جب بھی کسی قیدی کا نام پکارا جاتا، اس کے اہل خانہ کھڑے ہو کر "جی" کہتے اور آہنی حد فاصل کی ابتدا کی طرف بڑھ جاتے تاکہ عمارت میں داخلہ کے منتظر قطار میں کھڑے ہو سکیں، جب بھی وہ تیس نام پکارتا اور ان کے اہل خانہ قطار میں کھڑے ہو جاتے، وہ انہیں تلاشی کے لیے اندر لے جاتے، مردوں اور عورتوں کو الگ کرنے کے بعد دوبارہ ملاتے اور ملاقات کے لیے لے جاتے۔

ہم شدت سے انتظار کر رہے تھے جب تک کہ میرے بھائی محمود کا نام پانچویں گروپ میں پکارا گیا، ہم نے "جی" کہا اور قطار میں کھڑے ہو گئے جب تک کہ گروپ مکمل نہ ہوگیا، پھر انہوں نے ہمیں اندر داخل کرنا شروع کیا، ہمارے ساتھ کوئی بالغ مرد نہیں تھے، اس لیے ہم سب خواتین کی تلاشی کے حصے میں چلے گئے، جہاں خواتین سپاہیوں نے میری والدہ، بہنوں اور میری تلاشی لی، پھر ہمیں ایک صحن میں لے گئے، جہاں ہم نے دوسروں کی تلاشی مکمل ہونے تک انتظار کیا، ہم نے دیکھا کہ ہمارے سے پہلے کا گروپ ملاقات سے

واپس آ رہا تھا، پھر ہمیں لیے، مدھم روشنی والے راستوں سے گزار کر ملاقات کے سیکشن تک لے جایا گیا، جہاں ایک سیمنٹ کی دیوار میں لوہے کی جالیوں سے ڈھکی کھڑکیاں تھیں جو دیوار کے دونوں طرف ہمیں قیدیوں سے جدا کرتی تھیں ، بچے پہلے دوڑتے ہوئے داخل ہوئے اور بڑے آہستہ چلتے ہوئے ، میں بھی بچوں کے ساتھ دوڑتا ہوا داخل ہوا اور ہم سب اپنے والد یا بھائی کو تلاش کرنے لگے ، میں نے اپنے بھائی محمود کو ایک کھڑکی کے پیچھے بیٹھا ہوا پایا اور چلانے لگا : یہاں ہے محمود ، یہاں ہے محمود : شور بلند ہوگیا تھا اور میری ماں نے مجھے نہیں سنا لیکن انہوں نے مجھے کھڑکی کے سامنے کھڑے دیکھا تو وہ میری بہنوں فاطمہ اور مریم کے ساتھ آگے بڑھیں۔

میری ماں نے محمود پر ہزاروں سوالوں کی بارش کر دی ، اس کی حالت، صحت، کیا انہوں نے اسے مارا ؟ کیا اسے کھانا دیا؟ اس کے جسم کا حال ؟ کیا اس کی ٹانگیں یا ہاتھ شل ہو گئے ؟بے انتہا سوالات بغیر کسی جواب کا انتظار کیے!! اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ، محمود انہیں پرسکون کرنے کی کوشش کرتا ہوا ہاتھ کے اشارے سے کہتا : ماں، میں ٹھیک ہوں، میرے ساتھ سب ٹھیک ہے، دیکھو میں تمہارے سامنے ہوں ، میری صحت ٹھیک ہے، میرے پاؤں ٹھیک ہیں، سب کچھ ٹھیک ہے ، تم کیسے ہو؟ اور میرے بہن بھائی کیسے ہیں ؟ فاطمہ تم کیسی ہو؟ مریم تم کیسی ہو؟ فاطمہ نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا: بھائی میں ٹھیک ہوں اور مریم نے کہا: الحمد للہ۔

میری والدہ نے ان سے ان کے کیس اور عدالت کے بارے میں پوچھنا شروع کیا اور انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے اور ان شاءاللہ سزا ایک سال یا ڈیڑھ سال سے زیادہ نہیں ہوگی ، میری والدہ نے یہ سن کر ایسی چیخ ماری کہ جیسے ان کی روح ان کے جسم سے نکل رہی ہو اور بولی : ایک سال یا ڈیڑھ سال، ہائے اللہ! تو محمود نے انہیں تسلی دینا شروع کیا اور انہیں مطمئن کرنے کی کوشش کی اور بتایا کہ انہوں نے ایک وکیل مقرر کر دیا ہے ، پھر وہ جیل کے محافظ جو ہمارے پیچھے کھڑے تھے، اور ان کے پیچھے دوسری

طرف موجود لوگ زور زور سے تالیاں بجانے اور چلانے لگے: وزٹ ختم، وزٹ ختم ، ہم نے دوبارہ الوداعی سلام کیا، اور محافظوں نے محمود اور دوسرے قیدیوں کو پکڑ لیا اور انہیں دروازے کے پیچھے گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور ہمیں یعنی اہل خانہ کو، باہر دھکیلنے لگے ۔

اس ملاقات سے مجھے یہ فائدہ ہوا کہ میں نے محمود کو دیکھا، انہوں نے میری خیریت معلوم کی اور میں نے ان کی خیریت معلوم کی ، جب انہوں نے میری والدہ کو الوداع کہا تو مجھے بھی یاد کیا اور بولے : الوداع احمد ، اس سارے وقت میں میری والدہ کے سوالات اور محمود کی تسلیاں چلتی رہیں، اور کیس اور سزا کے بارے میں بات ہوتی رہی ، اہم بات یہ ہے کہ اس وزٹ کے بعد ہماری والدہ کی نفسیاتی حالت بہتر ہوگئی اور وہ کسی حد تک اپنی معمول کی حالت میں واپس آنے لگی۔

محمود غزہ کی جیل کے سیکشن (ب) میں تھا ، جو آٹھ کمروں پر مشتمل تھا ، ان کمروں کے دروازے تین میٹر چوڑے راہداری پر کھلتے تھے ، ہر کمرے کا رقبہ پندرہ مربع میٹر سے پچیس مربع میٹر تک ہوتا تھا ، ان کمروں میں چھوٹی کھڑکیاں اور لوہے کی سلاخوں والے دروازے تھے ، ایک کونے میں بیت الخلاء ہوتا تھا ، ہر کمرے میں کم از کم بیس قیدی ہوتے تھے ، جو زمین پر کمبل بچھا کر ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے سوتے تھے، یہاں تک کہ ایک آدمی اپنی پیٹھ کے بل نہیں لیٹ سکتا تھا اور اگر وہ کروٹ بدلنا چاہتا تو اسے اٹھ کر کھڑا ہونا پڑتا اور پھر کروٹ بدل کر لیٹنا پڑتا ، اگر کسی کو بیت الخلاء جانے کی ضرورت ہوتی تو اسے سوئے ہوئے لوگوں کے اوپر سے گزر کر جانا پڑتا اور جب وہ واپس آتا تو اس کی جگہ دوسرے لوگ لے چکے ہوتے ، صبح چھ بجے لاؤڈ اسپیکر پر اعلان ہوتا کہ کچھ دیر میں گنتی شروع ہوگی اور روشنیوں کو جلا دیا جاتا ، محافظ دروازوں پر دستک دیتے اور قیدیوں کو جگاتے ، ہر قیدی کو جاگ کر اپنی چیزیں سمیٹنی اور ترتیب دینی پڑتی تھی اور گنتی کے انتظار میں بیٹھنا پڑتا تھا ، اگر کوئی قیدی دیر سے جاگتا اور اس کے ساتھی اسے نہ جگاتے، تو محافظ دروازہ کھول کر اندر آتے اور اسے بے دردی سے مارنے لگتے ، بہت سارے محافظ ایک افسر کی قیادت میں

آتے، وہ قیدیوں کی گنتی کرتے، قیدیوں کو دو قطاروں میں کھڑا ہونا پڑتا تھا، محافظوں کے پاس لاٹھیاں ہوتی تھیں، ہیلمیٹ پہنے ہوتے تھے اور ان میں سے ایک کے پاس آنسو گیس کا گن بھی ہوتا تھا، وہ کمرے کمرے جاکر قیدیوں کی گنتی کرتے اور پھر دوسرے سیکشنز کی گنتی کے لیے نکل جاتے، آخر میں لاؤڈ اسپیکر سے گنتی ختم ہونے کا اعلان ہوتا، جس کے بعد قیدیوں کو افطار کے لیے کھانا پیش کیا جاتا، یہ عام طور پر دو یا تین سلائس بریڈ، تھوڑا سا مکھن وغیرہ ہوتا تھا، کبھی کبھار اس کے ساتھ آدھا ابلا ہوا انڈا بھی ہوتا، اور ایک کپ ایسی چیز ہوتی جو ذائقے اور خوشبو میں چائے جیسی ہوا کرتی تھی، قیدی اپنا کھانا کھاتے جب کہ وہ ایک کے بعد ایک باتھ روم جاتے، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کوئی قیدی بیت الخلا کے لیے مجبور ہوتا اور اس کے پیٹ میں درد ہو رہا ہوتا اور وہ اپنے ساتھی سے بار بار درخواست کر رہا ہوتا کہ جلدی باہر آجائے کیونکہ اس کی حالت بگڑ رہی ہے۔

پہرے دار ایک ایک کرکے کمروں میں آتے، تاکہ قیدیوں کو دو دو کمروں کے حساب سے (فورہ) نامی صحن میں لے جائیں، یہ ایک ایسی جگہ ہے جو اونچی دیواروں سے گھری ہوئی تھی، جس کی چھت پر خاردار تاریں تھی، اور اس کا رقبہ تقریباً ایک سو بیس مربع میٹر تھا، قیدی ایک ایک کرکے اپنے ہاتھ پیچھے باندھے اور سر جھکائے ہوئے صحن میں جاتے، وہاں پہرے دار لاٹھیوں کے ساتھ کھڑے ہوتے اور قیدی حلقے کی شکل میں چلنے لگتے جو بھی اپنا منہ کھول کر کسی ساتھی سے بات کرتا، یا پیچھے رہتا یا آگے بڑھتا تو، اسے لاٹھیوں، ٹھوکروں اور تھپڑوں سے مارا جاتا، قیدی اس حالت میں ایک گھنٹہ یا اس سے کم وقت تک گھومتے، پھر واپس اپنے کمروں میں چلے جاتے، ہر قیدی کو اپنی تہہ کی ہوئی کمبل پر بیٹھنا ہوتا، اور انہیں گروپوں یا حلقوں میں بیٹھنے یا بات چیت کرنے کی اجازت نہیں تھی، اگر وہ ایسا کرتے تو پہرے دار کمرے میں گھس کر انہیں مارتے اور بسا اوقات کچھ کو سزا کے سیل جنہیں (سنوکات) کہا جاتا ہے، میں لے جاتے تھے۔

دوپہر کی گنتی کے بعد دوپہر کے کھانے کا اعلان ہوتا، جو کچھ سلائس بریڈ اور سبزیوں کا شوربہ ہوتا، کبھی

کبھار اس میں کچھ سبزیاں جیسے گاجر اور کبھی کبھی یہ صرف گرم پانی ہوتا جس میں نمک کا ذائقہ ہوتا ، کبھی کبھار جیشڈ آلو، چاول یا بینگن کے ٹکڑے آتے ، قیدی جو بھی پاتے اسے بمشکل ہی چھوتے ، کچھ قیدی برتن دھوتے اور دوسرے دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ، نیند کے مارے ان کی پلکیں بھاری ہونے لگتی ، اگر کوئی پہریدار، جو کمروں کے سامنے راہداری میں چکر لگاتا رہتا ، انہیں سوتے ہوئے دیکھ لیتا تو زور سے چلاتا تاکہ وہ نہ سوئیں، کیونکہ سونے کی صرف رات میں اجازت تھی ۔

گھنٹے بوجھل گزرتے تھے جب تک کہ رات کا کھانا نہ آ جائے، جو پلیٹ میں بمشکل نظر آتا ، قیدی شام پانچ بجے کے قریب کھانا کھاتے ، پھر غروب آفتاب کا انتظار کرتے ، غروب آفتاب کے ایک یا ڈیڑھ گھنٹے بعد اور شام کی گنتی اسی طرح کرنے کے بعد، پہریدار روشنی بند کر دیتے اور قیدی ایک دوسرے کے قریب سو جانے کی تیاری میں لیٹ جاتے ، پہریدار ہمیشہ کمروں کی نگرانی کرتا اور اس کے جوتوں کی آواز زمین پر گونجتی ، جیسے کہ وہ انہیں رات میں بھی سونے کی اجازت نہ دینا چاہتا ہو۔

جمعرات کے دن قیدیوں کو چار چار کے گروپ میں حمام لے جایا جاتا ، جہاں ہر قیدی کو ہفتے میں پانچ منٹ نہانے کے لیے ملتے ، پانی شاذ و نادر ہی گرم ہوتا اور ایک ہی بیکار صابن کی ٹکیا تمام قیدیوں کے لیے کافی ہونی ضروری تھی ، (یعنی سیکشن کے ایک چوتھائی قیدیوں کے لیے) نہانے کے بعد جیل کا داروغہ ہر کمرے کو ایک استرا دیتا جس سے سب کو باری باری اپنی داڑھی مونڈنی ہوتی تھی ، جمعہ کا دن اہل خانہ کی ملاقاتوں کا دن ہوتا ، ہر علاقے کے قیدیوں کے اہل خانہ اس دن ملاقات کے لیے آتے تھے ، جس جمعہ کی صبح جن قیدیوں کے اہل خانہ ملاقات کے لیے آ رہے ہوتے وہ تیار ہو جاتے اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز کا انتظار کرتے جو دیواروں پر نصب ہوتا اور ایک گروپ کے بعد دوسرے گروپ کے زائرین کے ناموں کا اعلان کرتا ، جن کے نام بلائے جاتے وہ اپنی کوٹھریوں سے باہر آتے ، جب جیل کے داروغہ ان کے لیے دروازے کھولتے تو انہیں تمام سیکشنوں سے اکٹھا کر کے ایک انتظار گاہ میں لے جایا جاتا ، جہاں ان کی جامہ تلاشی لی جاتی ، پھر

انہیں ملاقات کے سیکشن میں لے جایا جاتا ، جہاں دوبارہ تلاشی لی جاتی ، ہر سیکشن کے قیدیوں کو الگ الگ رکھا جاتا اور بعد میں انہیں دوبارہ ان کی کوٹھریوں میں واپس بھیجا جاتا ، وہاں ان کے ساتھی انہیں ملاقات کی مبارکباد دیتے ، اور وہ جواب دیتے "اللہ آپ کو برکت دیوے ، آپ کی بھی باری آئے ۔

میرا بھائی محمود اس کٹھن اور تلخ حقیقت تک پہنچ گیا اور اس نے غزہ کی اس جیل میں زندگی گزاری جو مختلف علاقوں سے آئے ہوئے سینکڑوں قیدیوں سے بھری ہوئی تھی ، جیل انتظامیہ کسی بھی منظم اجتماعی سرگرمی کی اجازت نہیں دیتی تھی اور قیدیوں کو ان کے بنیادی انسانی حقوق سے محروم رکھتی تھی ، جو انسانی حقوق اور جنیوا کنونشن کے تحت فراہم کیے گئے تھے جو کوئی بھی اعتراض کرنے کی کوشش کرتا ، اسے ایسی سختی اور مار پیٹ کا سامنا کرنا پڑتا جو کسی انسان کے تصور سے بھی باہر ہو۔

عدالت کے دن جیل کے داروغہ محمود اور دیگر قیدیوں کو بتاتے کہ انہیں عدالت جانے کے لیے تیار ہونا ہے ، چند منٹوں میں انہیں کوٹھریوں سے نکالا جاتا ، ان کی مکمل تلاشی لی جاتی ، ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگائی جاتی اور پیروں میں بیڑیاں ڈال دی جاتی ، پھر انہیں گھسیٹ کر جیل کی عمارت کے دوسرے کونے میں واقع فوجی عدالت میں لے جایا جاتا ، وہاں انہیں انتظار گاہ میں بٹھایا جاتا اور ایک ایک کر کے عدالت کے کمرے میں لایا جاتا ، جہاں انہیں قیدیوں کے پنجروں میں بند کر دیا جاتا اور فوجی ان کی نگرانی کرتے ، عدالت کے کمرے کے وسط میں ایک بڑی میز ہوتی جس کے پیچھے تین کرسیاں ہوتی اور ان کے پیچھے اسرائیل کا جھنڈا ہوتا جب جج - جو فوجی افسران ہوتے تھے - کمرے میں داخل ہوتے تو ایک فوجی زور سے حکم دیتا ، "کھڑے ہو جاؤ" جس پر کمرے میں موجود ہر شخص کو کھڑا ہونا ہوتا ، یہاں تک کہ وہ اہل خانہ بھی جو کمرے کے دوسرے کونے میں بیٹھے ہوتے اور ان پر فوجیوں کی بندوقیں تنی ہوتی ، عدالت کی کاروائی شروع ہوتی اور وکیل کا کردار نہ ہونے کے برابر ہوتا ۔

محمود درجنوں فوجیوں میں سے اپنی ماں، ماموں اور بھائی حسن کی طرف دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا جو دوسرے

لوگوں کے درمیان بیٹھے تھے، وہ اپنے چہرے پر اطمینان کی مسکراہٹ لانے کی کوشش کر رہا تھا، جس کا جواب ماں ایک ہلکی اور پریشان مسکراہٹ سے دیتی تھی جو اس کی فکر اور مستقبل کے بارے میں خوف کو چھپانے میں ناکام رہتی تھی ، عدالت کی کاروائی بار بار بغیر کسی نتیجے کے جاری رہتی تھی، اور ہر مرتبہ قیدیوں کو دوبارہ جیل واپس لے جایا جاتا تھا جہاں ان کے ساتھی ان سے پوچھتے کہ کیا ہوا، تسلی دیتے اور اگر کسی کو سزا مل جاتی تو اسے حوصلہ دیتے کہ آزادی قریب ہے اور قید مردوں کو متاثر نہیں کرتی، یہ قومی وابستگی کی قیمت ہے۔

زندگی کے حالات ناقابل برداشت حد تک سخت تھے، اور جیلر کا کسی بھی اعتراض پر ردعمل ہر تصور سے زیادہ سخت تھا ، اکثر ایک قیدی کا سر اس لیے توڑ دیا جاتا تھا کیونکہ اس نے کھانے کے بارے میں سوال کیا تھا کہ کیا یہ انسانوں کے کھانے کے لائق ہے؟ اور کیا یہ بیس لوگوں کے لیے کافی ہے؟ اکثر کسی کی ہڈیاں اس لیے توڑ دی جاتی تھیں ، کیونکہ اس نے دوسرے کمروں کے دروازے کی طرف دیکھا تھا جب وہ قطار میں میدان کی طرف جا رہا تھا ، اکثر ان کی آنکھیں نیلی پڑ جاتی تھیں کیونکہ تین یا چار دوسرے قیدی اپنے کمرے کے کونے میں بیٹھ کر بات چیت کر رہے تھے، کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا تاکہ جیلروں کے ساتھ اس برتاؤ کو توڑ سکیں ، محمود کے ساتھ تین یا چار قیدی اس مسئلے پر بات چیت کر رہے تھے اور ہر کوئی اپنی جگہ بیٹھا تھا تاکہ جیلر کو شک نہ ہو، اس حقیقت کو ختم کرنے کا طریقہ تلاش کر رہے تھے ، ان سب پر یہ واضح تھا کہ تشدد اور طاقت کا استعمال ان کے حق میں نہیں ہوگا کیونکہ ان کے پاس صرف اپنے ہاتھ تھے جبکہ جیلر کے پاس لاٹھیاں، ڈھالیں، ہیلمٹ اور آنسو گیس تھی، اور تمام بربریت اور بے حسی تھی ، تو کیا کرنا چاہیے؟ آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس حقیقت کو تبدیل کرنے کا واحد طریقہ کھانے سے مکمل انکار کرنا ہے، کیونکہ بھوک ہڑتال کے ذریعے آپ تکلیف اور بھوک کا سامنا کرتے ہیں، اور موت کا انتظار کرتے ہیں تاکہ جیلر کی سختی اور ظلم کو شکست دے کر اسے ہمارے ساتھ برتاؤ کی معادلہ تبدیل کرنے پر مجبور کریں۔

فیصلہ لیا گیا اور ہم آہنگی کے عمل کا آغاز ہوا، اسیر کارکن سے جو کھانا تقسیم کرنے کے لیے باہر جاتا تھا، کہا گیا کہ جیلر سے ایک قلم چوری کرے اور کچھ کاغذوں کا انتظام کرے ، کئی کوششوں کے بعد وہ اس میں کامیاب ہوگیا، اس نے قلم اور کاغذ کئی دنوں تک چھپائے رکھے اور کمرے کے ایک کونے میں رکھا جہاں جیلر انہیں آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے ، کمرے میں خطوط لکھنے کا آغاز ہوا جو دوسرے حصوں میں بھیجے جائیں گے تاکہ اجتماعی طور پر ہڑتال کی جا سکے، اور یہ سب ایک ہی وقت میں شروع ہو۔

یوم ملاقات کو کچھ قیدیوں نے خطوط اٹھائے اور انہیں تفتیشی عمل سے گزارا ، خطوط کو پلاسٹک میں لپیٹا گیا تھا اور انہیں منہ میں چھپانا آسان تھا ، انتظار کے کمرے میں خطوط کو دوسرے سیکشن کے نوجوانوں میں بانٹ دیا گیا ، ہر ایک نے خط اپنے منہ میں چھپایا اور وہ انہیں بہت احتیاط سے آپس میں بانٹتے رہے ، اگر کسی نے دیکھا کہ ایک محافظ راہداری میں حرکت کر رہا ہے اور قریب آ رہا ہے، تو وہ کھنکھار لیتا یا زمین پر اپنے پیر مارتا، اور خط چھپا لیا جاتا جب کمرہ خالی ہو جاتا تو خط کو دوبارہ لپیٹ لیا جاتا اور اگلی کھانے کی قسط کا انتظار کیا جاتا ، پھر وہ انہیں خط دیتا اور وہ اسے پڑھنے اور بانٹنے لگتے ، اس طرح دو ہفتوں کے اندر تمام قیدیوں کو اطلاع مل گئی اور انہوں نے ہڑتال کی تیاری کر لی۔

اتوار کی صبح گنتی اور کھانا آنے کے بعد، محافظوں نے معمول کے قیدیوں کو کھانا تقسیم کرنے کے لیے باہر نکالا ، اس نے کھانا اٹھایا اور پہلے کمرے کے دروازے پر کھڑا ہو کر کہا : "کھانا" نوجوانوں نے جواب دیا " ہم نہیں چاہتے، ہم ہڑتال پر ہیں" محافظ حیران ہوا اور اپنے ساتھی کو بلایا تاکہ اعلیٰ حکام کو اطلاع دے سکے، پھر قیدی نوجوان کو دوسرے کمرے میں جانے کا حکم دیا ، " کھانا " قیدیوں نے جواب دیا "ہم نہیں چاہتے، ہم ہڑتال پر ہیں" اسی طرح تیسرے، چوتھے اور باقی کمروں میں بھی یہی ہوا، اور اسی طرح دوسرے سیکشنز میں بھی۔

محافظوں کا دماغ خراب ہوگیا اور جیل کا ڈائریکٹر اور اس کے افسران بڑی تعداد میں محافظوں کے ساتھ

لاٹھیاں، ڈھالیں اور گیس لے کر سیکشنز کی طرف دوڑتے ہوئے آئے ، ڈائریکٹر نے محافظ پر چیخ کر کہا "دروازہ کھولو" محافظ نے پہلا دروازہ کھولا ، ڈائریکٹر نے چیخ کر کہا : "کھانا لے آؤ" قیدی کھانا لایا اور ڈائریکٹر نے قیدیوں سے ایک ایک کر کے پوچھنا شروع کیا : "کیا تم کھانا چاہتے ہو ؟" جواب ملا : "نہیں" دوسرے سے پوچھا ، جواب ملا : "نہیں" تیسرے اور چوتھے سے بھی یہی سوال کیا اور مختلف کمروں میں گھوما، مگر کوئی بھی کھانا لینے یا کھانے کے لیے تیار نہیں تھا وہ صرف پانی پیتے اور چند نمک کے دانے لیتے ، دوپہر کا کھانا آیا، لیکن کسی نے نہیں لیا ، رات کا کھانا آیا، لیکن کسی نے نہیں لیا ، ایک دن، دوسرا دن، تیسرا دن گزر گیا ، ایک ہفتہ اور دو ہفتے گزر گئے ، قیدی کمزور ہونے لگے، ان کے جسم ڈھلنے لگے اور آنکھیں اندر دھنسنے لگی ، ہر روز یا کچھ دنوں بعد ڈائریکٹر یا اس کے کسی افسر نے آکر کوشش کی کہ کوئی ٹوٹ گیا ہو یا ہار مان گیا ہو اور کھانا کھانے کے لیے تیار ہو، مگر ایسی کوئی صورت حال نہ ہوئی ، واضح ہوگیا کہ قیدی مقابلہ کرنے اور آگے بڑھنے پر مصر ہیں ، یہ معاملہ یقیناً اعلیٰ حکام تک پہنچا دیا گیا ، ڈائریکٹر نے آکر اس قیدی یا اس سے مطالبات پوچھے تو سب کا ایک ہی جواب تھا : میں بات کرنے کا مجاز نہیں ہوں، کمیٹی سے بات کریں ، محمود صالح ، حسن ثبات اور عبدالعزیز شاہو ، ڈائریکٹر چیخا : یہاں کوئی کمیٹیاں نہیں ہیں، ہم کسی کمیٹیوں کو نہیں مانتے، تم سب تخریب کار اور مجرم ہو۔

ایک تیسرا ہفتہ گزر گیا اور یہ واضح ہو گیا کہ معاملات نے تفاعل شروع کر دیا ہے، یہ واضح ہو گیا ہے کہ قیدیوں کی زندگیوں کو حقیقی خطرہ لاحق ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے عالمی میڈیا اور بین الاقوامی محافل میں اسرائیل پر شدید دباؤ پڑے گا ، یہ مناسب نہیں ہے کہ یہ قیدی بھوک سے مر جائیں، فلسطینیوں کی ایسی بہادری اور عظمت کی تصویر سامنے آنا بھی مناسب نہیں ہے ، مذاکرات کا آغاز ہوا اور کمیٹی کو جیل کے ڈائریکٹر کے دفتر میں بلایا گیا ، میز پر لذیذ کھانے کی پلیٹیں رکھی گئیں اور جیل انتظامیہ کی ٹیم ڈائریکٹر کی قیادت میں بیٹھی، اور ان کے سامنے تینوں قیدی بیٹھے تھے، ان میں سے کوئی بھی اپنی کرسی پر

ٹھیک سے بیٹھ نہیں پا رہا تھا لیکن پھر بھی وہ ہمت کر رہے تھے اور اپنی جسمانی طاقت کی آخری رمق کو جمع کرنے کی کوشش کر رہے تھے ، ڈائریکٹر نے انہیں کھانا کھانے کی پیشکش کی، لیکن انہوں نے ادب اور نرمی سے انکار کر دیا وہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح ہڑتال پر ہیں اور اگر مطالبات پورے ہو جائیں تو وہ سب سے آخر میں کھانا کھائیں گے۔

مطالبات کیا ہیں ؟ جسمانی تشدد اور مار پیٹ کی پالیسی کا خاتمہ، کمروں میں آزادانہ بیٹھنے کی اجازت، دن میں سونے کی اجازت، فوارہ میں آزادانہ چلنے، بیٹھنے یا جمع ہونے کی آزادی، ہمیں نیند کے لیے مناسب گدے فراہم کیے جائیں، کھانے کی مقدار بڑھائی جائے، صفائی کے سامان کی مقدار دوگنی کی جائے، اور غسل خانے کا وقت بڑھا کر ہفتے میں دو بار کیا جائے، دفاتر، قلم اور کتابوں کی اجازت دی جائے اور دیگر مطالبات ، مطالبات کو نوٹ کیا گیا اور ان پر بعد میں جواب دینے کا وعدہ کیا گیا ، تینوں قیدیوں نے بمشکل خود کو اٹھایا اور انہیں محافظوں نے ساتھ لیا جن کے چہروں پر حیرت کے آثار تھے کہ انہوں نے ان مردوں کے عزم اور ارادے کو روز بروز بڑھتے ہوئے دیکھا ، دو دن بعد کمیٹی کو دوبارہ بلایا گیا اور ڈائریکٹر نے ان مطالبات پر موقف کا اعلان کیا ، کچھ مطالبات کو منظور کر لیا گیا اور کچھ کو مسترد کر دیا گیا ، کمیٹی کے اراکین نے جاتے ہوئے اعلان کیا: "یہ کافی نہیں ہے اور ہڑتال جاری رہے گی ، انہیں بیٹھ کر مزید مطالبات پر بات چیت کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن جواب ملا : ہمیں اپنے تمام مطالبات کی مکمل منظوری چاہیے " اگلے دن کمیٹی کو دوبارہ بلایا گیا اور ان مطالبات پر جواب دیا گیا جن میں سے زیادہ تر کو منظور کر لیا گیا تھا ، کمیٹی نے ہڑتال ختم کرنے پر اصولی طور پر رضامندی ظاہر کی، لیکن انہوں نے قیدیوں کے سیکشن میں جا کر انہیں نتائج سے آگاہ کرنے اور ان کی رائے سننے کی اجازت مانگی ، اس درخواست کو مسترد کر دیا گیا تو کمیٹی نے ہڑتال جاری رکھنے کا اعلان کیا اور باہر نکل گئی ، چند گھنٹوں بعد انہیں دوبارہ بلایا گیا اور انہیں ایک افسر کی معیت میں سیکشن میں جانے کی اجازت دی گئی ، انہوں نے سیکشن کا دورہ شروع کیا، ایک کے بعد ایک کمرے میں داخل ہوئے،

قیدیوں سے ملے، انہیں ہونے والے واقعات سے آگاہ کیا اور ہڑتال ختم کرنے پر ان کی رضامندی حاصل کی ،یہاں تک کہ انہوں نے پورے جیل کا دورہ مکمل کر لیا۔

جب افسران نے اس بات کی تصدیق کر لی کہ ہڑتال ختم ہو گئی ہے اور قیدی کھانا قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں، تو لازمی تھا کہ پہلے تین دنوں میں صرف مائع غذا تک ہی محدود رہے ، اس کے بعد غذا کو جامد اور سخت کھانوں میں تبدیل کیا جائے گا کیونکہ معدہ اور آنتیں جو کئی ہفتوں سے کام نہیں کر رہی تھیں، وہ عادی کھانے کے لیے تیار نہیں تھیں، اور انہیں بتدریج فعال کیا جانا ضروری تھا جیسا کہ قید میں موجود ایک ڈاکٹر نے مشورہ دیا۔

پہلی غذا کھانے کے بعد، تمام قیدی ہر کمرے میں ایک اجتماعی نشست میں بیٹھ گئے ، کمرہ (۷) بلاک (ب) میں ایک حلقے کی شکل میں بیٹھے، محمود نے اس نشست میں اس فتح کے بارے میں بات کی جو حاصل ہوئی تھی اور کہا کہ اگر مردوں کا عزم اور موت کے لیے تیاری ہو تو کوئی چیز ان کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی، اور لازمی ہے کہ فتح ان کا مقدر ہوگی ، اس نے فلسطینی انقلاب کے بارے میں بات کی جو صرف مردوں کے عزم اور تیاری سے شروع ہوا تھا اور اعلان کیا کہ فتح تحریک کا ایک نعرہ ہے کہ "زمین کو صرف اس کے مرد آزاد کرا سکتے ہیں" بالکل جیسے ہمارے اجداد نے کہا تھا کہ "زمین کو صرف اس کے بیل جوت سکتے ہیں " اگلے دن، قیدی صحن میں باہر نکلے بغیر اس کے کہ پہریدار وہاں اپنے ڈنڈوں کے ساتھ موجود ہوں، اور ہر ایک نے بغیر کسی مداخلت کے جو چاہا کیا، چلا یا بیٹھا، دو یا تین یا چار، ، ایک پہریدار قریب کی چھت پر کھڑا ہو کر بغیر کسی مداخلت کے صورتحال کو دیکھ رہا تھا۔

اگلے عرصے میں سلاخوں کے پیچھے ثقافتی، مذہبی اور تعلیمی نشستیں عام ہوگئیں ، ایک کمرے میں ایک نشست ہو رہی تھی ، جس میں پیش کنندہ فلسطینی تاریخ کے بارے میں بات کر رہا تھا، دوسرے کمرے میں ایک سیاسی نشست ہو رہی تھی جس میں تازہ ترین حالات پر بات ہو رہی تھی، تیسرے کمرے میں فتح تحریک کے

اصول، نعرے اور مقاصد پر بات ہو رہی تھی، اور چوتھے کمرے میں اشتراکی فکر اور مارکسی فلسفے پر بات ہو رہی تھی ، اس طرح جیل ایک ترقی یافتہ اسکول میں تبدیل ہوگئی جہاں سیکھنے والا دوسروں کو سکھاتا تھا اور بے تجربہ لوگوں کو مناظرے اور سیاسی تفکر کی تربیت دی جاتی تھی اور قیدیوں کے درمیان واضح سیاسی اور نظریاتی فکر تشکیل پانے لگی، ان کے سیاسی وابستگیوں کے مطابق تین واضح گروپ نمایاں ہو گئے : لینیزم کے ساتھ عوامی آزادی کے دستے ، قومی تحریک کے ساتھ فتح اور مارکسی یساری کے ساتھ عوامی محاذ۔

فوائد

لینینزم : ایک سیاسی نظریہ ہے جو روسی رہنما ولادیمیر لینن کی تعلیمات اور نظریات پر مبنی ہے ، یہ نظریہ مارکسزم کے اصولوں کی توسیع کرتا ہے اور کیمونزم کے قیام کے لیے مخصوص حکمت عملیوں پر زور دیتا ہے ، لینینزم کا بنیادی مقصد سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کرنا اور ایک سوشلسٹ ریاست کے قیام کو ممکن بنانا ہے۔

قوات التحرير الشعبية : ایک عسکری گروپ قوات التحرير الشعبية کے حوالے سے معروف ہے جو فلسطینی آزادی کے لیے کام کرتا ہے ،یہ تنظیم 1960 کی دہائی میں تشکیل پائی اور اس کا مقصد فلسطینی عوام کے حقوق کا دفاع کرنا اور اسرائیل کے خلاف مسلح جدوجہد کرنا ہے ،اس کی بنیاد مارکسی-لنینی نظریات پر رکھی گئی تھی، اور یہ فلسطین میں کیمونسٹ تحریکوں کا حصہ رہی ہے۔

الوطنی الجرو : ایک فلسطینی سیاسی تحریک ہے جو فلسطینی خودمختاری اور حقوق کے حصول کے لیے کام کر رہی ہے ، یہ تحریک بنیادی طور پر ایک سیاسی اور سماجی تحریک ہے جس کا مقصد فلسطینی عوام کے حقوق اور ان کی خودمختاری کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔

تحریک فتح : فلسطینی سیاسی اور فوجی تنظیم ہے جس کی بنیاد 1965 میں یاسر عرفات اور ان کے ساتھیوں نے رکھی ، یہ تنظیم فلسطینی قومی تحریک کا ایک اہم حصہ ہے اور اس کا مقصد فلسطینی عوام کے حقوق کی جدوجہد

اور فلسطینی ریاست کے قیام کے لیے کام کرتا ہے۔

المارکسی الیساری: ایک خاص تنظیم نہیں ہے بلکہ یہ ایک نظریاتی دھارے یا سیاسی تحریک کی نمائندگی کرتی ہے جو مارکسزم پر مبنی سوشیلسٹ خیالات کو فروغ دیتی ہے۔

"الجبهة الشعبية لتحرير فلسطين" (Popular Front for the Liberation of Palestine – PFLP) "ایک فلسطینی سیاسی اور فوجی تنظیم ہے، جو 1967 میں تشکیل دی گئی ، یہ تنظیم فلسطینی آزادی کی تحریک کا حصہ ہے اور اس کا مقصد فلسطینیوں کا حقوق اور خودمختاری حاصل کرنا ہے ، یہ تنظیم مختلف طریقوں سے اپنی جدوجہد کرتی ہے، جن میں سیاسی فعالیت، عوامی تحریکیں، اور کبھی کبھار مسلح کارروائیاں شامل ہیں وقت کے ساتھ، اس تنظیم نے فلسطینی تنازعہ کی سیاست میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اس کے کئی ادوار میں مختلف روابط اور اتحاد بنائے ہیں۔

گیارھویں فصل

محمود کی رہائی کا وقت قریب آ رہا تھا ، میری ماں نے اس کے استقبال اور اس کی دوبارہ فتح کی خوشی منانے کی تیاری شروع کر دی تھی ، ہم نے گھر کو چونے سے رنگ دیا، اور حلبہ، ببوسہ اور دیگر قسم کی کھانے کی چیزیں تیار کیں ، ہم نے دوبارہ ان منصوبوں اور امیدوں کے بارے میں بات کرنا شروع کر دیا جو ہم نے اس کے مصر سے واپسی پر کی تھیں۔

فائدہ : ببوسہ ایک مشہور عربی میٹھا ہے جو عام طور پر سمولینا (سویدا) کے آٹے، چینی، دہی، اور گری دار میوے سے تیار کیا جاتا ہے۔

..... رہائی کے دن ہم سب اپنے مکمل تیاریاں کر کے سرائے کے دروازے کے سامنے کھڑے ہوگئے ، دوپہر کے وقت وہ سرائے کے دروازے سے نکلا ، جب اس نے ہمیں دیکھا تو ہماری طرف دوڑا اور ہم اس کی

طرف دوڑے اور ہم نے اسے گلے لگا لیا اور شکر کی دعائیں پڑھنے لگے ، حسب معمول میری ماں دیر سے پہنچی، محمود اس کے پاس پہنچا اور اس کا سر اور ہاتھ چومنے لگا اور وہ اسے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگی "نہیں، باش مہندس" پھر ہم گھر کی طرف روانہ ہوئے اور ہمارے سر فخر سے بلند تھے ، جب بھی ہم کسی جاننے والے کے پاس سے گزرتے، وہ جلدی سے کھڑا ہوجاتا یا ہماری طرف متوجہ ہو جاتا اور ہمیں مبارکباد دیتا، محمود کو گلے لگاتا اور کہتا "الحمدللہ، باش مہندس، آپ کی سلامتی پر شکر ہے ، جب ہم محلے کے کنارے پہنچے تو وہاں سب ہمارے انتظار میں تھے اور محمود کا استقبال فاتحین کی طرح کیا گیا ، خوشیاں اور تقریبات کئی دن تک جاری رہیں اور مبارکباد دینے والے آتے رہے۔

جب ہماری خوشیاں محمود کی قید سے رہائی کے بعد ختم ہوئیں، تو ہم نے اس کی ملازمت کی خوشیوں کا جشن منانا شروع کیا ، اس نے ایجنسی کے دفتر جانا شروع کیا اور مختلف منصوبوں میں بطور عماراتی انسپکٹر اور شہری انجینئر کام کرنے لگا ، یہ واضح تھا کہ لمبے عرصے کے بعد ہمارے لیے آسمان کے دروازے کھل گئے تھے، کیونکہ ایجنسی کی نوکری میں بہت عمدہ تنخواہ ملتی تھی ، جب ہماری خوشیاں محمود کی ملازمت کے بعد ختم ہوئیں، تو ایک نئی خوشی شروع ہوئی ، میری بہن فاطمہ کی منگنی محمود کے ایک ساتھی سے ہوئی اور پھر شادی کی تیاریاں شروع ہوئیں ، فاطمہ کے شادی کے دن، جب وہ اپنے شوہر کے گھر منتقل ہوگئی اور ہم شادی کی تقریب سے واپس آئے، تو ہمیں لگا کہ گھر کا ایک ستون گر گیا ہے ، فاطمہ نے ہمارے گھر کو بھرا ہوا تھا، بلکہ مجھے ذاتی طور پر لگا کہ میرا دل میرے سینے سے باہر نکل گیا ہے ، لیکن وقت کے ساتھ ہم اس کے عادی ہوگئے، خاص طور پر جب ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اپنی گھر میں خوش ہے ، تھوڑی ہی مدت بعد ہمارے پڑوسی، ام العبد کے بیٹے عبدالحفیظ کو بھی رہا کر دیا گیا، جو کہ جبھة الشعبية سے تعلق رکھنے اور کام کرنے کے الزام میں قید تھا ، محلے نے اس کا بھی محمود کی طرح گرم جوشی سے استقبال کیا اور اس کی ماں، ام العبد نے بھی اس کی رہائی کی خوشی میں مٹھائیاں تیار کیں۔

میرے بھائی محمود کا اور عبد الحفیظ کا استقبال بہت ہی عجیب تھا ، ایک طرف تو ان میں بہت ہی دوستانہ تھا کیونکہ وہ دونوں جیل میں ایک ساتھ رہے تھے، اور انہوں نے ایک ساتھ ہڑتالیں اور مشکلات کا سامنا کیا تھا، جس کی وجہ سے وہ گہرے دوست بن گئے تھے ، دوسری طرف ان کے درمیان ایک شدید دشمنی بھی واضح تھی کیونکہ جب بھی سیاسی اور فکری معاملات پر بات ہوتی تھی تو وہ جلد ہی ایک دوسرے پر تنقید کرنے لگتے تھے ، محمود کی نوکری کے چند مہینوں بعد میری ماں نے اصرار کیا کہ ہم اپنے منصوبے شروع کریں اور ایک نیا کمرہ بنائیں جو باش مہندس کے لائق ہو، اور جو اس کے دوستوں، ساتھیوں اور محلے کے نوجوانوں اور مردوں کی میزبانی کر سکے ، ہم نے ایک مزدور کرائے پر لیا، ضروری مواد خریدا، اور ایک وسیع کمرہ بنایا جس کی دیواریں اونچی تھیں، چھت پر ایسبسٹوس کی چادر تھی، اس میں کئی بڑے کھڑکیاں اور ایک بہترین لکڑی کا دروازہ تھا، اور اس کی فرش اونچی اور سیمنٹ کی تھی۔

اس کے بعد میری ماں نے اصرار کیا کہ ہم ایک بستر خریدیں ، وہ استعمال شدہ تھا لیکن ہمارے گھر میں ترقی کی دنیا میں ایک نئی بات تھی ، محمود اس پر سوتا تھا اور کبھی کبھی ہم میں سے کوئی اس پر کچھ وقت کے لیے لیٹ جاتا تھا ، پھر ہم نے ایک میز اور دو کرسیاں خریدیں، اور اس طرح گھر میں واضح ترقی ہونے لگی ، پھر محمود کی شادی کے ارادوں کے بارے میں بات بڑھنے لگی اور میری ماں اس سے اس لڑکی کے بارے میں بات کرنے لگی جسے وہ چاہتا تھا، کیا وہ کسی خاص لڑکی کو چاہتا تھا ؟ اور وہ اپنی دلہن میں کون کون سی خصوصیات چاہتا تھا؟ ......

مقاومت کی شدت کم ہونے لگی تھی ، کیونکہ بہت سے لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا تھا، اور بہت سے شہید ہو گئے تھے، اور دنیا لوگوں کے لیے کھل گئی تھی اور انہیں مشغول کر دیا تھا ، اس کے علاوہ اسرائیلی خفیہ ادارے نے مقاومت کے خلاف بڑی کامیابیاں حاصل کی تھی ، جہاں انہوں نے بڑی مقدار میں اسلحہ اور گولہ بارود ضبط کیا تھا ، ایسا لگتا تھا کہ ان کی معلومات اور فلسطینی حقیقت کی جانکاری میں بہت زیادہ اضافہ ہوا

تھا جس کی وجہ سے وہ مقاومت کو محدود اور پریشان کرنے میں کامیاب تھے ، عوامی آزادی کی فوج بڑی حد تک کمزور ہونے لگی تھی، کیونکہ یہ ایک عسکری تنظیم تھی اور اس کا تنظیمی پہلو اور بیرونی حمایت نہیں تھی، اور اس کا وجود غزہ کے علاقے تک محدود تھا، مغربی کنارے میں نہیں تھا ، وقت کے ساتھ ساتھ، اس نے فتح اور عوامی محاذ کی جگہ لینا شروع کر دی ، بہت سے نوجوانوں کی گرفتاری اور قید کے بعد، جب ان کی سزائیں ختم ہوئیں اور انہیں رہا کیا گیا، تو فکری اور سیاسی رجحانات کا ابھار ہونے لگا، جس کے نتیجے میں ان نوجوانوں اور ان کے خاندانوں میں اور ان کی بند حلقوں میں شدید فکری اور سیاسی مباحثے ہونے لگے، اور واضح طور پر سننے میں آیا کہ کچھ لوگوں نے فتح کا نقطہ نظر اپنایا اور اس کے خیالات پیش کیے، اور کچھ لوگوں نے الجبھۃ الشعبیۃ کا نقطہ نظر اپنایا اور اس کے خیالات اور نظریات کو اپنایا۔

عبدالحفیظ اکثر ہمارے گھر آتا تھا، وہ اور دوسرے لوگ میرے بھائی محمود کے کمرے میں بیٹھتے تھے اور فکری مسائل پر گفتگو کرتے تھے ، عبدالحفیظ مارکسی سوشلسٹ تھا اور اس فکر کی دعوت دیتا تھا ، وہ تاریخ کی حرکت (ڈیالیکٹک) سے متعلقہ مسائل پر بحث کرتا تھا، مارکس، لینن یا اینگلز کی لکھی ہوئی کچھ کتابوں کا حوالہ دیتا تھا اور ہمارے عوام کی جدوجہد اور ان کے جائز حقوق کے لیے سوویت یونین کی حمایت اور سوشلسٹ ممالک کی حمایت کی بات کرتا تھا ، وہ کہتا تھا کہ ہمیں ان دوستیوں اور حمایتوں کو استعمال کرنا چاہئے ، محمود کا نقطہ نظر مختلف تھا ، اس کا خیال تھا کہ ہمارا قومی مسئلہ کسی بھی فکری دھارے میں تقسیم ہونے کا متحمل نہیں ہے، ہر کسی کو اپنی فکر اپنانے کی آزادی ہے، لیکن اہم یہ ہے کہ ہماری تمام کوششیں قومی متحدہ تحریک کے تحت مرکوز ہونی چاہئیں، جو تحریک فتح ہے، جس میں مذہبی اور سیکولر، کمیونسٹ، عیسائی اور مسلمان سب شامل ہیں اور فکری اختلافات کی گنجائش نہیں ہے ، جب بھی وہ ہمارے گھر یا ام العبد کے گھر میں ملتے، یا سڑک کے کونے پر کھڑے ہوتے، تو یہ مباحثے شروع ہو جاتے اور آوازیں بلند ہو جاتیں ، ہر کوئی اپنے موقف پر شدت سے بات کرتا اور کبھی کبھی بحث اتنی تیز ہو جاتی کہ جھگڑے کی شکل اختیار کر لیتی، لیکن آخر میں وہ چائے

پیتے اور اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جاتے۔

دوسری طرف، شیخ احمد نے کچھ نوجوانوں کو نماز کے لیے بلانا شروع کیا، اور وہ مسجد آنے لگے، نمازیں ادا کرتے، پھر ایک حلقے میں بیٹھ کر قرآن پڑھتے یا کسی دینی کتاب کا مطالعہ کرتے، شیخ احمد انہیں شرح و تفسیر سے سمجھاتے اور تربیت دیتے، نوجوان ان کی باتوں کو سمجھتے اور قبول کرتے، شیخ احمد ان نوجوانوں کو ہدایات دیتے اور وہ پھیل جاتے، پھر نئے نوجوان مسجد آتے اور حلقہ بڑھتا جاتا۔

میرے بھائی حسن دل کا سب سے اچھا تھا اور دوسروں کی خاطر قربانی دینے کے لیے ہمیشہ تیار رہتا تھا، اس نے گھر کی ذمہ داری اور محمود کی تعلیم کے اخراجات اٹھائے، وہ سبزی کی دکان پر کام کرتا اور اپنی تعلیم جاری رکھتا، پھر اس نے صنعت کی تعلیم قبول کرلی حالانکہ اس نے ثانوی تعلیم میں اعلیٰ نمبر حاصل کیے تھے، اگر اسے مناسب موقع ملتا تو وہ بھی انجینئرنگ یا سائنس کی تعلیم حاصل کر سکتا تھا، لیکن حالات سخت تھے، اس نے صنعت کی تعلیم قبول کر لی اور سبزی کی دکان کی ذمہ داری بھی سنبھالی، وہ صنعت کی اسکول سے خراطة اور برادة کے شعبے سے تقریباً فارغ التحصیل ہو چکا تھا۔

فائدہ: خراطة (یعنی ٹرننگ) اور برادة (یعنی ملنگ) دو اہم مشینی عمل ہیں جو مختلف دھاتوں اور دیگر مواد کی شکل اور سائز کو تبدیل کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

...... اپنے سبزی کے ٹھیلے پر کام کرتے ہوئے، حسن کی ملاقات شیخ احمد سے ہوئی جنہوں نے کئی بار اپنے گھر کی ضروریات حسن سے خرید چکے تھے، شیخ احمد نے حسن کی خوش اخلاقی اور اعلیٰ اخلاق کو دیکھا اور اسے آخرت کی یاد دلاتے ہوئے اور اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم کی مخالفت کرنے کے خطرات سے آگاہ کرتے ہوئے اور اللہ کی نعمتوں میں جو اس کے پاس ہے طمع دلاتے ہوئے نماز پڑھنے اور مسجد آنے کی دعوت دی، شیخ احمد نے بتایا کہ دین کا راستہ اور اس پر استقامت سب سے بہترین راستہ ہے جو دنیا میں خوشی اور

کامیابی، اور آخرت میں کامیابی اور فلاح کی جانب لے جاتا ہے ، حسن کے دل میں شیخ احمد کی باتیں گھر کر گئیں اور اس نے شیخ سے وعدہ کیا کہ وہ نماز شروع کرے گا اور مسجد آئے گا ، واقعی اسی شام حسن نے وضو کیا اور نماز پڑھنا شروع کر دی، اور جب بھی موقع ملتا مسجد جاتا ، عام طور پر حسن مغرب کی نماز کے وقت مسجد جاتا اور عشاء کی نماز تک وہیں رہتا ، عشاء کے بعد وہ گھر واپس آتا ، گھر والوں کے لیے یہ بات بہت قابل قبول تھی، خاص طور پر میری ماں کے لیے کیونکہ نماز پڑھنا اور مسجد جانا ایک پسندیدہ عمل تھا ، حسن بڑا اور سمجھدار تھا اور اس بارے میں کوئی تشویش نہیں تھی وہ کبھی کبھار میرے بھائی محمود اور ہمارے پڑوسی عبدالحفیظ اور دوسرے نوجوانوں کے درمیان ہونے والی بحثوں میں بھی حصہ لیتا، جہاں وہ عبدالحفیظ کے مقابلے میں بہت سخت ہوتا اور اسے الحاد، بے ایمانی اور کفر کے الزامات دیتا ،عبدالحفیظ کی فکری سطح حسن سے بہت بہتر تھی، شاید جیل میں گزارے وقت نے عبدالحفیظ کو یہ فکری مہارتیں فراہم کی تھیں ، وہ دینی فکر پر حملہ کرتے ہوئے کہتا کہ دین لوگوں کے لیے ایک نشہ آور چیز ہے اور مزاحمت میں کہاں ہیں دیندار اور ان کا کردار اور قومی جدوجہد ؟ حسن کمزور جوابات دیتا اور محمود کے ساتھ بھی ٹکراتا جہاں وہ دین کی طرف واپسی اور آزادی کی جدوجہد میں اس کی اہمیت پر زور دیتا ، محمود مضبوط جواب دیتا کہ دین میں کوئی شک نہیں، لیکن ہمیں اس وقت قومی آزادی پر توجہ دینی چاہئے اور کسی فکری یا دینی اختلاف میں نہیں پڑنا چاہئے ، حسن خاموش ہو جاتا اور کوئی جواب نہ دیتا، خاص طور پر جب محمود پوچھتا کہ ہمارے عیسائی بھائیوں کا کیا ہوگا ؟ اور نیشنل جدوجہد میں ان کا کردار کیا ہوگا ؟ اگلے دن حسن مسجد سے چند کتابیں لے کر آیا جن میں سے ایک مارکسی فکر اور سوشیالزم کے نظریات کو رد کرتی تھی، دوسری اسلام کے معاشی نظام پر تھی، اور تیسری عقیدہ پر مبنی تھی وہ انہیں اپنے پاس رکھ کر ورق پلٹنے اور گزشتہ بحث میں ناکام سوالات کے جوابات تلاش کرنے لگا۔

محمود نے حسن پر ہونے والی تبدیلیوں پر تبصرہ کرنا شروع کر دیا اور کبھی کبھار اس سے مسجد اور اس میں

ہونے والی سرگرمیوں کے بارے میں سوالات کرنے لگا ، محمود نے حسن کو ان لوگوں سے دور رہنے کی نصیحت کی، لیکن جب حسن نے اس کی بات نہیں سنی، تو محمود نے ہماری ماں کے اثر و رسوخ کا استعمال کرتے ہوئے حسن کو ان لوگوں سے دور رکھنے کی کوشش کی ، ہم اکثر "اخونجیہ" جیسا لفظ سنتے تھے ، محمود کہتا تھا کہ شیخ احمد اور وہ لوگ جو مسجد میں آتے ہیں، دینی کتابیں پڑھتے اور بانٹتے ہیں، وہ اخونجیہ یعنی اخوان المسلمین کے ہیں ، وہ اپنی ماں کو ڈراتا کہ حسن اخونجیہ نہ بن جائے کیونکہ اخونجیہ قومیت پر یقین نہیں رکھتے اور جمال عبد الناصر کے خلاف ہیں، انہوں نے اسے قتل کرنے کی کوشش کی تھی ، حکومتیں بھی ان کے خلاف ہیں اور ان کا پیچھا کرتی ہیں، اور اگر حسن اخونجیہ بن گیا تو وہ بلاوجہ خطرے میں پڑ جائے گا۔

میری ماں حسن کو بلاتی اور اس سے محمود کی باتوں کے بارے میں پوچھتی، خصوصاً اخونجیہ کے بارے میں ، حسن صاف انکار کرتا کہ وہ اخوان المسلمین کا حصہ نہیں ہے، نہ ہی مسجد میں آنے والے کسی نے اس سے اخوان کے بارے میں بات کی ہے، اور نہ ہی اس نے کسی کو اس بارے میں بات کرتے سنا ہے ، وہ کہتا کہ مسجد میں صرف نماز، قرآن کی تعلیم اور دینی تعلیم ہوتی ہے، تو کیا یہ غلط ہے؟ اس پر ماں کہتی، نہیں، پھر اسے نصیحت کرتی کہ ہوشیار رہے اور ایسے معاملات میں نہ پڑے جو مشکل پیدا کریں، اور حسن اسے یقین دہانی کراتا اور مزاح کرتا ، آخر میں ماں مطمئن ہو کر چلی جاتی ، میں ، محمود ، حسن اور ماں کے درمیان ہونے والی باتیں سنتا رہتا ، محمود کی باتیں زیادہ منطقی لگتی تھیں، لیکن حسن کی سادگی اور معصومیت زیادہ اطمینان بخش تھیں ، شاید حسن نے اچھا کیا کہ اس نے مجھے نماز پڑھنے اور مسجد جانے کی ترغیب دی ، میں کبھی نماز پڑھتا اور کبھی چھوڑ دیتا ، میں نے کئی بار اس کے ساتھ مسجد جا کر مغرب اور عشاء کے درمیان ہونے والے "حلقہ" میں شرکت کی، جو شیخ احمد کی سربراہی میں ہوتی تھا ، میں نے کئی بار سورۃ الزمر اور المدثر کی تفسیر کی نشستوں میں شرکت کی ، شیخ کا کلام بہت اثر انگیز اور خوبصورت تھا، جب وہ جنت اور آخرت کے مناظر، عذاب اور نعمتوں کو بیان کرتے تھے ، وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے احکامات کیسے

قبول کیے، دعوت کی ذمہ داری اٹھائی اور اس کو کیسے پہنچایا۔

حسن نے صنعت سے گریجویشن کی اور فوری طور پر غزہ کے علاقے زیتون میں ایک لوہار اور مکینک ورکشاپ میں معقول تنخواہ کے ساتھ ملازمت حاصل کر لی، اس وعدے کے ساتھ کہ اگر اس نے اپنی فنی صلاحیتیں اور قابلیتیں ثابت کیں تو اسے مزید اضافہ ملے گا، یہ واضح ہو چکا تھا کہ کئی سالوں کی غربت اور قحط سالی کے بعد ہم اپنی زندگی کے سنہری دور میں داخل ہو چکے ہیں، اس وقت میں اپنی مڈل اسکول کی تعلیم مکمل کرنے کے قریب تھا، اور میرا چچا زاد ابراہیم نے ہائی اسکول شروع کر دیا تھا، اور میرا بھائی محمد سائنس سیکشن کے دوسرے سال میں تھا، تہانی نے ہائی اسکول کی تعلیم مکمل کی اور غزہ میں ٹیچرز ٹریننگ کالج میں داخلہ لینے کے لیے رجسٹریشن کروا لی اور اس وقت نتائج کا انتظار کر رہی تھی، ایسا لگتا تھا کہ دنیا ہم پر دوبارہ مسکرا رہی ہے۔

کئی سالوں غائب رہنے کے بعد ہمارا چچا زاد حسن دوبارہ ہمارے سامنے آیا، لیکن ایک نئی شکل میں، وہ اب بڑا آدمی بن چکا تھا، اس نے اپنی داڑھی اور بالوں کو رنگ لیا تھا، اور اس کے کپڑے عجیب اور خوفناک تھے جیسے یہودیوں کے کپڑے، اس نے اپنی گردن میں سونے کی چین پہن رکھی تھی اور کلائی کے گرد موٹی سونے کی چین باندھی ہوئی تھی، اس نے ایک پھٹا ہوا کاؤبائے پینٹ پہنا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں سگریٹ کا پیکٹ تھا، وہ بالکل کسی دوسرے سیارے سے آیا ہوا معلوم ہوتا تھا، اس نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے دروازہ کھولا اور پہلی بار میں اسے پہچان نہ سکا، اس نے میرے بالوں میں اپنی انگلیاں ڈال کر کہا: تم احمد ہو؟ میں نے اس کی آواز سے پہچانا: تم حسن ہو؟ اس نے کہا: "ہاں" تو میں چلایا، "ماں، محمود! یہ میرا چچا زاد حسن ہے جو واپس آ گیا ہے، سب اپنے کمروں سے دوڑتے ہوئے دروازے کی طرف آئے، اور حسن نے اندر کی طرف دو تین قدم بڑھائے، ہر کوئی جو دوڑتا ہوا آیا، جیسے ہی اس نے حسن کو دیکھا، رک گیا جیسے انہیں بجلی کا جھٹکا لگا ہو، اور وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا کہیں، سب سے پہلے میرے بھائی محمود نے ہوش سنبھالا، آگے

بڑھا اور سلام کیا، پھر ابراہیم نے بھی سلام کیا، اور محمود نے اسے اپنے کمرے میں لے لیا، ہم سب بھی ان کے پیچھے گئے اور میری ماں چائے بنانے چلی گئی۔

ہم کمرے میں بیٹھ گئے اور محمد نے اس سے پوچھنا شروع کر دیا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا؟ اور وہ کس طرح یہاں تک پہنچا؟ اور اس کی خبر کیا ہے؟ اس نے ہمیں بتایا کہ وہ تل ابیب میں رہتا ہے اور اپنی یہودی گرل فرینڈ کے والد کی فیکٹری میں کام کرتا ہے، اور اس کی صورتحال بہت اچھی ہے، اس نے بتایا کہ وہ یافا میں ایک شاندار کرائے کے فلیٹ میں رہتا ہے، اہم بات یہ تھی کہ وہ عربی بولتے ہوئے ہکلانے لگتا تھا اور اپنی بات چیت میں عبرانی الفاظ کثرت سے استعمال کرتا تھا، میری ماں چائے لے کر آئی اور اسے میز پر رکھ دیا، اس نے میری ماں سے پوچھا: آپ کیسی ہیں چچی؟ اس نے جواب دیا: "الحمدللہ" اس نے کہا: اہم بات یہ ہے چچی کہ آپ نے اچھی زندگی گزاری، لیکن مجھے دیکھو کیمپ کی بدبختی اور محرومی سے میں باہر نکلا، دنیا دیکھی، اور سکون سے زندگی گزاری، میری ماں نے طنزیہ لہجے میں کہا: ہاں، دنیا دیکھی اپنی یہودی گرل فرینڈ کے ساتھ۔

اس نے کہا: اچھا، یہودیت میں کیا ہے تو؟" اسی اثناء میں محمود داخل ہوا اور پوچھنے لگا: اہم بات کیا ہے حسن بتاؤ؟ حسن نے جواب دیا: نہ پہلے نہ بعد، بس میں آیا ہوں تم لوگوں کو سلام کرنے اور ابراہیم کو دیکھنے، اس نے اپنے جیب میں ہاتھ ڈالا، اپنے بٹوہ نکالا اور اس میں سے ایک بڑی گڈی نوٹوں کی نکالی، اور ایک بڑی رقم شمار کر کے ابراہیم کی طرف بڑھائی، ابراہیم نے کوئی حرکت نہیں کی اور ہم سب خاموش رہے، حسن نے کہا: لے لو ابراہیم، ابراہیم نے جواب دیا: نہیں، شکریہ، میں اپنے چچا کے گھر رہنا چاہتا ہوں جیسے دوسرے لوگ رہتے ہیں، مجھے کسی چیز کی کمی نہیں، حسن نے کہا: لے لو، میں تمہارا بھائی ہوں، ابراہیم نے جواب دیا: تم میرے بھائی تب ہو، جب تم گھر لوٹ کر ہمارے ساتھ رہو گے اور یہودیوں اور ان کی زندگی کو چھوڑ دو گے، حسن نے کہا: آرام سے ابراہیم آرام سے، کیا تم چاہتے ہو کہ میں کیمپ لوٹ آؤں؟ تم ہی

میرے ساتھ کیوں نہیں آتے ؟ ابراہیم نے جواب دیا: اللہ کی پناہ ! حسن نے کہا: جیسے چاہو ، محمود نے حسن سے بات چیت شروع کر دی اور اسے گھر واپس آنے کے لیے قائل کرنے کی کوشش کی کہ اس کا گھر ابھی بھی اس کا انتظار کر رہا ہے اور وہ اسے بنا اور سجا سکتا ہے اور ہم اس کی بہترین لڑکی سے شادی کروا سکتے ہیں، اور اس کے لیے ایک معزز کام تلاش کر سکتے ہیں ، حسن پورے وقت مسکراتا رہا اور انکار کرتا رہا، پھر گرم جوشی سے الوداع کہہ کر چلا گیا۔

میری ماں محمود کو شادی کے لیے قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی اور وہ یہ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کرتا رہا کہ گھر چھوٹا ہے اور اس میں شادی کے لیے مناسب نہیں ہے ، تو اس نے اسے قائل کرنے کی کوشش کی کہ یہ عارضی ہو گا جب تک کہ وہ توسیع نہ کر لے ، ہمارے پاس ابھی گھر میں تین کمرے ہیں، ایک جو ہم نے نیا بنایا ہے، اور دو پرانے کمرے جو ہم نے مرمت کیے ہیں ، جہاں وہ، تہانی اور مریم ایک میں رہتے ہیں اور میرا بھائی حسن، محمد اور میں اور میرا چچا زاد بھائی ابراہیم دوسرے میں رہتے ہیں، اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ نئے کمرے میں رہے گا۔

پھر وہ پوچھتا کہ اگر ہمارے پاس مہمان یا زائرین آئیں تو وہ کہاں بیٹھیں گے؟ تو وہ جواب دیتی کہ بچوں کے کمرے میں یا میرے اور لڑکیوں کے کمرے میں ، کیا یہی حال نہیں ہے تمام کیمپوں کے لوگوں کا؟ اور اس کے علاوہ ہمارے پاس تمہارے چچا کا گھر بھی ہے اور ہم اس کے ایک کمرے کو مرمت کر کے اس میں توسیع کر سکتے ہیں اور واقعی یہ طے پایا کہ چچا کے گھر کے دو کمروں کو مرمت کیا جائے تاکہ ایک محمود اور اس کی بیوی کے لیے ہو، اور دوسرا حسن کے لیے جب وہ شادی کر لے، اور نیا کمرہ مہمانوں کے استقبال کے لیے رہے ، نئے کمروں کی تعمیر کے بعد محمود نے اپنی ماں کو تجویز دی کہ اس کی شادی چند ماہ کے لیے ملتوی کر دی جائے اور وہ اور حسن ایک ساتھ شادی کریں تاکہ دو شادیوں کے اخراجات کی بجائے ایک ہی شادی کا خرچ ہو، اور حسن کے شادی کے اخراجات بچا لیے جائیں ، بیچارے نیک دل حسن نے اپنی تعلیم میرے اور

گھر کی خاطر قربان کر دی۔

آیئے ہماری خوشی کو ایک کر دیں ، میری ماں نے اس خیال کو قبول کیا اور حسن کو قائل کرنے کے لیے بات کرنے لگی ، کمرہ تیار ہے اور شادی ہوگی اور ہوگی ، کئی دنوں کی کوششوں اور دباؤ کے بعد حسن نے بھی رضامندی ظاہر کی، اور میری ماں نے دونوں کے ساتھ ایک طویل گفتگو شروع کی کہ وہ کس کو چاہتا ہے؟ یا وہ کس قسم کی لڑکی چاہتا ہے؟ اور انہوں نے اسے فلاں فلاں کی بیٹی کی تجویز دی، اور ان گھروں کے دورے کیے تاکہ لڑکیوں کو ان کے گھروں میں دیکھ سکیں، اور گھروں کی صفائی اور ترتیب، اور گھر والوں کے عادات کا جائزہ لیا، اور مطلوبہ معیار سے غیر مطمئن واپس آئیں ، تہانی نے میری ماں کو اپنی ایک ساتھن کو دیکھنے کا مشورہ دیا جو معلمات کے انسٹی ٹیوٹ میں تھی، جو چودھویں کی چاند کی طرح خوبصورت اور اخلاق لحاظ سے بہترین تھی، اور ہمارے طبقے سے تعلق رکھتی تھی، اور اس کے گھر والے سادہ اور محترم لوگ تھے ، میری ماں نے تہانی سے اس لڑکی کے گھر جانے کا منصوبہ بنایا، ہم گئے اور میری ماں انتہائی مطمئن اور خوش واپس آئی کیونکہ انہوں نے محمود کے لیے مناسب دلہن تلاش کرلی تھی، بس یہ باقی تھا کہ وہ اسے پسند کرے اور لڑکی اور اس کے گھر والے رضامند ہوں اور کون باش مھندس محمود صالح سے انکار کرے گا ؟ میری ماں نے محمود سے بات کی اور اس لڑکی کو بیان کیا تو اس نے ابتدائی رضامندی ظاہر کی کہ وہ لڑکی کو دیکھنے کے بعد حتمی فیصلہ کرے گا۔

میری ماں نے دوبارہ ابو محمد السعید کے گھر کا دورہ کیا، وہاں انہوں نے ام محمد سے بات کی کہ ہمیں ان کی بیٹی "وداد" کے لیے محمود کی طرف سے رشتہ بھیجنے کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہیں ، تو کیا ہم باضابطہ طور پر آئیں؟ ام محمد نے گھر میں جلد مشاورت کے بعد کہا : "آپ کا استقبال ہے"، اور انہوں نے جمعہ کے بعد کا وقت طے کیا ، جمعہ کے دن میرے ماموں بھی وفد میں شامل ہونے آئے، اور میری بہن فاطمہ بھی آئی ، میری ماں، محمود، حسن اور تہانی تیار ہو کر دلہن کے گھر گئے ، حسب معمول مرد ایک کمرے میں بیٹھے اور

عورتیں دوسرے کمرے میں، اور بہت ساری خیر مقدمی اور تعریفی باتیں ہوئی ، آخر میں، محمود اور وداد نے ایک دوسرے کو دیکھا اور دونوں نے ایک دوسرے کے بارے میں پسندیدگی اور رضامندی ظاہر کی تو زغارید (خوشی کے نعرے) بلند ہوئے اور ان کی منگنی کا اعلان کیا گیا، اور دو ماہ بعد نکاح اور شادی کے لیے اتفاق کیا گیا، تاکہ اہم ضروری کاغذی کارروائی مکمل کر سکیں، خاص طور پر حسن کے لیے دلہن کی تلاش مکمل کر سکیں، اور وداد معلمات کے انسٹی ٹیوٹ سے ڈپلومہ مکمل کر کے سند حاصل کر سکے۔

میری ماں نے حسن کے لیے مناسب دلہن کی تلاش جاری رکھی، اور دن بہ دن کسی نہ کسی لڑکی کو دیکھنے جاتی تو کبھی ان کو یہ پسند نہیں آتی کیونکہ اس کے بال گھنگریالے تھے، کبھی اس لیے کہ اس کی ناک لمبی تھی، کبھی اس لیے کہ اس کے دانت بڑے تھے، کبھی اس لیے کہ اس کا گھر صاف نہیں تھا ، ہر دفعہ ماں اپنی تلاش سے واپس آکر حسن کو تفصیلی رپورٹ دیتی اور ساتھ میں تنہائی بھی ہوتی ، کافی محنت کے بعد حسن نے ماں سے پوچھا : ماں ! آپ کیوں اتنی محنت کر رہی ہیں ؟ ماں نے غصے اور محبت سے جواب دیا : کیوں نہ کروں، حسن، تم کم ہو کیا ؟ حسن ہنستے ہوئے بولا : ماں، غلط مت سمجھو، میرا مطلب یہ ہے کہ دلہن تو یہاں نزدیک ہی ہے اور آپ کی نظر کے سامنے ہے ، ماں حیران ہو کر بولی : کون؟ کیا مطلب ہے تمہارا ؟ حسن نے کہا : "سعاد، ام العبد کی بیٹی، ہماری پڑوسن ، ماں نے مسکراتے ہوئے چھیڑا : واقعی تم اس سے محبت کرتے ہو، حسن ؟" حسن شرماتے ہوئے بولا : ماں ، آپ مجھے جانتی ہیں، میں نے کبھی اس پر نظر نہیں ڈالی، لیکن وہ لڑکی خوبصورت، محترم اور ہماری طرح سادہ ہے ، جیسے کہا جاتا ہے : اپنے ہی دیس کی مٹی سے گارا بناؤ ، ماں نے سنجیدگی سے پوچھا : کیا تم اسے واقعی چاہتے ہو ؟ حسن نے جواب دیا : ہاں، پوری سنجیدگی سے۔

ماں نے تنہائی کو بلایا اور اسے بتایا، تنہائی نے حیرت سے پوچھا : کیا تم واقعی اسے چاہتے ہو ؟ حسن نے جواب دیا : ہاں ، تنہائی نے کہا : "واقعی وہ خوبصورت محترم اور ایک عزت دار خاندان کی لڑکی ہے، ہم نے پہلے کیوں نہ سوچا ؟ حسن نے جواب دیا ؟ یہی دنیا کا حال ہے، سونا تمہارے ہاتھ میں ہوتا ہے اور تم دور دیکھتے ہو

، ماں جلدی سے بولی : کل صبح ہی میں اس کا رشتہ مانگنے جاؤں گی، اللہ کے فضل سے ، اور واقعی صبح سویرے ماں نے ام العبد سے صاف صاف بات کی اور بتایا کہ وہ سعاد کا رشتہ حسن کے لیے مانگ رہی ہے ، ام العبد نے دوپہر تک کا وقت مانگا تاکہ اپنی بیٹی اور بیٹوں کی رائے لے سکے ، دوپہر کو جب ماں ام العبد کے گھر گئی تو دونوں کے زغرد سن کر ہمیں جواب معلوم ہو گیا، اور آس پاس کی پڑوسنیں بھی مبارکباد دینے آئیں۔

شادی کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئیں ، دلہن اور دولہا کے لیے گھر کا سامان خریدنا، دونوں کے کپڑوں کا انتظام کرنا، تقریباً ایک مہینے تک ماں کبھی ام العبد کے گھر، کبھی ابو محمد السعید کے گھر اور کبھی شہر کے مرکز میں کپڑے اور زیورات خریدنے میں مصروف رہیں ، آخر کار تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں اور نکاح اور شادی کا دن آ پہنچا ، مجھے اور محمد اور میرے چچا زاد ابراہیم کو بہت ساری چیزیں تیار کرنی تھی ، ہم نے کئی بید کی کرسیاں کرائے پر لی اور انہیں ایک گاڑی (کارۃ) پر لے جا کر دروازے کے سامنے رکھ دیا ، ہم بقلاوے کی ٹرے لائیں، کافی مقدار میں گوشت اور دو بوری چاول خریدا اور ہمسایوں سے بڑی تعداد میں ٹرے جمع کیں ، ہر ٹرے پر گھرانے کا نام لکھا تاکہ ٹرے آپس میں نہ مل جائیں ، میری ماں نے اپنی تین پڑوسی خواتین کے ساتھ مل کر کھانا بنانے میں مدد کی اور نگرانی کی ، ہم نے شادی کے اسٹیج (اللوج) کی تیاری کی، چند میزیں ادھار لیں، انہیں آپس میں باندھا اور دیوار کے ساتھ مضبوط کیا ، ہم نے انہیں قالین اور چٹائیوں سے ڈھانپ دیا اور دو ڈبل بانس کی کرسیاں جو ہم نے پڑوسیوں سے ادھار لی تھیں، ان پر نماز کی چادریں بچھا دیں ، ہم نے ایک لمبی بجلی کی تار تلاش کی اور اسے ایک دور کے گھر سے جوڑا جہاں بجلی تھی، کیونکہ صرف کچھ ہی گھروں میں بجلی تھی، جو مالی طور پر بہتر حالت میں تھے ، ہم نے رنگ برنگی لائٹوں کی ایک تار کرائے پر لی اور اسے شادی کے اسٹیج کے اوپر لٹکا دیا ، یہ سب کچھ دوپہر بعد مکمل ہو گیا جب مہمان آنے لگے۔

عورتیں گھر کے اندر بیٹھ گئیں اور مرد باہر سڑک پر بنے شیڈ کے نیچے بیٹھے ، عورتوں کے نغمے اور خوشی کے

نعرے کبھی نہیں رکے، پھر ہم نے کھانا پیش کرنا شروع کیا، چاول کی ٹرے جن پر سرخ گوشت کے ٹکڑے تھے ، پھر میں، محمود اور ابراہیم صابن کے ٹکڑے اور مٹی کے پانی کے جگ لیے کھڑے ہو گئے اور ہمارے کندھوں پر کپاس کے تولیے تھے ، جو مہمان کھانا کھا چکے تھے، وہ ہمارے پاس آئے، ہم میں سے ایک نے انہیں صابن کا ٹکڑا دیا اور دوسرے نے ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالا، تاکہ وہ اپنے ہاتھ اور منہ دھو سکیں ، وہ ہمیں مبارکباد دیتے اور پھر ہم انہیں تولیہ دیتے تاکہ وہ اپنے ہاتھ خشک کر سکیں ، اس کے بعد وہ بقلاوے کی ٹرے سے میٹھا کھانے جاتے ، کھانا ختم ہونے کے بعد بہت سے مہمان اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اور دلہا دلہن کے گھر والوں کے ساتھ کچھ قریبی رشتہ دار اور دوست باقی رہے ، عورتیں گانے اور خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے ایک نئے گھر کی طرف چل پڑیں، ان کے ساتھ ڈھول بھی بجتا رہا، جب وہ ابو محمد کے گھر کے قریب پہنچیں تو وہ مشہور گانا گانے لگیں "عمین لفیتن یا بنات... عادار ابو محمود لفینا بالیلۃ ، طلبنا منہ النسب... رحب واحترم یالیلۃ...جب وہ دروازے تک پہنچیں تو اندر سے خوشی کے نعرے گونجے ، مرد ایک کمرے میں داخل ہوئے جہاں مولوی صاحب موجود تھے ، جنہوں نے نکاح کی رسم مکمل کی اور اسے دستاویزی شکل دی ، اس کے بعد مرد باہر آئے اور دروازے کے باہر انتظار کرنے لگے ، دلہن تیار ہو کر باہر آئی ، والد نے اس کا بازو پکڑا اور ایک بھائی نے دوسرا بازو پکڑا اور اسے محمود کے حوالے کر دیا جبکہ زغارید (خوشی کی آوازیں) بلند ہو رہی تھیں اور قافلہ گھر کی طرف واپس چل پڑا ، عروس کو گھر میں داخل کیا گیا اور کچھ خواتین اس کے ساتھ رہیں اور کچھ گانے اور زغارید گاتی رہی ، پھر قافلہ دوبارہ نکلا اور چند قدموں پر موجود دوسری دلہن کے گھر پہنچا، اسی طریقے اور انہی اقدامات کے ساتھ، سعاد کے بھائیوں نے اس کا بازو پکڑا اور اسے حسن کے حوالے کر دیا جو زغارید اور گانوں کے درمیان اسے گھر لے گیا۔

دو دلہنوں کو ایک ہی کمرے میں داخل کیا گیا تاکہ وہ زفاف (شادی کی تقریب) کی تیاری کر سکیں ، میری ماں نے محمود اور حسن سے کہا کہ وہ زفاف کے اسٹیج پر چڑھ جائیں اور اپنی اپنی کرسی پر بیٹھ جائیں اور اپنی دلہن

کا انتظار کریں تاکہ وہ ان کے ساتھ بیٹھ سکیں اور زفاف حسب معمول ہو سکے ، محمود کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا، لیکن حسن نے سختی سے انکار کر دیا اور کہا: میں کیسے بیٹھ سکتا ہوں جبکہ خواتین میرے سامنے ناچیں گی، یہ حرام ہے ، میری ماں حیران رہ گئی اور اس سے درخواست کرنے لگی کہ یہ ہماری زندگی کی وہ خوشی کا دن ہے جس کا ہم نے طویل عرصے سے انتظار کیا ہے ، محمود نے بھی حسن سے درخواست کی کہ وہ شادی کی خوشی کو خراب نہ کرے، لیکن حسن نے سختی سے انکار کر دیا، گفتگو جاری رہی اور لمبی ہوگئی ، آخرکار فاطمہ نے ایک درمیانی حل پیش کیا کہ محمود اور حسن آدھے گھنٹے کے لیے اسٹیج پر چڑھ جائیں اور اس دوران خواتین ناچنے کی بجائے صرف نغمے اور زغارید کریں ، پھر دلہنیں اسٹیج سے نیچے اتر جائیں گی اور ایک کرسی ہٹا دی جائے گی اور ایک کرسی پر بیٹھ جائیں گی اور خواتین ان کے ساتھ جیسے چاہیں برتاؤ کر سکیں گی ، محمود نے اس پر اتفاق کیا اور حسن نے بھی آخر کار مان لیا، دونوں اسٹیج پر چڑھ گئے اور اپنی اپنی کرسی پر بیٹھ گئے، پھر دلہنیں باہر آئیں اور اپنے اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھ گئیں ،اور خواتین نے نغمہ اور زغارید کرنا شروع کر دیا۔

میری ماں کے آنسو مسلسل اس کے چہرے کو دھو رہے تھے، اور فاطمہ اس کے دائیں جانب اور تھانی بائیں جانب اسے پرسکون کرنے کی کوشش کر رہی تھی ، رو کیوں رہی ہو، یہ وہ خوشی کا دن ہے جس کا تم نے طویل عرصے سے انتظار کیا ہے ، میری ماں اپنے آنسو پونچھتی اور پھر سے رو پڑتی اور آہستہ سے کہتی "اگر تمہارے والد آج یہاں ہوتے تو ، فاطمہ اور تھانی بھی آنسو بہانے لگتی اور آہستہ سے کہتی : کیوں اس زخم کو دوبارہ کھول رہی ہو، ماں ؟ یہ تو پہلے ہی بھر چکا ہے ۔

دلہنیں اپنے سفید لباس تبدیل کرنے کے لیے نیچے اتر آئے، اور ایک کرسی لے لی جبکہ دوسری کو اسٹیج کے وسط میں رکھ دیا ، محمود نے حسن کو چھیڑتے ہوئے کہا ، "شیخ صاحب، ہر روز تو شادی نہیں ہوتی، واقعی تم تو اخوانی نکلے، پتہ نہیں کس نے میرے ساتھ تمہاری شادی کرائی، اللہ تمہیں جزا دے ، حسن مسکراتے ہوئے بولا : چلو چلو، عورتوں کو خوش ہونے دو ، ان کے پیچھے خواتین کے گانے اور زغارید کی آواز بلند ہو رہی تھی

اور انہوں نے میری ماں کو زبردستی اس مجمع میں رقص کرنے کے لیے گھسیٹ لیا، پھر ام العبد اور ام محمد کو بھی مجبور کیا ، وہ سب رقص کرنے لگیں اور یہ نہیں سمجھ سکتی کہ ان آنسوؤں کا مطلب اس خوشی کے دوران کیا ہے، لیکن یہ کیمپ کی حالت ہے، ہر خوشی پرانے زخموں کو پھر سے کھول دیتی ہے اور سب یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔

بارھویں فصل

میری خالہ کے شوہر اپنی قید کی مدت پوری کر کے جیل سے رہا ہو گیا تھے اور اپنی تجارتی سرگرمیاں دوبارہ شروع کر دی تھی اور خاندانی زمینوں کے معاملات کی نگرانی کرنے لگا تھے ، ان کا بیٹا عبد الرحیم اب زمین پر کھیلنے لگا تھا اور اپنے ابتدائی الفاظ دہرانے لگا تھا۔

میری خالہ کے شوہر انہی دکانوں پر جاتے جن پر وہ پہلے الخلیل میں جاتے تھے اور جن سے اس کے مضبوط تجارتی روابط تھے ، وہی پرانی محفلیں جمتی تھیں اور پھر سے آگ کے الاؤ کے گرد باتیں ہوتی تھیں اور چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے مرد ان سے جیل کے بارے میں پوچھتے، کہ وہاں اس کے ساتھ کیسا سلوک ہوا؟ کیسے انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا ؟ اور کیسے ان سے تفتیش کی گئی ؟ اور وہ عاجزی سے بات کرتے، ان کے خوف اور قید سے متعلق بے چینی کو کم کرنے کی کوشش کرتے ، اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ یہ واقعی مشکل ہے ، لیکن ممکن اور قابل برداشت ہے، اور یہ انسان کو مضبوط بناتا ہے اور اس کی روح کو طاقتور کرتا ہے اور انسان کو اپنی قوت اور عظمت کا احساس دلاتا ہے ، مرد اپنے سروں کو ہلاتے اور ایک دوسرے کی طرف حیرانی اور ناپسندیدگی کے ساتھ دیکھتے، شاید ان میں سے کوئی کہتا : دیکھو، اس کم عقل نے خود کو اور اپنے خاندان کو مصیبت میں ڈال دیا اور اپنے آپ پر ایک انقلاب برپا کیا اور کہتا ہے کہ یہ ممکن اور قابل برداشت ہے! یہ کیا باتیں کر رہا ہے؟ ان کا بھائی عبد الرحمن الخلیل میں طارق بن زیاد ثانوی اسکول میں تیسرے سال (ثانویہ عمومی) میں تھا ، وہ اپنی محنت، دیانتداری، اخلاق اور اپنے ہم عمر لوگوں کے ساتھ

دوستانہ تعلقات کے لیے مشہور تھا ، انہی دنوں طارق بن زیاد ثانوی اسکول میں اسلامی رجحان رکھنے والے نوجوانوں کا ایک گروہ بننا شروع ہوا ، اس اسکول کے کئی اساتذہ پہلے اردن یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہو چکے تھے اور وہاں پڑھائی کے دوران اخوان المسلمین میں شامل ہو گئے تھے ، جب وہ الخلیل واپس آئے اور یہاں اسکولوں میں کام کرنے لگے تو انہوں نے شہر میں اسلامی فکر کو پھیلانے کی کوشش شروع کی اور انہیں ثانوی اسکول کے طلباء میں اس کے لیے زرخیز زمین ملی ، اسی وقت شہر میں ایک شریعہ کالج بھی کھولا گیا ، شہر کے میئر نے اس کے قیام کی نگرانی کی تھی ، کالج میں نوجوانوں کے اجتماع نے اساتذہ اور اسلامی و شرعی تعلیمات کے اثر کی وجہ سے خود بخود سیاسی اور فکری رجحانات کو جنم دیا جن میں سب سے نمایاں اخوان المسلمین کا رجحان تھا ۔

کالج میں ایک گروہ نے اخوان المسلمین کی سرگرمیوں کے لیے ایک مرکز کے طور پر کام کرنا شروع کیا اور انہوں نے اپنی سرگرمیوں کو ثانوی اسکولوں تک پھیلانا شروع کیا، اس طرح ان کی کوششیں طارق بن زیاد اسکول کے اساتذہ کی کوششوں سے مل گئیں ، جب طلباء کا ایک گروپ اخوان المسلمین کے نظریات کے گرد جمع ہونا شروع ہوا، شہر الخلیل میں اخوان المسلمین کا نام زیادہ غیر مانوس نہیں تھا جبکہ غزہ پٹی یا شمالی مغربی کنارے میں اس نام کا ذکر ایک گالی یا توہین کے طور پر کیا جاتا تھا، الخلیل میں اخوان کی ایک پرانی تاریخ تھی ، یہاں اخوان کے نظریات کو مالدار اور معزز خاندانوں نے اپنا رکھا تھا، اس لیے اس نام کا ظاہر ہونا اور اعلان کرنا یہاں زیادہ مشکل نہیں تھا۔

طارق بن زیاد اسکول میں عبد الرحمن کی ملاقات شہر اور دیہات کے دیگر نوجوانوں سے ہوئی، اور انہوں نے یونیورسٹی/کالج آف شریعہ کے طلباء اور کچھ اساتذہ کے اثر و رسوخ سے اخوان المسلمین کے نظریات کو اپنانے والا ایک کھلا فریم ورک تشکیل دیا، جہاں اسلام اور معاصر اسلامی فکر کی کتابوں کا مطالعہ کیا جاتا تھا ،ایک دن ان میں سے کچھ ساتھی عبد الرحمن کے گاؤں (صوریف) میں اس سے ملنے آئے ، یہ اخوان کے

تعارفی اور تربیتی سرگرمیوں کا حصہ تھا ، تقریباً دس طلباء کا یہ گروپ ایک پہاڑی کی ڈھلان پر جمع ہوا، کھیل اور بات چیت کر رہے تھے ، عبد الرحمن کی طلب پر خالہ نے دوپہر کے کھانے کی تیاری کی تھی ، عبد الرحمن نے صبح سویرے چار مرغیاں ذبح کیں اور خالہ نے (مسخن) تیار کرنا شروع کیا ، دوپہر کے وقت، خالو اپنی دکان سے واپس آئے ، اور جب عبد الرحمن کھانا لینے کے لیے وقت پر نہ پہنچے تو وہ خود اسے میدان میں لے گئے ، خالو نے انہیں سلام کیا اور عبد الرحمن کو پکارا کہ میں کھانا لے آیا ہوں ، عبد الفتاح نے شکریہ کے ساتھ جواب دیا اور کہا: آپ نے خود کو کیوں تکلیف دی، میں اسے لینے ہی والا تھا ؟ عبد الفتاح نے وضاحت کی کہ اس میں کوئی تکلیف نہیں ہے اور یہ نوجوانوں سے تعارف کا ایک موقع ہے ، وہ ان کے ساتھ بیٹھے ، دوپہر کا کھانا کھایا، ان سے تعارف کروایا اور ان کی خوشی اور بات چیت میں حصہ لیا، ان کے جذبات اور قومی وابستگی کو جاننے کی کوشش کی، اور ان کے خیالات اور تیاری کے بارے میں جاننے کے لیے سوال کیا: آپ لوگوں کا قومی کام اور موجودہ سطح کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ایک نوجوان نے جواب دیا: مسئلہ یہ ہے کہ ہماری قوم ابھی بھی قومی کام اور مزاحمت کے بنیادی عناصر سے محروم ہے، اس لیے تیاری اور قربانی کی سطح ابھی بھی کم ہے ، عبد الفتاح نے حیرت سے پوچھا: آپ ایسا کیوں کہتے ہیں اور اس دعوے کی بنیاد کیا ہے؟ نوجوان نے جواب دیا: اس جیسے اہم بڑے اسلامی مسئلے جو مسجد اقصیٰ، قبلہ اول اور تیسرا حرم مقدس کا مسئلہ ہے ، بہت زیادہ قربانیوں اور جدوجہد کا مطالبہ کرتا ہے ، اور قومی کام کی سطح ابھی تک مطلوبہ معیار سے بہت کم ہے ،اور لوگوں کی تیاری مطلوبہ سطح سے ایک ملین گنا کم ہے۔

عبد الفتاح نے دوبارہ بحث کرتے ہوئے کہا: لیکن کیا تم نے غزہ کے علاقے، شمالی مغربی کنارے، وسطی مغربی کنارے، یروشلم، الخلیل اور دیہاتوں میں ہونے والی فدائی کارروائیوں کے بارے میں نہیں سنا ؟ نوجوان نے بات کاٹتے ہوئے کہا: ہاں، میں نے سنا ہے، لیکن یہ سب کچھ مطلوبہ حد سے بہت کم اور بہت معمولی ہے! کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہودی کس طرح الخلیل شہر میں گھومتے پھرتے ہیں اور کوئی ان پر اعتراض نہیں کرتا،

سوائے نایاب مواقع پر؟ سیاح کیسے حرم ابراہیمی کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور یہودی وہاں آزادانہ گھومتے ہیں؟ کیسے وہ الخلیل میں کاروبار کرتے ہیں، ورکشاپس میں لوہے اور لکڑی کے کام کرتے ہیں؟ اور ہمارے لوگ ان کے ساتھ ایسے برتاؤ کرتے ہیں جیسے وہ قبضہ کرنے والے اور ہماری زمین و مقدسات کے غاصب نہ ہوں۔

عبد الرحمن نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: "یقیناً، صرف قومی جذبہ ہی کافی نہیں ہے کہ جنگ کو چلا سکے، اور ضروری ہے کہ...

عبد الفتاح نے اسے کاٹتے ہوئے کہا: بھائی، ہماری یہ قوم ہمیشہ اپنی زمین کی حفاظت کرتی آئی ہے اور کبھی ہار نہیں مانی...

نوجوان نے پھر کہا: میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں جو میرے ساتھ ہوئی تھی، جب اسرائیلیوں نے الخلیل پر قبضہ کیا تھا میں ابھی چھوٹا تھا، اور میں نے ایک یہودی کو الخلیل کے ایک سڑک پر اکیلا چلتے دیکھا، تو مجھے غصہ آیا اور میں نے زمین سے ایک پتھر اٹھا کر اس یہودی پر پھینکا اور پھر درختوں (سیب کے) کے پیچھے بھاگ کر چھپ گیا، کچھ دیر بعد، جب مجھے لگا کہ یہودی چلا گیا ہوگا، تو میں نے اپنے پڑوسی کو آواز لگاتے ہوئے سنا: جمال، جمال... آؤ، وہ چلا گیا ہے، جب میں درختوں کے پیچھے سے نکلا، تو وہ یہودی گھر کے کونے کے پیچھے چھپا ہوا تھا، وہ میری طرف آیا اور اپنا پستول میرے سر کی طرف تان دیا، اور مجھے ڈرانے کی کوشش کی تاکہ میں دوبارہ ایسا نہ کروں، میں نے سمجھا کہ جب میں نے اس پر پتھر پھینکا تھا، اس نے پڑوسیوں کے دروازے پر دستک دی تھی اور دھمکی دی تھی کہ اگر انہوں نے مجھے اس کے حوالے نہیں کیا تو وہ ان کا گھر تباہ کر دے گا اور ان کے بچوں کو جیل میں ڈال دے گا، پھر ان کے ایک بچے نے مجھے اس یہودی کے حوالے کر دیا تھا۔

عبد الفتاح نے کہا: یہ ہوتا ہے، یہ ہوتا ہے... لیکن لوگ ٹھیک ہیں اور ہماری قوم ٹھیک ہے، میں کہتا ہوں کہ ہماری قوم ٹھیک ہے، حتی کہ وہ لوگ بھی ٹھیک ہیں، وہ اچھے لوگ ہیں لیکن مسکین ہیں، اپنے مفادات کی حفاظت کے لیے خوفزدہ ہیں یعنی ان کی قربانی کی صلاحیت محدود ہے، اور ایک طویل عمل کی ضرورت ہے کہ... عبد الفتاح نے اپنی بات کاٹتے ہوئے کہا: بھائی کسی عمل کی ضرورت نہیں، ہر ایک کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے، لیکن کیوں ہم اس بات پر بات کریں؟ مجھے آپ لوگوں کو چھوڑ دینا چاہیے تاکہ آپ اپنا دن گزار سکیں، وہ اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھے اور کہا: خوش آمدید، بھائیو، خوش آمدید! السلام علیکم اور اپنے کپڑے جھاڑتا ہوا چل دیے، نوجوان درختوں کے درمیان ہنستے اور مزاح کرتے رہے۔

میرے بھائی محمد اور میرے چچا زاد بھائی ابراہیم حسن بھائی کی دین داری سے بہت متاثر ہوئے اور نماز پڑھنے لگے اور رفتہ رفتہ نماز کے پابند ہوگئے اور مسجد میں ان کے ساتھ آنے جانے لگے، میں ان کی طرح نہیں تھا، کبھی کبھی نماز پڑھتا اور کبھی چھوڑ دیتا تھا اور کبھی کبھار ان کے ساتھ مسجد جاتا اور ہم جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے، پھر کبھی کبھی ہم نماز کے بعد منعقد ہونے والے حلقوں میں بیٹھ جاتے، جہاں کوئی نہ کوئی دینی موضوع پر بات کرتا، قرآن کی تفسیر کرتا یا حدیث شریف کی تشریح کرتا، یا کسی کتاب کا مطالعہ کرتا اور اس کی وضاحت کرتا، یا سیرت نبوی کی کچھ باتیں بیان کرتا، کبھی کبھی مغرب کی نماز کے بعد جب میں ان کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتا، تو وہ ان حلقوں میں بیٹھ جاتے اور دعائیں پڑھنے لگتے جنہیں وہ ماثورات کہتے تھے ،اور یہ دعائیں اجتماعی طور پر پڑھتے، میں ان کی طرح دعائیں یاد نہیں کر سکتا تھا، اس لیے میں بھی ان کے ساتھ ہونٹ ہلاتا جیسا کہ مجھے سب کچھ یاد ہو۔

محمود، محمد اور ابراہیم کی دین داری سے بہت ناراض تھا، اور اس سے پہلے حسن کی دین داری سے ناراض تھا، وہ اکثر ان سب کے ساتھ بیٹھتا یا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ اکیلے بیٹھ کر انہیں مسجد جانے اور وہاں بیٹھنے اور وہاں ہونے والی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے منع کرتا، وہ انہیں خبردار کرتا کہ ان سب کا انتظام

کرنے والے اخوان المسلمین کے افراد ہیں، اور کہتا کہ شیخ احمد اخوانجی ہے اور اخوان عبدالناصر کے خلاف ہیں اور عرب اتحاد کے خلاف ہیں اور فلسطین کی آزادی تنظیم کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ فلسطینی انقلاب کے شہداء (فطائس) ہیں، شہداء نہیں، اور مزاحمت اور مسلح جدوجہد میں حصہ نہیں لیتے ، تو وہ تینوں یا ان میں سے کوئی اکیلا ہوتا تو حیران ہو کر کہتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ میں مسجد جا رہا ہوں، حلقوں میں بیٹھ رہا ہوں اور جو کہا جا رہا ہے سن رہا ہوں، وہاں ایسا کچھ نہیں ہے جیسا تم کہہ رہے ہو ، تو محمود کہتا اور اس کی آواز بلند ہو جاتی اور وہ زیادہ غصے میں کہتا، میں انہیں جانتا ہوں، وہ ابھی تمہیں یہ سب نہیں بتا رہے، ابھی تمہیں دین، اسلام، رسول اور نماز کے بارے میں بتا رہے ہیں، پھر وہ گرم موضوعات پر بات کریں گے ، تو ان میں سے کوئی غصے سے کہتا، ارے بھائی چھوڑو یہ باتیں، کیا تم ہمیں بچے سمجھتے ہو؟ میں جتنی بھی بار مسجد میں جا کر ان حلقوں میں بیٹھا، کبھی کسی نے سیاست کا ذکر نہیں کیا، نہ ہی فلسطین، مزاحمت، قبضے، فلسطینی مسئلے کی تاریخ، نہ ہی آزادی تنظیم کا ذکر کیا، نہ فتح، نہ شہداء اور نہ ہی کسی اور کا ، وہ صرف دینی موضوعات پر بات کرتے تھے۔

کیا ان موضوعات پر بات چیت ان نشستوں میں ہوئی جن میں میں شریک نہیں تھا میں نہیں جانتا، لیکن میں بھی کیمپ کے دیگر نوجوانوں کی طرح اس وقت ابو عمار یاسر عرفات کے لیے بہت احترام اور قدر کا جذبہ محسوس کرتا تھا، جو فلسطینی انقلاب کی علامت بن گئے تھے ، میں انہیں اپنا قائد اور رہنما مانتا تھا، اور ہم نے ہمیشہ مظاہروں میں ان کی تصویر اٹھائے رکھی، اور "بالروح بالدم نفدیک یا أبو عمار" کا نعرہ لگایا، ہم یہ نعرہ دل کی گہرائیوں سے، پوری سچائی اور سنجیدگی کے ساتھ لگاتے تھے۔

لیکن میں نے محسوس کیا کہ میرا بھائی حسن میرے اور کیمپ کے دیگر نوجوانوں کی طرح نہیں تھا، کیونکہ جب ابو عمار کا ذکر ہوتا، تو وہ ہمارے جیسا جوش و خروش نہیں دکھاتا تھا، جیسے کہ یہ کوئی عام شخص ہو جس کا ذکر ہو رہا ہو ،لیکن میں نے کبھی اسے ابو عمار یا فلسطین لبریشن آرگنائزیشن کے خلاف کھل کر بولتے نہیں سنا۔

فائدہ : المنظمة التحرير الفلسطينية (PLO) ایک قومی تنظیم ہے جو فلسطینی عوام کی نمائندگی کرتی ہے. اس کی بنیاد 1964 میں رکھی گئی تھی، اور اس کا مقصد فلسطینیوں کی خودمختاری اور حقوق کے حصول کے لیے کوشش کرنا ہے۔

... جب شہداء کا موضوع آتا، اور کہا جاتا کہ فلاں شہید ہوگیا، تو وہ کبھی کبھی کہتا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون شہید ہے اور کون نہیں، یہ نیتوں اور دلوں کا معاملہ ہے ، اس کی صاف گوئی اس وقت زیادہ نمایاں ہوتی جب الجبھہ الشعبیہ کے کسی رکن کی شہادت کا ذکر ہوتا، وہ کہتا: کسے پتا ہے کہ وہ شہید ہے؟ ہو سکتا ہے کہ وہ اصلاً خدا پر ایمان نہ رکھتا ہو اور ملحد ہو، تو وہ کیسے شہید ہو سکتا ہے ؟ ایسے مواقع پر محمود غصے میں آ جاتا اور چیخ کر کہتا: تم کون ہو اور تمہارے سارے مشائخ کون ہوتے ہیں جو یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ فلاں شہید ہے اور فلاں نہیں؟ تم لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ کر، اپنی عورتوں کے پاس بیٹھ کر ان لوگوں پر فتوے لگاتے ہو جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر وطن کے لیے لڑتے ہیں ، حسن کچھ غیر واضح الفاظ میں بڑبڑاتا، غصے میں اٹھتا اور وہاں سے چلا جاتا، اور اگر محمد اور ابراہیم وہاں ہوتے تو تھوڑی دیر بعد وہ بھی چلے جاتے، اور محفل بگڑ جاتی اور ٹوٹ جاتی ، جب عبد الحفیظ ان نشستوں میں ہوتا تو گفتگو بہت زیادہ گرم ہو جاتی، وہ مشائخ اور دین پر حملہ کرنا شروع کر دیتا اور یہاں تک کہتا کہ اخوان المسلمین ایجنٹ ہیں کیونکہ وہ سعودی عرب سے تنخواہیں لیتے ہیں، اس کے علاوہ مختلف فکری مباحثے ہوتے ، حسن اسے غصے میں ملحد اور خدا پر ایمان نہ رکھنے کا الزام دیتا، اور یہ کہ وہ سوویت یونین کے دم چھلے ہیں، جس نے 1948 میں اسرائیل کے قیام کو سب سے پہلے تسلیم کیا تھا۔

حسن کی بہت سی باتیں مجھے پسند آتیں اور میری روح کی گہرائیوں میں اترتی، لیکن میں اس کے کچھ موقف نہیں سمجھ پاتا تھا اور میں اس کی کمزوری کو واضح طور پر محسوس کرتا تھا جب وہ اسلام پسندوں کے قومی ہمدردی میں کردار، مسلح جدوجہد میں ان کے کردار، اور وطن کے لیے جان دینے والے شہداء کے بارے

میں بات کرتا تھا، چنانچہ ان کا فلسطین کی آزادی تنظیم (PLO) کے بارے میں مبہم موقف تھا، حسن، محمد اور ابراہیم ان معاملات میں اپنی واضح بے بسی محسوس کر رہے تھے اور وہ دوسروں کو اپنے موقف پر قائل کرنے سے قاصر تھے کیونکہ وہ خود بھی بالکل نہیں سمجھتے تھے کہ ان معاملات پر ان کا موقف کیا ہے، یوں لگتا تھا جیسے انہوں نے شیخ احمد سے اس بارے میں پوچھا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ وہ ان امور پر اگلے دنوں میں مسجد میں ہونے والی نشستوں میں بات کریں گے۔

چند دن بعد مجھے محسوس ہوا کہ وہ چاہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ مغرب کی نماز مسجد میں پڑھنے جاؤں، کیونکہ عام طور پر یہ نشستیں مغرب اور عشاء کے درمیان ہوتی تھی، تو میں ان کے ساتھ چلا گیا، ہم نے شیخ حامد کے پیچھے مغرب کی نماز ادا کی جو کہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کی آواز بمشکل سنائی دے رہی تھی، مسجد نوجوانوں، مردوں اور بچوں سے بھری ہوئی تھی، جو کہ اس کے برعکس تھی جب میں اپنے مرحوم دادا کے ساتھ بچپن میں آیا کرتا تھا، نماز کے بعد کچھ لوگ مسجد سے چلے گئے اور تقریباً پچاس نوجوانوں کا ایک بڑا حلقہ بن گیا، شیخ احمد بیٹھ گئے اور اپنی بات کا آغاز اللہ کی حمد و ثناء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے کیا، پھر انہوں نے انسان کے زمین پر کردار اور اللہ کی عبادت کے بارے میں بات شروع کی، اور ایک واضح مثال دی ربعی ابن عامر کی، جو سعد بن ابی وقاص کے قاصد کے طور پر رستم، جو کہ فارسی فوج کا کمانڈر تھا، کے پاس قادسیہ کے دن سے پہلے گئے، جب رستم نے ان سے پوچھا کہ "تم لوگ جزیرہ العرب سے ہماری جنگ کے لیے کیوں آئے ہو: تو ربعی ابن عامر نے جواب دیا: ہم تمہیں بندوں کی بندگی سے اللہ کی بندگی کی طرف، ادیان کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف، اور دنیا کی تنگی سے دنیا اور آخرت کی وسعت کی طرف نکالنے آئے ہیں۔

انہوں نے تفصیل سے وضاحت کی کہ ہمارے لوگوں کے لیے آج کے حالات میں اس پیغام کو سمجھنا مشکل ہے جبکہ ہماری قوم اور زمین پر قبضہ ہے، لیکن یہ واحد راستہ ہے آزادی اور نجات کا، لیکن لوگ اس بات کو

نہیں سمجھتے اور شاید اس کے خلاف بھی ہو سکتے ہیں ، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں لوگوں اور عربوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور ان میں عزت اور بلندی کی بات کرتے تھے، لیکن وہ نہیں سمجھتے تھے اور ان کے خلاف ہو گئے ، آخر کار ثابت ہوا کہ عربوں کی عزت اسلام میں ہے اور یہی ہوا۔

پھر انہوں نے اسلام میں شہید کی تعریف پر بات کی کہ جو اللہ کے کلمے کو بلند کرنے کے لیے لڑے وہ اللہ کی راہ میں ہے اور یہی شہید کی شرعی تعریف ہے ، لوگوں میں جو شہید کا رواج ہے، وہ کچھ اور ہے ، انہوں نے جماعتِ اسلامی کی نوعیت سے متعلق بہت سے مفاہیم پر بات کی، گویا کہ وہ تحفظات کے بارے میں بات کررہے تھے ، فلسطینی آزادی تنظیم (PLO) فلسطینی قوم کا واحد نمائندہ ہے، لیکن یہ واضح طور پر نہیں بلکہ اشاروں میں کہا۔

شیخ حامد آئے اور عشاء کی اذان دی، تو ہم نماز کے لیے کھڑے ہو گئے ، شیخ حامد نے احمد کو امامت کے لیے آگے کر دیا ، احمد نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور نماز میں سورہ اسراء کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی وہ نماز میں بعض الفاظ یا جملے بار بار دہرا رہے تھے جیسے کہ وہ نماز سے پہلے کے درس کو مکمل کر رہے ہوں جس کا موضوع "عباداً لنا أولي بأس شديد" تھا ، میں نے محسوس کیا کہ شیخ حامد صریحاً قبضے کے خلاف جدوجہد کے موضوع پر بات کرنے سے گریز کر رہے تھے اور اس کی طرف اشارے کرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ قابض حکام کی طرف سے ان کی گرفتاری اور ان کے پیغام کو پھیلانے سے روکنے سے بچ سکیں۔

حسن، محمد اور ابراہیم مسجد سے خوش ہو کر باہر نکلے اور واپسی کے دوران انہوں نے شیخ کی باتوں سے اپنی رضایت اور قناعت کا اظہار کیا اور ان کی تعریف کی ، مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ انہیں اس بات میں کیا پسند آیا، حالانکہ شیخ کی باتیں خوبصورت اور متاثر کن تھیں لیکن ان میں محمود اور عبد الحفیظ کے حسن کے ساتھ مکالمے میں اٹھائے گئے سوالات کے واضح جوابات نہیں تھے۔

کیمپوں میں زندگی کا معیار نمایاں طور پر بہتر ہو رہا تھا کیونکہ زیادہ تر گھروں میں ایک یا دو افراد اسرائیل میں کام کر رہے تھے اور پرانے حالات یا سعودی عرب اور کویت جیسے ممالک کے مقابلے میں بہتر آمدنی حاصل کر رہے تھے ، لوگوں کی حالت واضح طور پر بہتر ہو رہی تھی، ہر گھر میں ریڈیو اور بہت سے گھروں میں ٹیلی ویژن موجود تھے ، بہت سے گھروں نے بجلی کے نظام میں شمولیت اختیار کی تھی اور وہ روشن ہو گئے تھے، کچھ کے پاس فریج یا گیس کے چولہے بھی تھے اور زیادہ تر گھروں نے پانی کے نظام میں شمولیت اختیار کی تھی ، ہمارے گھر میں ایک اچھا ریڈیو تھا اور ہم نے بجلی اور پانی کے نیٹ ورک میں شمولیت اختیار کی تھی، لیکن ابھی تک ہمارے پاس ٹیلیویژن، فریج یا گیس کا چولہا نہیں تھا ، اس کے باوجود ہماری حالت بہت سے خاندانوں سے بہتر تھی ،جو اب بھی مشکل حالات میں زندگی گزار رہے تھے۔

اہم بات یہ تھی کہ ہجرت کے بعد کی دو دہائیوں میں کیمپوں کی آبادی حیرت انگیز طور پر بڑھ گئی تھی اور مکانات میں رہائشیوں کی گنجائش نہیں رہی تھی، کیونکہ بہت سے لوگ جو اس وقت بچے تھے یا ہجرت کے بعد پیدا ہوئے تھے، اب جوان ہو کر شادی شدہ ہو چکے تھے اور ان کے بچے بھی تھے ، ہر گھر میں ایک یا زیادہ شادی شدہ بھائی تھے اور کیمپوں کے پہلے ہی سے بھرے ہوئے مکانات مرغیوں کے ڈبوں کی مانند ہو گئے تھے ، اس وقت حکومتی فوجی حکام کی طرف سے رہائشی منصوبوں کے بارے میں بات شروع ہو گئی تھی ، جس کے تحت جو لوگ کیمپ میں اپنے گھر کو بڑھانا چاہتے ہیں، وہ رہائشی منصوبوں میں اپنا نام درج کر سکتے ہیں اور معمولی فیس ادا کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ کیمپ کا گھر گرا دیں، اس طرح ہر شادی شدہ فرد کو نئی بستیوں میں ایک کمرہ ملے گا۔

یہ معاملہ کیمپ کے رہائشیوں میں شدید بحث کا باعث بن گیا، اور کوئی بھی اجتماع یا ملاقات یا وزٹ ہو، اس معاملے پر بات ہوتی اور لوگ حامی اور مخالف میں بٹ جاتے ، حامی یہ نظریہ پیش کرتے کہ ہمیں حقیقت کے ساتھ سمجھوتہ کرنا پڑے گا، کیونکہ ہم ہمیشہ کے لیے کیمپوں میں سردین کے ڈبوں کی طرح نہیں رہ سکتے

، گھروں میں ہماری بڑھتی ہوئی نسل کی وجہ سے جگہ نہیں ہو سکتی، اور مسئلہ کا کوئی حل نظر نہیں آتا اور نہ ہی ہم عام زمین خرید کر اس پر مکان بنا سکتے ہیں کیونکہ اس کی لاگت ہماری پہنچ سے زیادہ ہے ، مخالفین کو خدشہ ہے کہ کیمپوں سے آبادی کو نکالنے سے پناہ گزینوں کا مسئلہ ختم ہو جائے گا ، اور یہ کہ یہ قبضے کا مقصد ہے کہ پناہ گزینوں کو ان محلوں میں آباد کیا جائے اور ان کا مسئلہ ختم کیا جائے ، بحث جاری رہی اور یہ منصوبے ابھی تک ایک خیال ہی تھے جو عمل میں نہیں آئے تھے تاکہ کسی ایک فریق کی رائے یا اس کے برعکس ثابت ہو سکے۔

محمود اور حسن کی شادی سے پہلے، مجھے نہیں معلوم تھا کہ کاسمیٹکس نام کی کوئی چیز ہوتی ہے ، میری ماں کیمپ کی عورتوں کی طرح کاسمیٹکس استعمال نہیں کرتی تھی، اور خوشیوں کے مواقع پر ان کے چہروں سے بال ہٹانے اور اپنی بھنوؤں کو ہلکا کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا تھا، اور اس کے باوجود وہ بہت خوبصورت لگتی تھی اور وہ کون ہوگی جو کاسمیٹکس کی تلاش کرے گی جبکہ وہ اپنے بچوں کو کھانا نہیں دے سکتی اور اس کے بچے اس عظیم مواقع پر گوشت کا ذائقہ نہیں جانتے ، یا وہ ان پھلوں کے نام اور اقسام کو نہیں پہچان سکتے جو وہ صرف حیاتیات کی کتابوں کی تصاویر میں دیکھتے تھے۔

جب کوئی لڑکی شادی کرتی تھی تو یہ واضح ہوتا تھا کہ جب عورتیں اسے سجاتی تھی تو وہ کچھ کاسمیٹکس استعمال کرتی تھی، لیکن انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ کاسمیٹکس نام کی کوئی چیز ہوتی ہے ، لیکن محمود اور حسن کی شادی کے بعد، اور جب میں ان کے کمرے میں داخل ہوتی تھا تو میں (ڈریسنگ ٹیبل) کی رف پر کچھ بوتلیں اور ڈبے دیکھتا تھا جو میں سمجھتا تھا کہ کاسمیٹکس ہیں، لیکن ایسا لگتا تھا کہ یہ شادی کے دن اور رشتہ داروں کی شادی کے مواقع پر استعمال کے لیے تھے ، اس وقت تک آپ کیمپ کی گلیوں میں کسی عورت کو کاسمیٹکس لگا کر چلتے ہوئے نہیں دیکھیں گے۔

یہ سچ ہے کہ بہت سی عورتیں اپنے سر نہیں ڈھانپتی تھیں اور کچھ ڈھانپتی تھیں ، لیکن کاسمیٹکس معروف یا

مشہور نہیں تھی، یہاں تک کہ لوگوں کی اقتصادی حالت میں واضح بہتری کے باوجود... ہمیں محسوس نہیں ہوا کہ اس شعبے میں کوئی بڑی تبدیلی آئی ہے، لیکن کوئی شک نہیں کہ کچھ عورتیں اس کا استعمال شروع کر چکی تھی ، لیکن یہ محدود رہا۔

کیمپ کی لڑکیاں بغیر کسی میک اپ کے اور بغیر کسی بنیادی آرائش کے، جیسے بالوں کی صفائی اور بھنوؤں کو کم کرنا، اپنی فطری حالت میں تھی ، اس کے باوجود وہ عموماً چاند کی طرح خوبصورت تھیں اور ان کی اکثریت میں حیاء اپنے عروج پر ہوتی تھی ، جب ان سے کوئی سوال پوچھا جاتا تو ان کی نظریں زمین کی طرف جھکی ہوتی اور اگر کبھی ان کی نظر کسی نوجوان کی نظر سے مل جاتی تو وہ فوراً اپنی نظریں نیچی کر لیتی اور ان کے گالوں سے خون اُبلنے لگتا، جو ان کی خوبصورتی میں اور اضافہ کر دیتا۔

خلیل، جو کہ ہمسائے کا ایک لڑکا تھا، ایک دن ایک کیمپ کی لڑکی کی نظر سے ملنے کے بعد اس سے متاثر ہو گیا ، اس نے محسوس کیا کہ وہ اس سے محبت کرنے لگا ہے اور اسے لگا کہ وہ بھی اسے پسند کرتی ہے ، وہ ہمیشہ اس کے اسکول سے گھر آتے اور جاتے وقت اس کا انتظار کرتا، لیکن اس کی جرات نہ ہوتی کہ اس کے قریب جائے یا اس سے ایک لفظ بھی بولے ، وہ صرف دور سے اس کی آنکھوں میں جھانک کر خوش ہو جاتا اور جب وہ اپنی نظریں نیچی کر لیتی، تو اسے یقین ہو جاتا کہ وہ بھی اس سے محبت کرتی ہے ، اس امید میں کہ جب وہ اپنی تعلیم مکمل کر لے گا اور کوئی کام پا لے گا، تو اس کے گھر والوں سے اس کا ہاتھ مانگے گا۔

کچھ نوجوان لڑکیاں اور لڑکے خط و کتابت کے ذریعے ایک دوسرے سے محبت کا اظہار کرتے تھے اور کچھ لڑکیاں ان خطوط کا جواب بھی دیتی ، کیمپ کے زیادہ تر نوجوان لڑکے اور لڑکیاں سخت قواعد و ضوابط کے تحت رہتے تھے اور ان معاملات سے دور رہنے کی کوشش کرتے تھے ، لیکن میری والدہ کی سخت ہدایات اور اعلیٰ تربیت کی بدولت ہم ان چیزوں سے بہت دور تھے ، لیکن ایسا لگتا تھا کہ کچھ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ان

حدود کو پار کر چکے تھے اور ان معاملات کو کھیل سمجھنے لگے تھے۔

ایک دن جب میں سمندر کے کنارے سے گھر واپس آ رہا تھا، تو میں نے دیکھا کہ میرا چچا زاد ابراہیم مسجد سے واپس آ رہا تھا اور ہمارے پڑوس کی ایک شوخ لڑکی اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھی تھی، جب اس نے ابراہیم کو دیکھا، جو شرم کے مارے زمین کی طرف دیکھ رہا تھا، تو اس نے شوخی سے کہا: اے بڑے صاحب، ہماری طرف بھی دیکھ لو، نیچے کیوں دیکھ رہے ہو؟ ابراہیم کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا اور اس کے قدم تیز ہوگئے، جیسے وہ کسی لمبی قید سے بھاگ رہا ہو، یہ بات ابراہیم کے لیے بہت شرمناک تھی اور میں اسے دھمکاتا کہ اگر اس نے میرے ساتھ کوئی چالاکی کی، تو میں یہ بات اس کی چچی (میری ماں) کو بتا دوں گا۔

۱۹۷۳ کی جنگ میں فتح کے باوجود جو فلسطینیوں کے لیے عملی طور پر کوئی تبدیلی نہیں لائی، ہمارے جذبات میں یہ ایک اسٹریٹیجک موڑ تھا، صحیح ہے کہ ہم نے اسرائیل کو فلسطین سے ختم ہوتے نہیں دیکھا، نہ ہی ہم اپنے شہروں اور دیہاتوں میں واپس آئے جہاں سے ہمارے لوگ ۱۹۴۸ میں ہجرت کر گئے تھے، اور نہ ہی ۱۹۶۷ میں مقبوضہ مغربی کنارے، غزہ، جولان اور سینائی کے علاقے آزاد ہوئے، اس کے باوجود، جو عملی طور پر ہوا وہ یہ تھا کہ مصری فوج نے نہر سویز اور بارلیو لائن کو پار کیا، مگر ہم اسرائیل کی شکست سے مکمل طور پر مطمئن اور راضی ہو گئے، ہم نے اس وقت چیزوں کو اسی طرح سمجھا، یقین کیا اور اپنے پورے دل و دماغ سے مان لیا کہ اسرائیل اور اس کی ناقابل شکست فوج کی کہانی عظیم عرب فوجی کی ارادے کے سامنے ختم ہو گئی ہے، چاہے وہ مصری محاذ ہو یا شامی محاذ، ہم سب کا سر فخر اور عظمت سے بلند تھا، لیکن ہمارے یہ جذبات بتدریج بدلنے لگے جب ہم نے مصری صدر سادات کو اسرائیل کے ساتھ امن کے لیے تیار ہونے کی باتیں سنی، ہماری صدمے کی حد اس وقت بڑھ گئی جب ہم نے سنا کہ وہ اسرائیلی پارلیمنٹ (کنسٹ) جانے کے لیے تیار ہیں، ہماری حیرانی اس وقت عروج پر پہنچ گئی جب ہم نے سادات کی یروشلم کے دورے اور کنسٹ میں ان کے خطاب کی خبریں سنیں، ہمارے پاس گھر میں ٹیلی ویژن نہیں تھا، لہذا ہم نے وہ مناظر

نہیں دیکھے، لیکن ریڈیو پر اس واقعے کی کوریج ہمارے لیے کافی تھی ، یہ سمجھنا مشکل ہو گیا کہ یہ حقیقت تھی یا خیال ؟ یہ صدمہ شاید پورے عرب دنیا کو متاثر کر گیا، کیونکہ مختلف نظاموں کے درمیان تضادات اور اختلافات شدید اور دور رس تھے۔

فلسطینیوں کے طور پر، ہم پوری طرح سے سادات اور کیمپ ڈیوڈ معاہدوں کے خلاف تھے، اور ہم خاص طور پر ان مخالف اسٹیشنوں کو سننا پسند کرتے تھے جو بغداد سے نشر ہوتی تھیں ، ہمارے خاندان کے لئے سب سے بڑا واقعہ یہ تھا کہ مصری جامعات نے فلسطینی طلباء کے لیے اپنے دروازے بند کر دیے تھے، جس کی وجہ سادات اور اسرائیل کے ساتھ امن کے معاہدے کی مخالفت کرنے والی تنظیم آزادی فلسطین کے درمیان شدید اختلافات تھے ، اس کے نتیجے میں کچھ فلسطینیوں نے معروف صحافی "السباعی" کو قتل کر دیا ، اس کے بعد مصری حکومت نے فلسطینیوں کے ساتھ تعلقات محدود کر دیے، جس میں فلسطینی ہائی اسکول کے فارغ التحصیل طلباء کی مصری جامعات میں داخلہ نہ دینا شامل تھا۔

میرے بھائی محمد نے اس سال اپنی ثانوی تعلیم مکمل کی اور اسے مصری یونیورسٹیوں میں داخلہ ملنا تھا ، اس وقت ہمارے مالی حالات اس کے لیے انتہائی موزوں تھے ، محمد کے پاس کئی راستے تھے کہ کہاں پڑھائی کرے، آخر کار اس نے فیصلہ کیا کہ وہ مغربی کنارے کے شہر رام اللہ کے قریب بیرزیت یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرے گا ، اس نے وہاں کا سفر کیا اور یونیورسٹی میں داخلہ کی درخواست دی، جسے قبول کر لیا گیا اور وہ سائنس فیکلٹی میں داخل ہوگیا ، اس نے نئے تعلیمی سال کے آغاز سے وہاں پڑھائی شروع کی، جہاں اس نے دوسرے طلباء کے ساتھ مل کر رام اللہ شہر میں ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لے لیا اور وہیں رہائش پذیر ہوگیا ، محمد ہر مہینے ایک بار گھر آتا، چند دن ہمارے ساتھ گزارتا اور پھر واپس رام اللہ چلا جاتا۔

فدائی کارروائیاں مقبوضہ علاقوں اور 1948 میں مقبوضہ زمینوں کے اندر جاری رہیں ، لیکن ان میں کافی حد تک کمی آئی ، قومی سرگرمیوں نے زیادہ تر سیاسی، انقلابی اور عوامی شکل اختیار کرلی تھی ، اسرائیلی حکام نے

مغربی کنارے میں بلدیاتی انتخابات کی اجازت دی تھی اور مختلف علاقوں میں سیاسی فریم ورک تشکیل دیے گئے تھے تاکہ انتخابات میں حصہ لے سکیں۔

الخلیل میں فتح تحریک کے نمائندوں، جن کی قیادت فہد القواسمي نے کی نے اخوان المسلمین اور دیگر کے ساتھ شیخ الجعبری کے خلاف اتحاد کیا، جو مغربی کنارے پر اردنی حکمرانی اور اسرائیلی قبضہ کے دوران میونسپلٹی کے صدر تھے ، جب شیخ الجعبری نے دیکھا کہ ان کی جیت کا امکان کم ہے، تو وہ دستبردار ہوگئے اور فتح/اخوانی اتحاد جیت گیا اور میونسپلٹی کونسل ایک فکری اور سیاسی آمیزے سے تشکیل پائی ، مغربی کنارے کے دیگر شہروں میں بھی قومی نمائندے اور معروف قومی شخصیات جیسے نابلس میں بسام الشکعۃ وغیرہ جیت گئے ، اسی وقت مختلف پیشہ ورانہ نقابات جیسے انجینئرنگ سوسائٹیز، میڈیکل سوسائٹیز، اور وکلاء کی سوسائٹیز مغربی کنارے کے مختلف شہروں میں تشکیل دی گئی جہاں ان کے انتظامی بورڈز کے انتخاب کے لیے دورانیہ انتخابات ہوتے تھے ، ان انتخابات میں مارکسی یساری جماعتوں اور فتح کے درمیان مقابلہ ہوتا تھا، پھر اسلامی دھارا ابھرنے لگا جو اکثر مارکسی یساری کے خلاف فتح کے ساتھ اتحاد کرتا تھا اور کچھ مقامات پر خود بھی انتخابات میں حصہ لیتا تھا ، اسی طرح کی سرگرمیاں یونیورسٹیوں میں بھی شروع ہوئیں جیسے نابلس کی النجاح نیشنل یونیورسٹی، رام اللہ کے قریب بئرزیت یونیورسٹی، اور الخلیل یونیورسٹی جو شہر کی شریعت کالج سے ترقی کر رہی تھی۔

اُس وقت 1970 کی دہائی کے آخر میں، جب غزہ پٹی کے طلباء کے لیے مصری یونیورسٹیوں کے دروازے بند ہو گئے، غزہ شہر کی کچھ اہم شخصیات نے مل کر غزہ پٹی میں ایک یونیورسٹی کھولنے کا فیصلہ کیا اور انہوں نے اس کے لیے اسرائیلی حکام سے رابطہ کیا، جنھوں نے یونیورسٹی کے قیام کی اجازت نہیں دی ، لیکن اس بات پر اتفاق مشکل نہیں تھا، کیونکہ غزہ میں الازہر دینی انسٹیٹیوٹ کے ثانوی اسکول میں شام کے وقت ایک یونیورسٹی کھولی گئی، جو انسٹی ٹیوٹ کا تسلسل معلوم ہوتی تھی، پھر آہستہ آہستہ یہ پھیلنے لگی اور یونیورسٹی میں تبدیل ہوگئی، حالانکہ اسے کبھی بھی قابض حکام کی جانب سے تسلیم نہیں کیا گیا، بلکہ اسے ہمہ وقت محاصرے اور

مشکلات کا سامنا رہا۔

ان شخصیات نے یونیورسٹی کھولنے کے لیے بیرون ملک تنظیم آزادی فلسطین کی قیادت سے رابطے جاری رکھے، اور فلسطین اور بیرون ملک کے کچھ معروف شخصیات سے بھی رابطہ کیا تاکہ عرب ممالک میں یونیورسٹی کے لیے مالی مدد حاصل کی جاسکے... اور کیونکہ مصر اور اسرائیل کے درمیان کیمپ ڈیوڈ معاہدے عملی جامہ پہن چکے تھے، اسرائیل نے 1967 میں مقبوضہ علاقوں میں اپنی تصویر بہتر بنانے کی کوششیں شروع کیں، اور کیمپ ڈیوڈ معاہدے میں شامل خود مختاری کی تیاری کے طور پر نام نہاد شہری انتظامیہ قائم کی، جسے ایک مرحلہ وار خود مختاری کے قیام کے لیے فوجی قیادت سے علاقوں کی انتظامیہ کی ذمہ داری لینی تھی۔

شہری انتظامیہ محض فوجی حکمرانی کے لیے ایک نیا نام تھا اور تبدیلیاں واضح اور نمایاں نہیں تھی ، لیکن کچھ کنٹرول شدہ سیاسی اظہار کے مواقع کھولنے کے حوالے سے یہ محسوس کیا گیا تھا جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا تھا ، اس دوران اسلام پسندوں نے متحرک ہو کر ادارے اور انجمنیں کھولنے کی درخواستیں دیں ، عثمانی قانون کے مطابق انہیں اس کی اجازت دی گئی ، جیسے اسلامی انجمنیں، نوجوانوں کی مسلم انجمنیں، اسلامی معاشرہ، خیراتی ادارے، کلب، نرسریاں اور طبی کلینک جن کے ذریعے انہوں نے لوگوں کو خدمات فراہم کرنا شروع کیں اور اس طرح اسلام پسندوں کے خیال کو پھیلانا شروع کیا۔

میری بہن تہانی نے اس دوران معلمات کے انسٹیٹیوٹ سے گریجویشن کیا اور کچھ وقت کے بعد ایک پناہ گزین کیمپ میں اقوام متحدہ کی امدادی اسکول میں بطور معلمہ ملازمت اختیار کی، کچھ وقت کے بعد ایک نیک نوجوان نے اس سے شادی کی، اور وہ اپنی شادی میں بہت خوش اور مطمئن تھی ۔

تیرہویں فصل

تعلیمی سال ختم ہوا، اور الخلیل میں طارق بن زیاد اسکول کے طلباء سالِ آخر کے امتحانات میں شریک ہوئے ،

نتائج کا اعلان ہوا اور ثانوی تعلیم مکمل کرنے والے طلباء نے اپنے مستقبل کے امکانات تلاش کرنا شروع کر دیے ، کچھ نے جامعہ الخلیل میں کلیہ شریعہ میں داخلہ لینے کا ارادہ کیا، جبکہ کچھ نے سعودی عرب کی جامعات میں تعلیم حاصل کرنے کا منصوبہ بنایا، اور کچھ نے اردن کی جامعات کا رخ کیا۔

میری خالہ کے شوہر کا خواب تھا کہ وہ اردن کی جامعہ میں تعلیم حاصل کریں، لیکن انہیں احساس تھا کہ وقت ان کے ہاتھ سے نکل چکا ہے اور ان کی مصروفیات اتنی زیادہ ہو چکی ہیں کہ وہ تعلیم کے لیے وقت نہیں نکال سکتے ، لہذا انہوں نے اپنے بھائی عبد الرحمن کی ثانوی تعلیم مکمل کرنے پر اپنے خواب کو پورا کرنے کا ارادہ کیا ، انہوں نے عبد الرحمن سے جامعہ اردنیہ میں تعلیم حاصل کرنے کی بات کی، جس پر عبد الرحمن نے رضا مندی ظاہر کی کیونکہ یہ اس کی بھی خواہش تھی، خاص طور پر کلیہ شریعہ میں تعلیم حاصل کرنے کی ، یہ بات اس کے دوست جمال کی خواہش سے بھی ہم آہنگ تھی، جس کے ساتھ اس نے صوریف کے گاؤں میں پہاڑ کے دامن میں ملاقات اور گفتگو کی تھی ، دونوں کو جامعہ اردنیہ کے کلیہ شریعہ میں داخلہ مل گیا، تعلیمی سال کے شروع ہونے سے قبل، دونوں عمان روانہ ہو گئے ، عمان پہنچ کر انہوں نے اور دیگر طلباء نے مل کر المہاجرین کے علاقے میں ایک رہائشی مکان کرائے پر لیا ، المہاجرین ایک عوامی علاقہ تھا جہاں کچھ فلسطینی بھی مقیم تھے ، جامعہ میں ایک بالکل نئی دنیا ان کے سامنے آئی جو عبد الرحمن کے لیے صوریف، جمال کے لیے الخلیل، یا دونوں کے لیے طارق بن زیاد اسکول سے بالکل مختلف تھی۔

فکری زندگی ، سیاسی تنازعات ، سماجی آزادی ، اور زندگی کے سرگرم اور مؤثر افراد کی قابلیت اور سطح، یہ سب کچھ ان کی سابقہ زندگیوں سے بالکل مختلف تھا ، کلیہ شریعہ میں جہاں وہ تعلیم حاصل کر رہے تھے، طالبات کے حجاب پہننے کی سطح بہترین تھی، لیکن جامعہ میں عمومی طور پر زندگی الخلیل کے معاشرتی معیار کے مقابلے میں کافی حد تک کھلی ہوئی تھی، خاص طور پر صوریف جیسے دیہات کے مقابلے میں۔

عبد الرحمن اور جمال نے اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ پہلے ہی کر لیا تھا اور اپنے تعلیمی دور میں جب وہ

طارق بن زیاد اسکول الخلیل میں پڑھتے تھے، اسلامی تحریک میں شامل ہو گئے تھے اور اخوان المسلمین کے نظریات کو اپنانا شروع کر دیا تھا ، یہاں عمان، اردنی یونیورسٹی کے شریعہ کالج میں، کئی اخوان المسلمین کے اہم رہنما اساتذہ کے طور پر موجود تھے جو شریعہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری رکھتے تھے ، یہاں جمال اور اس کے ساتھی ایسے لوگوں سے ملے جو دعوتی اور عوامی کام میں ماہر تھے اور ان کے خوابوں سے بھی آگے تھے، اس لیے وہ طلبہ کے سرگرمیوں میں بہت زیادہ مصروف ہو گئے جن میں فکری اور سیاسی جدوجہد شامل تھی۔

اردنی یونیورسٹی میں طلبہ یونین کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا ، لیکن اس کے باوجود طلبہ کی سرگرمیوں میں بہت زیادہ جوش و خروش تھا ، طلبہ نے 'جمعیات' نامی انتخابات میں حصہ لیا، اور جمال نے شریعہ کالج کی 'جمعیت احیاء التراث' میں حصہ لیا اور اسلامی تحریک کے امیدواروں میں شامل ہو کر کامیاب ہوا ، اس جمعیت نے ثقافتی، سیاسی، اور تعلیمی سرگرمیوں کو منظم کرنے میں حصہ لیا، جیسے کہ تاریخی مقامات کی سیر یا حج اور عمرہ کی تنظیم ، ایک رکن نے شیخ یوسف القرضاوی کا 'عالم وطاغیۃ ' نامی ڈرامہ پیش کرنے کی تجویز دی ، جمعیت نے اس خیال کو قبول کیا اور اس کی کامیابی کے لیے بھرپور محنت کی ، ایک ٹیلی ویژن ڈائریکٹر کو بلایا گیا، تربیتیں کی گئیں اور کئی بار ریہرسل کی گئیں ، جب ڈرامہ پیش کیا گیا تو اس نے بہت زیادہ کامیابی حاصل کی، اور کئی اساتذہ اور لیکچررز نے حیرت اور تعریف کا اظہار کیا۔

اسی دوران افغانستان پر روسی حملے نے یونیورسٹی میں طلبہ کی سرگرمیوں پر بڑا اثر ڈالا ، اسلامسٹ طلبہ نے افغان انقلاب اور مجاہدین کے بارے میں بات چیت شروع کی اور خود کو اس انقلاب کا حصہ سمجھنے لگے ، اسلامی نوجوانوں میں افغانستان جا کر مجاہدین اور مسلمانوں کی مدد کرنے کی باتیں شروع ہو گئیں ، جمعیت احیاء التراث نے ' عالم وطاغیۃ ' ڈرامہ کے منافع میں سے پانچ ہزار دینار افغان مجاہدین کے لیے عطیہ کیے، جبکہ مجموعی منافع پندرہ ہزار دینار تھا۔

یہودی بستیوں کی تحریک پورے مغربی کنارے میں بڑھی اور شدت اختیار کر گئی، جہاں بھی نظر دوڑاؤ تو

زمینوں کی ضبطی، بستیوں کا قیام اور یہودی آبادکاروں کو زمین پر قابض پاتے ، جو اس زمین کو اپنی ملکیت سمجھ کر اس سے برتاؤ شروع کر دیتے ، اس بات نے مقامی آبادی کو برہم کر دیا اور اس وقت کی قومی رہنمائی کمیٹی کو مظاہروں، ریلیوں اور مقبوضہ بستوں کے خلاف میڈیا مہمات کا آغاز کرنے پر مجبور کر دیا۔

واقعات نے شدت اختیار کی اور پتھراؤ اور جلتی ہوئی بوتلیں پھینکنے کی سرگرمیاں بڑھ گئیں ، خاص طور پر مغربی کنارے کے کچھ کیمپوں میں جیسے کہ بیت لحم کے قریب الدہشہ کیمپ اور یروشلم سے الخلیل جانے والی سڑک پر جو آباد کاروں کی کثرت سے گزرتی ہے، ان واقعات میں شدت آئی ، اس پس منظر میں، یہودی آباد کاروں کا ایک انتہا پسند گروہ خفیہ طور پر تشکیل دینے لگا اور قومی رہنمائی کمیٹی کے فعال اراکین کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی کرنے لگا، ان کی مدد مقامی انتظامیہ کے دھماکہ خیز مواد کے ماہرین کرتے تھے ، انہوں نے کچھ شخصیات کے بارے میں معلومات جمع کیں اور ان کی گاڑیوں یا گیراج میں بم نصب کیے ، قابض فوج نے بقیہ بموں کو دریافت کیا اور انہیں ناکارہ بنا دیا ، ان واقعات نے مقبوضہ علاقوں میں ہلچل مچا دی اور اس دن کے صبح سے یہ بم پھٹنے لگے، جس سے کچھ لوگ زخمی ہوگئے ، فوج نے اس صورتحال کو بہانہ بنا کر اپنی کارروائیاں بڑھا دیں اور عوامی سرگرمیوں کی سطح پر بے نظیر شدت پیدا ہو گئی، مگر اس کے برعکس مسلح مزاحمت کی سرگرمیوں میں واضح کمی آئی ، ان سرگرمیوں کے مراکز میں سے ایک رام اللہ کے قریب موجود بیرزیت یونیورسٹی تھی، جو ان واقعات کے دوران ایک نمایاں قومی سرگرمیوں کا مرکز بن گئی۔

ایسے ماحول میں میرا بھائی محمد رام اللہ پہنچا کیونکہ اسے بیرزیت یونیورسٹی کے سائنس کالج میں داخلہ ملا تھا، یہ ایک نئی دنیا تھی جو اس کے کیمپ کی محفوظ اور بند دنیا اور عمومی طور پر غزہ کی دنیا سے بالکل مختلف تھی ، بیرزیت یونیورسٹی میں اس وقت کوئی ایک لڑکی بھی سر ڈھانپے ہوئے نہیں نظر آتی تھی، سب لڑکیاں بناو سنگھار میں تھی اور لڑکوں سے بات چیت، مذاق اور ان کے ساتھ زیتون کے درختوں کے پیچھے غائب ہونے میں جھجھکتی نہ تھیں ، یہ ایک بالکل کھلا معاشرہ تھا، جیسے کہ کسی مغربی معاشرے کا حصہ ہو ، محمد کے لیے

اس نئی زندگی میں ضم ہونا بہت مشکل تھا؛ کیونکہ اولاً اسے غزہ کے کیمپ یا الشاطئ کیمپ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملی تھی اور اس کی تربیت جو اس نے اپنے لیے منتخب کی تھی، اور مذہبی اصول جو اس نے اپنائے تھے، اس جگہ میں اس کی زندگی کو تقریباً ناممکن بنا دیتے تھے۔

غزہ پٹی میں مسلح مزاحمت کے واقعات میں پلنے اور نشوونما پانے والا شخص فلسطینی منظرنامے میں ہر نئی تبدیلی کے پیش نظر ہونے والے مظاہروں میں قابض افواج کے ساتھ تصادم سے نمٹنا مشکل نہیں سمجھتا تھا، کیونکہ اس نے جو کچھ دیکھا اور تجربہ کیا تھا، اس کے مقابلے میں یہ واقعات چھوٹے اور آسان لگتے تھے۔

بئرزیت میں تمام گھروں کو پرانے طلباء نے کرایہ پر لے لیا تھا، اس لیے وہاں اس کے لیے جگہ نہیں ملی، اس لیے اسے اور دوسرے نوجوانوں کو رام اللہ میں کرایہ پر لینا پڑا، اس طرح انہیں روزانہ رام اللہ سے بئرزیت سفر کرنا پڑتا تھا، جو کہ زیادہ لمبا نہیں تھا اور اس کی لاگت بھی محدود تھی، لیکن اس کی وجہ سے انہیں پورا دن اپنی پڑھائی کے کمرے، آرام اور کھانے سے اگلی لیکچرز کا انتظار کرتے ہوئے دور رہنا پڑتا تھا، اس گھر میں محمد نے کئی تضاد اور ایسی چیزیں دریافت کیں جو اسے پسند نہیں آئی وہ ان چھ نوجوانوں میں واحد تھا جو اسلامی طور پر پابند تھا، اور ان میں سے کچھ کے خیالات بالکل مختلف تھے، ان میں سے ایک کھلے عام مارکسی تھا اور اس وقت یونیورسٹی میں یہ سب سے بڑا نظریہ تھا، اس نوجوان نے محمد اور اس کی عبادت اور دین کا مذاق اڑانے سے گریز نہیں کیا، جس کی وجہ سے اکثر گھر میں تناؤ اور قطع تعلق کی صورتحال پیدا ہو جاتی تھی۔

ایک اور نوجوان مطلقاً پڑھائی میں متوجہ نہیں تھا، اس کا سارا دھیان لڑکیوں کی باتوں، ان کے حسن و جمال، ان کے تعلقات اور ان کے تجاوزات پر ہوتا تھا، وہ اپنی اس میدان میں فتوحات کے قصے سناتا رہتا تھا، وہ گھنٹوں محبت نامے لکھنے میں گزار دیتا، ایک ہی وقت میں تین یا چار مختلف لڑکیوں کو تین یا چار خطوط لکھتا، پھر وہ بلند آواز میں ان خطوط کو پڑھتا تاکہ گھر میں موجود ہر کوئی انہیں سن سکے، اسے اپنی بے شمار زبان و

نحو کی غلطیوں کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی اور نہ ہی ان لوگوں کی جو پڑھ رہے ہوتے اور اس سے باز رہنے کی درخواست کرتے۔

ہمارے مالی حالات بہت بہتر ہو گئے تھے، اس لیے محمد کے لیے مالی اور خرچ کے لحاظ سے کوئی مسئلہ نہیں تھا، لیکن وہ جتنا ممکن ہو سکے بچت کی کوشش کرتا تھا تاکہ گھر پر بوجھ کم ہو، لیکن اس کے باوجود وہ اکثر یونیورسٹی کے ریستوران میں دوپہر کا کھانا کھانے جاتا تھا، خاص طور پر ان دنوں میں جب اگلی لیکچرز کا انتظار کرتے ہوئے اسے پورا دن یونیورسٹی میں گزارنا پڑتا تھا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب محمد کو نماز ظہر اور عصر پڑھنے میں مشکلات کا سامنا تھا، اور کبھی کبھی مغرب کی نماز میں بھی ، یونیورسٹی میں کوئی مسجد نہیں تھی، اس لیے وہ یونیورسٹی کے باہر زیتون کے ایک درخت کے قریب جا کر نماز پڑھنے پر مجبور ہوتا تھا ، لیکن کچھ ہی وقت بعد اسے معلوم ہوا کہ قصبے میں ایک مسجد ہے حالانکہ وہاں کے زیادہ تر لوگ مسیحی ہیں ، اس کے بعد محمد نے مسجد میں نماز پڑھنے جانا شروع کیا جب بھی اس کے پاس لیکچرز کے درمیان وقت ہوتا تھا ، حیرت کی بات یہ تھی کہ اسے وہاں یونیورسٹی کے درجنوں طلباء ملے جو نماز پڑھنے آتے تھے اور اسلامی اصولوں پر عمل پیرا تھے۔

ان متدین نوجوانوں کی اس جماعت میں ایک دوسرے کے ساتھ زبردست ہم آہنگی اور محبت پیدا ہوگئی تھی، خاص طور پر ایسے ماحول میں جو کسی بھی قسم کی مذہبی تصویر کشی کے خلاف تھا ، جب محمد رام اللہ واپس آتا تو کبھی کبھی رات کے وقت شہر کی پر سکون گلیوں میں نکلتا ، عشاء کی اذان سن کر وہ اذان کی آواز کی پیروی کرتا اور مسجد پہنچ کر عشاء کی نماز پڑھتا ، عشاء اور کبھی کبھی مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد اور پھر جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد، محمد نے علاقے کے کئی اسلامی طلباء سے ملاقات کی جو یونیورسٹی میں اسلامی جماعت کی بنیاد ڈال رہے تھے ، وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر چلتے، قریبی مسجد میں نماز پڑھتے اور یونیورسٹی کی کینٹین میں ایک ہی میز پر بیٹھ کر چائے پیتے اور اپنی پڑھائی، یونیورسٹی کے معاملات اور اسلامی سرگرمیوں پر گفتگو

کرتے ، ایک اور میز پر فتح کے نوجوان بیٹھے ہوتے جو فتح گروپ کی بنیاد ڈال رہے ہوتے ، اور دوسری میزوں پر جبهة العمل الطلابي کے طلباء اور طالبات بیٹھے ہوتے جو الجبهة الشعبية کے طالب علموں کا گروپ تھا ، ہر میز پر کسی نہ کسی گروپ کے طلباء بیٹھے ہوتے ، ہر گروپ اپنے پروگرام کی منصوبہ بندی کرتا ، تاکہ غیر منتمی طلباء کو اپنے ساتھ شامل کرے اور انہیں اپنے گروپ کی حمایت کے لیے تیار کرے ، وہ ہر کالج کے طلباء و طالبات کی فہرستیں تیار کرتے، ان کی فکری اور سیاسی رجحانات کے مطابق درجہ بندی کرتے اور غیر منتمی طلباء (ایسے طلباء جو کسی مخصوص تعلیمی ادارے، گروپ یا تنظیم سے وابستہ نہیں ہوتے) کو نشان زد کرتے، پھر ان سے رابطہ قائم کرنے اور انہیں اپنے گروپ میں شامل ہونے کی دعوت دینے کے لیے اپنی حکمت عملی بناتے ،بیرزیت یونیورسٹی کے بہت سے طلباء میں سے ایک بڑی تعداد طالبات کی تھی ، اور کسی بھی طالب علم تنظیم کو طلباء کے درمیان کام کرنے کے لیے اس صنف کے ساتھ کام کرنا ضروری تھا ، ورنہ وہ کوئی کامیابی حاصل نہیں کرسکتا تھا ، الاتجاهات اليسارية کے لیے اس میدان میں کوئی مسئلہ نہیں تھا ، یہاں تک کہ اس تحریک کے تو کے بہت سے اراکین بھی دراصل طالبات تھی ،لیکن اسلامی بلاک کے لیے طالبات کے ساتھ سامنے کام کرنے میں بڑی رکاوٹیں تھی ۔

کچھ طالبات کے رجحانات اسلامی تھے اور وہ اسلامی بلاک کی حمایت کرتی ، لیکن وہ سرگرم عمل نہیں تھی ، تمام اسلامی بلاک کے کارکنان، بشمول محمد، اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ لڑکیوں کے ساتھ رابطے قائم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ انہیں بلاک میں شامل ہونے یا اس کی حمایت کرنے کی دعوت دی جا سکے ، لیکن محمد جو کیمپ الشاطئ سے آیا تھا اور جس نے سخت اصولوں کی تربیت پائی تھی، جو میری ماں بار بار دہراتی رہتی تھی ، یہاں تک کہ ہم سب نے انہیں یاد کر لیا تھا، اس کام کو انجام دینے کے لیے بہت کمزور تھا ، اگر کبھی اس کے کسی ہم درس نے اس سے کسی لیکچر، کتاب یا کسی بھی مطالعے سے متعلق موضوع پر سوال کرتا تو اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا، پسینہ بہنے لگتا اور وہ زمین کی طرف دیکھتے ہوئے مختصر جوابات دیتا، جیسے "ہاں" یا "

نہیں " یا کچھ اور حروف کا اضافہ کر کے، پھر فوراً دور چلا جاتا۔

سب لوگ انتخابات کی تیاری کر رہے تھے، تمام بلاکس یا گروپس سب ایک دوسرے سے بات کر رہے تھے، یہاں بحثیں ہو رہی تھیں اور وہاں مناظرے، مسئلے کی تاریخ، حال اور مستقبل اور ہر فرقے کا کردار اور اس کے اعتراضات، خیالات اور نظریات پر بحث ہو رہی تھی اور یونیورسٹی کیمپس پوسٹرز، نعرے اور بینرز سے بھرا ہوا تھا اور سب سے بہترین نتائج حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے ، نتائج کی گنتی کے بعد الاتجاهات اليسارية نے سب سے زیادہ نتائج حاصل کیے، لیکن فتح اور الاتجاهات اليسارية کے درمیان نسبتا فرق کم تھا ،الاتجاهات اليسارية نے سب سے زیادہ نتائج حاصل کر کے طلبہ تنظیم کی تشکیل کی ، اسلامی بلاک نے توقعات سے زیادہ نتائج حاصل کیے حالانکہ اس کا حجم سب سے کم تھا۔

محمد عام طور پر ہر مہینے میں ایک بار کیمپ الشاطئ واپس آتا تھا، جمعرات کی شام آتا، جمعہ کو ہمارے ساتھ رہتا اور پھر ہفتہ کی صبح رام اللہ واپس چلا جاتا تاکہ اپنی پڑھائی اور طلبہ کی سرگرمی جاری رکھے ، جمال اور عبدالرحمن نے اردن یونیورسٹی میں شریعت کے آخری سال کے امتحانات ختم کر لیے تھے اور نتائج کا انتظار کیے بغیر فوراً مغربی کنارے واپس آ گئے تھے ، جمال کی ماں کو فکر تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کسی نیک دل لڑکی کے ساتھ دیکھنا چاہتی تھی، اس لیے وہ کوئی موقع نہیں چھوڑتی تھی جب وہ اس سے اکیلے میں بات کر سکے، اور ہر بار شادی کی بات کرتی تھی ، جمال اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنے کا خواہشمند تھا ، وہ اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لیے پاکستان جانے کا ارادہ رکھتا تھا ، وہاں سے وہ نہ صرف اپنی تعلیم مکمل کر سکتا تھا بلکہ افغانستان کے مسئلے کے حوالے سے کچھ نہ کچھ معنوی شرکت بھی کر سکتا تھا، خواہ وہ شرکت کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو، کیونکہ وہ ایک قریبی علاقے میں موجود ہوتا۔

اور ماں کے دباؤ کے سامنے، اس نے شادی کے تصور کو زیادہ قبول کر لیا ، آخر کیا رکاوٹ ہے شادی میں،

جبکہ دونوں چیزوں میں کوئی تضاد نہیں ہے ، جب وہ اپنی ڈگری لینے کے لیے یونیورسٹی گیا، تو ایک کمرے میں جہاں بہت سے گریجویٹس جمع تھے، اس نے اپنے آپ کو اجازت دی کہ وہ دائیں بائیں دیکھے تاکہ ممکنہ مستقبل کی بیوی کو تلاش کر سکے ، ایک کونے میں ایک لڑکی بیٹھی تھی، جو چاند کے ٹکڑے کی مانند تھی، اس نے اسلامی لباس میں اپنے آپ کو لپیٹ رکھا تھا، جو اس کی عصمت اور خوبصورتی میں اضافہ کر رہا تھا، ایسا لگا جیسے دل نے اس کے مالک کو بتایا کہ مقصد حاصل ہو چکا ہے، اگرچہ ایک چھوٹا بچہ اس کی طرف دوڑتا ہوا آیا، جسے اس نے گود میں لیا اور چوم لیا، جمال نے اپنا سر پھیر لیا اور خود سے کہا، استغفر اللہ العظیم، یہ اس کا بیٹا ہے، تو یہ شادی شدہ ہے ، وہ اپنے مطلوبہ معاملات کے مکمل ہونے کا انتظار کرتا رہا ، اسی دوران ایک عورت اس سے مخاطب ہوئی : کیا تم جمال ہو؟ اس نے نصف سر کو اٹھایا اور جواب دیا : ہاں، کیا بات ہے؟ اس نے پہچان لیا کہ یہ وہی عورت ہے جسے اس نے چند لمحے قبل دیکھا تھا ، اس نے کہا : میں تمہاری کالج کی ساتھی انتصار ہوں، اور میرے ماموں حاج حسن نے میرے گھر والوں سے بات کی ہے کہ وہ میری تم سے منگنی کرنا چاہتے ہیں۔

ہم نے تمہارے بارے میں بہت خیر سنی ہے، اور اب میرا چچا مجھ سے منگنی کرنا چاہتا ہے، جو کہ غیر متدین ہے اور میں اسے نہیں چاہتی ، وہ شرم کی وجہ سے خاموش ہوگئی ، اس وقت جمال نے اپنے آپ کو اجازت دی کہ وہ اپنی نظریں اٹھائے، تو اس نے اپنے سامنے ایک باوقار اور باحیاء لڑکی دیکھی ، اس نے دوبارہ نظریں جھکا لیں اور سرخ چہرے کے ساتھ کہا : اللہ جو بہتر ہو وہ کرے ، جب وہ اپنے اہل خانہ اور دوستوں کے پاس واپس آیا، تو اسے افسوس کے ساتھ معلوم ہوا کہ اس کے پاس مغربی کنارے کا شناختی کارڈ نہیں تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ شادی کر لیتے تو وہ مغربی کنارے میں رہ نہیں سکتی تھی، اور یہ زندگی کو بہت مشکل بنا دیتا ، بہت سے لوگوں نے ایسی لڑکیوں سے شادی کی جن کے پاس اسرائیلی شناختی کارڈ نہیں تھا تو پھر ان کی زندگی جہنم بن گئی تو اس نے اس شادی کا خیال ترک کر دیا۔

جب اس نے پاکستان سفر کا اجازت نامہ حاصل کرنے کی کوشش کی، تو اردنی سیکیورٹی حکام نے اسے اجازت دینے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ ایک معروف اسلامی جماعت کا سرگرم رکن تھا، مجبوراً وہ الخلیل شہر میں مستقل طور پر رہنے اور وہاں کام کرنے لگا، ایک دوست نے اسے ایک لڑکی کے بارے میں بتایا جو اردنی یونیورسٹی سے علوم کی فیکلٹی سے گریجویٹ ہوئی تھی، ماں اس کے اور اس کے گھر والوں سے ملنے گئی، اور وہ انہیں پسند آئی، وہ خوشی خوشی واپس آئی اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ لڑکی سے ملنے اور اسے دیکھنے کے لیے ان کے گھر جائیں گے، جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو حیا سے اس کا سر جھک گیا، اور وہ جھک کر بیٹھ گیا، وہ کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور بات چیت شروع کرنے کی کوشش کی، تو ایک اور لڑکی اور اس کی ماں، جو پہلے ہی اندر آچکی تھیں اور جنہیں وہ اپنی ہونے والی دلہن سمجھ رہا تھا، اس سے تعارف کروانے لگی، بات چیت شروع ہوئی، جس میں شرم و حیا کی برف توڑنے کی کوشش کی گئی، اور خدا کے حکم سے وہ دونوں شریک حیات بن گئے۔

زیادہ تر شرعی تعلیم حاصل کرنے والے اسلامی طلباء عموماً الخلیل میں اسلامک چیریٹی ایسوسی ایشن میں ملازمت کرتے تھے، جو کہ کئی تعلیمی، ترقیاتی اور سماجی ادارے چلاتی ہے۔

جمال نے جامعة رابطة الجامعيين ثانوية النموذجية میں ملازمت اختیار کی، جو کہ واضح طور پر کسی نہ کسی طرح فلسطین لبریشن آرگنائزیشن سے منسلک تھی، جس کے تحت متعدد تعلیمی ادارے بھی تھے، جیسے کہ پولی ٹیکنک انسٹیٹیوٹ اور تحقیقی مرکز، وہاں اس نے تیسری جماعت کے طلباء کو اسلامی ثقافت کی تدریس کی۔

اس اسکول میں کام کرنا اور مختلف سیاسی اور فکری پس منظر رکھنے والے بڑے تدریسی عملے کے درمیان ہونا، اس جگہ کو ایک سیاسی فورم کی طرح بنا دیتا تھا، جہاں روزمرہ کے مسائل پر بحث ہوتی تھی اور ہر ایک اپنی رائے پیش کرتا تھا اور دوسروں کی رائے پر بات کرتا تھا، جمال اکثر اپنے فکری گروپ کی نمائندگی کرتے ہوئے اس بات کا جواب دیتا کہ فلسطینی مزاحمت کو اردن سے کیوں نکالا گیا؟ اور کیوں اخوان المسلمین نے

اردن میں فلسطینی مزاحمت کا ساتھ نہیں دیا، تاکہ شاہ حسین کی حکومت کو گرا سکیں؟ جمال جواب دیتا کہ یہ مسئلہ اسلامیوں نے شروع سے ہی طے کر لیا تھا کہ وہ کبھی بھی بدامنی کا ذریعہ نہیں بنیں گے اور نہ ہی علاقے یا اس کے کسی حصے کو غیر یقینی صورت حال میں ڈالیں گے ، نہ وہ ایسے اعمال میں ملوث ہوں گے جو عوامی رائے کو ان کے خلاف کریں۔

غزہ پٹی میں جبالیہ کیمپ کے ایک گلی میں ایک نوجوان، جو اپنی عمر کے ابتدائی سالوں میں ہے، ایک جیکٹ پہنے ہوئے تھا، حالانکہ موسم اتنا سرد نہیں کہ شک پیدا ہو، اور اپنے سر پر کالے رنگ کا رومال ڈالے ہوئے تھا، تاکہ اپنی شناخت چھپا سکے، اور اپنے جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھا تاکہ اپنے کسی دوست کا انتظار کرنے کا بہانہ کر سکے ، اچانک ایک فوجی جیپ قریب آ رہی تھی جب وہ گلی کے سامنے پہنچی، تو اپنے ساتھی کی طرف سے چھوٹا سا وقفے وقفے سے سننے والا سگنل ملا جو اس کے لیے ہدف کی نگرانی کر رہا تھا، اس نے اپنی جیب سے ایک دستی بم نکالا، اسے کھینچا اور جیپ پر پھینک دیا اور دوڑتے ہوئے مڑ گیا، لیکن کوئی دھماکہ نہیں ہوا، فوجیوں نے اپنی گاڑی روک دی اور فائرنگ شروع کر دی اور نوجوان کا پیچھا کرنے لگے، جو کہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا، اس قسم کے واقعات بہت سی قیادی شخصیات کے لیے معروف تھے جو مزاحمتی گروہوں، خاص طور پر فتح میں شامل تھیں، جنہوں نے اس کی قیادت کی اور یہ ان کے لیے بڑا تشویش کا باعث بن گیا۔

کسی ملاقات میں، میرے بھائی محمود کے کچھ دوستوں نے اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا، محمود نے پوچھا کہ کیا جو کچھ ہو رہا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ ان گروپوں کو ہتھیار فراہم کر رہے ہیں، کیا وہ واقعی ایسا کرنا چاہتے ہیں ؟ کیا یہ فدائی کارروائی کو ناکام بنانے کی ایک شکل نہیں ہے؟ کیا ہمیں یہ حق ہے کہ ہم اسرائیلی خفیہ ایجنسی شاباک کی انگلیاں اس میں دیکھیں ؟ اور یہ کہ وہ ہماری خلیوں کو یہ خراب ہتھیار فراہم کر رہے ہیں؟ وہاں موجود لوگوں میں اتفاق رائے تھا کہ معاملے کی تحقیق اور پیروی کی ضرورت ہے ، تاکہ

اس کے پس پردہ حقائق کا پتہ چلایا جا سکے، خاص طور پر جیل میں قید نوجوانوں سے رابطہ کر کے معلوم کیا جا سکے کہ ان کے پاس کیا معلومات ہیں ۔......

چودھویں فصل

اس عرصے میں لبنان میں خانہ جنگی شروع ہوگئی تھی اور اس کا دائرہ کار بڑھنے لگا تھا، فلسطینی بھی اس جنگ کا حصہ بن گئے تھے ، لبنان کی جنگ کی خبریں مقبوضہ علاقوں میں بھی اپنا اثر دکھا رہی تھیں ، کیونکہ ہر گھر اور خاندان کا اس جنگ میں کچھ نہ کچھ حصہ تھا، فلسطینی قوم دو بار بکھری، پہلی بار 1948 کی نکبہ کے دوران اور دوسری بار 1967 کی نکسہ کے دوران ، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کئی خاندان تقسیم ہو گئے، کچھ خاندان کے افراد مغربی کنارے کے کیمپوں میں تھے اور کچھ لبنان میں، کچھ غزہ پٹی کے کیمپوں میں تھے اور کچھ اردن کے کیمپوں میں ، اس کے علاوہ جو لوگ ان سالوں میں ہجرت کر گئے یا کام وغیرہ کی وجہ سے نکلے اور واپس نہ آ سکے، ان کا بھی کوئی پتہ نہیں۔

فائدہ : نکبہ (Nakba) عربی لفظ ہے جس کا مطلب "تباہی" یا "آفت" ہے ، یہ اصطلاح 1948ء میں فلسطین کی عرب آبادی کی بڑے پیمانے پر بے دخلی اور انسانی بحران کے واقعے کے لیے استعمال ہوتی ہے جو اسرائیل کی ریاست کے قیام کے دوران اور اس کے بعد وقوع پذیر ہوا ، نکبہ کے دوران، تقریباً 700,000 فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا گیا، اور ان کے دیہات و قصبے تباہ کر دیے گئے یا ان پر قبضہ کر لیا گیا ، یہ دن ہر سال 15 مئی کو منایا جاتا ہے، جو کہ اسرائیل کی آزادی کے اعلان کے ایک دن بعد ہے ،فلسطینیوں کے لیے یہ دن ایک یادگار کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں وہ اپنی زمینوں، گھروں اور حقوق کی بحالی کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں ،نکبہ فلسطینی قوم کی تاریخ اور ان کی جدوجہد کی ایک اہم علامت ہے۔

نکسہ : 1967 کی عرب-اسرائیل جنگ کی طرف اشارہ کرتا ہے جسے "چھ روزہ جنگ" بھی کہا جاتا ہے ، اس

جنگ میں اسرائیل نے اردن، مصر، اور شام کے خلاف فیصلہ کن فتح حاصل کی تھی ، اس جنگ کے نتیجے میں اسرائیل نے مغربی کنارے، غزہ پٹی، مشرقی یروشلم، جزیرہ نما سینا، اور گولان ہائٹس پر قبضہ کر لیا تھا۔

.... ہماری کوئی قریبی رشتہ داری لبنان میں نہیں تھی، لیکن ہمارے بہت سے پڑوسیوں کے بیٹے، بھائی یا قریبی رشتہ دار وہاں تھے ، یہ پڑوسی اپنی اعصاب پر جنگ کی خبریں سنتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ شیئر کرتے تھے ، کچھ خواتین کے بیٹے تھے جو انقلاب میں شامل ہو کر لبنان چلے گئے تھے ، یہ خواتین اپنی اولاد کی فکر میں مبتلا تھیں اور ہر خبر پر کان لگا کر سنتی تھی، تاکہ اپنے بیٹوں کی کوئی خبر مل سکے ، مسئلہ یہ تھا کہ اس وقت فون کے ذریعے رابطہ ممکن نہیں تھا اور لبنان کا سفر مہنگا اور پیچیدہ تھا، کیونکہ اسرائیل کی لبنان کے ساتھ کوئی سفارتی تعلقات نہیں تھے اور نہ ہی کوئی سرحدی راستے ، اس کے علاوہ جو لوگ لبنان جانا چاہتے تھے، انہیں اسرائیلی خفیہ ایجنسیوں کے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا تھا ، ہماری ایک پڑوسن کے دو بیٹے لبنان کے انقلاب میں شامل تھے ، یہ عورت اس دور میں اپنے ہوش کھو بیٹھی تھی، وہ ہمیشہ پریشان اور زرد چہرے کے ساتھ رہتی تھی، کھانے سے پرہیز کرتی تھی، جس کی وجہ سے اس کا جسم کمزور ہو گیا تھا ، خواب اور بیداری میں آنے والے ڈراؤنے خواب اسے اپنے بیٹوں کے خوفناک انجام کے بارے میں پریشان کرتے رہتے تھے ، محلے کی خواتین ہر ممکن طریقے سے اسے حوصلہ دینے کی کوشش کرتی تھی ، تاکہ اس کے پاس زندگی گزارنے کی تھوڑی سی طاقت باقی رہے اور وہ عقل کے ساتھ اپنے آس پاس کی صورتحال کو سمجھ سکے اور کچھ کھانے پر قائل ہو سکے ، جنگ کے جاری رہنے اور طویل ہونے کے ساتھ ساتھ ، ایک دن صبح کے وقت کیمپ میں اس کی موت کی خبر پھیل گئی، بغیر یہ جانے کہ اس کے بیٹے کس حال میں ہیں ۔

میرا چچا زاد ابراہیم کے ہائی اسکول سے فارغ التحصیل ہونے پر اس کے سامنے دو آپشن تھے : یا تو وہ مغربی کنارے کی کسی یونیورسٹی، مثلاً النجاح یا بیرزیت میں تعلیم حاصل کرے، یا اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ لے، جو اپنے پہلے سال میں تقریباً بیس طالب علموں کے ساتھ شروع ہوئی تھی ، اس سال یہ بات ہو رہی تھی کہ

صرف چند درجن طلبہ کو داخلہ ملے گا اور عربی زبان کالج کا افتتاح بھی کیا جا رہا ہے، اس کے علاوہ شریعہ اور اصول الدین کے کالج بھی موجود تھے ، اس نوخیز یونیورسٹی کے مستقبل کے بارے میں کسی کو بھی یقین نہیں تھا کہ یہ کامیاب ہوگی، کیونکہ اس کے پاس نہ تو عمارتیں تھی ، طلبہ دوپہر کے بعد الازھر الثانوی کی عمارت میں پڑھتے تھے اور نہ ہی کوئی تعلیمی عملہ تھا ، وہاں الازھر اسکول کے چند شیخ پڑھاتے تھے، نہ ہی بجٹ کا کوئی ذکر تھا اور نہ ہی یونیورسٹی کی بنیادی ضروریات موجود تھیں ۔

ابراہیم نے اپنی تعلیم مکمل کر کے امتحانات دیے ، جن کے نتائج نے اس کی غیر معمولی قابلیت کو ظاہر کیا، اس نے شعبۂ سائنس میں 91٪ حاصل کیے ، میری والدہ نے میرے بھائی محمود سے ابراہیم کی یونیورسٹی کی تعلیم کے بارے میں بات کی اور تجویز دی کہ وہ محمد کے ساتھ یونیورسٹی آف بیرزیت میں پڑھائی کرے ، اسی شام جب ہم سب گھر میں جمع تھے، محمد نے ابراہیم کو بلایا اور اپنے کمرے میں بٹھایا اور اسے کہا کہ وہ آنے والے دنوں میں رام اللہ جا کر یونیورسٹی آف بیرزیت میں داخلہ لے ، ابراہیم نے بیرزیت میں داخلہ لینے میں ہچکچاہٹ ظاہر کی، تو محمود نے تشویش اور شک کے ساتھ پوچھا، تو پھر کہاں پڑھنا چاہتے ہو ؟ ابراہیم نے غیر یقینی طور پر جواب دیا: ممکن ہے کہ میں اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ لوں ، محمود نے حیرت سے کہا: اسلامی یونیورسٹی ؟ کیا تم الازھر میں کھولی گئی یونیورسٹی کی بات کر رہے ہو ؟ ابراہیم نے جواب دیا: ممکن ہے، ممکن ہے... میری والدہ کمرے میں داخل ہوئیں اور گفتگو سن رہی تھی ، کہنے لگی ، ابراہیم، کیا تم بیرزیت میں پڑھائی کے اخراجات کی وجہ سے بچ رہے ہو؟ بیٹے، تم اور تمہارے چچا کے بیٹے بھائیوں کی طرح ہو، جو ایک کے لیے کافی ہے وہ دوسرے کے لیے بھی کافی ہے، اور ہمارا رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے ، الحمدللہ، ہمارا حال اب ٹھیک ہے...

میری والدہ نے ابراہیم کے دل میں چھپی بات کو سمجھ لیا تھا، لیکن ابراہیم نے اسے چھپانے کی کوشش کی اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا: اللہ آپ کو ہمارے لیے سلامت رکھے، مگر میں غزہ سے باہر نہیں جانا چاہتا ،

محمود نے اپنی جیب سے کچھ اردنی نوٹ نکال کر ابراہیم کو دیے اور کہا : یہ پہلے سمسٹر کی فیس، داخلہ فیس، سفر کے اخراجات اور کچھ خرچ کے پیسے ہیں، جا کر بیرزیت میں داخلہ لے لو ، ابراہیم نے لینے سے انکار کر دیا اور محمود کا ہاتھ پیچھے دھکیل دیا، تو میری والدہ نے اسے ڈانٹا : اب لے لو اور آرام سے سوچو، جہاں چاہو داخلہ لے لو، ہم چاہتے ہیں کہ تم محمد کے ساتھ بیرزیت میں پڑھو، لیکن آخر میں فیصلہ تمہارا ہوگا... لے لو ،لے لو ، ابراہیم نے سر جھکاتے ہوئے پیسے لے لیے اور ایسا لگتا تھا کہ اس نے اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ لینے کا فیصلہ کر لیا ہے، کیونکہ کسی بھی حساب سے وہ بیرزیت یا کسی اور یونیورسٹی کے مقابلے میں آدھی لاگت پر تعلیم حاصل کر سکتا تھا ، وہ اپنے خاندان پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا تھا، اور اس کے علاوہ غزہ میں رہنے سے وہ کبھی کبھار کام کر کے کچھ پیسے کما سکتا تھا جو خاندان کے اخراجات میں کمی لا سکتے تھے ، چنانچہ وہ الازہر اسکول کی عمارت کی طرف گیا جہاں اس نے اسلامی یونیورسٹی میں داخلے کے لیے رجسٹریشن کرائی اور اسے (عربی زبان) میں داخلہ مل گیا۔

جب وہ یہ خبر لے کر واپس آیا تو اس نے پہلے مجھے بتایا اور جیب سے باقی رقم نکال کر مجھے دی تاکہ میں اسے اپنی ماں کو واپس دوں کیونکہ وہ ان سے شرمندہ تھا ، لیکن میں نے اسے لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا : میرے اور تمہارے درمیان کیا ہے اور مجھے حکومت کے درمیان کیوں گھسیٹ رہے ہو، خود جا کر ان کے ساتھ معاملہ کرو ، پھر میں نے کہا : "آؤ" اور اسے باورچی خانے کی طرف لے گیا جہاں میری ماں کھانا پکا رہی تھی ، میں نے کہا : "ابراہیم کو مبارکباد دو، اسے اسلامی یونیورسٹی کے عربی زبان کے شعبے میں داخلہ مل گیا ہے ، میری ماں نے اس کی طرف دیکھا اور کچھ کہنے سے پہلے ہی اس نے کہا : اللہ تمہیں مبارک کرے، یہ وہ پیسے ہیں جو بچے ہیں ، میری ماں کی آنکھوں میں احترام اور قدردانی سے آنسو بھر آئے، اس نے پیسے لے کر اسے پانچ دینار واپس دیتے ہوئے کہا : یہ خرچ کرو یا کسی اور چیز میں استعمال کرو، تمہیں اس کی ابھی ضرورت ہے ، اس نے انکار کرنے کی کوشش کی لیکن میری ماں نے اس پر زور دیا کہ وہ لے لے ، شرم

سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور اس نے کہا: اللہ آپ کو سلامت رکھے، اللہ آپ کی بھلائی بڑھائے۔

اس وقت اسلامی یونیورسٹی صرف ایک خواب تھی، اور کچھ طلبہ جو وہاں تعلیم حاصل کرنے پر مجبور تھے کیونکہ ان کے پاس دیگر مواقع نہیں تھے ، الازہر دینی ادارے کی عمارت جو غزہ کے شارع الشلاشینی پر واقع تھی، میں صبح کی پڑھائی ختم ہونے کے بعد وہاں کے طلبہ اپنے گھروں کو چلے جاتے، اسلامی یونیورسٹی کے طلبہ آتے، تقریباً بیس طلبہ نے شریعت اور اصول دین کی فیکلٹی میں پہلے سال کی تعلیم مکمل کی تھی، اور چند درجن نئے طلبہ شریعت، اصول دین اور عربی زبان کی فیکلٹی میں شامل ہوئے تھے ، ہر گروپ ایک کلاس روم میں داخل ہوتا، اور ان کے پاس ایک شیخ آتا جو ان کے مخصوص مضمون کی تعلیم دیتا، ایک شیخ باہر نکلتا اور دوسرا شیخ اندر آتا، اسی طرح چار یا پانچ متواتر لیکچرز ہوتے جیسے ثانوی اسکول میں بغیر کسی نمایاں تبدیلی کے۔

ایسے تعلیمی ماحول میں ابراہیم داخل ہوا بغیر کسی احساس کے کہ یہ ایک یونیورسٹی ہے یا کوئی یونیورسٹی کی زندگی ہے جیسے اس نے محمود سے مصر کی یونیورسٹی کی زندگی کے بارے میں سنا تھا، یا محمد سے بیرزیت کی زندگی کے بارے میں سنا تھا، لیکن وہ جانتا تھا کہ اس کا حق نہیں ہے کہ وہ خاندان پر ایک پیسے کا بھی بوجھ ڈالے اور اس کی خودداری اسے کسی اور راستے پر چلنے سے روکتی تھی۔

ایک ہی وقت میں اس کی ذات قادر تھی اس بات پر کہ وہ بازار میں سبزیوں کے اسٹال پر کام دوبارہ شروع کر سکے کیونکہ اس کی یونیورسٹی کی پڑھائی شام کے وقت ہوتی تھی اور وہ صبح کے وقت بہترین طریقے سے کام کر سکتا تھا، لیکن وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے یہ بات اپنی ماں یا محمود کے سامنے ذکر بھی کی تو ایک قیامت برپا ہو جائے گی ، لہذا اس نے ایک اور طریقہ سوچنا شروع کیا تاکہ وہ بغیر ماں کو ناراض کیے اور بغیر محمود کے جذبات کو بھڑکائے کام اور کمائی کر سکے ، اس کا ایک دوست جو کہ مسجد کے نوجوانوں میں سے تھا، تعمیراتی کام کرتا تھا اور وہ 1948 میں مقبوضہ علاقوں میں کام کرنے سے انکار کرتا تھا اور صرف غزہ میں کام کرتا

تھا، باوجود کہ وہاں کی اجرتیں بہت کم تھیں ، ابراہیم نے اس کے ساتھ بات کی کہ جب بھی کوئی کام ملے تو وہ اس کے ساتھ بطور معاون کام کرنے کے لیے تیار ہے، اور اس کے دوست نے یہ بات قبول کرلی ، ابراہیم نے یہ بات ہم سے اس طرح پیش کی کہ وہ اپنے دوست کے ساتھ تعمیراتی کام سیکھنا چاہتا ہے نہ کہ کمائی کے لیے، اور اس صورت حال میں گھر والوں کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔

ان دنوں جب انہیں کسی گھر میں کام ملتا، تو وہ صبح سویرے کام پر نکل جاتا، اور کام کے کپڑے پہن لیتا ، اگر کام قریب ہوتا تو وہ کام کے بعد واپس آکر کپڑے بدل لیتا اور یونیورسٹی چلا جاتا، اور اگر کام دور ہوتا تو وہ اپنے ساتھ کپڑے اور کتابیں لے جاتا، اور دوپہر میں موقع ملنے پر کپڑے بدل کر یونیورسٹی چلا جاتا، یا کبھی کبھار کام کے کپڑوں میں ہی لیکچرز میں شرکت کرتا ، اکثر اوقات وہ جمعہ کے دن بھی کام کرتا ، نماز جمعہ کے لیے مسجد جاتا اور اس کے بعد دوبارہ کام شروع کرتا ، ابراہیم اس بات سے مطمئن تھا کہ اس نے اپنی ضروریات و اخراجات کا خود انتظام کرنا شروع کر دیا ہے، اور کچھ عرصے بعد اس نے ایک سائیکل خرید لی تاکہ گھر، کام اور یونیورسٹی کے درمیان آنے جانے میں آسانی ہو اور خرچ بھی بچ سکے۔

مقبوضہ علاقوں میں زندگی کا معیار نمایاں طور پر بہتر ہونا شروع ہو چکا تھا ، مختلف پیشہ ورانہ تنظیموں میں سیاسی اور فکری جماعتیں زیادہ نمایاں ہو رہی تھی ، انجینئرز کی ایسوسی ایشن میں تین اہم رجحانات نمایاں ہورہے تھے ، تحریک فتح ، تحریک الجبھۃ الیساریۃ ، اور اسلام پسند گروہ ، میرا بھائی محمود انجینئرز کی ایسوسی ایشن میں فتح کے فعال کارکنوں میں سے تھا، اور وہ اور اس کے ساتھی زیادہ سے زیادہ انجینئرز کے ووٹ حاصل کرنے کی کوشش میں تھے تاکہ انتظامی کمیٹی کے انتخابات میں کامیابی حاصل کر سکیں، جیسے کہ دوسرے دو گروہ بھی کرتے تھے ، یہی حال ڈاکٹروں کی تنظیم اور وکلاء کی نقابت کا بھی تھا ، ان انجمنوں اور نقابتی تنظیموں میں مقابلہ زوروں پر تھا، جہاں ہر فریم ورک اپنے کارکنوں کی ٹیمیں تشکیل دیتا تھا ، وہ اپنے ساتھیوں کے گھروں اور کام کی جگہوں پر جاکر انہیں انتخابات میں حصہ لینے اور ان کے علاوہ کسی اور کو ووٹ نہ دینے پر قائل

کرنے کی کوشش کرتے تھے ، بعض اوقات دو طاقتیں تیسری طاقت کے خلاف اتحاد کرتی تھیں ، تاکہ اس سے تنظیم چھین سکیں ، چونکہ الجبھۃ الیساریۃ کے لوگ نقابتی کاموں میں پہلے سے سرگرم اور منظم ہونے میں بہتر تھے ،اس لیے فتح نے کئی بار اسلامیوں کے ساتھ اتحاد کیا تاکہ الجبھۃ الیساریۃ پر قابو پا سکیں۔

اس وقت کی سب سے نمایاں تصویر غزہ میں ہلال احمر انجمن کے انتخابات کی تھی، جہاں الجبھۃ الیساریۃ اس انجمن میں مضبوط اور طاقتور تھا، جس کی وجہ سے فتح اور اسلامیوں کو اتحاد کرنا پڑا تاکہ وہ جیت سکیں اور بائیں بازو والوں کو شکست دے سکیں ، یہ صورتحال جھگڑوں تک پہنچ گئی جس میں اسلامیوں نے اسلامی یونیورسٹی میں بڑی تعداد میں لوگوں کو جمع کیا، اور حالیہ دنوں میں یہ صورتحال نمایاں طور پر بڑھی۔

میرے بھائی محمود نے انجمن انجینئرز کے انتخابات میں حصہ لیا، جہاں فتح کے لوگ زیادہ سے زیادہ انجینئروں کو جیتنے کے لیے منصوبہ بندی کر رہے تھے ، ان کا اجلاس ہر دو یا تین دن بعد ہوتا تھا جہاں وہ انجینئروں کے نام دیکھتے، ان سے رابطے کے نتائج کا جائزہ لیتے اور مخالف قوتوں کے کام کی تشخیص کرتے، اور پھر مزید جیتنے کے لیے کام شروع کرتے ، اسی طرح انتخابات کے دن انہوں نے کچھ متذبذب انجینئروں کو لانے کے لیے اپنی گاڑیاں استعمال کیں ، یہی حال طبی انجمن اور انجمن انجینئرز میں تھا، اور دیگر پیشہ ورانہ نقابتی تنظیموں میں بھی ، یہ واضح تھا کہ اسلامیوں نے خاص طور پر یونیورسٹی کے طلباء پر اور عمومی طور پر ہائی اسکول کے طلباء پر توجہ مرکوز کی تھی ، مغربی کنارے میں مقبوضہ زمینوں کی تمام یونیورسٹیوں اور اداروں میں نوجوانوں کی ثقافتی، کھیلوں کی اور سماجی سرگرمیاں ہوتی تھیں جن کا مقصد نوجوانوں کو جمع کرنا، منظم کرنا اور فکری و عقیدتی طور پر تربیت دینا تھا۔

شیخ احمد خود غزہ میں طلباء کی سرگرمیوں کی نگرانی کرتے تھے ، وہ اسلامی یونیورسٹی کے چند فعال طلباء کو بلاتے تھے تاکہ طلباء کے حالات سے واقف ہو سکیں اور انہیں ہفتے میں ایک بار آنے کی تاکید کرتے تھے ، وہ اپنے ساتھ دوسرے قریبی نوجوانوں کو بھی بلاتے تھے اور ان کے ساتھ یونیورسٹی میں اسلامی کاموں، انتخابات کی

تیاری، عام نوجوانوں کے ساتھ کام کرنے کے طریقوں اور ان کے قریب پہنچنے کے طریقوں پر بات چیت کرتے تھے، تاکہ انہیں اسلامیوں کے حق میں جیتا جا سکے ، یہاں تک کہ جب انتخابات ہوئیں اور کامیابی حاصل ہوئی، تو انہوں نے طلباء کو ثانوی اسکولوں میں کام کرنے کی ہدایت دی تاکہ وہ اسلامی یونیورسٹی یا دوسری جامعات میں جانے والے طلباء کو تیار کر سکیں، تاکہ وہ اسلامی جماعتوں کے جھنڈے تلے آنے اور اسلامی کام کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔

ابراہیم اس دور میں یونیورسٹی کے ایک سرگرم کارکن تھے اور شیخ احمد ان پر اور کچھ دوسرے طلباء پر بہت زیادہ اعتماد کرتے تھے ، وہ اسلامی جماعت کے ان امیدواروں میں سے ایک تھے جو طلباء تنظیم کے انتخابات میں کامیاب ہوئے تھے ، وہ صبح کے وقت کچھ پیسے کمانے کے لیے اپنے کام میں مصروف رہتے، دوپہر کے بعد پڑھائی کرتے اور شام کے وقت اپنے اسلامی کام میں مشغول ہوتے ، ابراہیم ہمیشہ ایک روشنی کی مانند حرکت اور سرگرمی میں رہتے ، جب رات آتی اور وہ گھر واپس آتے ، تو کھانا کھانے کے بعد اپنی کتابیں پڑھنے بیٹھ جاتے ، اکثر وہ کتاب کے ساتھ ہی سو جاتے ، تو میں جا کر کتاب اس کے سینے سے ہٹا کر اس کے پاس رکھ دیتا اور اسے ڈھانپ دیتا ، اس کے اس عمل سے میرے دل میں اس کے لیے احترام اور قدر بڑھتی جاتی... اور میں اپنی ثانوی تعلیم کے تیسرے سال میں اپنی پڑھائی میں زیادہ محنت کرتا تھا اور محمد اپنی پڑھائی میں شاندار ترقی کر رہا تھا اور وہ بئرزیت یونیورسٹی کے سائنس کالج میں پڑھ رہا تھا۔

رام اللہ میں رہائش مناسب نہیں تھی، اس لئے اس نے بئرزیت میں ہی نیا مکان ڈھونڈنے کی کوشش کی اور بڑی مشکل سے اسے وہاں رہائش ملی ، وہ اسلامی جماعت کے کچھ نوجوانوں کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہتا تھا ، یہ مکان ایک شاندار گھر کے پیچھے کی طرف تین کمروں پر مشتمل تھا ، یہ مکان رام اللہ کے مکان سے بالکل مختلف تھا ، محمد کے گھر کے ساتھی سب ہی اسلامی جماعت کے متدین نوجوان تھے ، یہ گھر سال کے آغاز سے ہی جماعت کے لیے ایک مرکز بن گیا تھا، جہاں جماعت کے اکثر سرگرم کارکن آتے اور اپنی میٹنگز

کرتے، اور یونیورسٹی میں طلباء کے کام کی منصوبہ بندی کرتے ، محمد کا اسلامی کام کی قیادت میں بڑا اہم کردار تھا، جس کی وجہ سے اسے طالبات کے ساتھ رابطہ کرنا پڑتا تھا جو جماعت کی حمایتی تھی ، کچھ طالبات نے حجاب پہننا شروع کر دیا تھا، جو برزیت یونیورسٹی میں ایک اہم تبدیلی تھی ، محمد انہیں گروپ کی صورت میں بلاتا، اور وہ دو یا تین کی تعداد میں آتی ، وہ یونیورسٹی کے کسی راہداری میں بات کرتے یا کیفے ٹیریا میں بیٹھتے ، وہ اپنی نظریں نیچی رکھتے اور وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھتی ، وہ انہیں یونیورسٹی میں کام ترتیب دینے کے لیے ہدایت دیتے اور ان کا کردار سمجھاتے۔

جامعات میں طلبا کی سرگرمیاں صرف ایک جامعہ تک محدود نہیں رہی ، بلکہ یہ تمام طلبہ تنظیموں کی توجہ کا مرکز بن گئی ہیں ہر طلباء گروپ ایک یونیورسٹی میں اپنے ہم منصب گروپ سے دوسرے یونیورسٹیوں اور اداروں میں رابطہ کرنے کی کوشش کرتا ، مثال کے طور پر، بیرزیت میں فتح کی طلبہ تحریک اپنے ہم جماعتوں سے جامعہ النجاح اور دوسری یونیورسٹیوں میں رابطہ کرتی ، اسی طرح اسلامی بلاک کے طلبا بھی اکثر النجاح یونیورسٹی سے ایک وفد لے کر بیرزیت یونیورسٹی کے اپنے ہم جماعتوں سے ملنے جاتے یا اس کے برعکس، تجربات اور مشوروں کا تبادلہ کرتے اور مشترکہ سرگرمیوں کو منظم کرتے ، اسلامی یونیورسٹی کی چھوٹے اور ابتدائی مرحلے کے باوجود، اور اس میں طلبا کی سرگرمیوں کی محدودیت کے باوجود، اس نے بھی ان سرگرمیوں میں اپنا کردار ادا کیا اور اکثر محمد اور ابراہیم ان مشترکہ سرگرمیوں میں ملتے رہتے تھے جو منعقد کی جاتی تھی ۔

اکثر ایسا ہوتا تھا کہ بیرزیت یونیورسٹی کے کارکن نابُلس شہر میں واقع النجاح نیشنل یونیورسٹی جایا کرتے تھے ، وہاں آزادی کی سطح بیرزیت یونیورسٹی سے کم تھی، لیکن غزہ کے شہر کی حالت سے دسیوں گنا زیادہ تھی، جہاں غیر معمولی حد تک قدامت پسندی موجود تھی ، یہاں تک کہ اسلامک سرگرمیوں کے پھیلاؤ سے پہلے بھی ، شاید یہی ایک وجہ تھی کہ اس علاقے میں اسلامی سرگرمیوں کا پھیلاؤ دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ

ہوا۔

الخلیل یونیورسٹی، نابلس اور غزہ کے درمیان میں تھی، یہ غزہ سے کم محفوظ تھی اور النجاح یونیورسٹی سے زیادہ محفوظ تھی ، ان طلبا کی تحریکات کسی واضح نگرانی یا قابض افواج کی طرف سے رکاوٹوں سے آزاد تھی ، اگرچہ کچھ نگرانی ہوتی تھی لیکن وہ ظاہر نہیں ہوتی تھی، لہٰذا یہ طلبا آسانی سے حرکت کرتے تھے اور اپنی سرگرمیاں بغیر کسی پابندی کے کرتے تھے ،خاص طور پر یہ سرگرمیاں فکری تنازعات اور داخلی مقابلوں تک مختلف نظریات کے درمیان محدود رہتی تھی ، اس کا اسرائیلی قابض افواج پر کوئی واضح اثر نہیں ہوتا تھا۔

کچھ قومی مواقع پر یا جب خاص واقعات رونما ہوتے اور قابض افواج کو معلومات یا شک ہوتا ہے کہ جامعات میں حادثات پیش آنے والے ہیں تو وہ طلبا کو وہاں پہنچنے سے روکنے کے لیے سڑکوں پر رکاوٹیں لگا دیتے ، طلبا کو واپس بھیج دیتے ، یا بڑی افواج کے ساتھ جامعات کا محاصرہ کر دیتے اور طلبا کو باہر نکلنے نہیں دیتے، اور ان کی شور و غل اور سرگرمیوں کو قریبی علاقوں میں منتقل کر دیتے ، بعض اوقات طلبا اور فوجیوں کے درمیان کچھ جھگڑے ہوتے ، اس دوران طلباء پتھر پھینکتے اور زوردار قومی نعرے لگاتے اور فوجی آنسو گیس کے گولے یا سر کے اوپر فائرنگ کرتے اور کبھی کبھار ٹانگوں پر بھی فائرنگ کرتے ، کبھی کبھار اس کے بعد کچھ چھاپے اور کچھ طلباء کی گرفتاریاں بھی ہوتی ، جنہیں کچھ وقت کے لیے حراست میں رکھا جاتا ہے، کچھ کو زیادہ لمبے عرصے تک قید کیا جاتا ہے، پھر زندگی اپنی معمول پر آجاتی ہے۔

کرمل ہائی اسکول میں جہاں میں پڑھتا تھا ، اسلامی بلاک کے طلباء نے، جن کی نگرانی میرے چچا ابراہیم کر رہے تھے ، یروشلم اور فلسطین کے دیگر سیاحتی مقامات کے لیے ایک سفر کا اہتمام کیا، انہوں نے ان لوگوں کے لیے رجسٹریشن شروع کر دی ہے کہ جو اس سفر میں شامل ہونا چاہتے ہیں اور اس کے لیے فیس ادا کریں ، ایک سرگرم کارکن میرے پاس آیا اور اس سفر میں شرکت کی پیشکش کی تو میں ہچکچایا اور اس سے کہا کہ میں اس پر غور کروں گا اور بعد میں جواب دوں گا ، گھر پہنچ کر ابراہیم نے مجھ سے بات کی کہ مجھے اس سفر

کے لیے رجسٹریشن کرانی چاہیے اور اس کا حصہ بنا چاہیے ، انہوں نے کہا کہ اس موقع کو ضائع کرنا نقصان دہ ہوگا کیونکہ یہ ایک موقع ہے کہ ہم غزہ سے نکل کر مغربی کنارے، یروشلم اور 1948 کے مقبوضہ علاقے کو دیکھ سکیں اور اپنی زمین کو جان سکیں ، انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ اگر میرے لیے سفر کی فیس میں کوئی مسئلہ ہے تو وہ اسے میرے لیے ادا کر سکتے ہیں ، میں نے مسکرا کر انہیں بتایا کہ میری مالی حالت ٹھیک ہے اور مسئلہ فیس کا نہیں بلکہ اس طرح کے اسفار میں حصہ لینے کے اصول کا ہے ، انہوں نے مجھ پر زور دیا کہ میں شرکت کروں، تو میں نے وعدہ کرلیا ، اور اگلے دن میں نے سفر کے لیے رجسٹریشن کرا دی ، اسکول میں اسلامی بلاک کے انچارج کو فیس دے دی ، جمعہ کے دن ہم صبح سویرے کے وقت تیار ہو کر نکلے، اسکول کے دروازے پر جمع ہوئے، ہر ایک اپنے کھانے کا تھیلا ساتھ لایا تھا ، مجھے معلوم تھا کہ ابراہیم ہمارے ساتھ ہوں گے کیونکہ وہ اس سفر کے اصلی نگران ہیں ، بس میں انہوں نے سفر کی دعا پڑھی اور ہم سب نے ان کے پیچھے دہرائی :

بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ، سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ، وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ، اللهم إنا نسألكَ في سفرنا هذا البرَّ والتقوى، ومن العمل ما ترضى .

جب بھی ہم کسی مقام یا فلسطینی گاؤں یا بستی کے آثار کے پاس سے گزرتے جو جنگ میں تباہ ہو گئے تھے یا یہودیوں نے عربیت کے نشانات مٹانے کے لیے تباہ کر دیے تھے، تو ابراہیم یا ان کے ساتھ موجود کوئی دوسرا نوجوان ہمیں ان کے بارے میں بتاتا اور وضاحت کرتا کہ یہ اس طرح ہے ، یہ عسقلان کے آثار ہیں، یہ جمیمہ گاؤں کا مرکز ہے، یہاں اشدود کی مسجد کے آثار ہیں، اور وہاں اس کی اسکول کے آثار ہیں اور یہ اس کے کچھ گھروں کے آثار ہیں ، ہمارا پہلا پڑاؤ ایک خوبصورت پہاڑی پر تھا جس پر ایک عیسائی خانقاہ تھی ، ہم وہاں بس سے اترے اور ابراہیم نے اس مقام کے بارے میں بتایا جسے آج "دیر اللطرون" کے نام سے جانا جاتا ہے اور کہا کہ اس مقام پر ابو عبیدہ عامر بن الجراح کی قیادت میں مسلمانوں کی فوج نے فلسطین فتح

کرنے کے لیے معرکہ عمواس لڑی تھی۔

ابراہیم جھک گیا جب وہ جنگ کے بارے میں کچھ تفصیلات بیان کر رہا تھا کہ بہت سے صحابہ اس میں شہید ہوئے تھے، اور مٹی کی ایک مٹھی بھر لی جس کا رنگ سرخی مائل تھا، اور کہا: یہ مٹی گواہ ہے کہ یہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے خون سے ملی ہوئی ہے، اس کی آنکھوں میں آنسو جھلکنے لگے اور حاضرین پر ایک گہرا سکوت چھا گیا، سوائے کسی چڑیا کی چہچہاہٹ یا ہوا کے جھونکے سے درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ کے، پھر اس نے کہا: یہ مٹی ہماری مٹی ہے، اور یہ زمین ہماری زمین ہے، اسے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے اپنے پاک خون سے سینچا ہے اور اسے دوبارہ پاک خون سے سینچنا ہوگا تاکہ یہ پھر سے آزاد ہو سکے میں اس بات سے حیران رہ گیا، خاص طور پر جب یہ بات ابراہیم سے آئی، جو گھر میں گونگا اور بہرا تھا، لیکن یہاں اپنی خیال کی بہترین منظر کشی کر رہا تھا، اور وہ ان تمام جگہوں کے بارے میں بہت سی تفصیلی معلومات رکھتا تھا جن سے ہم گزر رہے تھے، اور میری نظر میں اس کی عظمت اور احترام بڑھتا جا رہا تھا۔

بس دوبارہ چل پڑی اور فاصلہ طے کرتی رہی، ابراہیم کے ساتھی نے پہاڑ کے دامن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہاں اس پہاڑ کے دامن میں دیریاسین گاؤں واقع ہے، اور اس نے اس گاؤں پر ہونے والے قتل عام کے بارے میں بتانا شروع کیا، جس کی شہرت پھیل گئی تھی اور یہ اہل فلسطین پر یہودی مظالم کی علامت بن گیا تھا، تھوڑی دیر بعد ہم القدس پہنچے، پھر مسجد اقصیٰ کی دیواروں اور قدیم شہر کی طرف گئے، ہم قدیم القدس کی گلیوں میں پیدل داخل ہوئے، دونوں طرف تجارتی دکانیں تھی، جو مختلف قسم کی روایتی اشیاء فروخت کر رہی تھی، جو کچھ بھی آپ چاہتے ہیں، خاص طور پر لکڑی کی دستکاری جو سیاح خریدتے ہیں، قدیم القدس کی گلیوں اور کوچوں میں سیاحوں کی بھیڑ تھی جو دنیا بھر سے آئے تھے، ہر کونے پر آپ کو قابض فوج کے کچھ سپاہی نظر آتے جو اپنی بندوقیں اٹھائے ہر حرکت پر نظر رکھتے تھے۔

ہم مسجد اقصیٰ کے ایک دروازے کے قریب پہنچے، اس دروازے پر قابض فوج کے کئی سپاہی موجود تھے جو ہر

زائر کو چیک کر رہے تھے، اور اس کی شناختی کارڈ کو دیکھ رہے تھے، اور کبھی کبھی اس کا نمبر نوٹ کرتے تھے ، ہم نے اپنی شناختی کارڈ کے نمبر درج کرانے کے بعد مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے اور ایک شیخ کی آواز لاؤڈ اسپیکر پر قرآن کریم کی آیات کی تلاوت کر رہی تھی ، قبۃ الصخرہ اپنے چمکدار رنگوں کے ساتھ اس اونچی پہاڑی پر براجمان تھی، ہم پتھر کی سیڑھیوں پر چڑھ کر وہاں پہنچے، اور مسجد اقصیٰ کے دروازے تک پہنچ گئے ، ایک خشوع اور خوف کا احساس میرے اندر پیدا ہوا جب میں نے مسجد کے اندر اپنے پہلے قدم رکھے ، اپنے جوتے اپنے ہاتھ میں لے کر ہم نے مسجد میں تحیۃ المسجد کی دو رکعت نماز ادا کی اور پھر جمعہ کے خطیب کا انتظار کرنے کے لئے بیٹھ گئے ، خطیب منبر پر چڑھا اور ایک معمولی خطبہ دیا جس میں کچھ بھی نیا یا خاص نہیں تھا جو ہمارے غزہ کے مشائخ کے خطبوں سے مختلف ہو ، پھر ہم نے جمعہ کی نماز اور اس کی سنت ادا کی اور لوگ مسجد سے باہر نکلنے لگے ، ہم دوبارہ جمع ہوئے اور مسجد قبۃ الصخرہ کی طرف سیڑھیاں چڑھنے لگے ، ابراہیم ہمیں مسجد اور اس چٹان کے بارے میں بتانے لگا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے سفر پر آسمان کی طرف گئے تھے اور انہوں نے بتایا کہ اسراء مکہ سے القدس تک تھا اور معراج القدس سے آسمان کی طرف سدرۃ المنتھیٰ تک تھا ، پھر انہوں نے وضاحت کی کہ القدس زمین پر ایک اہم پڑاؤ کیوں تھا ؟ یہ ممکن تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے براہ راست آسمان کی طرف چلے جاتے، لیکن اللہ کی حکمت نے اس بات کو ضروری سمجھا کہ وہ القدس سے گزریں تاکہ مسلمانوں کو یہ واضح ہو جائے کہ القدس ان کے عقیدے، دین اور آسمان کی طرف ان کی راہ میں خاص اہمیت رکھتا ہے ، ابراہیم بار بار اس بات پر زور دیتے رہے کہ یہاں سے، القدس سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف گئے ، میرے جسم میں ایک لرزش اور کپکپی پیدا ہوئی جسے میں اپنے ساتھ کھڑے لوگوں سے جنہوں نے بھی وہ احساس محسوس کیا چھپا نہ سکا۔

ہم غزہ کے کیمپوں سے تھے اور پہلی بار القدس کی زیارت کر رہے تھے ، جو ہمارے ذہنوں میں پہلے محض

ایک نام تھا جس کا کچھ اثر ہوتا تھا اور آج ہم اس مقدس مقام پر کھڑے تھے ، جس کے ارد گرد قابض فوجی موجود تھے جو جسے چاہیں اندر جانے دیتے اور جسے چاہیں جانے دیتے اور یہ مسلمانوں اور عربوں کی امت اپنی لاکھوں کی تعداد، دولت اور فوجوں کے ساتھ اسے آزاد کرانے اور ان لعنتی غاصبوں سے نجات دلانے میں ناکام تھی ، ان لمحات سے ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آنے لگی کہ اس تنازعے کا ایک اور پہلو ہے جو ہم پہلے نہیں سمجھتے تھے ، یہ صرف زمین اور اس سے نکالے گئے لوگوں کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک عقیدے اور دین کی جنگ ہے، ایک تہذیب، تاریخ اور وجود کی جنگ ، ابراہیم اور اس سفر کے منتظمین نے اس معنی کو ہماری نفوس میں اچھی طرح بٹھا دیا تھا ، انہی خیالات کے دوران ابراہیم کی آواز نے ہمیں اعلان کیا کہ اب ہمیں بس کی طرف جانا ہے تاکہ ہم الخلیل شہر کی طرف روانہ ہوں، جہاں ہم حرم ابراہیمی شریف کی زیارت کریں گے ، اس آواز کی تکرار ہوئی تو ہم بوڑھے قدموں کو زمین سے اٹھا کر بوجھل دلوں کے ساتھ بوجھل قدموں سے دروازے کی طرف چلنے لگے، کیونکہ اس مقام کی عظمت، تقدس اور یہاں کے جذبات آپ کو یہاں سے خوشی سے جدا ہونے نہیں دیتے اور آپ چاہیں گے کہ آپ یہیں رہیں۔

راستے بھر بس کی جانب جاتے ہوئے، ابراہیم کے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہے، جو انہوں نے صلاح الدین کے منبر کے بارے میں کہے تھے جسے القدس کی آزادی سے پہلے کے سالوں میں تیار کیا گیا تھا اور ان کے سامنے رکھا گیا تھا تاکہ ان کے لیے ایک محرک اور حوصلہ افزائی کا ذریعہ بنے، تاکہ وہ صلیبیوں سے القدس کو آزاد کرا سکے ، اور کیسے یہودی ہاتھوں نے ۱۹۶۸ء میں اس کو جلایا ، میں اپنے آپ سے سوال کرتا کہ کیا اس دور کے لیے کوئی صلاح الدین ہے؟

بس ہمیں لے کر الخلیل کی جانب روانہ ہوئی، جو اپنے راستے میں بیت جالا، پھر بیت لحم اور پھر الدہیشہ کیمپ سے گزری ، ہم نے کیمپ کو اس کی بھری بھری عمارتوں اور سادگی سے پہچانا ، ابراہیم نے پہچان لیا کہ یہ الدہیشہ کیمپ ہے، پھر اس نے دوسری طرف اشارہ کیا ، دیکھنے میں آیا کہ ایک خیمہ ایک خالی زمین پر نصب

ہے اور درجنوں سپاہی اس کی حفاظت کر رہے ہیں ، اس نے کہا: یہ خیمہ حاخام موشی لیونگر کا ہے، جو الخلیل شہر کے بڑے آبادکاروں میں سے ایک ہے ، وہ الدہیشہ کیمپ کے سامنے احتجاج کر رہا تھا ، کیونکہ قابض فوج آبادکاروں کو الخلیل جاتے ہوئے کیمپ کے لڑکوں کے پتھروں سے محفوظ نہیں رکھ سکتی جو دن رات ان پر برسائے جاتے تھے ، اس کے بعد ہم العروب کیمپ سے بھی گزرے، اور کچھ وقت کے بعد ہم الخلیل شہر پہنچ گئے۔

جب ہم شہر کے قلب میں داخل ہوئے، تو دیکھا کہ یہ قابض فوج کی ایک بڑی چھاؤنی کی مانند ہے ، یہاں وہاں سینکڑوں فوجی، اور درجنوں فوجی گاڑیاں حساس مقامات پر حرکت کر رہی ہیں، اور کئی مقامات اور عمارتوں کو خاردار تاروں سے گھیر رکھا ہے۔

۱۹۷۰ کے وسط سے ہی یہودی آبادکار قابض فوج کی حمایت اور تحفظ میں شہر کے پرانے حصے کے کئی عمارتوں اور مقامات پر قبضہ کر چکے تھے ، وہ لوگوں کو وہاں سے نکال رہے تھے اور خود وہاں آباد ہو رہے تھے اور درجنوں فوجی ان کی حفاظت کر رہے تھے ، پھر وہ عمارتوں کی تعمیر، مرمت اور علاقے کے عربی حلیے کو تبدیل کرنے کے کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں ، ہر روز وہ ایک نئی عمارت یا مقام پر قابض ہو جاتے ہیں اور فوجی ان کی حفاظت اور حمایت کرتے ہیں۔

بس ہمیں حرم ابراہیمی شریف لے کر پہنچی ، بڑی تعداد میں فوجی وہاں موجود تھے اور عرب آنے والوں کی شناختی کارڈز چیک کر رہے تھے اور انہیں روک رہے تھے جبکہ یہودی اور غیر ملکی سیاح آرام سے اور آسانی سے سیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے، ہم ایک لمبے راستے پر چلے، جہاں ہمارے ساتھ ساتھ ایک لمبی نماز کے لیے فرش بچھائی گئی تھی، پھر ہم ایک طرف کے صحن میں داخل ہوئے جو مسجد کے مرکزی حصے کی جانب جاتا تھا ، اس کے دوسرے سرے پر دو اور نماز کی جگہیں تھیں ، ہم نے کئی مقبروں کو دیکھا جن پر قدیم تاریخی نام لکھے ہوئے تھے: ابراہیم، اسحاق، سارہ، اور یوسف علیہم السلام ، یہ سبز کپڑے سے ڈھکے ہوئے تھے ، ہم نے

مسجد میں مغرب کی نماز ادا کی اور اس کے گوشے گوشے میں گھوم کر اپنی امت اور عقیدے کی تاریخ کو دیکھا ، پھر ہم نے دروازے کے قریب دکانداروں سے ملبن، قمر الدین، کشمش، اور انجیر خریدا اور پھر بس ہمیں لے کر غزہ کی طرف روانہ ہوگئی۔

سب نے شام کی مسنون دعائیں پڑھنا شروع کی : أمسینا وأمسی الملک لله والحمد لله، ولا إله إلا الله وحده لا شریک له، له الملک وله الحمد، وهو علی کل شيء قدیر، اللهم إني أسألک خیر هذه اللیلة، وأعوذ بک من شر هذه اللیلة وشر ما بعدها، اللهم إني أعوذ بک من الکسل وسوء الکبر، اللهم إني أعوذ بک من عذاب في النار وعذاب في القبر ۔

اجتماعی دعا کی آواز ہماری آوازوں سے گونج رہی تھی، اور ہر کوئی اپنی نشست میں ڈوبا ہوا تھا، اور یہ جو الفاظ ہم دہرا رہے تھے، ان کے معنی کچھ اور ہی معلوم ہو رہے تھے، خاص طور پر جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہمارے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہوتا تھا ، اس سفر کے بعد ان مقدس مقامات پر، ان الفاظ کی معنی اور اہمیت کچھ اور ہی ہوتی تھی ، آج سے میں نے تہیہ کیا کہ نماز کو ہمیشہ قائم رکھوں گا، کبھی نہیں چھوڑوں گا، اور مجھے اب سنجیدگی سے ثانوی تعلیم کے امتحانات کی تیاری شروع کرنی تھی، کیونکہ امتحانات میں صرف دو ماہ اور پندرہ دن باقی تھے اور مجھے معقول درجات حاصل کرنے تھے۔

پندرھویں فصل

دسویں صدی کے پہلے نصف حصے میں فلسطینی منظرنامے پر بہت سی تبدیلیاں آئیں، اور ہماری اخلاقیات اور رویوں میں بھی بہت سی پیش رفت ہوئی ، میں نے اپنی ثانوی تعلیم مکمل کی اور غزہ کی اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ لینے کا فیصلہ کیا، حالانکہ میرے بھائی محمود نے اس کی مخالفت کی تھی جو کہتا تھا کہ یہ یونیورسٹی ہے ؟ یہ تو ایک ثانوی اسکول کے لائق بھی نہیں ہے ! جبکہ حسن میرے فیصلے کے حق میں تھا اور ابراہیم بھی متفق

تھا، اور میری ماں نے میری خواہش کو تسلیم کیا اور محمود سے کہا کہ اس معاملے پر خاموش رہے اور فیصلہ مجھے کرنے دے، کیونکہ یہ معاملہ میرا تھا، اور میں خود اس کا فیصلہ کرنے والا تھا، لہذا محمود خاموش ہوگیا، گو کہ ناپسندیدگی کے ساتھ۔

میں نے اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اور سائنس فیکلٹی میں قبول کیا گیا، نئے سال اور تعلیمی آغاز کا بے صبری سے انتظار کرنے لگا، خاص طور پر جب یہ خبریں آئیں کہ اس سال یونیورسٹی میں قابل ذکر ترقی ہونے والی ہے، کیونکہ اس سال پانچ سو طلباء و طالبات کو داخلہ دیا جائے گا، اور ایک پی ایچ ڈی ہولڈر کو یونیورسٹی کا صدر منتخب کیا جائے گا اور پی ایچ ڈی ہولڈرز کی ایک تعداد تدریس کے لیے آئے گی، اور یونیورسٹی کے لیے ایک خاص عمارت بھی تعمیر کی جائے گی۔

ابراہیم نے پورے موسم گرما کی تعطیلات کے دوران اپنے دوست کے ساتھ تعمیراتی کام میں مشغول رہنے کا عزم کیا اور ایک اچھا مالی فائدہ حاصل کیا، اور معاملہ یہیں نہیں رکا بلکہ وہ اب ایک ماہر تعمیراتی کارکن بن چکا تھا، کیونکہ اس نے اپنے دوست سے یہ پیشہ سیکھا، اور وہ دونوں شراکت دار بن گئے اور ایک معاون کارکن کو بھی ملازمت دی، اور درمیانی درجے کی تعمیراتی ٹھیکیداریاں لینے لگے، اور یہ صاف ظاہر تھا کہ ابراہیم کی خود انحصاری اسے ایک کامیاب انسان بنا رہی تھی۔

میرے بھائی محمود اور حسن دونوں کو ایک ایک بچہ ہوا اور میری بہن فاطمہ کو بھی، اور حسن کے کام میں ترقی ہوئی کیونکہ اس نے اپنی خود کی ایک ورکشاپ کھولنے کا فیصلہ کیا، اس نے جگہ کرائے پر لی اور ورکشاپ کے لیے ضروری مشینری خریدنے لگا، اور اسے پیسے کی کمی نہیں تھی، اور محمد اپنی تعلیم (کیمسٹری) میں بیرزیت یونیورسٹی میں ترقی کر رہا تھا، اور ہر سمسٹر کو امتیاز کے ساتھ مکمل کر رہا تھا، اور یونیورسٹی نے فیس وصول کرنا بند کر دی تھی، کیونکہ یونیورسٹی طلباء کو امتیازی کارکردگی پر اسکالرشپ دے رہی تھی، اور اسے صرف روزمرہ

کے اخراجات کی ضرورت تھی۔

تعلیمی سال کے آغاز کے ساتھ ہم نے الازہر کے دینی ادارے کی اسی عمارت میں اپنی کلاسیں شروع کیں، اور یونیورسٹی کی ترقی کے بارے میں سنی جانے والی بہت سی باتیں واقعی سچ ثابت ہوئیں، کیونکہ داخلہ لینے والے طلباء و طالبات کی تعداد درست تھی، اور یونیورسٹی کے صدر کے طور پر ایک ڈاکٹر بھی حاضر ہوا، اور تدریس کے لیے پی ایچ ڈی ہولڈرز کی ایک تعداد بھی آئی ، انہوں نے اس عمارت کی تکمیل شروع کر دی جس کی بنیادیں بہت پہلے سے رکھی گئی تھی ، تاکہ یہ یونیورسٹی کے لیے مخصوص ہو ، یہ سب اس بات کا اشارہ تھے کہ یونیورسٹی واقعی یونیورسٹی بننے والی ہے، اور خوش خبریاں اس کی تصدیق کرتی تھیں ، جس سے ہم طلباء مستقبل کے بارے میں زیادہ مطمئن ہو گئے ، لیکن اس کے باوجود ہم دوپہر کے بعد انسٹی ٹیوٹ کے کمروں میں پڑھتے رہے، لڑکے الازہر کے طلباء کے لیے مخصوص حصے میں پڑھتے تھے جبکہ لڑکیاں الازہر کی طالبات کے لیے مخصوص مقام پر پڑھتی تھیں ۔

جس سال میں ہم نے داخلہ لیا تھا، وہ سال تعارفی تھا، جس میں ہم ان مواد کا مطالعہ کرتے تھے جو ہماری ثانوی تعلیم کے برابر ہوتے تھے، اور الازہر کے ثانوی طلباء کے ساتھ پڑھتے تھے ، یعنی زیادہ تر مواد نظریاتی تھے، جن میں زیادہ تر دینی مواد ہوتے تھے، جو ہمیں کچھ مشائخ پڑھاتے تھے، ساتھ ہی کچھ ابتدائی علمی مواد بھی پڑھایا جاتا تھا، لیکن یہ کم تھا ، اس لیے ہمارے مطالعہ کی سنجیدگی اور تھکاوٹ کا احساس محدود تھا ، ہم نے سال کا زیادہ تر وقت کھیل کود اور مختلف نظریاتی تنازعات کے ساتھ گزرا ، یہ واضح تھا کہ اسلامی تحریک کے طلباء عام طلباء سے زیادہ تعداد میں تھے، اور وہ زیادہ منظم تھے اور اپنی نظریات پیش کرنے اور طلباء کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں زیادہ کامیاب تھے ، فتح کے نوجوان کمزور تھے لیکن وہ اپنی صلاحیتوں اور سطح کو بہتر بنانے کی کوشش کر رہے تھے ، الجبہۃ الیساریۃ کے طلباء بہت کم تھے، اور ان کی آواز قابل ذکر نہیں تھی، وہ ایک چھوٹا سا گروہ تھے جو اپنے آپ میں محدود تھے، اور ان کی تحریک بہت محدود تھی۔

سال کے آغاز کے ایک ماہ بعد یونیورسٹی میں طلباء کے درمیان تحریک شروع ہو گئی، جو جلد ہی ہونے والے طلبہ یونین کے انتخابات کی تیاری کر رہے تھے، اور اس کے ساتھ ہی طالبات کی تنظیم کے انتخابات بھی ہو رہے تھے ، مختلف نظریاتی تحریکوں کے کارکن نئے طلباء سے رابطہ کرنے میں، اپنی نظریات پیش کرنے اور ان طلباء کو اپنی صفوں میں شامل کرنے کی کوشش میں زیادہ مستعد ہو گئے ، کینٹین کی چھوٹی سی ہال میں میزوں پر بحث کرنے والوں اور اپنی نظریات پیش کرنے یا دوسروں پر حملہ کرنے والوں کی بھرمار تھی ، چند دنوں بعد ہمیں محسوس ہوا کہ اسلامی تحریک کے کارکنوں کے درمیان کچھ مسئلہ ہے کیونکہ ان میں سے زیادہ تر اپنے سابقہ ذمہ دار سے الگ کام کر رہے تھے، جو ہلال احمر کے انتخابات کے دوران ہونے والے واقعات اور تصادمات کی وجہ سے تھا۔

چند دنوں بعد ہمیں معلوم ہوا کہ وہ ان سے الگ ہو چکا ہے اور الگ فہرست میں انتخابات لڑے گا اور وہ دوسری فہرست میں لڑیں گے، اور قومی قوتیں ، فتح اور الجبھۃ الیساریۃ کی تنظیموں کے ساتھ مل کر تیسری فہرست میں انتخابات لڑیں گی ، بحث و مباحثے شدت اختیار کرنے لگے، بیانات تقسیم کیے جا رہے تھے اور نعرے دیواروں پر چسپاں کیے جا رہے تھے ، طلباء کی قومی جماعت نے ابو عمار کی تصاویر دیواروں پر چسپاں کرنے کی تعداد بڑھا دی تھی ، ہر فہرست نے اپنے گیارہ امیدواروں کے نام اپنی فہرست پر لکھ کر ان کا نام اور نعرہ شامل کیا اور اسے حامیوں اور مؤیدین میں تقسیم کرنا شروع کر دیا ، ابراہیم اسلامی جماعت کے نمایاں کارکنوں میں سے تھا، اور اگرچہ میں نے خود کو اسلامی جماعت کا حصہ یا اس کا حامی نہیں سمجھا، میرے پاس اپنے کزن اور اس کی فہرست کو ووٹ دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ ہمارے درمیان مشترکہ زندگی اور اس کی ذاتی تعریف مجھے اسے رد کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی، حالانکہ میرے دل میں فتح کی طرف اس کی علامتی حیثیت اور اس کے فدائی اور مسلح مزاحمتی کردار کی وجہ سے کچھ میلان تھا۔

ووٹنگ کے دن، میرے اور بہت سے لوگوں کے لیے یہ پہلا انتخابی تجربہ تھا ، ہم ایک لمبی قطار میں کھڑے

ہوئے، ہر کوئی اپنی ذاتی شناختی کارڈ تھامے ہوئے تھا، جسے ووٹنگ کمیٹی کو دکھایا جاتا، پھر ہم اندر گئے، ہمیں ووٹنگ فارم دیا گیا اور ہمارا نام ووٹرز کی فہرست سے کاٹ دیا گیا، پھر ہم ایک مخصوص میز پر جا کر اپنے پسندیدہ امیدوار کو منتخب کرتے تھے، کاغذ کو تہہ کر کے صندوق میں ڈال دیتے تھے، اس پر یونیورسٹی کے کچھ ملازمین اور ہر فہرست کے ساتھ ایک نگران کی نگرانی ہوتی تھی، اور ابراہیم اپنی فہرست کے نگرانوں میں شامل تھا، جب میں ووٹنگ ہال سے باہر آیا تو میں نے سنا کہ میدان کے ایک کونے میں کچھ ہلچل ہو رہی تھی، میں یہ دیکھنے کے لیے وہاں پہنچا کہ کیا ہوا ہے، دیکھا کہ فتح کے کارکنوں سے بات چیت ہو رہی تھی کہ اسلامی جماعت کے کارکنوں نے ابو عمار کی تصاویر پھاڑ دی تھی اور ان پر پاؤں رکھ دیا تھا، اس واقعے نے بعض لوگوں پر منفی اثر ڈالا، اور شاید کچھ لوگوں نے اپنا ووٹ اسلامی جماعت سے ہٹا لیا، جب ووٹنگ کا عمل ختم ہوا تو ووٹوں کی گنتی شروع ہوئی اور کچھ ابتدائی نتائج کی خبریں آنے لگیں، کبھی کہا جاتا کہ اسلامی جماعت جیت رہی ہے اور کبھی کہا جاتا کہ نتائج غیر یقینی ہیں، میں یونیورسٹی میں ابراہیم اور انتخابات کے نتائج کا انتظار کر رہا تھا، تقریباً گیارہ بجے رات کو، طلباء کے امور کے ڈین نے نتائج کا اعلان کیا، اسلامی جماعت نے نمایاں طور پر جیت حاصل کی، اور آزاد جماعت نے قومی جماعت کو پیچھے چھوڑ دیا۔

رات میں جب میں اور ابراہیم گھر واپس آئے، ابراہیم بہت خوش تھا، اور میری ماں ہمارے انتظار میں بے حد پریشان تھی، جب ہم گھر پہنچے تو مجھے یاد آیا کہ جب میں ووٹنگ ہال سے نکلا تھا تو کیا ہوا تھا، میں نے ابراہیم سے پوچھا کہ کیا واقعی آپ کے کسی کارکن نے ابو عمار کی تصاویر پھاڑ دی تھی اور ان پر پاؤں رکھ دیا تھا؟ اس نے سختی سے انکار کیا اور کہا کہ انہوں نے فوراً اس معاملے کی جانچ کی اور یہ سچ نہیں پایا، ان کا خیال تھا کہ یہ قومی جماعت کے کارکنوں کی طرف سے آخری لمحے میں اسلامی جماعت کے حامیوں کو ہٹانے کی ایک انتخابی کوشش تھی، میں نے ابراہیم پر بغیر کسی شک کے یقین کیا، کیونکہ میں نے ہمیشہ اسے دیانت دار پایا تھا اور کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا تھا، لیکن کیا وہ لوگ جن سے ابراہیم نے پوچھا تھا، سچے تھے؟ اس بارے

میں مجھے یقین نہیں تھا۔

لبنان میں خانہ جنگی کے پھوٹنے کے باوجود، جس میں فلسطینی مزاحمت ایک اہم حصہ تھی، فلسطینی مزاحمت کا لبنان میں موجودگی مضبوط رہی اور اسرائیل کے لیے ہمیشہ ایک مستقل پریشانی کا باعث بنی رہی، خاص طور پر جب مزاحمت کے لوگ وقتاً فوقتاً شمالی فلسطین میں اسرائیلی آبادیاں جیسے کہ کریات شمونی پر چند کاتیوشا راکٹ داغتے تھے، اسرائیلی حکومت - جس کی قیادت مناحیم بیگن کر رہے تھے اور وزیر دفاع شارون تھے- نے یورپ میں ایک اسرائیلی شخصیت کے قتل کے واقعے کا فائدہ اٹھایا اور لبنانی سرحد پر اپنی فوج جمع کر دی، اور لبنان پر حملہ شروع کر دیا، کچھ لوگ توقع کر رہے تھے کہ یہ حملہ چند کلومیٹر تک محدود ہوگا تاکہ کاتیوشا راکٹوں کے داغنے کو روکا جا سکے، اور شاید بیگن بھی یہی سوچتے تھے، لیکن شارون نے اسرائیلی فوج کو لبنان کے اندرونی علاقوں تک دھکیل دیا، یہاں تک کہ انہوں نے بیروت کا محاصرہ کر لیا۔

فائدہ : کاتیوشا راکٹ ، ایک قسم کا ملٹری راکٹ سسٹم ہے جو کہ سوویت یونین نے دوسری جنگ عظیم کے دوران تیار کیا تھا، یہ راکٹ سسٹم عام طور پر ایک پیڈ پر نصب متعدد راکٹوں کو ایک ساتھ فائر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کی وجہ سے یہ دشمن کے مقامات پر تیزی سے بڑی مقدار میں آتش بازی کر سکتا ہے۔

..... فلسطینی انقلاب کی قیادت کے خوف کے پیش نظر، کہ اسرائیلی فوج بیروت اور اس کے ارد گرد کے فلسطینی کیمپوں پر حملہ کرے گی تاکہ مزاحمت کو ختم کیا جا سکے اور ایسی جنگ میں ہزاروں شہری ہلاک ہو جائیں گے، انہوں نے لبنان سے مزاحمت کو نکالنے کا فیصلہ کیا، کچھ ثالثی کے ذریعے انقلاب کی قیادت اور تمام فلسطینی مسلح افراد لبنان سے نکل گئے اور کیمپوں اور پناہ گزینوں کو لبنانی کتائب اور اسرائیلی فوج کے درمیان بغیر کسی حفاظت ہم آہنگی اور معاہدے کے چھوڑ دیا، جس کے نتیجے میں صبرا اور شتیلا کے کیمپوں میں قتل عام کیا گیا، جس میں سینکڑوں فلسطینی پناہ گزین مرد، عورتیں اور بچے قتل ہوئے، اور اس قتل عام

میں انسانیت کے خلاف بدترین جرائم کا ارتکاب کیا گیا۔

جب یہ خبریں میڈیا کے ذریعے عام ہوئیں، تو مقبوضہ علاقوں میں صورتحال بگڑ گئی ، اس دور میں حالات انتہائی مشکل اور سخت تھے ، کیونکہ کیمپوں کے ہر گھر کا کوئی نہ کوئی فرد یا قریبی رشتہ دار لبنانی کیمپوں میں موجود تھا ، پناہ گزینوں کو بار بار غم اور پریشانی جھیلنی پڑی، جس میں دردناک انسانی کہانیاں بھی شامل تھیں، جیسے کہ ماں کو اپنے بچوں کی خبر نہ ہو، یا بچوں کو اپنے والد کی خبر نہ ہو، یا بیوی کو اپنے شوہر کی حالت کا علم نہ ہو۔

ہم یونیورسٹی میں بہت شور و غل کے ساتھ مظاہرہ کر رہے تھے ، سب نے اپنی وابستگیاں اور اختلافات بھلا دیے اور ہم قابض افواج سے جا ٹکرائے جو یونیورسٹی کے قریب شارع الشاشین کے راستے سے گزر رہی تھی ، ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کر دی اور وہ ہم پر گولیاں برسانے اور آنسو گیس کے بم پھینکنے سے باز نہ آئے ،کئی طلباء زخمی ہو گئے اور انہیں علاج کے لیے دار الشفاء ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔

الخلیل شہر میں روز بروز آبادی میں اضافہ ہو رہا تھا ، ہر ہفتہ مستوطنین ایک نئے گھر پر قبضہ کرتے، اس کے مکینوں کو نکال باہر کرتے اور اس میں داخل ہو جاتے ، فوج ان کی مکمل حمایت اور حفاظت کرتی ، شہری اس صورتحال سے تنگ آ چکے تھے ، اسی وقت فتح کے تین جوانوں کی ایک فدائی ٹیم منظم ہو رہی تھی اور انہوں نے الخلیل کے وسط میں مستوطنین اور ان کی حفاظت کرنے والے فوجیوں کے خلاف ایک زبردست اور فیصلہ کن کارروائی کی پلاننگ شروع کر دی تھی ، سخت حفاظتی اقدامات کے باوجود انہوں نے ہتھیار حاصل کر لیے ، کچھ بندوقیں، گولیاں اور دیسی بم ، انہوں نے شہر کے مختلف مقامات کا جائزہ لیا تاکہ سب سے آسان اور مؤثر ہدف کا انتخاب کر سکیں جہاں وہ دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا سکیں ، مختلف بہانوں کے ساتھ شہر کے پرانے حصے میں چکر لگاتے ہوئے انہوں نے اپنے اصل مقصد کو چھپائے رکھا۔

انہوں نے الدیوئیہ بلڈنگ میں موجود استعماری اور فوجی اجتماع پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا، چپکے سے اور احتیاط سے قبرستان میں داخل ہوئے جو بلڈنگ کے اوپر سے نظر آتا تھا، انہوں نے اپنی پوزیشن لی اور فیصلہ کن لمحے کا انتظار کیا، پھر اپنے ہاتھ میں موجود دیسی بم پھینکے اور بندوقوں سے فائرنگ شروع کر دی، ہر طرف سے چیخ و پکار کی آوازیں بلند ہوئیں، فوجیوں کو حملہ آوروں پر جوابی فائرنگ کرنے کی ہمت نہ ہوئی، کافی دیر بعد بڑی تعداد میں کمک پہنچی تاکہ مرنے والوں اور زخمیوں کو ہٹایا جا سکے۔

ہلاکتوں کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ تعداد کم نہیں تھی، شہر میں کرفیو نافذ کر دیا گیا اور ہر جگہ تلاشی اور جانچ پڑتال شروع ہوگئی تاکہ حملہ آوروں کے بارے میں کوئی معلومات مل سکیں، اس کے ساتھ ساتھ ہر جانب منظم اور جان بوجھ کر توڑ پھوڑ کی مہم چلائی گئی، کرفیو کئی دن تک جاری رہا اور جب اٹھایا گیا تو قابض افواج نے شہر میں نئے قوانین نافذ کر دیے تھے، حرم ابراہیمی شریف میں جہاں وہ صرف سیاحوں کی حیثیت سے جاتے تھے، اب انہوں نے اس کا کچھ حصہ اپنے لیے مخصوص کر لیا تھا جہاں مستوطنین مذہبی یہودی تقریباً ہمیشہ موجود رہتے تھے سوائے جمعہ کی نماز کے وقت۔

یوسفیہ ہال میں اپنی نشستیں اور شمعدانیں رکھی گئیں اور درجنوں فوجی ہر وقت ان مقامات کی اور ان میں موجود متدین یہودیوں اور ان کی عبادت کی اشیاء کی حفاظت کرتے رہے، اسی دوران راستے بند کیے گئے، مکانات ضبط کیے گئے، لوگوں پر دباؤ بڑھا اور قابض فوج کی گشت بڑھ گئی جو لوگوں کے شناختی کارڈز چیک کرتی، ان کی اور ان کے سامان کی تلاشی لیتی اور ہر گلی کوچے میں موجود ہوتی، جس سے لوگوں کی زندگی حقیقی عذاب میں تبدیل ہوگئی، یہ واضح ہو گیا کہ لوگ قابضوں اور آبادکاروں کے مظالم سے تقریباً گھٹ رہے ہیں۔

جمال حرم ابراہیمی میں نماز ادا کرنے کے لیے جاتا تھا اور تمام پابندیوں اور سختیوں کے باوجود اس نے حرم میں جانا جاری رکھا، کیونکہ دنیا میں کوئی بھی چیز ہمیں اپنے مسجد میں نماز ادا کرنے سے نہیں روک سکتی، ان

کے تمام اقدامات ہمیں دہشت زدہ کرنے اور مسجد سے نکالنے کی کوششیں ہیں ، جب تک ہماری رگوں میں خون دوڑ رہا ہے، ہم کبھی بھی اپنی مسجد سے دستبردار نہیں ہوں گے ، اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے محبت کرنے والی ماں اور فکر مند بیوی حقیقت کو قبول کر لیتے ہیں اور حفاظت و سلامتی کی دعا کرتی ہیں۔

جہاں وہ (جمال) جامعہ سے وابستہ اسکول میں کام کرتا تھا، وہاں فتح تحریک کے حمایتی بہت سے اساتذہ کے درمیان ہر موقع پر مباحثہ ہوتا رہتا تھا ، وہ اساتذہ اس پر اور اسلام پسندوں پر تنقید کرتے تھے جو قابض کے خلاف مسلح جدوجہد میں شامل نہیں ہوتے تھے اور تماشائی بنے رہتے تھے ، وہ مسکراتے ہوئے بحث کرتا تھا کہ ہماری قوم کو اپنی حقیقی جنگ لڑنے کے لیے، جو کبھی رکتی نہیں، اسے دین اور ایمان کا ہتھیار تھامنا ہوگا اور اپنے دین کی طرف لوٹنا ہوگا تاکہ جنگ اپنے حقیقی معنوں میں اور مطلوبہ سطح پر پہنچ سکے ، جب لوگ یہ سمجھیں گے کہ وہ دنیا میں اس لیے جہاد کر رہے ہیں، تکالیف جھیل رہے ہیں اور مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں تاکہ آخرت میں اجر و رضوان حاصل کریں، تو وہ ان مشکلات کو آسانی سے برداشت کریں گے بلکہ اپنے بچوں کو بھی جہاد، قربانی اور ایثار کے لیے بھیجیں گے ، اس طرح وہ نہ تو کسی نقصان کا شکار ہوں گے اور نہ ہی قومی فرض سے کوتاہی کا الزام۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ آبادکاروں نے ایک خفیہ تنظیم بنا لی تھی، جو الخلیل شہر اور دیگر مقامات پر عربوں پر حملے کی تیاری کرنے لگی ، اس گروپ کے پاس ہتھیار، گولہ بارود اور دھماکہ خیز مواد موجود تھا اور اس کے زیادہ تر ارکان اسرائیلی فوج کی جنگی یونٹوں میں خدمت کر چکے تھے ، انتہاپسند بڑے حاخام ان کی حمایت کرتے تھے، انہیں مذہبی جواز فراہم کرتے تھے اور زیادہ سے زیادہ عربوں کو قتل کرنے اور ان کے مکانات اور عبادت گاہوں کو تباہ کرنے کے فتوے دیتے تھے۔

صبح کے وقت جب الخلیل یونیورسٹی کے طلباء و طالبات یونیورسٹی کیمپس میں جمع ہوئے تھے، ایک سفید رنگ کی پیجو (4) کار رکی اور اس میں سے تین مسلح افراد نکلے اور انہوں نے اپنی خودکار ہتھیاروں سے طلباء پر

فائرنگ شروع کر دی ، چند ہی منٹوں میں گاڑی وہاں سے نکل گئی، پیچھے درجنوں طلباء و طالبات کو خون میں لت پت چھوڑ گئی، جن میں سے کچھ شہید بھی ہو گئے ، کافی دیر بعد قابض فوج اور اس کی خفیہ ایجنسیاں وہاں آئیں اور حادثے کی تحقیقات کا ڈرامہ کرنے لگیں ، انہوں نے کچھ طلباء اور راہگیروں سے پوچھ گچھ کی جبکہ لوگ زیرلب کہہ رہے تھے... یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ کیا انہیں لگتا ہے کہ ہم یقین کر لیں گے کہ یہ حادثہ ان کی منصوبہ بندی اور سازش کا حصہ نہیں تھا ؟

اسی گروپ کے آبادکاروں نے القدس کے پرانے شہر میں ایک مکان کرائے پر لیا اور وہاں جدید دھماکہ خیز مواد جمع کرنا شروع کر دیا، اور ایک ریٹائرڈ افسر کی نگرانی میں تربیت حاصل کرنے لگے تاکہ مسجد اقصیٰ کو اس میں موجود لوگوں سمیت اڑا دیا جائے اور وہاں سے اسلامی آثار کو مٹا دیا جائے ، یہ خبر سیکیورٹی اداروں تک پہنچی اور انہوں نے اس معاملے کا جائزہ لیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مسجد اقصیٰ کو تباہ کرنے کا وقت ابھی مناسب نہیں ہے، لہذا انہوں نے اس انتہا پسند گروپ کی کارروائی کو روکنے کا فیصلہ کیا اور انہیں عارضی طور پر گرفتار کر کے جیل بھیج دیا، باوجود اس کے کہ انہوں نے کئی لوگوں کو قتل کیا اور انتہائی خطرناک منصوبوں میں ملوث تھے۔

اس وقت ایک مذہبی انتہا پسند تحریک -جس کا نام "حركة أمناء الهيكل" تھا- نے اعلان کیا کہ وہ مسجد اقصیٰ کے صحن میں داخل ہو کر اپنے ہیکل کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں جو مسجد اقصیٰ کے انہدام پر قائم ہوگا اور یہ کہ وہ اس کے لیے طاقت کا استعمال کر سکتے ہیں ، کچھ عرصہ پہلے ایک انتہا پسند نے مسجد اقصیٰ پر دھاوا بولا اور اسلامی وقف کے محافظوں اور عبادت گزاروں پر فائرنگ کی، جس سے کئی افراد جاں بحق ہو گئے۔

اس گروپ کے مسجد اقصیٰ پر حملہ کرنے کی نیت کی خبر ہر جگہ پھیل گئی اور دوپہر سے پہلے اسلامی یونیورسٹی تک پہنچ گئی ، فوری طور پر طلباء کونسل کے کچھ اراکین، جن میں ابراہیم بھی شامل تھے، یونیورسٹی کے صحن میں جمع ہوئے اور مسجد اقصیٰ کو درپیش خطرات کے بارے میں ایک جلسہ شروع کیا اور اعلان کیا کہ وہ طلباء

کے ساتھ القدس روانہ ہوں گے ، کچھ طلباء اپنے والدین کو بتائے بغیر سفر نہیں کر سکتے تھے اور کچھ نے اپنے بیگ اور کتابیں اپنے ساتھیوں کے حوالے کر دیے تاکہ وہ انہیں ان کے گھروں تک پہنچائیں اور ان کے والدین کو بتائیں کہ وہ القدس جا رہے ہیں ، میں اور ابراہیم بھی ان میں شامل تھے جنہوں نے ایسا کیا۔

ہماری بس القدس کی جانب روانہ ہوئی اور ہمارے ساتھ یونیورسٹی کے ایک استاد، شیخ یونس بھی تھے ، ہم چاہتے تھے کہ بس ہمیں اڑاتے ہوئے مسجد اقصیٰ پہنچا دے تاکہ ہم اپنے جسموں کو مسجد کی حفاظت کے لیے ڈھال بنا سکیں ، راستے بھر شیخ ہمیں اس مقدس زمین کی فضیلت اور اس میں جہاد کی فضیلت کے بارے میں بتا رہے تھے، یہاں تک کہ ہمارے جذبات اور احساسات اپنی اصل حدود سے بھی زیادہ شدت اختیار کر گئے۔

ہم مسجد اقصیٰ پہنچے تو وہاں مردوں، عورتوں اور بچوں کی بڑی تعداد دیکھنے کو ملی ، ایک بہت بڑا اور غیر منظم اجتماع تھا ، ہم تقریباً ساٹھ لوگ تھے اور ہم نے مسجد کے ایک کونے میں جمع ہو کر قیادت تشکیل دی، جس کی سربراہی ابراہیم کر رہے تھے، اور شیخ یونس ہماری رہنمائی اور حوصلہ افزائی کر رہے تھے ، ہم نے خود کو کئی گروپوں میں تقسیم کیا اور ہر گروپ کو ایک دروازے کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی، جہاں سے ممکنہ طور پر حملہ آور آسکتے تھے ، ہمارے پاس اپنے دفاع کے لیے صرف ہاتھ، لکڑیاں اور پتھر تھے۔

ہم نے اپنی جگہیں سنبھال لیں اور ہمیں تاکید کی گئی کہ کسی بھی صورت اپنی جگہ نہ چھوڑیں کیونکہ اگر حملہ آور مختلف مقامات سے حملہ کریں تو غیر منظم ہجوم پہلے دروازے کی طرف دوڑ پڑے گا، جہاں سے حملے کی خبر آئے گی۔

ہر گروپ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تاکہ نماز کے وقت ایک گروپ نماز ادا کرے اور دوسرا پہرہ دے ، جب پہلا گروپ نماز ختم کر لے، تو وہ پہرہ سنبھال لے اور دوسرا گروپ نماز کے لیے جائے ، رات ہوتے ہی جب حالات طویل ہوتے دکھائی دیے، تو طے ہوا کہ پہلا گروپ رات کے پہلے حصے میں سوئے گا اور پھر

دوسرا گروپ رات کے دوسرے حصے میں آرام کرے گا، قیادت کی ٹیم ہر گروپ کو احکام پہنچاتی رہی تاکہ سب کا عمل متحد رہے ، جنہوں نے پہرہ دینا تھا، انہیں رات کی سردی نے گھیر لیا ، کچھ مقامی لوگ جلدی سے اون کی کمبلیں لائے اور ہر ایک کو ایک کمبل دیا تاکہ وہ خود کو ڈھانپ سکے ، ہم پتھر کے ستونوں اور دیواروں کے پاس بیٹھ کر ہر لمحے اسے دیکھنے لگے اور ہمارے دلوں میں اس مقدس مقام کی عظمت اور اس کے تاریخی مراحل کی خوبصورت یادیں گردش کرنے لگیں ، ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ہمیں مسجد اقصیٰ کی عملی حفاظت کا شرف حاصل ہوا۔

ہم نے رسول اللہ ﷺ کے اسراء و معراج کو یاد کیا، صلاح الدین ایوبی کو یاد کیا اور ہماری آنکھیں نم ہوگئیں ، کچھ لوگوں کی سسکیاں سنائی دینے لگیں ، آدھی رات کو دوسری ٹیم نے ہمیں بدل دیا، ہم نے انہیں کمبلیں اور پتھر دے دیے ، ہم مسجد اقصیٰ کے صحن میں چلے گئے اور کمبل کا کچھ حصہ بچھا کر سو گئے، اور کچھ حصہ ڈھانپ لیا، فجر کی اذان پر ہم اٹھے، وضو کیا اور نمازیوں کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی ، مسجد اقصیٰ کے ایک محافظ نے ہماری تنظیم اور تیاری کا جائزہ لیا اور ابراہیم کے کان میں سرگوشی کی کہ یہاں سینکڑوں لوہے کی پائپیں ہیں جو تعمیراتی سہاروں کے لیے استعمال ہوتی ہیں، انہیں لے لو اور اگر ضرورت پڑے تو استعمال کرو۔

جب سورج نکلا تو ایک اور بس یونیورسٹی کے طلباء سے بھری ہوئی پہنچ گئی اور ہماری تعداد سو سے زائد ہوگئی، ہر ایک کے پاس ایک لوہے کی پائپ تھی، جو ہاتھوں یا پتھروں سے کہیں بہتر تھی ، سب نے اپنی جگہیں سنبھال لیں، اور لوگ دوبارہ مسجد کی طرف بڑھنے لگے ، کبھی کبھار یہ افواہ پھیلتی کہ وہ باب المغاربہ سے حملہ کریں گے، تو لوگ مجموعی طور پر اس دروازے کی طرف بڑھ جاتے، اور یونیورسٹی کے طلباء اپنی جگہیں پر موجود رہتے ، ہم نے دیکھا کہ ایک بڑی تعداد نوجوانوں اور مردوں کی تھی جو عوام الناس سے زیادہ منظم تھے، اور انہوں نے بھی ہمیں دیکھا اور پہچانا کہ ابراہیم ہمارے قائد ہیں ، کچھ لوگ ان کے پاس آئے، اپنا

تعارف کرایا ، وہ 1948 کی سرزمینوں سے، خاص طور پر ام الفحم کے مذہبی نوجوان تھے ، فوراً وہ ہمارے ساتھ شامل ہو گئے اور ہماری ٹیم کا حصہ بن گئے ، ان کی سب سے خاص بات ان کے غیر معمولی اچھے دل اور قربانی اور فداکاری کے لیے حیرت انگیز تیاری تھی ، جلد ہی کوئی نہ کوئی نغمہ، گانا یا سوال شروع کر دیتا، جن کا مقصد روح اور خون کے ساتھ اقصیٰ کا فدا کرنا ہوتا، اور ہم اپنی آنکھوں کے آنسو نہیں روک سکتے تھے، اور ہمارے ہاتھوں کی گرفت لوہے کے پائپوں پر مضبوط ہو جاتی تھی۔

اس دن جو الہیکل کے نگہبانوں نے مقرر کیا تھا، بغیر اس کے کہ وہ مسجد اقصیٰ کے قریب آنے کی جرات کر سکے، گزر گیا اور ہم نے مزید ایک دن وہاں گزارا تاکہ اطمینان ہو ، جب ہمیں یقین ہو گیا کہ خطرہ ٹل گیا ہے، اور ہم نے مسجد اقصیٰ میں ظہر کی نماز ادا کی، ہم نے مسجد کے صحن میں ایک حلقہ بنایا اور شیخ یونس نے ہمیں اس سریہ کے بارے میں بتایا جس میں ہم اللہ کی راہ اور اپنے اقصیٰ کی راہ میں نکلے تھے ، جس میں اللہ نے ہمارے لیے دشمن سے ملاقات نہیں لکھی، اور نہ ہی کسی کو شہادت نصیب ہوئی ، پھر انہوں نے دعائیں کیں کہ اللہ ہمارے اقصیٰ کو ان کی چالوں سے محفوظ رکھے اور ہمیں اس کی ساحات میں شہادت اور جہاد کا فضل عطا فرمائے ، انہوں نے لمبی دعائیں کیں اور ہم سب نے آمین آمین کہا، اور سب کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور نالہ و فریاد بلند ہو گئی ،پھر ہمیں بس نے واپس غزہ پہنچادیا اور سارے راستے خاموشی چھائی رہی۔

مسجد اقصیٰ کا یہ سفر اور ہمارے اپنے لوگوں سے ملاقات جنہیں عرب الداخل کہا جاتا ہے، جس نے ہمیں ہمارے بکھرے ہوئی قوم کے ایک حصے کو یاد دلایا ، یہ پہلی بار تھا جب عرب الداخل کے لوگوں سے براہ راست ملے اور میں نے ان کے بارے میں پہلے تھوڑا سنا تھا، لیکن اس ملاقات میں میں نے انہیں قریب سے جانا اور پایا کہ انہوں نے جلدی ہی میرے دل میں ان کی خوبصورت خصوصیات، اچھے دل اور خوش مزاجی کی وجہ سے جگہ بنالی ۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ اس پوری مدت کے دوران قابض افواج کے سامنے ثابت قدم رہے ، اگرچہ

ہر ممکن کوشش کی گئی کہ وہ اپنے عرب اور اسلامی تشخص اور فلسطینی ہونے سے محروم ہو جائیں ، مگر وہ اس سے کہیں زیادہ ثابت قدم رہے ، جتنا کوئی بھی انسان تصور کر سکتا ہے جو ان سے نہیں ملا اور ان کی روح اور عزم کو نہیں دیکھا۔

میرے بھائی محمد نے اندرونی علاقے کے کچھ نوجوانوں سے ملاقات کی تھی جب وہ جامعہ الخلیل کا دورہ کر رہے تھے ، جیسا کہ مختلف دھڑوں کے سرگرم کارکنوں کا معمول ہوتا ہے، محمد اپنے ساتھیوں کے ساتھ مغربی کنارے اور غزہ پٹی کی دوسری یونیورسٹیوں میں دورے کر رہے تھے، جہاں وہ اپنے ہم نظر کارکنوں سے ملاقات کرتے اور کام اور موقف کی ہم آہنگی کرتے۔

ان میں سے ایک دورے کے دوران جب وہ جامعہ الخلیل میں تھے، ایک کارکن نے انہیں دوپہر کے کھانے کے لیے طلباء کے ایک گھر میں مدعو کیا ، وہاں انہوں نے کچھ نوجوانوں کو پایا جنہوں نے ان کا بہت اچھا استقبال کیا اور کھانے کا انتظام کیا ، محمد نے اس وقت جانا کہ وہ اندرونی علاقے (۴۸) کے نوجوان ہیں، جیسے ام الفحم اور کفر قاسم وغیرہ ، یہ واضح تھا کہ یہ نوجوان بہت ہی اچھے اخلاق کے حامل تھے اور ان کا دینی سطح بہت بلند تھا ، وہ اس دین اور اس قوم کے ساتھ واقعی وابستگی محسوس کرتے تھے اور قابض کے زیر زندگی گزارنے نے انہیں اپنے دین اور اپنی قضیہ کے ساتھ اور زیادہ مضبوطی سے وابستہ کر دیا تھا۔

میرا بھائی محمد بڑے امتیاز کے ساتھ سائنس کالج سے فارغ التحصیل ہوا، جس کی وجہ سے اسے فوری طور پر جامعہ بیرزیت میں کیمیا کے شعبے میں معید (معاون) کے طور پر قبول کر لیا گیا ، میری والدہ اس کی فراغت اور غزہ میں اس کی واپسی کی منتظر تھی، لیکن اس کی تعیناتی کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ وہ زیادہ تر وقت مغربی کنارے میں گزارے گا ، یہ بات میری والدہ کے لیے ایک مسئلہ تھی کیونکہ محمد کی رام اللہ میں مسلسل غیر موجودگی تھی، لیکن یہ ایک مسئلے کا حل بھی تھا کیونکہ اس کی واپسی کے بعد اسے ایک نئے کمرے کی ضرورت ہوگی اور گھر میں اس کے لیے جگہ نہیں تھی ، جب انہوں نے رام اللہ میں اس کے رہائش کے

موضوع پر بات کی تو اس نے بتایا کہ وہ کم سے کم پہلے سال تک اپنے ساتھی طلباء کے ساتھ مشترکہ اپارٹمنٹ میں رہے گا جیسا کہ وہ اپنی تعلیم کے دوران کرتا تھا۔

ایک دن مسجد الاقصی میں رباط کے بعد جب ہم گھر میں ایک خاندانی نشست میں تھے، میں نے اس واقعہ کا ذکر کیا، میں نے اپنے دانتوں کے درمیان سے بات کی اور میں پیچھے ہٹنے یا رکنے کے قابل نہیں رہا، فوراً ابراہیم کی سخت نظریں تھی، محمود نے ابراہیم، محمد اور حسن پر جو اسلامی تحریک کے رکن تھے، مسلح مزاحمت میں حصہ نہ لینے اور صرف سیاسی اور عوامی کاموں پر اکتفا کرنے پر تنقید کرتے ہوئے حملہ کرنا شروع کیا، اور کہا کہ اس وقت آپ کی قیادت کو الزام کے مقام پر رکھتے ہیں، کیونکہ وہ نوجوانوں کی بڑی صلاحیتوں کو مذہب کے نام پر مزاحمت میں مصروف کرنے سے روکتی ہے۔

محمد نے جواب دیا: لگتا ہے کہ طالب علمی کے کام میں مشغولیت نے اسے سیاسی بحث میں بہت تجربہ کار بنا دیا ہے، تمہاری بات سن کر کوئی یہ سمجھے گا کہ تمہاری بندوقیں کبھی خاموش نہیں ہوئیں اور تمہاری کارروائیاں یہودیوں کو چند گھنٹوں میں بھاگنے پر مجبور کر دیں گی، تم جانتے ہو کہ کئی سالوں سے مسلح مزاحمت نام کی کوئی چیز نہیں تھی اور جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ کمزور کوششیں ہوتی ہیں جو اپنی ابتدائی حالت میں ہی ختم ہو جاتی ہیں، کیا یہ صحیح نہیں ہے اے باش مھندس ؟

جب ہم اگلے دن مغرب کی نماز کے لیے مسجد گئے، تو نوجوان مسجد میں اپنی عادت کے مطابق حلقہ بنا کر بیٹھ گئے اور شیخ احمد گفتگو کرنا چاہتے تھے، محمد نے ان سے اجازت لیتے ہوئے کہا: شیخ احمد، مجھے اجازت دیں، ایک سوال ہے جس کا جواب میں چاہتا ہوں کیونکہ یہ اکثر موقعوں پر ہم سے پوچھا جاتا ہے، وہ یہ کہ اسلام پسندوں کا قومی کام، یعنی مزاحمت میں کردار کہاں ہے ؟ شیخ احمد مسکراتے ہوئے حاضرین کے چہروں کو دیکھتے ہوئے اور اپنے ارد گرد نظر ڈالتے ہوئے بولے: ہم اس وقت تربیت اور تیاری کے مرحلے میں ہیں، اور پھر انہوں نے تربیت کی اہمیت اور ان قوموں اور عوام کے مستقبل کی تعمیر میں اس کی ضرورت پر بات کی جو

اعلی مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں، پھر وہ اس موضوع کی طرف منتقل ہو گئے جس پر وہ پہلے بات کرنا چاہتے تھے۔

تربیت اور تیاری کے الفاظ بار بار سنائی دیتے رہے، مہینوں اور سالوں تک ہر بار جب بھی ہمارے گھر میں یا ام العبد کے گھر میں ان کے بیٹے عبد الحفیظ کی موجودگی میں کوئی بحث ہوتی، یا یونیورسٹی میں کسی بھی بحث میں جب بھی اسلام پسندوں کے مسلح مزاحمت میں کردار کے بارے میں پوچھا جاتا تو جواب دینے والا کہتا "ہم اس وقت تربیت اور تیاری کے مرحلے میں ہیں"، اور اکثر وہ اس جواب کے لیے اسلامی دعوت کے پہلے رہنما، محمد رسول اللہ ﷺ کی مثال دیتے کہ انہوں نے بھی تلوار کے جہاد سے پہلے کئی سالوں تک تربیتی اور دعوتی کام کیا۔

ایک دن ہم دیر سے گھر پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ ہماری ماں بہت پریشان ہیں اور ہمیں پتہ چلا کہ ایک پولیس والے نے ابراہیم کو ایک نوٹس دیا ہے جس میں اسے اگلی صبح خفیہ ایجنسی کے دفتر میں جانے کا حکم دیا گیا ہے اور دیر نہ کرنے کی تنبیہ کی ہے، ابراہیم پریشان نہیں ہوا، نہ ہی اس کے چہرے پر کوئی فکر یا خوف تھا اور اس نے ہماری ماں کو یقین دلایا کہ یہ بہت معمولی بات ہے، اور اس طرح کے نوٹس درجنوں نوجوانوں کو اسی طرح دیے جاتے ہیں جہاں ان سے کچھ سوالات پوچھ کر انہیں جانے دیا جاتا ہے، اگلے دن ابراہیم اس انٹرویو کے لیے گیا جہاں اسے اور اس جیسے دیگر مطلوبہ افراد کو کئی گھنٹوں تک ایک کمرے میں بند رکھا گیا، یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا، اس کے بعد انہیں علاقے کے انٹیلی جنس افسر کے دفتر میں لے جایا گیا، جس کی کنیت ابو ودیع تھی، اور اس نے ابراہیم سے اس کے اہل خانہ، رشتہ داروں، رہائش اور تعلیم کے بارے میں عام سوالات پوچھنے شروع کیے، ابراہیم نے مختصر سے مختصر جوابات دیے، اور ابو ودیع نے اسے بات چیت میں مشغول کرنے کی کوشش کی، لیکن ابراہیم نے اختصار کی پالیسی پر عمل کیا۔

کچھ دیر ان سوالات کے بعد، اس نے یونیورسٹی میں اس کی، طلبہ کی سرگرمیوں کے بارے میں سوالات

پوچھنا شروع کیے ، لیکن اسے صرف "ہاں" یا "نہیں معلوم" کے جوابات ملے ، ابو ودیع کو غصہ آیا اور اس نے چیختے ہوئے کہا: کیا تمہیں لگتا ہے کہ ہمیں تمہاری سرگرمیوں اور تعلقات کا علم نہیں ہے ؟ اور یہ کہ تمہارا سر پتھر کی طرح ہے ؟ ابراہیم خاموش رہا، جس پر انٹیلی جنس افسر کا غصہ مزید بڑھ گیا اور اس نے ابراہیم کو اپنے ہاتھ سے دھکیلنا یا ہلکے تھپڑ مارنے شروع کر دیے، لیکن ابراہیم نے کوئی حرکت نہیں کی اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا ، ابو ودیع چیخا، " تربیت اور تیاری... تربیت اور تیاری کیوں ؟ ابراہیم نے جواب دیا: مجھے نہیں معلوم کہ آپ کس کے بارے میں بات کر رہے ہیں ؟ ابو ودیع ہنس پڑا ، مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے اور میں تم سے کچھ اور توقع نہیں کر رہا تھا، لیکن یاد رکھو کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم یہ الفاظ دہراتے رہتے ہو، اور تم نے یونیورسٹی میں طلبہ کی قومی جماعت کے سوالات کے جوابات میں یہ سینکڑوں بار کہا ہے ، اور جان لو کہ ہم تمہاری نگرانی کر رہے ہیں، اور ہمیں ہر اس سانس کا علم ہے جو تم لیتے ہو اور جیسے ہی تم کچھ کرنے کا سوچو گے ہمیں معلوم ہو جائے گا ، عنقریب تم جان لو گے کہ ہم تمہیں جیلوں میں کیسے ڈالتے ہیں ، ابو ودیع نے شناختی کارڈ ابراہیم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: تمہاری آنکھوں میں جو نفرت بھری ہوئی ہے جیسے کسی مجرم کی آنکھوں میں ہو ، اسے اگلی بار جب میں تمہیں بلاؤں تو گھر چھوڑ آنا ، ابراہیم نے اپنا کارڈ لیا اور کمرے سے نکلتے ہوئے ایک مسکراہٹ دی جسے چھپانا مشکل تھا۔

سولہویں فصل

میری خالہ فتحیہ کو ایک بیٹی ہوئی جس کا نام "منی" رکھا گیا ، یہ نوزائیدہ بہت خوبصورت، خوش مزاج اور ظریف تھی، لیکن اس نے کبھی بھی میری خالہ کا دھیان اپنے بیٹے عبد الرحیم سے ہٹانے نہیں دیا، جو اب چلنے اور بات کرنے لگا تھا ، پھر انہوں نے اسے نئے تعلیمی سال کے آغاز کے ساتھ اسکول بھیجنے کی تیاری شروع کردی ، عبد الرحیم ایک خوبصورت سانولا بچہ تھا، لیکن وہ بہت تیز مزاج تھا ، اگر کوئی اسے ناراض کرتا تو وہ چپ رہتا اور اس وقت تک چپ رہتا جب تک کہ وہ اپنے غصے کا اظہار نہ کرلے، اور پھر وہ اسے مار دیتا

جس نے اسے ناراض کیا تھا، وہ اپنے چچا عبد الرحمن سے بہت زیادہ وابستہ تھا۔

عبد الرحمن نے اپنی یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد شادی کی اور ایک بیٹی ہوئی جس کا نام "رقیہ" رکھا ، عبد الرحمن اپنے بھتیجے عبد الرحیم سے بے حد محبت کرتے تھے ، اور جب بھی موقع ملتا، وہ اسے لے کر باہر جاتے ، ان کی ماں عبد الرحیم کو تیار کر کے چچا کے ساتھ بھیج دیتی، اور وہ اسے یا تو پہاڑ کی طرف لے جاتے یا شام کو گاؤں میں چہل قدمی کے لیے لے جاتے وہ قریبی دکان سے اسے جو بھی پسند ہو خرید کر دیتے اور اکثر اسے مسجد لے جاتے جہاں وہ مغرب کی نماز پڑھتے اور عبد الرحیم اپنے چچا کے ساتھ کھڑے ہو کر اس کی نقل کرتا ، اگر چچا نفل نماز میں سجدہ لمبا کرتے، تو عبد الرحیم اپنا سر اٹھا کر دیکھتا کہ چچا کس حالت میں ہیں، اور جب انہیں سجدہ میں دیکھتا تو خود بھی سجدے میں چلا جاتا ، پھر وہ مسجد میں چچا کے ساتھ بیٹھتا، جہاں کچھ نوجوان آتے، جو کسی فقہی مسئلے، تاریخی واقعے یا سیرت النبی کے بارے میں بات کرتے ، عبد الرحیم ٹانگیں موڑ کر بیٹھ جاتا، اپنا سر جھکا لیتا، پھر بات کرنے والوں کی طرف دیکھتا اور سر اپنے ہاتھوں کے درمیان رکھ لیتا ، عبد الرحیم کو اکثر چچا اپنے ساتھ الخلیل لے جاتے، جہاں وہ اپنے دوست اور ساتھی جمال سے ملتے ، وہ گھر میں بیٹھ کر بات چیت کرتے، اور ان کے ساتھ دوسرے دوست بھی آتے، جو دینی، سیاسی اور دیگر موضوعات پر بات کرتے ، کبھی کبھی وہ الخلیل کی کسی مسجد یا دوست کے گھر جاتے۔

مقبوضہ علاقوں میں سیاسی شعور واضح طور پر ترقی کر چکا تھا، خاص طور پر نوجوانوں کے مرکزوں، یونیورسٹیوں، کالجوں اور ہائی اسکولوں میں ، سیاسی اور فکری قوتوں کے درمیان مقابلہ بھی بتدریج بڑھ رہا تھا، کیونکہ ہر قوت زیادہ سے زیادہ مواقع اپنے حق میں کرنے کی کوشش کر رہی تھی ، مثلاً یونیورسٹیوں میں ہر دھڑا طلباء کو اپنے حق میں کرنے کی کوشش کرتا تاکہ وہ طلباء یونین کے انتخابات میں کامیابی حاصل کر سکے ، اس مقابلے کے دوران ہمیشہ چھوٹے اور محدود تصادمات ہوتے رہتے تھے جو جلدی اور آسانی سے حل کر لیے جاتے تھے ، لیکن اسلامی تحریک کی طاقت کے مختلف مقامات پر مقابلے کے پیش نظر قومی تحریک، خاص طور

پر فتح تحریک، میں شدید حساسیت پیدا ہوگئی تھی ، قومی تحریک، جو مختلف دھڑوں کے ساتھ مل کر فلسطین لبریشن آرگنائزیشن (پی ایل او) کی نمائندگی کرتی ہے، خود کو واحد قانونی اور واحد نمائندہ سمجھتی تھی ، یہی بات ہے جس پر فلسطینی عوام دہائیوں سے قائم ہے ، اس بات کو عرب لیگ، عرب ممالک اور حتیٰ کہ اقوام متحدہ اور دیگر بین الاقوامی اداروں نے بھی تسلیم کیا ہے۔

یہ صورتحال دہائیوں تک جاری رہی پھر اچانک اسلامی تحریک مقبوضہ علاقوں میں ابھرتی ہے، بڑے پیمانے پر بڑھتی ہے اور مختلف مقامات پر پی ایل او کے دھڑوں کے نمائندوں سے مقابلہ کرتی ہے، کئی مقامات پر جیتتی ہے ، دیگر مقامات پر اچھا تناسب حاصل کرتی ہے، جس سے شدید تشویش پیدا ہو جاتی ہے ، اس تشویش کو دو مزید پہلوؤں نے بڑھا دیا : پہلا یہ کہ اس تحریک نے مسلح جدوجہد میں کوئی عملی ذمہ داری نہیں نبھائی ، اور دوسرا یہ کہ یہ فلسطین لبریشن آرگنائزیشن کو فلسطینی عوام کا واحد قانونی نمائندہ تسلیم نہیں کرتی ، اگرچہ اس کے رہنما اور قائدین کھلے عام اس کا اقرار نہیں کرتے، لیکن وہ واضح طور پر اس حقیقت کو تسلیم بھی نہیں کرتے ، اگر ان سے اس بارے میں پوچھا جائے تو وہ سفارتی جوابات دیتے ہیں جن میں نہ صاف ہاں ہوتی ہے نہ صاف ناں۔

اس تحریک کی طاقت میں اضافہ خاص طور پر غزہ میں اور خاص طور پر اسلامی یونیورسٹی میں دیکھا گیا ، جہاں اسلامی تحریک نے طلباء کے انتخابات میں بڑی تعداد میں جیت حاصل کر کے طلباء پر تقریباً مکمل کنٹرول حاصل کر لیا ، اس کے علاوہ اساتذہ کے انتخابات میں بھی اپنے امیدواروں کو جیتوایا، اور طالبات کے انتخابات میں بھی اپنے امیدواران کو فتح دلوائی ، اس طاقت کے بڑھنے سے صورتحال تشویشناک ہوگئی ، جس کے بعد زیادہ سنجیدہ کوششیں شروع ہوئیں تاکہ توازن بحال کیا جا سکے، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بیرونی قیادتوں سے ہدایات آئیں کہ معاملات کو سنجیدگی سے حل کیا جائے ، اس کے بعد تمام حلقے کام میں لگ گئے، جس سے کئی مقامات پر شدید کشیدگی پیدا ہوئی اور کئی بار یہ تصادمات یونیورسٹیوں سے نکل کر گلیوں اور کیمپوں تک پہنچ

گئے، جہاں ایک فریق کے اراکین پر دوسرے فریق کی طرف سے حملے ہوتے اور پھر جواب میں پہلا فریق دوسرے پر حملہ کرتا، اس طرح کے سلسلے میں جسمانی نقصانات بھی ہوئے اور کئی حالات میں علاج کی ضرورت پیش آئی۔

ان حالات میں ہر کوئی اپنی جماعتوں اور تنظیموں کے ساتھ جڑ گیا تھا، ہر کوئی اپنی جماعت کی حمایت میں بات کرتا اور ان کے موقف کا دفاع کرتا، یہ بات فوراً ہمارے گھر پر بھی اثرانداز ہوتی ، میرے بھائی محمود فتحاوی تھے، میرے بھائی حسن اور محمد اور میرے چچا زاد ابراہیم اسلامی تحریک سے تھے اور ہمارا پڑوسی اور حسن کی بیوی کے بھائی کا تعلق الجبهة الشعبية سے تھا ، جب بھی ایسے تصادم یا جھگڑے ہوتے، یہ باتیں ہمارے گھر اور اس کی تعلقات پر بھی اثر ڈالتی تھی ، جہاں بحث و مباحثہ شروع ہو جاتا اور چیخ پکار تک پہنچ جاتا ، " تم نے یہ کیا، نہیں تم نے یہ کیا... تم کون ہوتے ہو یہ کرنے والے اور تم اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو؟ " میری ماں اصلاح کرنے اور مصالحت کی کوشش کرتی، یا کم از کم یہ دیکھتی کہ بات ہاتھا پائی تک نہ پہنچے، اور میں عموماً اس کے ساتھ کھڑا ہوتا ، محمود کی بیوی اس کے ساتھ ہوتی، اور حسن کی بیوی اس کے ساتھ ہوتی... اور آخر میں سب اپنے اپنے کمروں میں چلے جاتے، ایک دوسرے سے بچنے کی کوشش کرتے ہوئے، اور اپنی ناراضگی اور غصہ ظاہر کرتے۔

یونیورسٹی میں ابراہیم کے کردار اور اسلامی جماعت میں اس کے نمایاں مقام کی وجہ سے اس کی عزت غیر معمولی تھی، جو کچھ حد تک تقدس تک پہنچ جاتی تھی ، لیکن چونکہ میں بھی یونیورسٹی میں تھا اور اس کے قریب تھا، میں یہ بات واضح طور پر محسوس کرتا تھا اور ڈرتا تھا کہ کہیں کوئی اس پر حملہ نہ کر دے ، اس لیے میں اپنی تمام تر کوششوں سے اس کے قریب رہنے کی کوشش کرتا، جب تک کہ میری کلاسز اور اس کی موجودگی مجھے اجازت دیتی ، کبھی کبھار وہ غائب ہو جاتا، اور کبھی کبھار وہ اسلامی جماعت کے کارکنوں کے ساتھ بیٹھتا یا کھڑا ہوتا تھا، تو میں ان کے قریب نہیں جاتا کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ وہ اپنے خاص معاملات پر

بات کر رہے ہوں گے اور یقیناً وہ نہیں چاہتے ہوں گے کہ میں ان کی باتیں سنوں۔

ایسا لگتا تھا کہ ابراہیم کے کردار کے بارے میں معلومات فتح کے کارکنان کے ذریعے میرے بھائی محمود تک پہنچتی تھی ، جو ان کے ایک لیڈر سمجھے جاتے تھے ، میں محمود کے چہرے پر ابراہیم کے خلاف غصہ اور ناراضگی دیکھتا تھا اور وہ اس کے قریب نہیں جا سکتا تھا، یا اس سے کوئی ایسی بات نہیں کر سکتا تھا جو اسے ناراض کر دے، کیونکہ یہ میری ماں کے نزدیک ایک سرخ لکیر تھی ، ابراہیم کی ناراضگی کا مطلب قیامت کے مترادف تھا، کیونکہ اس کی ماں نے اسے چھوڑ دیا تھا ، کبھی کبھار محمود اپنی اعصاب کو قابو میں رکھتے ہوئے ابراہیم سے بات کرنے کی کوشش کرتا، تاکہ تصادم نہ ہو جائے، تو میری ماں اس پر غصہ نکالتی ، محمود اس سے بات کرتا کہ یہ کام اس طرح نہیں چلتے اور جو تم کر رہے ہو وہ غلط ہے وغیرہ، جس کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ ابراہیم اور اس کی جماعت کو ہونے والے تصادمات کا ذمہ دار ٹھہرا رہا ہوتا۔

ابراہیم مسکراتے ہوئے کہتا "یار، تم ہم پر ذمہ داری ڈالنے کی کوشش کر رہے ہو... ہم نے جھگڑا شروع نہیں کیا، اور تم لوگ ہمارے وجود کو ایک عوامی قوت اور ایک سیاسی و سماجی تحریک کے طور پر تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔

محمود جواب دیتا : تم لوگ ہی تشدد کی طرف مائل ہوتے ہو اور لاٹھیوں، زنجیروں اور کلہاڑیوں کا استعمال کرتے ہو، تم لوگ فلسطین کی آزادی تنظیم (پی ایل او) کو تسلیم نہیں کرتے اور مسلح جدوجہد میں اپنی ذمہ داری نہیں نبھاتے اور قومی تحریک کے نمائندوں پر حملہ کرتے ہو جبکہ قبضہ کرنے والے تمہیں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔

ابراہیم ناراض نظر آتا اور پوچھتا : کیا یہ ہمیں غداری کا الزام دے رہے ہو کہ ہم قبضہ کرنے والوں کے پالے ہوئے ہیں؟

محمود وضاحت دینے کی کوشش کرتا "میں تم پر الزام نہیں لگا رہا ہوں، ابراہیم، میں تم پر الزام نہیں لگا رہا ہوں ، لیکن ہو سکتا ہے کہ تمہارے قائدین کے ذاتی مقاصد ہوں۔

ابراہیم جواب دیتا : یار ہم نے کبھی جھگڑا شروع نہیں کیا، ہم نے ہر بار اپنے دفاع میں کام کیا ہے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ تم لوگ ہمارے وجود کو بطور حریف قوت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو جیسے کہ فلسطینی کام اور اداروں اور تنظیموں پر قبضہ صرف تمہارے نام پر رجسٹرڈ ہو، تمہیں تسلیم کرنا ہوگا کہ یہاں ایک حریف قوت ہے جو تم سے بہت سے نقطہ نظر اور موقف میں مختلف ہے۔

اسی دوران میری ماں، جو اس گفتگو کو سن رہی ہوتی اور اس کی پیش رفت کو دیکھ رہی ہوتی ، مداخلت کرتی ہیں اور کہتی : اس بات چیت کو روک دو اور سڑکوں کی مشکلات کو گھر کے جھگڑوں میں تبدیل نہ کرو۔

ایک بار فوجی گورنر نے ابراہیم اور دیگر مختلف تحریکوں کے کارکنوں کو اپنے دفتر میں بلا بھیجا، جب ابراہیم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ تقریباً دس کارکن جمع ہیں، اور گورنر انہیں باری باری اپنے دفتر میں بلایا، جب ابراہیم کو بلایا گیا تو گورنر ان سے بات کرنے لگا اور انہیں حالات کا ذمہ دار ٹھہرایا، ابراہیم نے اس انداز پر اعتراض کیا اور وضاحت کی کہ ان کا جھگڑوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

گورنر نے طریقہ بدلتے ہوئے کہا: تم لوگ جو قبضے میں رہتے ہو، آزادی چاہتے ہو، تم آپس میں لڑتے جھگڑتے ہو، تم لوگ زندگی کے مستحق نہیں ہو ،اور تم یہ اور وہ ہو۔

ابراہیم ایک مشکل میں پڑگیا کہ اگر وہ جواب نہیں دیتا تو یہ ایک تیز تھپڑ کی طرح ہوگا، اور اگر جواب دیتا تو گویا وہ اس کی تصدیق کر رہا ہے یا اس کا حصہ ہے ، کچھ دیر سوچ کر ابراہیم نے کہا: سب سے پہلے میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میرا ان جھگڑوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ تمام لوگ جو قبضے میں رہتے ہیں یا جن کے پاس خود مختاری اور ادارے ہوتے ہیں، ان میں اختلافات اور

جھگڑے ہوتے ہیں اور یہ آپ کے ہاں بھی بار بار ہوا ہے ... پرانے اور نئے دور میں، اور آخری بار ہگانا کے اعمال اِتسل کے خلاف تھے۔

فائدہ : "ہگانا" اور "اتسل" دونوں نے بیسویں صدی کے وسط میں فلسطینی سر زمین پر برطانوی حکومت کے خلاف اور بعد میں عربوں کے خلاف یہودی ریاست کے قیام میں حصہ لیا۔

..... حاکم حیران رہ گیا اور اپنی حیرت چھپا نہ سکا اور پوچھا: "تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ ابراہیم نے جواب دیا : "یہ کتابوں میں لکھا ہے ، حاکم نے دوبارہ ابراہیم کو چیلنج کرنے کی کوشش کی اور کہا: "مجھے فخر ہے کہ تم جیسے لوگ یہودی قوم کو اپنی مثال اور نمونہ سمجھتے ہیں ، ابراہیم نے جواب دیا: "میں نے اسے نمونہ اور مثال کے طور پر نہیں، بلکہ تاریخ کے ایک نمونے کے طور پر ذکر کیا ہے اور میں پھر سے یقین دلاتا ہوں کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے جو ہو رہا ہے۔

ہر دن ابراہیم کی نظر میں میری عزت اور احترام بڑھتا جا رہا تھا، کیونکہ وہ ایک یتیم تھا جس کا باپ اس کی عمر کے چوتھے سال میں شہید ہو گیا تھا، پھر اس کی ماں نے بھی اسے چھوٹے عمر میں چھوڑ دیا تھا، اور وہ ہمارے درمیان پلا بڑھا ، اس کی کم عمری اور مشکل حالات کے تحت قبضے کے باوجود وہ ایک خودساختہ آدمی اور سچے قائد بن گیا تھا باوجود۔

میں اسے دیکھتا تھا جب وہ یونیورسٹی کے صحن میں حرکت کرتا، اس سے بات کرتا، اس سے بات کرتا ان کو احکام اور ہدایات دیتا، اور چیزوں کو اپنی مرضی کے مطابق چلاتا ، پھر آپ اسے ایک مفکر اور اچھا مناظر پاتے، اور ان سب سے بڑھ وہ اپنی زندگی میں اس کنواری لڑکی کی طرح تھا جو پردے میں ہو ، تیزی سے خون اس کے چہرے کی طرف دوڑتا اور اس کے گال سرخ ہو جاتے اور یوں لگتا کہ ابھی پھٹ جائیں گے ۔

قابض افواج یونیورسٹی میں تعمیرات کو روک رہی تھی تاکہ اسے محدود اور تنگ کر سکے، اور حقیقی صورتحال کو

اپنانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا ، یونیورسٹی کے طلبہ کی تعداد پندرہ سو سے تجاوز کر گئی تھی اور اس کا اکیڈمک اور انتظامی عملہ بھی اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ کسی بھی طالب علم یا ناظر کے دل میں یہ شک نہیں رہا کہ وہ خطرے کے مرحلے سے گزر چکی ہے اور سرکاری یونیورسٹی کے راستے پر گامزن ہے۔

یہ معاملہ قبضے کے خلاف ایک چیلنج میں تبدیل ہو چکا تھا جو ہم سے ہر چیز میں لڑتا حتیٰ کہ تعلیم میں بھی لڑ رہا تھا، اس لیے ہم نے مناسب سوچا کہ ہم خیمے اور کھجور کے پتوں کی آڑ بنا کر پڑھائی کریں ، ابراہیم ہمارے سروں پر کھڑا ہوتا اور کام کی نگرانی کرتا اور طلبہ میں اصرار اور چیلنج کی روح پیدا کرتا، لہٰذا ہم میں سے ہر ایک یونیورسٹی آتا اور محسوس کرتا کہ یہ اس کے قومی فریضے کا حصہ پہلے ہے تعلیمی فکر کے بعد میں ہے ، "جامعہ الخیم" کا نام اسلامی یونیورسٹی پر نقش ہونے لگا، اور یہ ہمارے فخر اور اعزاز کا موضوع تھا اور قبضہ علم و تعلیم کے لیے عوام کی مرضی کے سامنے کھڑا نہیں ہو سکا، اس نے حقیقی امر کو تسلیم کرنا شروع کر دیا تھا، اور ہمیں آگے بڑھنا تھا ، اچانک بغیر کسی پیشگی اطلاع کے یونیورسٹی میں کئی ٹرک داخل ہوئے اور بڑی مقدار میں تعمیراتی مواد اتارنا شروع کر دیا، اور اگر ابراہیم طالب علم اور کارکن سے ٹھیکیدار میں تبدیل ہو گیا جہاں اس نے اور چند معزز طلبہ نے اور ہم میں سے سینکڑوں نے ان کی مدد کی اور اینٹوں سے کلاس رومز کی تعمیر شروع کی اور ان کی چھت اسپیسٹ سے بنائی۔

اس طرح قابضین پر حقیقت مسلط کی گئی، تو کچھ ہی دیر میں کئی کلاس رومز تیار ہو گئے، اور کچھ عرصہ بعد مزید کچھ کلاس رومز تیار ہو گئے، پھر تیسری قسط بھی تیار ہو گئی اور یہ واضح ہو گیا کہ ہمیں کھجور کے پتوں اور خیموں کی چھتریوں کی ضرورت نہیں رہی ، یہ سب کچھ ابراہیم کی عظمت، بلندی اور محبت کو میری نظروں اور دل میں بڑھا رہا تھا۔

ابراہیم اپنی پڑھائی میں بہترین تھا، اور طلبہ کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتا تھا اور اپنے ساتھیوں میں اپنے گروپ کا لیڈر کی حیثیت سے ممتاز مقام رکھتا تھا ، ان سب کے علاوہ وہ تعمیراتی کام بھی کرتا تھا جس سے

اسے اتنے پیسے مل جاتے تھے جو اس کے خرچ کے لیے کافی ہوتے تھے ، بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ ایک دن شام کے وقت جب ہم سب گھر میں بیٹھے تھے، اس نے میری ماں سے مخاطب ہو کر کہا: میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور نہیں چاہتا کہ آپ مجھ سے ناراض ہوں ، ماں نے کہا: تم جانتے ہو کہ میں تم سے ناراض نہیں ہوتی اور میں جانتی ہوں کہ تم کوئی ایسی بات نہیں کہو گے جس سے مجھے دکھ ہو ، اس نے کہا: لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ پہلی بار ہے کہ میں ایسا کر رہا ہوں، اس لیے معافی چاہتا ہوں ، ماں نے حیرانی اور تعجب سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا: کیا بات ہے، ابراہیم؟ اس نے جواب دیا اور اپنی جیب سے پیسوں کا ایک گچھا نکالتے ہوئے کہا: میں گھر کے خرچ میں حصہ ڈالنا چاہتا ہوں، میں اب بڑا ہوگیا ہوں اور کافی پیسے کماتا ہوں، اس لیے مجھے خرچ میں حصہ ڈالنا چاہئے ، اتنا سننا تھا کہ ماں نے چیختے ہوئے کہا: کیا ہوگیا ہے تمہیں ؟ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟ ابراہیم نے آہستہ سے کہا: اماں، میں اب... ماں نے دوبارہ چیختے ہوئے کہا: نہ تم اب ہو نہ کچھ اور... اس فضول بات کو چھوڑ دو، اگر تمہارے پاس ضرورت سے زیادہ پیسے ہیں تو مجھے دے دو، میں انہیں تمہارے لیے بچا کر رکھوں گی، کل یا پرسوں تمہیں ضرورت پڑ سکتی ہے اور ویسے بھی جب تم یونیورسٹی سے فارغ ہو کر شادی کرو گے تو ہمیں ضرورت پڑے گی ، پھر ماں نے نرمی سے کہا: جب بھی تمہارے پاس ایک پیسہ زیادہ ہو، مجھے دے دو، میں اسے تمہارے لیے بچا کر رکھوں گی، اس کی تمہیں ضرورت پڑے گی ، اس کی تمہیں ضرورت پڑے گی ابراہیم ! اور ایسا لگتا تھا کہ یہ انکار اس کے لیے قابل قبول نہیں تھا کہ میں اسے دیکھتا تھا کہ ہر کچھ دن بعد وہ گھر آتا اور ساتھ میں کھانے پینے کی چیزوں یا پھلوں یا سبزیوں یا مٹھائیوں کا ایک لفافہ یا تھیلا لے آتا، جسے وہ گھر میں بطور حصہ دار لاتا ، ماں اسے عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتی اور کہتی : ہائے میں تمہارے ساتھ کیا کروں، ابراہیم ،خدا تمہیں خوش رکھے۔

مسلح مزاحمت کافی حد تک کم ہوگئی تھی، اور یہ مثل مشہور ہوگئی تھی: ہر یہودی کی موت سے یہ ہوتا ہے"، جس سے اس چیز کی نایابی یا عدم موجودگی کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا ، نہ صرف دشمنوں کے درمیان موت کم

ہو گئی تھی بلکہ کسی بھی مزاحمتی عمل کی علامات بھی کم ہو گئی تھی ، فوجی گشت کی تعداد کم ہو گئی تھی جو سڑکوں پر گشت کرتی تھی ، بہت ہی کم کرفیو لگایا جاتا تھا، رات کا کرفیو ہٹا دیا گیا تھا، لوگوں کو کئی علاقوں میں رات کے وقت سمندر کے کنارے رہنے کی اجازت دی گئی تھی۔

یہودیوں کی بسیں ہفتے کے دن تفریح اور سستے داموں کی خریداری کے لیے مختلف علاقوں میں آنا شروع ہو گئی تھی ، مثلاً غزہ کے قلب میں ، اس سے ملک کی روایتی معاشرت پر بہت منفی اثر پڑ رہا تھا ، جب درجنوں بسیں نیم عریاں لڑکیوں اور عورتوں کو لے کر آتی تو علاقوں کے ذمہ دار انٹیلی جنس افسران اپنی گاڑیوں (سوبارو) میں سڑکوں پر گھومنے لگتے بلکہ وہ کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ گاڑی روک کر راہگیر کو بلاتے اور اس سے اس کی شناختی کارڈ مانگتے اور اس سے تفتیش شروع کر دیتے یا اس سے بغیر کسی حفاظتی اہلکار اور بنا کسی خوف یا اندیشے کے بات چیت کرنے لگتے ، اور کبھی کبھار اگر کسی گلی میں انہیں کچھ مشکوک نظر آتا تو وہ اس گلی میں دوڑتے ہوئے جاتے ، جسے وہ سمجھتے ہیں اس کے پیچھے جاسکے ، بجائے بڑی بڑی فورسز بھی خیموں پر حملہ نہیں کر سکتی تھیں اور اب حالات اس سطح پر پہنچ گئے تھے ، آپ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ کسی نوجوان پر چلا رہے ہیں جسے انہوں نے روکا ہے اور کبھی کبھار اسے تھپڑ یا لات بھی مار دیتے ، پھر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر اس کا شناختی کارڈ واپس کیے بغیر چلے جاتے ہیں اور اس نوجوان کو اپنے دفتر میں آنے کا حکم دیتے ہیں، اور اگر وہ نہ آیا تو اس کے لیے بڑی مصیبت ہوتی ۔

اندرونی علاقوں میں مزدوروں کی حرکت بغیر کسی حد یا ضابطے کے ہو گئی تھی ، اور ان مزدوروں اور کاریگروں نے یہودی مالکان کے ساتھ دوستی کے تعلقات بنا لیے تھے اور یہ صرف کام کے تعلقات تک محدود نہیں رہا بلکہ سماجی تعلقات تک بھی پہنچ گیا تھا ، اگر کوئی مزدور ایک ہفتے کی چھٹی چاہتا کہ اس کی شادی ہے تو اس کا مالک اس سے شادی کی تاریخ پوچھتا اور اسے بتاتا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ مبارکباد دینے اور تحفے لے کر آئے گا ، اکثر آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ایک اسرائیلی گاڑی جس پر پیلے رنگ کی لائسنس پلیٹ تھی ، کیمپس میں

داخل ہوتی ہے ، رکتی ہے اور اس کا ڈرائیور عبرانی یا ٹوٹی پھوٹی عربی میں کسی سے فلاں دلہا یا فلاں دلہن کے گھر کا پتہ پوچھتا ہے اور وہ اسے راستہ بتاتے ہیں ، پھر وہ اپنی گاڑی دروازے کے سامنے روک دیتا ہے اور وہ اور اس کی نیم عریاں بیوی ہمارے معیار کے مطابق، تحفے اٹھائے ہوئے گھر کے اندر جاتے ہیں، ایک گھنٹے یا اس سے کم وقت کے لیے بیٹھتے ہیں اور پھر بغیر کسی مداخلت کے چلے جاتے ہیں ۔

قابض انٹیلی جنس نے منظم اور منصوبہ بند طریقے سے کیمپس میں سرایت کرنا شروع کر دیا تھا اور اس کے خلاف کوئی مزاحمت یا اعتراض نہیں تھا ، علاقے کے ذمہ دار انٹیلی جنس افسر سینکڑوں طلبی کے نوٹس نوجوانوں اور مردوں کو بھیجتے اور یہ ان کے دفتر جاتے ، تخشیبہ (یہ وہ جگہ ہوتی ہے جہاں لوگ بیٹھ سکتے ہیں، آرام کر سکتے ہیں، یا کچھ وقت گزار سکتے ہیں) میں گھنٹوں بیٹھے رہتے ، پھر انہیں ایک ایک کر کے بلایا جاتا ، مارا جاتا ، دھمکایا جاتا ، دھمکیاں دی جاتی ، سودے بازی کی جاتی ، تسلی دی جاتی ، اور ہر ممکن کوشش کی جاتی کہ ان میں سے کسی کو بھرتی کیا جا سکے، اور کبھی کبھار کچھ کمزور لوگوں کو پکڑنے میں کامیاب ہو جاتے ، جو بھی بیرون ملک پڑھنے، اپنے رشتہ داروں سے ملنے، یا کام کرنے کے لیے جانا چاہتا ، یا تعمیرات، ورکشاپ، یا دکان کھولنے کا اجازت نامہ چاہتا ، یا جو کچھ بھی چاہتا اسے باضابطہ انٹیلی جنس کے دفتر سے گزرنا پڑتا ، جہاں سودے بازی شروع ہو جاتی اور اپنی خدمات کے بدلے میں اس شہری سے معمولی خدمات طلب کی جاتی ، لہذا جب ابتدائی تعاون کے لیے آمادگی پائی گئی تو یہ سمجھ میں آگیا کہ اسے ترقی دے کر مکمل تعاون اور پھر غداری و خیانت تک لے جاسکتے ہیں ، بات یہاں تک محدود نہیں رہی بلکہ اس سے تجاوز کر گئی کہ کچھ مخبر مشہور و معروف ہوگئے اور وہ اپنی کمر پر پستول لے کر گلیوں میں گھومتے تھے، اور جب چاہیں انٹیلی جنس آفس میں داخل ہو جاتے تھے، لوگوں پر غصہ نکالتے اور ان پر حملہ کرتے ، معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ جب کسی کو اجازت نامہ یا لائسنس چاہیے ہوتا اور انٹیلی جنس افسر انکار کر دیتا تو وہ ان مشہور مخبروں میں سے کسی کے پاس جاکر اس سے مدد کی درخواست کرتا ،اور یہ مخبر اس کے بدلے کمیشن مانگتا۔

ایک پڑوسی کا بیٹا ترکی میں تحصیل علم کے لیے گیا تھا، اس نے میڈیکل کالج کے چھ سال مکمل کر لیے تھے اور انٹرنشپ کا ایک سال باقی تھا، سفر کی اجازت نہیں دی گئی ، وہ بار بار انٹیلی جنس افسر کے پاس گیا اور ہر بار اس نے سفر کی اجازت دینے سے انکار کر دیا، یہاں تک کہ اس کے پاؤں تھک گئے ، کسی مشیر نے اسے مشورہ دیا کہ وہ ایک مشہور مخبر کے پاس جا کر اس سے مدد مانگے، لہذا اس نے ایسا ہی کیا اور اس مخبر نے پانچ سو اردنی دینار کی رقم مانگی جو کہ بہت بڑی رقم تھی ، جب اس شخص نے بحث کی کہ رقم بہت زیادہ ہے، تو مخبر نے طنزیہ انداز میں جواب دیا: میں یہودیوں کا مخبر ہوں، اگر آپ مجھے قتل کرنے کی سکت رکھتے ہو تو پھر مجھے اس سے پہلے ہی آپ کا خون چوسنا چاہیے۔

کچھ نے دفتر کھول کر اجازت نامے اور اس جیسی دیگر معاملات کے حصول میں مدد کی جو انٹیلی جنس کی اجازت کے بغیر ممکن نہیں تھے اور اس سے کمیشن کما کر دولت بنانے لگے اور مہنگی گاڑیاں چلانے لگے ، یہ واضح ہو گیا کہ قابض انٹیلی جنس اور اس کے مخبر منشیات، شراب اور حشیش کا کاروبار اور استعمال فروغ دینے لگے تھے ، انہیں یہ ایک طریقہ سمجھ رہے تھے کہ اس سے عوام کی تباہی اور کسی بھی مزاحمتی روح کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے ، اور ان کے جاسوس اسے تیزی سے پیسہ کمانے کا ذریعہ سمجھتے تھے اور ان کا تحفظ بھی ہوتا تھا، مخبر فحاشی اور بدکاری کو فروغ دینے لگے اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں فحش تصاویر، میگزین اور جنسی ویڈیوز تقسیم کرنے لگے۔

مختلف تنظیموں کے سرگرم کارکن ان تاریک اور مایوس کن مناظر کو دیکھتے تھے، اور نہ صرف یہ کہ وہ ان مظاہر کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے تھے بلکہ وہ سب ان جاسوسوں کی مستقل نگرانی میں تھے ، چونکہ میرے بھائی محمود اور میرے چچا زاد بھائی ابراہیم معروف کارکن تھے، اس لیے ایک مخبر نے ہمارے گھر کے مرکزی دروازے کی نگرانی شروع کر دی تھی ، مگر وہ لوگ نہیں جانتے تھے کہ ہمارے گھر کا ایک اور دروازہ بھی ہے، جو پہلے میرے چچا کے گھر کا دروازہ تھا ، لہذا محمود اور ابراہیم خاموشی سے پچھلے دروازے سے گھر سے

نکل جاتے، اور وہ مشکوک لوگ سمجھتے کہ وہ ابھی تک گھر میں ہیں۔

کیمپ میں تمام نوجوان بہت سی خواتین کی کہانیاں جانتے تھے، کہ وہ عورت یا لڑکی جاسوسی کے جال میں پھنس کر انٹیلی جنس کے لیے کام کرنے لگی ہے ، وہ نوجوانوں کو پہلے جنسی تعلقات میں ملوث کرتی، پھر ان کی فحش اور شرمناک حالت میں تصاویر بنائی جاتی ، بعد میں انٹیلی جنس انہیں بلیک میل کرکے اپنے ساتھ کام کرنے پر مجبور کرتی۔

کچھ کہانیاں خاص طور پر مشہور ہو گئی تھی ، جیسے کہ کچھ بیوٹی سیلون یا فوٹوگرافی اسٹوڈیوز جو کہ انٹیلی جنس کے ایجنٹس کے زیر استعمال تھے ، یہ جگہیں اخلاقی گراوٹ کے لیے استعمال ہوتی تھی ، جو بعد میں سیکیورٹی کے جال میں پھنسانے کے لیے پہلا قدم ثابت ہوئی ، یہ کہانیاں اس وقت سامنے آئیں جب کئی لڑکیوں نے خودکشی کی، اور اپنے خاندان کو خط لکھ کر بتایا کہ وہ کس طرح دھوکہ کھا گئی تھی، جب وہ فلاں بیوٹی سیلون گئی تو وہاں ان کے مشروب میں نشہ آور چیز ملا دی گئی ، جب وہ ہوش میں آئی ، تو دیکھا کہ ان کا ریپ ہو چکا تھا اور ان کی فحش تصاویر بنائی جا چکی تھی ، انہیں انٹیلی جنس کے لیے کام کرنے کا دھمکی دی گئی ، ورنہ ان کی تصاویر عام کر دی جائے گی ،اس لیے انہوں نے خودکشی کو ترجیح دی۔

یہ کہانیاں بہت مشہور ہو چکی تھی ، اور ان لڑکیوں کے ساتھ ساتھ ان جگہوں اور ان ایجنٹس کے نام بھی سب کو معلوم ہو چکے تھے ، واضح ہو چکا تھا کہ انٹیلی جنس ایک منظم طریقے سے فساد پھیلانے کا کام کر رہی ہے ، تاکہ عوام کو برباد کیا جا سکے اور ان کے مستقبل کے آزادی یا مزاحمت کے تمام امکانات ختم کیے جا سکیں ، ہر دن ان کے طریقے مزید پیچیدہ ہوتے جا رہے تھے ، ایک مشہور ایجنٹ کے دفتر نے ایک اعلان کیا کہ ایک سیاحتی سفر کا اہتمام کیا جا رہا ہے، جس میں نوجوان لڑکوں کو اسرائیل کے اندر کچھ مشہور سیاحتی مقامات جیسے قشخ، بانیاس، یا عین جیدی لے جایا جائے گا ، جب یہ سفر ہوتا، تو انٹیلی جنس کے ایجنٹس کے ساتھ کئی معروف فاحشائیں بھی شامل ہوتیں ، جو ان نوجوانوں کو بدنام کرنے کے لیے فحش حالت میں

تصویریں بناتی ۔

کیمپ کے ایک نوجوان نے ایسی ہی ایک سفر میں شرکت کی، اور وہاں اس کی فحش حالت میں تصاویر بنائی گئی ، کیمپ کے انٹیلی جنس افسر نے اسے اپنے دفتر بلایا اور اس سے تعاون کرنے کا مطالبہ کیا ، نوجوان نے انکار کر دیا، تو افسر نے اس کی تصاویر دکھائیں اور اسے بدنام کرنے کی دھمکی دی ، اس کے باوجود نوجوان نے انکار کیا، تو افسر نے کہا: میں تمہیں ایک ہفتے کی مہلت دیتا ہوں، اس کے بعد دوبارہ بلاؤں گا ، اگر تم نے تعاون نہ کیا، تو تم دیکھو گے کہ میں تمہیں کیسے بدنام کرتا ہوں ، نوجوان خوفزدہ ہو کر نکل آیا اور اسے محسوس ہوا کہ وہ ایک جال میں پھنس گیا ہے ، اگر وہ تعاون سے انکار کرتا ہے تو کیمپ میں اس کی بدنامی ہو جائے گی اور اس کی عزت خاک میں مل جائے گی، اور اگر وہ تعاون کرتا ہے تو اسے اپنے اہل و وطن کے ساتھ غداری کا سامنا کرنا ہوگا ، آخرکار اس نے اپنے ایک دوست سے مشورہ لیا کہ اس مصیبت سے کیسے نکلا جائے؟ اس کا دوست بھی حیران تھا کیونکہ اسے بھی ایسی باتوں کا کوئی تجربہ نہیں تھا ، دونوں نے مل کر محمود بھائی سے رجوع کیا اور انہیں سارا ماجرا سنایا۔

محمود نے اس نوجوان کو ڈانٹا کہ وہ ایسی جگہوں پر کیوں جاتا ہے؟ اور وہ کیسے مخبروں کے قریب جا پہنچا ؟ اور کیسے اس مصیبت میں پھنس گیا ؟ آخر میں اس نے نوجوان کو سمجھایا کہ اس کی مشکل کا حل موجود ہے ، جب اس نے اپنے دوست کو بتا دیا اور اس کے ساتھ یہاں آنے کی اجازت لے لی، تو اس مسئلے کا حل نکل آیا ، کیونکہ عام طور پر انٹیلی جنس ایسی تصاویر کو شائع نہیں کرتی، بلکہ نوجوانوں کو دھمکی دیتی ہے ، لوگوں کی اس بات سے خوفزدگی ہی انہیں تعاون پر مجبور کرتی ہے ، اس نے نوجوان کو ہدایت دی کہ اگر دوبارہ انٹیلی جنس افسر سے ملاقات ہو تو اسے صاف بتا دے کہ وہ بدنامی سے نہیں ڈرتا اور نہ اس کے لیے کوئی مانع ہے کہ وہ تصاویر شائع نہ کرے ،بلکہ وہ خود ہزاروں نسخے لے کر کیمپ میں تقسیم کرے گا۔

چند دن بعد نوجوان کو طلب کیا گیا اور اس نے محمود کی ہدایت پر عمل کیا ، ابو ودیع غصے سے پاگل ہوگیا اور

دھمکیاں دینے لگا، مگر آخر کار اس نے نوجوان کو دفتر سے باہر نکال دیا اور کہا کہ وہ اسے مزید وقت دے گا، اور اگر وہ تعاون نہ کرے تو اس کی زندگی کو عذاب بنا دے گا ، ایک شام ابو ودیع کیمپ کی گلیوں میں گاڑی چلا رہا تھا کہ اس نوجوان کو کچھ سامان خریدتے ہوئے دیکھا ، جب ابو ودیع نے اسے بلانے کے لیے گاڑی روکی، تو نوجوان بھاگتے ہوئے ایک گلی میں چلا گیا ،اور ابو ودیع اس کے پیچھے بھاگ کھڑا ہوا۔

محمود اور اس کے ساتھی اکثر اپنی محفلوں میں انٹیلی جنس کی سرگرمیوں اور اس کے جاسوسوں پر بات چیت کرتے تھے، اور ان کا مقابلہ کیسے کیا جائے، اس پر غور کرتے تھے، مگر انہیں کوئی تدبیر نہیں سوجھتی تھی ، لگتا ایسا تھا کہ حالات اتنے بگڑ گئے ہوں کہ انہیں قابو میں لانا مشکل ہو گیا ہو ۔

ہماری مصیبت یہ تھی کہ میرا چچا زاد حسن دوبارہ کیمپ میں نظر آنے لگا تھا ، اس کی یہودی محبوبہ نے اسے اپنے اپارٹمنٹ سے نکال دیا تھا کیونکہ اس کی کمپنی اس کے والد کے ساتھ دیوالیہ ہو گئی تھی ، وہ بے بس ہو کر واپس کیمپ آ گیا تھا ، جب وہ گھر آیا تو یہ طے تھا کہ اس کا ہمارے بیچ کوئی مقام نہیں ہوگا اور وہ اب واپسی کی کوئی گنجائش نہیں رکھتا ، وہ یہودیوں کی طرح زیادہ لگنے لگا تھا اور ہم میں سے کوئی بھی اسے دیکھنا گوارا نہیں کرتا تھا ۔

محمود نے اس خیال کو اپنانے کا فیصلہ کیا کہ ہم اسے ایک موقع دیں اور اسے ٹھیک کرنے اور اس کی حالت کو معمول پر لانے کی کوشش کریں ، ہم نے اس کے لیے مہمانوں کا کمرہ خالی کر دیا اور ہم سب نے اسے خاندان کی گرمی محسوس کرانے کی کوشش کی، لیکن وہ نہ تو گرمی محسوس کر سکا اور نہ ہی حرارت ، ہر روز وہ کسی پڑوسی پر حملہ کرنے یا ان کی عزت پر حملہ کرنے کی کوشش کرتا، شکایات آنے لگتی ، اور محمود نصیحت اور رہنمائی کرنے لگتا، لیکن بے سود ، یہاں تک کہ صورتحال ناقابل برداشت ہوگئی اور یہ ظاہر ہو گیا کہ ہم ایک ناممکن حالت کا علاج کر رہے ہیں، اس لیے ہم نے متفقہ طور پر اسے گھر سے نکالنے کا فیصلہ کیا، اور اس معاملے میں سب سے زیادہ سخت ابراہیم تھا ، جب حسن اپنی کسی شرارت سے واپس آیا اور اسی حالت

میں تھا کہ ابراہیم نے اس سے سختی اور غصے سے بات کرنا شروع کی اور اسے بتایا کہ ہمارے ہاں اس کی کوئی جگہ نہیں ہے اور اسے جہاں چاہے چلے جانا چاہیے ، ہم سب اس گفتگو میں شامل ہونے کے لیے اندر آئے اور اسے واضح طور پر بتادیا ، اس نے اپنے کچھ سامان، خاص طور پر اپنا ٹیلی ویژن لیا، اور بڑبڑاتے ہوئے زیادہ تر عبرانی میں اور کچھ ٹوٹی پھوٹی عربی میں گالیاں دیتا ہوا نکل گیا۔

چند دنوں بعد ہمیں خبر ملی کہ وہ ایک مشتبہ عورت کے گھر میں رہ رہا ہے، جس کی بدنامی سب کو معلوم تھی ، پھر خبریں آنے لگی کہ وہ منشیات اور چرس اور فحش تصاویر اور رسالے پھیلانے میں ملوث ہے ، یہ واضح ہو گیا کہ اس کا یقینی طور پر (خفیہ ایجنسی) کے ساتھ تعلق ہے، اور ہمیں اس کا یقین اس وقت ہوا جب محمد کے کچھ دوستوں نے بتایا کہ حسن باقاعدگی سے ابو ودیع کے دفتر جاتا ہے اور بغیر کسی سختی یا نگرانی کے وہاں سے آتا جاتا ہے۔

ہمارے کیمپ میں ہماری تصویر اور ساکھ ہمیشہ بہترین رہی ہے جیسا کہ ہر فلسطینی چاہتا ہے، بلکہ محمود کی فتح میں پوزیشن اور ابراہیم کی اسلامی تحریک میں پوزیشن کی وجہ سے ہم قومی کام اور دینی استقامت کے مرکز بن گئے تھے ، جیسا کہ میری ماں کہتی تھی : "الحمد للہ، پورا کیمپ آپ کی زندگی اور آپ کے ادب کی قسم کھاتا ہے ، اور اچانک حسن نمودار ہوتا ہے اور پوری تصویر خراب کر دیتا ہے ، سب سے زیادہ متاثر ہونے والا میرا بھائی حسن تھا کیونکہ اکثر لوگوں نے بڑے بدعنوان اور مشتبہ حسن الصالح کے بارے میں سنا تھا، لہذا جب میرے بھائی حسن کا نام حسن الصالح ذکر کیا جاتا تھا تو سننے والا کانپتا اور حیرانی سے آنکھیں کھولتا ، ہر بار حسن کو پوری کہانی شروع سے بیان کرنی پڑتی، کبھی سامعین یقین کرتے اور کبھی وہ اپنے سروں کو ہلاتے اور ان کی آنکھیں بتاتی تھی کہ وہ یقین نہیں کر رہے۔

حسن اور حسن کے مسائل ہماری زندگی کا مرکز بن چکے تھے، اور اگرچہ محلے اور کیمپ کے سب لوگ ہمیں جانتے تھے، ہم نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ ہمیں اس بدنامی کی وجہ سے سر جھکا کر چلنا چاہیے جو ہم

پر آ پڑی تھی ، یہ لعنت ہم سے کیسے دور ہو سکتی ہے؟ ہمیں کچھ کرنا تھا، اور ہماری بے بسی واضح تھی ، ایک دن ابراہیم میرے پاس آیا اور کہنے لگا : احمد، مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم وعدہ کرو کہ کسی کو نہیں بتاؤ گے ، میں نے کہا: تمہارا وعدہ ہے ، اس نے کہا: حسن کو مارنا ہی ہوگا !!!

میں نے جو سنا اس پر دنگ رہ گیا، اور بغیر کچھ کہے اسے حیران نظروں سے دیکھا ، اس نے دوبارہ کہا : ہاں، ہمیں اسے مارنا ہوگا ، یا تو ہم اسے علانیہ ماریں گے، تاکہ ہماری بدنامی دور ہو جائے، اور میں عمر قید کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں، یا ہم اسے چھپ کر ماریں گے، اور اہم بات یہ ہے کہ اسے دنیا سے غائب کر دیا جائے۔

میں ابراہیم کی تکلیف محسوس کر رہا تھا، اور ہم سب حسن اور اس کے اعمال اور شہرت سے جو کچھ سہہ رہے تھے، لیکن میں اس حد تک جانے کے لیے تیار نہیں تھا، یہاں تک کہ سوچنے میں بھی نہیں۔

لیکن ہمیں کوئی حل نکالنا تھا، اس لیے میں نے ابراہیم کو تجویز دی کہ ہم حسن کے پاس جائیں اور اس کی ٹانگیں توڑ دیں تاکہ وہ اس گھر میں پڑا رہے اور لوگوں کو تنگ نہ کرے ، میں نے اسے سمجھایا کہ میں اس سے آگے جانے کے لیے تیار نہیں ہوں ،اس نے اتفاق کیا۔

ہم حسن کے پاس گئے اور اسے معاملہ بتایا، وہ فوراً مان گیا، اور اس نے خود تین لوہے کے پائپ اور تین ماسک تیار کرنے کا وعدہ کیا ، واقعی ہم نے اس کی گھات لگائی اور اس پر حملہ کیا ، ایک رات جب وہ نشے میں دھت گھر واپس آ رہا تھا، ابراہیم نے اس کے سر پر ضرب لگائی اور وہ گر گیا ، میں نے ابراہیم کو سر کی بجائے ٹانگوں پر مارنے کی ہدایت دی، اور ہم نے اس کی ٹانگوں اور ہاتھوں پر بے دریغ ضربیں لگائیں، پھر ہم وہاں سے چلے گئے، اور حسن نے پائپ اور ماسک چھپا دیے۔

اگلی صبح خبر پھیل گئی کہ ایک گروپ نے حسن کو مارنے کی کوشش کی، اور وہ نہیں مرا، مگر اسے شدید چوٹیں

آئی ہیں، اس کی ٹانگیں اور ایک بازو ٹوٹ گیا ہے، اور اس کی کھوپڑی میں بھی فریکچر ہے ، اسے ہسپتال لے جایا گیا، اور ہم نے کوئی خاص دلچسپی نہیں دکھائی، حالانکہ سب کی نظریں کہہ رہی تھی : "تم لوگوں نے کر دکھایا، اللہ تمہارے ہاتھ سلامت رکھے۔

کچھ دن بعد پولیس کی گاڑی گھر آئی اور ہمیں لے گئی، گھر کے تمام نوجوانوں کو لے جایا گیا اور ہم پر حسن کو قتل کرنے کی کوشش کا الزام لگا کر تفتیش کی گئی ، ہم نے انکار کیا، کہ ہم اپنے چچا زاد بھائی کو کیسے مار سکتے ہیں، وہ تو ہمارے گوشت اور خون کا حصہ ہے، اور خون پانی نہیں بنتا ، ہمیں تقریباً دو ہفتے حراست میں رکھا گیا، پھر ہمیں رہا کر دیا گیا کیونکہ ہمارے خلاف کچھ ثابت نہیں ہوا۔

دو ہفتے گزرنے کے باوجود حسن ابھی بھی پلستر میں لپٹا ہوا ہسپتال میں پڑا رہا، تقریباً دو ماہ بعد وہ باہر آیا، اور اس کے چلنے میں ایک لنگڑا پن رہ گیا جو اندھیرے میں بھی نمایاں تھا، لیکن اس نے ایک سفید رنگ کی پیجو (504) کار خریدی اور اس میں گھومتا رہا، تاہم،کیمپ میں اس کی مزید بدنامیاں سننے میں نہیں آئیں ۔

سال 1985 میں اسرائیل اور تنظیم قیادت العامۃ احمد جبریل کے درمیان قیدیوں کے تبادلے کا معاہدہ ہوا جس کے تحت بڑی تعداد میں فلسطینی قیدی رہا ہوئے ، ان میں سے زیادہ تر فتح اور الجبھۃ الشعبیۃ سے تعلق رکھتے تھے، اور کچھ ان میں سے اسلامی تحریک کے بھی تھے جو پہلے قوات التحریر الشعبیۃ سے وابستہ تھے ، ان کی رہائی نے مقبوضہ علاقوں میں ایک قومی جشن کی فضا پیدا کر دی، جہاں کہیں بھی جاتے، جشن اور مبارکبادی کی محفلیں دیکھنے کو ملتی ۔

دوسری طرف ان تجربہ کار رہائی پانے والوں کی موجودگی نے فلسطینی عوام میں قومی اور سیکیورٹی شعور میں واضح اضافہ کیا ، ان کے تجربے اور معلومات نے مختلف مسائل پر سیاسی مباحثہ کو بڑھاوا دیا ، لیکن مشکوک لوگوں کی نگرانی کی گشتیں نہ صرف جاری رہیں ، بلکہ ان کی شدت اور تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔

میرے بھائی شیخ محمد نے اپنی ایک مذہبی طالبہ سے ملاقات کی اور واضح تھا کہ وہ اس کی طرف مائل ہو چکا تھا، اور اس کا دل اس کی طرف کھنچنے لگا تھا ، اس طالبہ نے بھی کبھی کبھار شرم بھری نگاہوں سے اس کے جذبات کا جواب دیا ، محمد جمعرات کو غزہ واپس آیا اور جمعہ کے دن ہمارے ساتھ رہا ، اس نے اپنی والدہ کو اس لڑکی کے بارے میں بتایا اور اس سے اجازت مانگی کہ وہ ابتدائی قدم اٹھا سکے ، کچھ ہچکچاہٹ کے بعد اس کی والدہ نے اجازت دے دی، کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ پہلے خود اس لڑکی کو دیکھے ، وہ سمجھتی تھی کہ محمد اندھی بلی کی طرح ہے اور شاید لڑکی اتنی خوبصورت نہ ہو۔

محمد واپس بیرزیت گیا اور اس لڑکی سے درخواست کی کہ اسے ایک خاص معاملے پر دو منٹ بات کرنے کی اجازت دے ، وہ شرم سے پھٹنے والا تھا ، اس نے پوچھا کہ کیا وہ اس کے والدین سے اس کی منگنی کی درخواست کر سکتا ہے؟ لڑکی کے گال شرم سے سرخ ہو گئے اور اس کی خوبصورتی میں اضافہ کر دیا ، اس نے سر ہلا کر مثبت جواب دیا اور اپنے والدین کا پتہ بتایا۔

اگلے جمعے کو محمد اپنے خاندان کے وفد کے ساتھ لڑکی کے گھر گیا ، اس کے ساتھ اس کی والدہ، بھائی محمود اور حسن، خالہ اور بہنیں فاطمہ اور تہانی بھی تھی ، محمد کی والدہ لڑکی سے متاثر ہوئی اور بعد میں مذاق کرتے ہوئے کہنے لگی ، "اللہ شیخ محمد، میں تمہیں ہمیشہ اندھی بلی سمجھتی تھی، لیکن تم نے تو کمال کر دیا ، لڑکی کے والدین نے بھی رضامندی ظاہر کی اور منگنی کا اعلان کر دیا ، انہوں نے نکاح اور شادی کو ایک ڈیڑھ سال بعد لڑکی کی تعلیم مکمل ہونے تک مؤخر کرنے کا فیصلہ کیا جو کہ محمد اور ہم سب کے لیے مناسب تھا۔

سترھویں فصل

جمال اور اس کے کئی بھائی الخلیل شہر سے اپنی گاڑیوں میں سوار ہو کر صوریف جا رہے تھے تاکہ اپنے دوست عبد الرحمن سے ملاقات کر سکیں ، جب وہ دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں تو عبد الرحیم دوڑتا ہوا دروازے کی

طرف آتا ہے اور اپنے چچا کے دوستوں اور اپنے بڑے دوستوں کو دیکھتا ہے، جن میں سے اکثر کو وہ جانتا ہے کیونکہ بچپن سے ہی وہ اپنے چچا کے ساتھ ان سے ملنے آتا رہتا تھا ، وہ مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہتا ہے، " خوش آمدید، خوش آمدید " اور اندر کی طرف مڑ کر چیختا ہے "چچا!!! جوان لڑکے آپ سے ملنے آئے ہیں ، پھر ان کی طرف مڑتا ہے، " آئیں، آئیں" اور انہیں مہمانوں کے کمرے کی طرف راستہ دیتا ہے ، اتنے میں عبد الرحمن تیزی سے آتا ہے اور خوش آمدید کہتا ہے ، وہ سب بیٹھ کر گفتگو کرتے ہیں اور عبد الرحیم خود کو ان میں سے ایک سمجھتا ہے حالانکہ عمر کا فرق پچیس سال سے زیادہ ہو سکتا ہے۔

خواتین دوپہر کا کھانا تیار کرتی ہیں اور کمرے کے دروازے تک لے آتی ہیں، پھر عبد الرحمن اور عبد الرحیم اسے اندر لے آتے ہیں ، کھانا کھانے کے بعد وہ گاؤں کے اطراف میں سیر کرنے نکل جاتے ہیں اور عبد الرحیم ان کے ساتھ ہوتا ہے ، زمین ہموار اور زرخیز تھی ، لیکن اس میں اچھی فصلیں نہیں تھی اور دور تک پھیلی ہوئی تاروں کی باقیات تھی ، عبد الرحمن ان تاروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے : یہ حد بندی کی لائن ہے، جس کے مغرب میں فلسطینی علاقے ہیں جو 1948 اور 1967 میں قبضے میں چلے گئے تھے اور اس تار کے مغرب میں ہمارے گاؤں کی زمین کا ایک حصہ ہے، جو ہماری خاندان کی چالیس دونم زمین ہے ، جو 1948 میں ضبط ہوگئی تھی اور یہ حصہ ہماری زمین کے چند دونمات کو مکمل کرتا ہے، لیکن ہم اسے سرحدی لائن کے قریب ہونے کی وجہ سے کاشت نہیں کر سکتے ، اسے یاد رکھنا عبد الرحیم ! عبد الرحیم سر ہلاتے ہوئے کہتا ہے، "کیسے بھول سکتا ہوں، چچا، کیسے بھول سکتا ہوں ، جمال بھی کہتا ہے، "کیسے بھول سکتا ہوں ، کیسے بھول سکتا ہوں ، اور انسان اپنے دل اور اعضا کے بغیر کیسے جی سکتا ہے؟ وہ گاڑی میں سوار ہو کر الخلیل کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں اور عبد الرحیم اپنے چچا کے ساتھ بیٹھتا ہے ، راستے میں درجنوں گاڑیاں زرد رنگ کے لائسنس نشان کے ساتھ نظر آتی ہیں جو کہ اسرائیلی ہونے کا مطلب ہے ، گاڑیاں دونوں سمتوں میں آتی جاتی ہیں ، جمال غصے میں گرم سانس لیتے ہوئے کہتا ہے، "پھر ان آبادکاروں کا کیا ہوگا ؟ انہوں نے

زمین کو نگل لیا ہے، وہ نہ تو مطمئن ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی حد پر رکتے ہیں...

یہ سب شہر میں داخل ہوتے ہیں، مغرب کی اذان قریب ہے اور مسجد الحرم الابراھیمی الشریف کے مؤذن کی اذان شروع ہو جاتی ہے ، ڈرائیور حرم کی طرف گاڑی موڑتا ہے ، گاڑی بھیڑ کی وجہ سے بمشکل آگے بڑھتی ہے ، وہاں سینکڑوں آبادکار اور قابض فوجی ان کی حرم تک کے راستے میں نگرانی کرتے ہیں ، اسی حال میں وہ مسجد میں داخل ہوتے ہیں ، درجنوں بندوقیں قابض فوجیوں کے ہاتھوں میں تیار ہیں ، آبادکار یہودی اپنے سروں پر چھوٹی رنگین ٹوپیاں پہنے ہوئے ہیں، لمبی غیر منظم داڑھیاں ہیں، اور وہ اپنے جسموں کو دھاری دار کپڑوں میں لپیٹے ہوئے ہیں جن میں بہت سارے دھاگے لٹک رہے ہیں جو ان کے گھٹنوں کے قریب آتے ہیں ، وہ مسجد کی طرف دوڑتے ہیں، اس کے اہل کو دھکا دیتے ہیں اور ہر رکاوٹ پر انہیں روکتے ہیں ، نوجوان مسجد میں داخل ہوتے ہیں، مسجد کے پچھلے حصے سے قالین اٹھا دیے گئے تھے اور رکاوٹیں لگا دی گئی تھیں ، لوہے کے ستونوں کے درمیان موٹی رسیوں سے نماز کے لیے جگہ مختص کی گئی تھی ، صرف مسجد کا چوتھا حصہ نماز کے لیے تھا ، کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے تین چوتھائی حصے کے علاوہ باہر کی جگہ اور دو ہالوں میں یہودی بھرے ہوئے ہیں ، آج ہفتہ ہے، جمال نے بڑبڑاتے ہوئے کہا: ہر گوشے میں ایک یہودی کتاب ہاتھ میں لیے، تیزی سے پڑھ رہا ہے اور اپنا جسم آگے پیچھے ہلا رہا ہے۔

مؤذن نے نماز کے لیے اقامت کہی ، جمال نے امامت کے لیے قدم بڑھایا، نمازی صف بستہ ہوئے، اس نے تکبیر تحریمہ کہی، اور سورہ فاتحہ پڑھی ، نمازیوں کی آواز دعا کے جواب میں گونج اٹھی (غیر المغضوب علیھم ولا الضالین) آمین .... پھر اس نے خوبصورت بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا (سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً) یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچا (وجعلنا جہنم للکافرین حصیرا) اللہ اکبر .... وہ رکوع میں جھکتا ہے اور نمازی بھی جھکتے ہیں، اور ان کے پیچھے یہودی اپنے جسموں کو ہلا رہے ہیں اور تورات پڑھ رہے ہیں۔

میں آخری لیکچر ہال سے نکلا ، جو شام کے قریب ختم ہوئی تھی، اور سورج قریب الغروب تھا ، میں کیا دیکھتا

ہوں کہ ابراہیم، میرے چچا زاد بھائی قریب کے ہال میں ہے، میں نے اسے سلام کیا، اس نے جواب دیا، ہاں، اور ہم ایک ساتھ نکلے ، ہر ایک اپنے کتابیں اٹھائے ہوئے تھا ، اور ہمارے ارد گرد بہت سے طلباء اپنے گھروں کی طرف جا رہے تھے، اور یونیورسٹی کے دروازے پر ایک بس کھڑی تھی، جو جنوبی علاقوں کے طلباء کو ان کے گھروں تک پہنچا رہی تھی ، ہم پیدل چلتے ہوئے گھر واپس جا رہے تھے اور دور سے ایک فوجی جیپ کھڑی تھی جو یونیورسٹی سے نکلنے والے طلبہ کو دیکھ رہی تھی ، ابراہیم نے ان کی طرف دیکھا اور کہا: "کون یقین کرتا کہ غزہ میں واقعی ایک یونیورسٹی بنے گی جیسی اب ہے ؟ احمد، کیا تمہیں یاد ہے جب تم نے اسلامی یونیورسٹی میں داخلہ لینے کا فیصلہ کیا تھا تو تمہاری والدہ کا کیا جواب تھا: میں نے سر ہلایا، سڑک کے دوسرے کنارے ایک گاڑی رکی جس میں اسلامی بلاک کے چند کارکن ابراہیم کے دوست تھے، انہوں نے اسے بلایا، اس نے چند الفاظ میں گفتگو کی اور واپس آ کر مجھے اپنی کتابیں دیتے ہوئے کہا: یہ اپنے ساتھ لے جاؤ، میں دوستوں کے ساتھ جا رہا ہوں اور شاید دیر ہو جائے، حکومت (امی) کو مطمئن کر دینا۔

میں نے مسکرا کر اس کے کاغذات اور کتابیں لی اور چلتے ہوئے اپنی امی اور ابراہیم کے ساتھ اس کے تعلقات کے بارے میں سوچنے لگا ، انہی خیالات میں گم تھا کہ ایک کار کا ہارن سنائی دیا، جو قریب تھی کہ مجھے ٹکر مار دیتی ، میں نے جلدی سے سڑک پار کی اور اس حادثے میں میری کتابیں زمین پر گر گئیں ، میں نے انہیں بجلی کے کھمبے کے نیچے جمع کرنا شروع کیا ، میری کتابیں اور ابراہیم کی کتابیں آپس میں مل گئیں، میں نے انہیں الگ کرنے کی کوشش کی۔

مجھے ایک کاغذ نے متوجہ کیا جو ابراہیم کا تھا ، جب میں نے اسے اس کی کتابوں میں رکھنے کی کوشش کی، تو میری نظر اس کے عنوان پر پڑی... "حسن الصالح کی حرکات اور اعمال کی رپورٹ " میں اپنے تجسس پر قابو نہ رکھ سکا اور اس رپورٹ کو پڑھنے لگ گیا جو ابراہیم کے پاس تھی اور جس پر دستخط تھے "آپ کا بھائی (۲۳) " تب تو ابراہیم اور اس کے ساتھیوں کا معاملہ صرف طلبہ کی سرگرمیوں اور مسجد کی نمازوں تک

محدود نہیں تھا۔

اس رات ابراہیم غیر معمولی طور پر دیر سے آیا، میں نے امی کو اس کی طرف سے تسلی دی، امی نے کہا: " میرا دل کہتا ہے کہ ابراہیم خطرناک راستے پر چل نکلا ہے اور مجھے اس کے انجام کا خوف ہے، میں نے کہا: امی، ابراہیم سمجھدار اور بالغ ہے، آپ اس کے بارے میں فکر نہ کریں، اسے کیا ہو سکتا ہے؟ امی نے کہا: میرا دل یہی کہتا ہے ،میں نے کہا: آپ دل کی نہ سنیں، یہ شیطان کی طرف سے ہے جو آپ کو پریشان کر رہا ہے، امی نے کہا: ایک ماں کا دل کبھی غلط نہیں ہوتا احمد! میں نے ان کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو تھے، جیسے انہوں نے میرے حیرت کو سمجھ لیا ہو، کہا: وہ میرا بیٹا ہے، بالکل تمہاری طرح، کیا میں نے اسے بچپن سے نہیں پالا؟ میری ماں عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد تقریباً تین گھنٹے جائے نماز پر بیٹھی رہی، پریشانی اس کے چہرے پر واضح تھی اور وہ اسے چھپا نہیں پا رہی تھی، یہاں تک کہ دروازے پر دستک سنائی دی اور دروازہ بند ہونے کی آواز آئی، ابراہیم داخل ہوا تو ماں اس کی طرف بھاگتے ہوئے چیخی: تم کہاں تھے؟ اتنی دیر کیوں لگا دی؟ ابراہیم نے جواب دیا: حکومت کو تحریری رپورٹ چاہیے یا زبانی؟ ماں نے پھر چیخ کر کہا کیونکہ ابراہیم اس کا غصہ کم نہیں کر پا رہا تھا: میں تم سے پوچھ رہی ہوں تم کہاں تھے؟ اور دیر کیوں ہوئی؟ ابراہیم نے صورتحال کی سنگینی کو سمجھتے ہوئے جواب دیا: میرے ایک دوست کو مسئلہ تھا، ہم اسے حل کرنے گئے تھے اور ہمیں دیر ہو گئی کیونکہ ہمیں اس کے والد کو منانا پڑا، ماں نے کہا: کیا یہ کام دن میں نہیں ہو سکتا تھا؟ آئندہ اس طرح دیر نہ کرنا، سمجھ گئے؟ ابراہیم نے مذاق میں جواب دیا؟ سمع و طاعت، اے جلالت مآب سلطان! ماں اس کے لیے کھانا تیار کرنے کے لیے چلی، تو ابراہیم نے اسے روک کر کہا کہ وہ خود ہی کھانا تیار کر لے گا۔

میں یہ سب دیکھ رہا تھا اور میرے اندر ایک آتش فشاں پھٹنے والا تھا، مجھے ابراہیم کو بتانا پڑے گا کہ میں نے وہ کاغذ پڑھا ہے اور اسے معاملے کی وضاحت کرنی ہوگی، خاموش رہنا صحیح نہیں، ہو سکتا ہے وہ ناراض ہو اور

چلا جائے، کوئی بات نہیں، لیکن مجھے اسے بتانا ضروری ہے ، ماں اپنے کمرے میں سونے چلی گئی اور ابراہیم خود کے لیے کھانا تیار کرنے کے بعد میرے پاس واپس آیا کیونکہ ہم دونوں ایک ہی کمرے میں سوتے تھے وہ کھانا کھانے بیٹھا، تو میں نے کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھا اور اپنے منہ کو اس کے کان کے قریب لے جا کر کہا: مجھے معاف کر دینا، تمہاری فائل میرے ہاتھ سے گر گئی تھی اور جب میں نے بکھرے ہوئے کاغذات جمع کیے تو میں نے حسن کے بارے میں لکھی ہوئی رپورٹ دیکھی ، ابراہیم نے کھانا چھوڑ دیا اور اس کی حلق میں پھنسا ہوا نوالہ اسے مارنے کے قریب تھا ، اس نے کہا: کیا ؟ میں نے کہا: پریشان نہ ہو، میں احمد ہوں اور تم مجھے جانتے ہو، تمہارا راز محفوظ ہے ،پھر میں نے وہ کاغذ پڑھنے کے بعد اپنے تجسس کو قابو نہ کر سکا۔

ابراہیم کی پریشانی واضح تھی اور وہ صحیح طور پر کام نہیں کر پا رہا تھا، یہ ابراہیم کا سب سے مشکل لمحہ تھا جو میں نے دیکھا تھا ، میں نے مزید کہا: سمجھ لو کہ کسی نے کچھ نہیں پڑھا اور نہ ہی دیکھا ، ابراہیم نے کوئی جواب نہیں دیا اور جلدی سے کھانا ختم کیا، پھر ہم سونے چلے گئے۔

اگلے دن میں نے دیکھا کہ وہ مجھے یونیورسٹی لے جانے کے لیے انتظار کر رہا ہے ، ہم دونوں یونیورسٹی کے لیے نکلے، راستے میں ابراہیم نے بات شروع کرتے ہوئے کہا: سنو احمد، میں جانتا ہوں کہ تم کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گے، لیکن جان لو کہ حسن کا معاملہ مجھے پریشان کر رہا ہے ، میں نے اپنے کچھ دوستوں کو اس کی نگرانی پر لگا دیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ کیا کر رہا ہے ، میں نے اسے گہری نظر سے دیکھا اور کہا: ابراہیم !یہ بات کسی اور کو بتاؤ، رپورٹ کا کام کسی عام لڑکوں یا دوستوں کا نہیں، یہ کام وہ لوگ کرتے ہیں جو جانتے ہیں کہ کیا کرنا ہے ، معلومات عام لوگوں کے ہاتھ نہیں آ سکتی ، یہ ماہرین کی معلومات ہیں ، لیکن میرے لیے اہم یہ ہے کہ تم حسن کے ساتھ کیا کرو گے ؟ ابراہیم نے گہری سانس لی اور کہا ؟ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں اسے مار دوں گا اور لوگوں کو اس کے شر سے بچاؤں گا، میں سب سے پہلے اسے ماروں گا ، لیکن ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے اور وقت پر سب کچھ اچھا ہوتا ہے۔

ابراہیم اپنی ضرورت سے جو پیسے بچتے تھے، انہیں اپنی ماں کے پاس جمع کراتا تھا، جنہیں وہ تعمیراتی کام سے کماتا تھا ، اُس دن جب وہ یونیورسٹی سے واپس آیا، تو اُس نے اپنی ماں سے ان جمع شدہ پیسوں میں سے پندرہ سو دینار مانگے؛ کیونکہ وہ ایک گاڑی خریدنا چاہتا تھا جو اُسے نقل و حرکت میں اور کام کے اوزار لے جانے میں مدد دے گی، اور کام اور پڑھائی کے دوران وقت کی بچت کرے گی ، میں جانتا تھا کہ وہ اپنے بھائی حسن کے معاملے کو ختم کرنے کی گہرائی سے منصوبہ بندی کر رہا ہے ، اُس کی ماں نے اُسے پیسے دیے اور بتایا کہ تقریباً پندرہ سو دینار باقی ہیں ، ابراہیم نے ایک پیجو براویٹ (۴۰۴) گاڑی خریدی، جو کہ ایک مشہور گاڑی ہے اور علاقے میں بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہے، لیکن یہ سب گاڑیاں پرانی اور کم از کم پندرہ سال پرانی ہوتی ہیں، مگر کیمپ کے معیار کے مطابق یہ ایک عیش و عشرت کی چیز تھی۔

محمد اپنی کرائے کے کمرے سے جہاں وہ اور کچھ طالب علم رہتے تھے، بیرزیت یونیورسٹی کے لیے نکل پڑا ، یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہی اُس نے محسوس کیا کہ ماحول غیر معمولی طور پر تناؤ بھرا ہے؛ کیونکہ طلباء اور طالبات حسب معمول قابض فوجیوں کے ساتھ جھڑپوں کے لیے تیار ہو رہے تھے ، وہ مختلف کونوں میں پتھر اکٹھے کر رہے تھے، ماسک پہن رہے تھے، اور رکاوٹیں لگا رہے تھے ، پھر وہ ایک بڑی مظاہرہ میں شامل ہوگئے جو یونیورسٹی سے نکل کر قبضے اور آبادکاری کے خلاف اور فلسطین کے حق میں نعرے لگا رہی تھی ، زیادہ وقت نہ گزرا کہ قابض فوجیوں کی گاڑیاں آئی اور جھڑپ شروع ہوگئی ، فوجی اپنی گاڑیوں کے پیچھے چھپ گئے، اور طلباء پیچھے ہٹ کر پتھریلی دیواروں کے پیچھے چھپ گئے ، پتھر فوجیوں پر برسنے لگے، جو طلباء پر گولیاں اور آنسو گیس برسانے لگے ،تمام طلباء تنظیمیں ان واقعات میں شامل تھی ، ایسے واقعات میں جب تمام طلباء تنظیمیں شامل ہوتی ہیں، تو جھڑپ زیادہ سخت اور شدید ہو جاتی ہے کیوں کہ طلباء اور طالبات کا جوش و خروش بڑھتا ہے اور ان کا حوصلہ بڑھتا ہے ، جھڑپیں کئی گھنٹوں تک جاری رہی ، جس دوران فوجیوں کو کئی بار پیچھے ہٹنا پڑا، اور وہ اپنے ان زخمی ساتھیوں کو کھینچتے ہوئے لے جا رہے تھے، جن کے سر یا چہرے

سے خون بہہ رہا تھا، کیونکہ وہ پتھروں سے زخمی ہو گئے تھے ، فوجیوں نے نہ صرف مظاہرین کو منتشر کرنے یا زخمی کرنے کے لیے، بلکہ واضح طور پر قتل کرنے کے ارادے سے گولیاں چلانا شروع کر دیں ، کچھ ہی منٹوں میں، دو طلباء "جواد ابو سلمیہ" اور "صائب ذھب" شہید ہو گئے ، حسب معمول طلباء کا جنون بڑھ گیا اور وہ فوجیوں کا پیچھا کرنے لگے، جنہیں یونیورسٹی اور طلباء سے دور شہر کے کنارے پر پناہ لینی پڑی ، لاشوں اور زخمیوں کو رام اللہ کے اسپتال منتقل کیا گیا اور رات ہو چکی تھی ، صبح ہوتے ہی بیرزیت کی جھڑپوں اور شہداء کی خبریں پورے وطن میں پھیل چکی تھی ، تو ہر علاقے میں مظاہرے شروع ہو گئے اور عام ہڑتال کا اعلان کیا گیا ، مظاہرین اور قابض فوجیوں کے درمیان جھڑپیں ہر جگہ پھیل گئی ، یہاں تک کہ اسلامی یونیورسٹی میں بھی ، طلباء نے بڑے پیمانے پر مظاہرے کیے، اور اپنے پتھروں کو قابض فوج کی گشت کرنے والی گاڑیوں پر پھینکا ، یہ واقعات پھیل کر کیمپ سے شہر کے ہر حصے میں پہنچ گئے،خاص طور پر الشجاعیہ محلہ جہاں شہید صائب ذھب رہتا تھا، اور یہ جنوبی علاقے خان یونس تک بھی پھیل گئے جہاں شہید جواد ابو سلمیہ رہتا تھا۔

واقعات اگلے دنوں میں بھی جاری رہے، اور جب پتھر قابض فوج کی گاڑیوں پر پھینکے گئے جو جامعہ کے پاس کھڑی تھی اور وہاں سے گزر رہی تھی، تو قابض فوج کی بڑی تعداد نے جامعہ کو گھیرے میں لے لیا ، یہ واضح ہوگیا کہ وہ ہمیں سبق سکھانا چاہتے ہیں تاکہ ہم اچھے اور خاموش بچے بن جائیں ، سینکڑوں فوجیوں نے جامعہ کو گھیر لیا اور اس میں بار بار داخل ہونے کی کوشش کی، لیکن ہر بار ان پر پتھروں کی بارش ہوتی اور وہ پیچھے ہٹ جاتے ، وقت گزر گیا اور شام قریب آگئی، یہ واضح ہو گیا کہ رات جامعہ میں گزارنی پڑے گی۔

لیکن کچھ معززین کی گاڑی آئی اور اسے جامعہ میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی ، انہوں نے طلباء کے سرگرم کارکنان اور جامعہ کے منتظمین سے مذاکرات کیے، پھر انہوں نے بتایا کہ فوجی حاکم کو کوئی اعتراض نہیں کہ طلباء جامعہ سے مخصوص گروپوں میں باہر نکلیں، ہر پانچ منٹ میں دس طلباء , تاکہ کوئی اجتماع نہ ہو

اور مظاہرے شہر میں نہ پھیل سکیں ، انہوں نے یہ بھی یقین دہانی کرائی کہ فوجی طلباء کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے ، سب نے اس پر اتفاق کیا اور ہم نے دس دس کے گروپوں میں نکلنا شروع کیا اور فوجی ہمیں ایک سڑک کے کنارے کی طرف لے جا رہے تھے، جیسے ہی ایک گروپ نکلتا، دوسرا گروپ اس کی پیروی کرتا ، میں بھی ایک گروپ میں باہر نکلا اور جب ہم اس سڑک کے ایک موڑ پر پہنچے، تو فوجیوں نے ہمیں مڑنے کا اشارہ دیا اور وہاں سینکڑوں فوجی کھڑے تھے جن کے ہاتھ میں ڈنڈے تھے اور ان کی گاڑیاں سڑک کو بند کر کے ایک قید خانے میں تبدیل کر چکی تھی ، وہاں ہمیں مار پیٹ کر مجبور کیا گیا کہ ہم اپنے گھٹنوں پر بیٹھیں، اپنے ہاتھ سر پر رکھیں اور دیوار کی طرف منہ کر کے بیٹھیں ، ہمارے شناختی کارڈز لے کر تفتیش کی گئی اور ایسا لگتا تھا کہ ان کے پاس سرگرم کارکنوں کی فہرستیں تھی ، جنہیں وہ مار پیٹ کر ایک قریبی میدان میں لے جا رہے تھے، پھر باقیوں کو ان کے شناختی کارڈ واپس دے کر جانے کی اجازت دے رہے تھے ، میں کسی بھی طالب علم تنظیم کا سرگرم کارکن نہیں تھا، مجھے اپنا شناختی کارڈ ملا اور میں وہاں سے جلدی نکل گیا۔

ابراہیم کو تقریباً سو دیگر طلباء کے ساتھ تین دن تک حراست میں رکھا گیا، انہیں بری طرح مارا پیٹا گیا اور ایسی ذلت برداشت کرنی پڑی جو تصور سے باہر تھی ، فوجی حاکم نے سوچا کہ اس نے ہمیں سبق سکھا دیا ہے اور ہمیں 'اچھے بچے' بننے کی تعلیم دے دی ہے ، چند دنوں بعد میں یونیورسٹی میں داخل ہوا اور پہلی نظر میں ہی ظاہر ہو گیا کہ آج جنگ چھڑنے والی ہے ، سرگرم کارکنان کے ایک گروپ کی قیادت ابراہیم کر رہا تھا اور وہ تصادم کی تیاری کر رہے تھے ، جب طلباء کا مجمع اکٹھا ہوا تو پتھر پولیس کی گاڑیوں اور فوجی گاڑیوں پر برسنے لگے جو یونیورسٹی کے قریب سے گزر رہی تھی ، آدھے گھنٹے کے اندر ہی یونیورسٹی کو محاصرے میں لے لیا گیا اور فوجی بسوں سے سینکڑوں فوجیوں کی آمد شروع ہو گئی ، یہ بالکل واضح تھا کہ اس بار ہمیں پچھلی بار سے کہیں زیادہ مار پڑنے والی ہے، مگر ہر حادثے کا الگ حال ہوتا ہے، ابھی تو مقابلہ کرنا ہے تو مقابلہ کریں ، زیادہ تر طلباء نے کیمروں اور دوربینوں سے بچنے کے لیے اپنے چہرے ڈھانپ لیے ، جو ایک اونچی عمارت پر نصب

تھے ، پتھر فوجیوں پر برسنے لگے جو اپنی گاڑیوں اور پلاسٹک کی ڈھالوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے ، جواب میں وہ گولیاں اور آنسو گیس کے شیل برسانے لگے ، واضح تھا کہ طلباء اس بار پچھلے دنوں کی مار کا بدلہ لے رہے تھے ، وہ ایک بڑی گاڑی لائے جو گرم پانی کا چھڑکاؤ کر رہی تھی، یہ گاڑی یونیورسٹی کے دروازے کی طرف بڑھی اور فوجی اس کے پیچھے چھپے ہوئے تھے ، اس گاڑی نے دروازہ اکھاڑ دیا اور پتھروں کی بارش بھی اسے نہ روک سکی اور وہ ہمارے قریب آگئی ، فوجی اس کے ساتھ آگے نہ بڑھ سکے اور پیچھے ہٹ گئے ، صورتحال یہی رہی کہ کبھی وہ ہم پر حملہ کرتے اور کبھی ہم ان پر، یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا اور پھر اچانک ایک فوجی ٹینک کی آواز آئی جو زمین کو کپکپاتا ہوا یونیورسٹی کے پچھلے دروازے کو توڑ کر اندر داخل ہو گیا ، ایک طالب علم نے لاؤڈ اسپیکر پر چلا کر کہا: ایک ٹینک پچھلے دروازے سے یونیورسٹی میں داخل ہو گیا ہے ، تقریباً سات سو سے زائد طلباء ایک ساتھ ٹینک کی طرف مڑ گئے ، بجائے اس کے کہ وہ اس سے بھاگتے، وہ اس کی طرف دوڑنے لگے، ان کا منظر کسی جنون سے کم نہ تھا ، ٹینک اور ہمارے مجمع کے درمیان سو میٹر سے زیادہ کا فاصلہ تھا، لیکن یہ واضح تھا کہ ٹینک کے اندر موجود لوگ جانتے تھے کہ یہ مجمع ان کی کھال ادھیڑ دے گا۔

ٹینک نے واپس مڑ کر یونیورسٹی سے باہر کا راستہ لیا ، مجمع ٹوٹے ہوئے دروازے تک پہنچا اور انہوں نے پتھروں، کنکریٹ کے ٹکڑوں، ڈرموں اور درختوں کے تنے جیسی ہر چیز سے اسے بند کرنا شروع کر دیا ، پھر ان کی اکثریت واپس آگئی، جبکہ کچھ لوگ دیوار پر چڑھ کر فوجیوں کی حرکات کو دیکھنے لگے ، وقت گزرتا گیا اور وقت مغرب قریب آگیا ، معتبر لوگوں نے ثالثی کی کوشش کی، لیکن ان کی ثالثی کو مسترد کر دیا گیا اور انہیں تکلیف دہ باتیں سنائی گئی ، ہم انتظار کرتے رہے اور سوچتے رہے : اب کیا ہو گا ؟ ابراہیم اپنے چہرے پر مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا، مگر ناکام رہا ، تھوڑا سکون ہوا اور پھر غزہ شہر کی مساجد کے درجنوں لاؤڈ اسپیکرز ایک ساتھ بلند ہونے لگے : حی علی الجہاد.... قابض فوج نے آپ کے بیٹوں اور بیٹیوں کو یونیورسٹی میں محاصرے میں لے لیا ہے، انہیں بچانے کے لیے باہر نکلیں، اللہ اکبر ... اللہ اکبر۔

اچانک شہر کے تمام محلوں کے لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے، ہجوم بڑے بڑے جلوسوں اور مظاہروں میں تبدیل ہو کر ہر جانب سے یونیورسٹی کی طرف بڑھنے لگے، اور اچانک غزہ شہر پورے کا پورا نکل آیا، اللہ اکبر... اللہ اکبر اور قبضے کی موت کا نعرہ لگایا، تو ایسی صورتحال میں بدامنی پھیل گئی اور فوراً ہی یونیورسٹی کا محاصرہ کرنے والی افواج کو حکم ملا کہ وہ یونیورسٹی کو چھوڑ دیں اور شہر میں امن بحال کرنے کے لیے پھیل جائیں، افواج نے رخ بدلا اور بکھر گئی، تو ان کے سامنے غصے سے بھرے لوگوں کے لشکر تھے اور ان کے پیچھے غصے سے بھرے یونیورسٹی کے ہزاروں طلباء و طالبات تھے جو عزت محسوس کر رہے تھے۔

ابراہیم اپنی کار میں یونیورسٹی کے دروازے سے نکلا اور مجھے دیکھ کر رک گیا، اس نے کہا کہ وہ گھر نہیں جا رہا بلکہ شہر کی صورتحال دیکھنے کے لیے چکر لگانا چاہتا ہے، پورا شہر، اس کے مرد، عورتیں، بچے اور بوڑھے سڑکوں پر تھے، ہر جگہ جلتی ہوئی گاڑیوں کے ٹائر تھے، رکاوٹیں راستے بند کر رہی تھی اور وہاں پریشان حال فوجی تھے جو اپنے اطراف میں گھوم رہے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ کیا ہو رہا ہے، ابراہیم کے چہرے پر بڑی مسکراہٹ تھی اور وہ اسے چھپانے کی کوشش نہیں کر رہا تھا، میں نے کہا کہ واقعی تم لوگوں نے معاملات کو اچھے سے ترتیب دیا ہے، اس نے مسکراتے ہوئے کہا: الحمد للہ، الحمد للہ، لوگ خیریت سے ہیں اور الحمد للہ لوگ خیریت سے ہیں، ہم نے ہزاروں شہریوں اور طلباء کے ہجوم کو الحاکم کی سرائے کی طرف بڑھتے دیکھا، وہ اسے پتھروں سے مار رہے تھے اور فوجی اپنے سروں کو بچانے میں ناکام تھے اور اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے۔

محمود کے چند دوست اس کے گھر آئے اور ان پر واضح تھا کہ وہ فکر مند ہیں، وہ بیٹھے اور کچھ دیر بعد میں نے ان کے لیے چائے لی جو محمود کی بیوی نے بنائی تھی، میں نے ان کو چائے پیش کی، تو وہ بات جاری رکھے ہوئے تھے، وہ ایک نوجوان (فتح) کے بارے میں بات کر رہے تھے جو حال ہی میں گرفتار ہوا تھا اور ایک خصوصی عسکری گروہ کا ذمہ دار تھا، اور اس نے تفتیش میں سب کچھ قبول کر لیا تھا، محمود نے پوچھا کیسے ؟

میں نے سنا تھا کہ وہ ایک مضبوط اور ضدی نوجوان ہے، ان میں سے ایک نے جواب دیا کہ ہاں وہ مضبوط اور ضدی ہے ، لیکن انہیں اسے "العصافیر" لے گئے تو اس نے وہاں قبول کر لیا، میں نے خود سے سوال کیا : "العصافیر" یہ کیا ہے؟ تو جواب ملا کہ یہ جاسوسوں کا ایک بڑا گروہ ہے جو تفتیش میں انٹیلی جنس کی مدد کرتے ہیں ، انہیں جیل کی طرح کے کمروں میں رکھا جاتا ہے ، اگر انٹیلی جنس کسی سے اقبال جرم نہیں کرا سکتی تو اسے ان کے پاس لے جاتے ہیں ، یہ جاسوس ظاہر کرتے ہیں کہ وہ عام قیدی ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اس قیدی سے اس کی معلومات حاصل کر لیں۔

وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ وہ ان کو افسروں کے سامنے لانا چاہتے ہیں تاکہ اس گروہ کو گرفتار ہونے سے بچایا جا سکے، یا کسی اور وجہ سے، اور کبھی کبھار جب وہ دیکھتے ہیں کہ قیدی اپنی عزت بچانے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ کوئی جاسوس نہیں ہے تو وہ اس پر الزام لگانا جاری رکھتے ہیں، بعض اوقات قیدی کو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے اپنی رازوں کو ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ وہ جاسوس نہیں ہے، اور اسی طرح کی چالوں اور دھوکہ دہی کے طریقے استعمال کرتے ہیں۔

اسلامی یونیورسٹی میں طلباء اور طالبات کے درمیان مکمل علیحدگی ہے، ہر گروہ اپنے مخصوص شعبوں میں پڑھتا ہے اور یونیورسٹی میں طلباء اور طالبات کا اختلاط نہیں ہوتا، لیکن جب طلباء اور طالبات یونیورسٹی جاتے یا واپس آتے ہیں تو وہ سڑکوں، گلیوں، پارکنگ اور بس اسٹاپوں میں ملتے ہیں ، زیادہ تر لوگ راستے کے آداب اور عمومی قواعد کا خیال رکھتے ہیں بلکہ ان میں مبالغہ بھی کرتے ہیں، حالانکہ کچھ طلباء یا طالبات جب یونیورسٹی سے نکلتے ہیں تو بغیر کسی معاہدے کے آزادانہ طور پر چلتے ہیں جیسا کہ معاشرتی عادات میں ہوتا ہے ، تمام یونیورسٹی کی طالبات حجاب پہنتی ہیں کیونکہ یہ یونیورسٹی کا قانون ہے اور بغیر حجاب کے داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے ، زیادہ تر طالبات اور علاقے کے لوگوں کی فطرتی محافظت کی وجہ سے سنجیدگی سے حجاب پہنتی ہیں، لیکن کچھ طالبات یونیورسٹی میں داخل ہونے پر ہی حجاب پہنتی ہیں اور فوراً یونیورسٹی سے نکلنے کے بعد اتار دیتی

ہیں یا کچھ اپنے سر کا دوپٹہ پیچھے کر دیتی ہیں جس سے ان کے بالوں کا کچھ حصہ ظاہر ہو جاتا ہے۔

پڑوس کے کیمپ کی ایک طالبہ جو یونیورسٹی میں پڑھتی تھی، کئی بار ایسا ہوا کہ میں یونیورسٹی جاتے یا واپس آتے وقت اسے راستے میں دیکھتا تھا، میں مبالغہ نہیں کر رہا ہوں جب میں کہتا ہوں کہ وہ واقعی چاند کی طرح خوبصورت تھی، کبھی کبھار میں اس پر نظر ڈال لیتا تھا جب وہ زمین کی طرف دیکھتے ہوئے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اپنے مقصد کی طرف بڑھتی تھی، میرا دل بار بار مجھ سے کہتا کہ شاید مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے، میں ہمت نہیں کر سکا کہ اسے سلام کہہ سکوں، شرم اور خوف کی وجہ سے ایک دن اتفاق سے میری نظر اس کی نظر سے ٹکرا گئی تو میرے جسم میں ایک عجیب سی سنسنی دوڑ گئی اور میرے دل میں محبت کے جذبات بھر گئے، ایک مختصر نظر پھر اس نے فوراً اپنی نظر جھکالی، میں نے ارادہ کر لیا کہ اسے یونیورسٹی جاتے یا واپس آتے ہوئے ملوں، چاہے میں اس پر نظر نہ بھی ڈالوں، بس اس کا سڑک پر ہونا مجھے سکون دیتا تھا، میں سوچنے لگا کہ کیا میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں ؟ اور کیا یہ واقعی محبت ہے جس کا اتنا ذکر ہوتا ہے ؟ ایک بار پھر ہماری نظریں دور سے ملیں اور میرا دل تیز دھڑکنے لگا، تیسری بار جب نظریں ملیں تو میں مسکرایا اور اس کا چہرہ شرم سے لال ہوگیا اور وہ تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے دور چلی گئی۔

میں بعد میں اس سے زیادہ کی امید کے بغیر اس کے یونیورسٹی جانے کا انتظار کرتا تھا تاکہ اسے دور سے دیکھ سکوں، یہاں تک کہ نظر ڈالنے کی بھی خواہش نہیں تھی، مجھے بس اتنا ہی کافی تھا کہ میں نے محبت کی اور یہ کافی تھا کہ وہ یہ بات بخوبی سمجھ گئی تھی، وہ ہر بار یہ سمجھتی جب وہ میری کوشش کو محسوس کرتی کہ میں اسے ہر روز یا دو دن میں دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں اور مجھے اس کی حفاظت کرنی چاہیے، اس مرحلے پر زیادہ کی خواہش نہیں ہونی چاہیے، اس سے پہلے کہ میں یونیورسٹی سے فارغ ہو جاؤں اور شادی کے لیے اس کے پاس جاؤں، جیسا کہ مجھے بچپن سے سکھایا گیا تھا۔

میرے چچا زاد حسن کے معاملے نے ابراہیم کو بہت پریشان کر دیا تھا اور اس نے کئی بار میرے سر میں یہ

بات بتادی تھی ، وہ مجھے اپنے ساتھ حسن کی حرکات کا پتہ لگانے کے لیے لے گیا تا کہ اس رپورٹ کی سچائی کی تصدیق ہو سکے ، ہم نے کئی معلومات کی تصدیق کی ، ہم نے دیکھا کہ وہ مخصوص اوقات میں "ابو ودیع" سے ملنے جاتا تھا، اپنی گاڑی کو سرایا کے قریب روکتا تھا، پھر گاڑی سے اترتا تھا اور سرایا میں داخل ہوتا تھا ، اس کے پاس ایک خاص کارڈ ہوتا تھا جو وہ گیٹ پر موجود فوجیوں کو دکھاتا تھا ، وہ اندر جاتا تھا اور ایک گھنٹے یا کچھ دیر کے بعد باہر آتا تھا ، ہم نے اسے کئی ایسی دکانوں پر جاتے ہوئے دیکھا، جن کے مالکان کو معروف مخبر سمجھا جاتا تھا اور جن کی بو دور دور تک پھیلتی تھی۔

ہم نے اسے سڑکوں پر عورتوں کو تنگ کرتے ہوئے بھی دیکھا اور ان پر ہر طرح کی بدتمیزی کرتے دیکھا ، ہم نے دیکھا کہ کچھ فاحشائیں اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتی تھیں اور دور دراز کے مقامات پر چلی جاتی تھیں ، بعض اوقات وہ ان میں سے کسی ایک کو اپنے ساتھ لے جاتا تھا اور کسی نوجوان کو بھی ایسے مقام پر لے جاتا تھا جو ویران ہوتا تھا ، اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس نوجوان کو پھنسانے کی کوشش کر رہا ہے ، معاملات بالکل صاف ہو گئے تھے اور کسی شک یا تاویل کی گنجائش نہیں تھی۔

میری ماں ہمیں رات دیر تک گھر سے باہر رہنے کی اجازت نہیں دیتی تھی اور اگر ہم میں سے کوئی رات دیر سے باہر جانا چاہتا تو وہ اور بھی سخت ہو جاتی ، ہمیں لگتا تھا کہ وہ سو رہی ہے یا مصروف ہے، لیکن جیسے ہی ہم میں سے کوئی دروازے کے قریب جاتا، وہ چیختی ہوئی پوچھتی : احمد، کہاں جا رہے ہو ؟ ابراہیم، کہاں جا رہے ہو ؟ پھر ہمیں اس کے سوالات اور استفسارات سے بچانے والا کوئی نہیں ہوتا۔

ابراہیم جانتا تھا کہ حسن کے خلاف کچھ کرنے کی کوششوں میں ماں اس کے لیے مشکلات کھڑی کرے گی، اس لیے اس نے میرے ساتھ یہ منصوبہ بنایا کہ ہم جلدی گھر واپس آ جائیں، پڑھائی کریں اور محنت کریں، پھر جلد سو جائیں ، آدھی رات کو میں اس کی مدد کرتا کہ وہ گھر سے نکل جائے اور واپس آنے کا انتظار کرتا ، وہ ہر ہفتے ایک یا دو بار باہر جاتا اور واپس آ کر میرا شکریہ ادا کرتا اور سونے چلا جاتا ، میں نے کبھی اس سے

نہیں پوچھا کہ کیا ہوا؟ کہاں گیا تھا؟ کیا کیا؟

ایک رات جب ابراہیم واپس آیا تو اس کا چہرہ بگڑا ہوا تھا اور صاف ظاہر تھا کہ اس نے بہت مشکل صورتحال کا سامنا کیا ہے ، اس نے اپنے کپڑے بدلے اور بستر میں چلا گیا بغیر کسی بات چیت کے ، اس رات کے بعد اس نے مجھے کبھی کسی اور مشن پر ساتھ نہیں لیا۔

ایک ہفتے بعد کی رات اس نے مجھ سے کہا: احمد، اب اس پروگرام پر رہنے کی ضرورت نہیں ہے ، آرام سے جیسے چاہو ویسے کرو ، مجھے یہ بات بہت عجیب لگی، لیکن میں نے اس کے پیچھے کی وجوہات نہیں پوچھی ، کچھ راتوں بعد جب میں دیر سے گھر واپس آ رہا تھا، اور ایک فرعی راستے پر مڑ گیا، تو میں نے دیکھا کہ انٹیلی جنس افسر "ابو ودیع" کی گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی ہے ، وہ اپنی عادی شہری لباس میں گاڑی سے باہر آیا اور مسجد کی دیوار کے ساتھ کھڑا تھا، اس کے ہاتھ میں کچھ تھا جس سے وہ دیوار کی طرف اشارہ کر رہا تھا ، میں ایک اور گلی میں مڑ گیا تاکہ اس سے سامنا نہ ہو اور مجھے کسی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے، اور اس کے چلے جانے کا انتظار کیا ، پھر جب میں واپس اپنے راستے پر گیا اور اسی جگہ سے گزرا تو دیکھا کہ اس نے دیوار پر کچھ نشان بنائے اور کچھ نمبر لکھے ہیں ، جب میں گھر پہنچا اور کمرے میں داخل ہوا، تو ابراہیم اپنے بستر پر بیٹھا اپنے کالج کی کتابیں پڑھ رہا تھا ، میں نے اسے اس واقعے کے بارے میں بتایا تو اس نے جانے کی تیاری کی، پھر گھڑی کی طرف دیکھا اور کہا: اگر وقت زیادہ نہ ہوتا تو میں جا کر دیکھ لیتا، لیکن اس وقت باہر جانے سے حکومت مجھے پکڑ لے گی، صبح تک انتظار کرتے ہیں۔

فجر کی اذان کے وقت ہم مسجد جانے کے لیے نکلے ، دیوار کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اس نے مجھے خبردار کیا کہ نہ رکنا اور نہ ہی دیوار کی طرف اشارہ کرنا، بلکہ بات کرتے ہوئے صرف اسے مقام کے بارے میں بتانا ، میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا، اور وہ اس مقام کو بخوبی دیکھ سکا ، اس مقام سے گزرتے ہوئے اس نے سرگوشی کی، "ایسی بہت سی نشانیاں مختلف مقامات پر ہیں، جو پہلے بھی میری نظر میں آئی تھی ، میں نے سوچا

تھا کہ یہ بلدیہ کے نشانات ہیں، جیسے سیوریج یا بجلی کے ،لیکن یہ انٹیلی جنس کے لیے ہیں، یعنی یہ خفیہ اور بہت خطرناک جاسوسوں کی ملاقاتوں کے نشانات ہیں ، اگر یہ عام جاسوس ہوتے تو اتنی محنت اور رازداری کی ضرورت نہ ہوتی ، ہم نے فجر کی نماز ادا کی اور واپسی کے وقت دوبارہ ان نشانات کو دیکھا ، ابراہیم نے کچھ بڑبڑاتے ہوئے کہا : آج یہ وقت اور یہ مقام " میں نے پوچھا : کیا کہہ رہے ہو ؟ اس نے جواب دیا : کچھ نہیں لیکن...

اس دن شام کو اس نے مجھے اپنی گاڑی میں ساتھ لیا اور کہا : ڈائری اور قلم نکالو اور کچھ چیزیں نوٹ کرنے کے لیے تیار رہو ، ہم نے گاڑی میں بیٹھ کر کیمپ کی گلیوں میں چکر لگائے، اور جب بھی ہم کسی دیوار سے گزرتے، وہ رفتار کم کرتا اور کہتا، "دائیں طرف دیوار کو دیکھو، یہ نشان پچھلی رات کی نشانی جیسا ہے، اسے نوٹ کرو ، ہم نے بہت سی نشانیاں جمع کی ، اور مغرب کی اذان کے وقت ایک مسجد میں نماز ادا کی، پھر واپس گھر آئے۔

کمرے میں داخل ہوا، اس نے مجھ سے ڈائری لے لی اور میز پر رکھ کر اعداد و شمار کا موازنہ کرنے لگا، اور سرگوشی میں کہا: کیا تم یہ مماثلت نہیں دیکھ رہے؟ یہ نمبر آج کی تاریخ ہے، کیونکہ سارے نمبر (۱) سے (۳۱) تک کے درمیان ہیں، کیا یہ معقول نہیں ہے ؟ میں نے جواب دیا: صحیح ہے ، پھر اُس نے دوسرے نمبر کا موازنہ شروع کیا اور کہا: یہ لگتا ہے کہ یہ گھنٹے ہیں، کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ یہ (۱) سے (۲۴) کے درمیان ہیں اور دن کے گھنٹوں کی تعداد کے برابر ہیں، کیا یہ معقول نہیں ہے ؟ میں نے جواب دیا: صحیح ہے ، اُس نے کہا: اور یہ نمبر منٹوں کو ظاہر کرتے ہیں، کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ یہ بڑے نمبروں کے مقابلے میں چھوٹے ہیں جو گھنٹے ظاہر کرتے ہیں اور یہ یا تو (۱۵) یا (۳۰) یا (۴۵) ہوتے ہیں، میں نے کہا: سو فیصد۔

وہ مسکرایا اور اپنے ہاتھ کو میرے ہاتھ پر مارنے کے لیے اٹھایا، میں نے ہاتھ بڑھایا اور اس نے ہلکی آواز میں میرے ہاتھ پر مارا، پھر کہا: یہ خفیہ ادارے کی اپنے ایجنٹوں کے ساتھ شفر ہے، احمد، ہم نے اسے حل کر لیا

ہے اور اب اہم بات یہ ہے کہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں۔

فائدہ : شِفر Cipher ایک مخصوص طریقہ کار یا طریقہ کار ہوتا ہے جسے معلومات یا پیغامات کو خفیہ کرنے یا ان کی حفاظت کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے ، شِفر کے ذریعے معلومات کو ایسے طریقے سے تبدیل کیا جاتا ہے کہ غیر مجاز افراد اس کو سمجھ نہ سکیں ، شِفروں کی مختلف اقسام ہوتی ہیں۔

.... مجھے موقع مناسب لگا کہ ایک موضوع کھولوں جس پر میں کافی عرصے سے غور کر رہا تھا، میں نے کہا: ہاں، اب اہم بات یہ ہے کہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں، اب اپنے کمپیوٹر پر اس کو چلاؤ، اُس نے تیز نظروں سے اور غصے سے دیکھتے ہوئے کہا: تم کس بارے میں بات کر رہے ہو؟ میں نے کہا: اُن کے بارے میں جنہوں نے تمہارے لیے حسن کی رپورٹ تیار کی، اُس نے ناراضگی سے دیکھا اور کہا: کیا ہم نے اس بات پر اتفاق نہیں کیا تھا کہ ہم اسے بھول جائیں؟ میں نے کہا: نہیں، ہم نے بھولنے پر اتفاق نہیں کیا تھا، بلکہ ہم نے اس بات پر اتفاق کیا تھا کہ میں کسی اور سے اس بارے میں بات نہیں کروں گا اور میں تم سے بات کر رہا ہوں، کسی اور سے نہیں ، اس نے غصے سے کہا: اور تم کیا چاہتے ہو؟ میں خود کو حیران پایا کیونکہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کیا چاہتا ہوں، میں نے جواب دیا: مجھے نہیں معلوم، مجھے نہیں معلوم، اس بات کو ابھی چھوڑ دو ، ہم سونے چلے گئے اس سے پہلے ابراہیم نے کاغذات کو اچھی طرح ضائع کر دیا۔

اٹھارہویں فصل

میں گہری نیند میں تھا جب گھر میں مردوں کے شوروغل سے جاگ اُٹھا ، میں نے اپنی آنکھیں ملی اور اپنی گھڑی کی طرف دیکھا، اس کی سوئیاں سوا تین بجے سے کچھ پہلے کا وقت بتا رہی تھی ، میں نے اپنی ماں کی آواز سنی جو چلا رہی تھی : "تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ میں اور ابراہیم ابھی اپنے بستر سے نکلنے بھی نہیں پائے تھے کہ کمرے کا دروازہ زور سے کھولا گیا ، کئی بندوقوں کی نالیں ہماری طرف نشانہ بنائے ہوئے تھی ، "ابو

ودیع" کی آواز آئی : حرکت نہ کرنا، وہیں رہو ، پھر وہ اور کئی فوجی اندر داخل ہوئے اور اس نے ابراہیم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: تم ابراہیم ہو؟ ابراہیم نے جواب دیا: ہاں، میں ابراہیم ہوں، کیا چاہتے ہو؟ ابو ودیع ہنسا اور کہنے لگا : کیوں جلدی ہے؟ ذرا صبر کرو ابراہیم ! پھر میری طرف دیکھ کر کہا: تم احمد ہو ؟ میں نے کہا: ہاں ، اس نے کہا: اٹھو اور باہر آؤ ، انہوں نے ہمیں اٹھا کر ایک دیوار کے پاس کھڑا کر دیا ، فوجیوں کو تلاشی لینے کا حکم دیا تو وہ کمرے کو اچھی طرح کھنگالنے لگے ، اس نے خود بھی ہماری تلاشی لی مگر کچھ نہیں ملا ، فوجیوں نے کمرے کو الٹ پلٹ کر دیا مگر انہیں وہ چیز نہ ملی جس کی تلاش تھی ، وہ ابراہیم کے کاغذات اور نوٹ بکس پلٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا، پھر اس نے جو بھی کاغذات مشکوک لگے انہیں ایک صندوق میں ڈال دیا جو ایک فوجی لے کر آیا تھا اور اسے گاڑی میں لے جانے کا حکم دیا۔

میری ماں چلا رہی تھی : تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ گھر برباد کر دیا، اللہ تمہیں ہدایت دے ، درجنوں فوجی گھر کے ہر کونے کو چھان رہے تھے ، تقریباً دو گھنٹے کی تلاشی کے بعد انہوں نے میرے ہاتھ پیچھے باندھ دیے اور میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی ، یہی ابراہیم کے ساتھ بھی کیا اور ہمیں گھر سے باہر لے گئے ، میری ماں چلا رہی تھی : انہیں کہاں لے جا رہے ہو؟ اے ظالمو، اللہ تمہیں غارت کرے۔

مجھے جیپ میں ایسے پھینک دیا جیسے آلو کا بورا ، پھر مجھے ایک اور بورا محسوس ہوا جو مجھ پر پھینکا گیا، تب میں نے سمجھا کہ یہ ابراہیم ہے، میں خوف اور اضطراب سے کانپ رہا تھا ، لگتا تھا کہ ابراہیم نے یہ محسوس کیا ، اس لیے اس نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا ہو : حوصلہ رکھو، تم کیوں کانپ رہے ہو ؟ کچھ نہیں ہوگا، چند دنوں کی بات ہے اور ہم واپس گھر آ جائیں گے۔

اس پر ایک زور دار تھپڑ اس کے سر کے پچھلے حصے پر پڑا اور ایک فوجی کی ٹوٹی پھوٹی عبرانی میں آواز آئی : چپ رہو، گدھے۔

قافلہ آگے بڑھا اور پھر رک گیا ، ہم نے اندازہ لگایا کہ ہم سرائے پہنچ گئے ہیں ، ہمیں دھکا دے کر اور ٹھوکریں مار کر نیچے اتارا گیا ، پھر ہمیں تنگ گلیوں اور راہداریوں میں گھسیٹا گیا ، پھر ہمیں ایک تنگ اور لمبی سیڑھی پر لے جایا گیا ، ایک آدمی جس کی عربی بہتر تھی، نے مجھے کھڑا ہونے اور نہ ہلنے کو کہا ، اس نے مجھے دیوار کے ساتھ کھڑا کیا اور میں نے سنا کہ اس نے ابراہیم کو بھی دیوار کے ساتھ کھڑا ہونے اور نہ ہلنے کو کہا ،کسی کے مجھ سے بات کیے بغیر کافی وقت گزرا ، اور جو بھی آوازیں سنائی دیتی تھی وہ دروازوں کے کھلنے اور بند ہونے کی تھی ، اور ایسی زبان میں باتیں ہو رہی تھی جو مجھے سمجھ نہیں آتی تھی ، شاید عبرانی زبان میں ، کافی وقت کے بعد اس آواز والے شخص نے مجھے کھینچتے ہوئے کہا : آؤ ! اور مجھے ایک کمرے میں دھکیل دیا اور میری آنکھوں سے پٹی ہٹادی ، میں نے خود کو ایک چھوٹے سے کمرے میں پایا جہاں ایک میز کے پیچھے ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا جو شہری لباس میں تھا اور مسکرا کر کہہ رہا تھا: تشریف رکھیں اور سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کر رہا تھا ، میں کرسی پر بیٹھ گیا اور میرے ہاتھ اب بھی پچھلے حصے میں بندھے ہوئے تھے ، اس نے پوچھا: حسن کہاں ہے؟ میں نے حیرت سے جواب دیا: گھر پر ، اس نے پوچھا: کون سا گھر؟ میں نے کہا: ہمارا گھر ، اس نے حیرت سے کہا: حسن تمہارے گھر میں ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔

اس نے میز پر رکھی ہوئی کچھ کاغذوں کی طرف دیکھا اور پھر پوچھا: تمہارے گھر میں کون سا حسن ہے؟ میں نے کہا : میرا بھائی حسن ، اس نے کہا : اوہ، میں تم سے تمہارے چچا زاد بھائی حسن کے بارے میں پوچھ رہا ہوں، وہ کہاں ہے؟ میں نے کہا : مجھے نہیں معلوم ، اس نے کہا: کیسے نہیں معلوم؟ میں نے کہا : وہ کئی سالوں سے ہمارے ساتھ نہیں رہتا اور ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کہاں رہتا ہے ، اس نے پوچھا : اسے آخری بار کب دیکھا تھا ؟ میں نے کہا : یاد نہیں اس نے کہا: تقریباً ؟ میں نے کہا: کئی سال گزر گئے ، اس نے پوچھا: گھر میں آخری بار کب ذکر کیا تھا ؟ میں نے جواب دیا : یاد نہیں ، اس نے کہا: تقریباً ؟ میں نے کہا : بہت وقت ہوا، ہم نے اسے بھلا دیا ہے ، اس نے پوچھا : کیوں ؟ میں نے کہا : اس نے ہمیں

پڑوسیوں کے ساتھ بہت سی مشکلات میں ڈال دیا تھا، اس لیے ہم نے اسے گھر سے نکال دیا اور اب ہم اس کی پرواہ نہیں کرتے ، اس نے پوچھا: کیا تم نے سنا کہ تقریباً ایک سال پہلے اسے مارا گیا تھا اور وہ تقریباً دو مہینے اسپتال میں رہا؟ میں نے کہا: سنا تھا، اس نے پوچھا: اسے کس نے مارا تھا ؟ میں نے کہا: مجھے کیا معلوم ، اس نے کہا: تمہارا اندازہ کیا ہے؟ میں نے کہا: مجھے نہیں معلوم، لیکن شاید کسی لڑکی کے گھر والوں نے جسے وہ پیچھا کر رہا تھا یا کسی سے جھگڑا ہوا ہو ، اس نے کہا: کس طرح کے لوگوں سے؟ میں نے کہا: مجھے نہیں معلوم، لیکن یہی میں نے اس وقت سوچا تھا اور ہمیں اس کی پرواہ نہیں ، اس نے کہا: یعنی تمہیں نہیں معلوم کہ وہ اب کہاں ہے؟ میں نے کہا: ہاں، مجھے نہیں معلوم اور نہ ہی جاننا چاہتا ہوں... اس نے اس آدمی کو آواز دی جس نے مجھے اندر لایا تھا اور اسے کہا کہ مجھے کمرے سے باہر لے جائے ، اس نے میرے سر پر ایک موٹا کپڑے کا تھیلا ڈال دیا، اور مجھے کمرے سے باہر لے گیا اور دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا ، پھر میں نے سنا کہ وہ ابراہیم کو اندر لے جا رہے ہیں اور پھر دروازے کی زور سے بند ہونے کی آواز سنی ، کافی وقت کے بعد جو ایک گھنٹے تک پہنچ سکتا ہے، میں نے تفتیش کار کی آواز سنی جو اس آدمی کو بلا رہا تھا ابو جمیل ! وہ اس کے پاس گیا اور میں نے سنا کہ وہ ابراہیم کو باہر لے جا رہا ہے اور دیوار کے ساتھ کھڑا کر رہا ہے، تو میں نے اندازہ لگایا کہ اس نے وہی سوالات پوچھے ہوں گے ، اور میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ حسن کہاں ہے؟ کیا وہ لاپتہ ہے؟ یا ان سے بھاگ رہا ہے ؟ میں اسی حالت میں کھڑا رہا ، میرے چہرے کو دیوار کی طرف، مجھے ایک تھپڑ یا لک ملی جس نے میری تھکان اور تھکاوٹ کو بھلا دیا۔

میری ٹانگیں جب میرا بوجھ اٹھانے کے قابل نہ رہیں، تو میں زمین پر بیٹھ گیا ، فوجی آئے، چلاتے اور لاتیں مارتے ہوئے مجھ سے کھڑے ہونے کا مطالبہ کیا ، تھکاوٹ اور بے بسی نے مجھے اس حد تک پہنچا دیا تھا کہ مجھے مارنے اور لاتیں کھانے کی کوئی پرواہ نہ رہی ، وہ مجھے مار مار کر کھڑے ہونے کے لیے مجبور کرتے رہے، لیکن میں اپنی مرضی سے کھڑا نہ ہوا ، جب بھی وہ مجھے کندھوں سے پکڑ کر کھڑا کرتے، میں دوبارہ بیٹھ جاتا ، وہ

دوبارہ مارنے لگتے اور دوبارہ اٹھاتے، اور میں پھر سے بیٹھ جاتا، آخر کار تفتیشی افسر نے آ کر حکم دیا کہ مجھے زمین پر ہی چھوڑ دیا جائے، سچ یہی ہے کہ بیٹھنے کے لیے میں نے بھاری قیمت چکائی، لیکن اس کے بعد میں بے حد آرام دہ محسوس کرنے لگا۔

تفتیشی حصے میں پہلی بار زندگی گزاری جب درجنوں تفتیشی افسر ایک ساتھ اندر داخل ہوئے، تب میں نے اندازہ لگایا کہ دن چڑھ چکا ہے اور یہ ان کے کام کا نیا دن ہے، کچھ وقت کے بعد مجھے ایک کمرے میں لے جایا گیا، اور جب انہوں نے میرے سر سے تھیلا ہٹایا، تو میرے سامنے تقریباً سات تفتیشی افسر کھڑے تھے، ابھی میں پوری طرح اپنے ارد گرد کی صورتحال کو سمجھ نہیں پایا تھا کہ ان میں سے ایک نے میری ٹانگ کو آگے کی طرف ٹھوکر ماری، اور دوسرے نے میرے سینے کو پیچھے دھکیل دیا، جس سے میں زمین کی طرف الٹ گیا، انہوں نے مجھے پکڑ کر زمین پر گرا دیا، ہتھکڑی کا لوہا میری پیٹھ میں دھنس گیا اور وہ مجھ پر چڑھ دوڑے، ایک میرے سینے پر بیٹھ کر میرا گلا دبانے لگا، دوسرا میرے پیٹ پر کھڑا ہو کر اپنے پاؤں سے دبانے لگا، تیسرا میری ٹانگوں کے درمیان کھڑا ہو گیا اور چوتھا میری خصیتین پر دباؤ ڈالنے لگا، جب کچھ منٹ گزرے، تو وہ سب ایک ساتھ رکے اور میرے سینے پر بیٹھے شخص نے پوچھا: حسن کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا: مجھے نہیں معلوم، تو وہ دوبارہ شروع ہو گئے، پھر رکے اور وہی سوال پوچھا اور میں نے وہی جواب دیا، تو وہ پھر سے شروع ہو گئے، وہ پھر رکے اور پوچھا: ابراہیم نے اعتراف کیا؟ حسن کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا: مجھے نہیں معلوم، اسی طرح کئی بار ہوا جب تک کہ انہیں یقین نہ ہو گیا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں، پھر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور باہر موجود سپاہی کو بلایا تاکہ مجھے لے جائے، اس نے مجھے دیوار کے قریب لے جا کر بٹھا دیا، اس نے مجھے گھسیٹنے اور مارنے کی کوشش کی، لیکن میں نے پچھلی رات ہی اپنا فیصلہ کر لیا تھا، میں نے ابراہیم کی چیخیں اور ان کے چیخنے کی آوازیں سنیں، وہ بھی شاید انہی طریقوں کا استعمال کر رہے تھے، ابراہیم ان کی ہر بات کا سختی سے انکار کر رہا تھا اور انہیں برا بھلا کہہ رہا تھا، جس سے ان کا دباؤ بڑھ

گیا ، آخر کار انہوں نے اسے بھی نکال کر دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا ، کچھ دنوں بعد مجھے ایک گاڑی میں بٹھایا گیا، آنکھوں پر پٹی اور ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے، اور ٹانگیں بھی بندھی ہوئی تھی ، گاڑی تقریبا ایک گھنٹے تک چلتی رہی، پھر رک گئی اور انہوں نے مجھے نیچے اتارا ، وہ مجھے کھینچتے رہے اور ہر سیڑھی یا دروازے پر میں ٹھوکر کھا جاتا ، کچھ وقت کے لیے انہوں نے مجھے ایک دیوار کے پاس کھڑا کر دیا، پھر تھوڑا سا کھینچ کر لے گئے، ایک لوہے کے دروازے کی آواز سنی اور انہوں نے مجھے ایک کالی دیواروں والی کوٹھری کے اندر دھکیل دیا، اور میرے سر سے تھیلا ہٹا دیا۔

میں سیل میں بیٹھا تھا، کچھ وقت بعد دروازہ کھلا اور ایک دوسرے نوجوان کو سیل میں دھکیلا گیا ، جب اس کے سر سے تھیلا ہٹایا گیا، تو وہ میرے برابر بیٹھ گیا ، کچھ وقت بعد اس نے اپنا نام اور رہائش بتائی اور یہ کہ وہ دو ماہ سے تفتیش میں ہے ، دوپہر اور رات کا کھانا لایا گیا، اور ہم نے اپنا کھانا کھایا ، پھر ہم نے شور سنا، دروازہ کھلا اور پانچ نوجوانوں کو اندر دھکیلا گیا جنہوں نے بھورے رنگ کے قید خانہ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور انہیں ڈنڈوں سے مارا جا رہا تھا، نوجوان اپنا دفاع کر رہے تھے ، وہ نوجوان بیٹھ گئے اور اپنے آپ کو اور اپنے سخت سزاؤں کے بارے میں بتانے لگے کہ وہ دس سال سے قید میں ہیں اور انہوں نے ایک مخبر کو پکڑ کر اُسے ریزر بلیڈ سے مارا تھا، جس کے بعد پولیس آئی اور انہیں سزا دی ، پھر انہوں نے ہمارے نام اور یہاں ہونے کی وجہ پوچھی ، میرے پاس بیٹھا نوجوان ان سے اپنی اور اپنی کیس کی بات کرنے لگا، لیکن وہ اسے اپنی آواز نیچی رکھنے کو کہتے رہے اور یقین دلاتے رہے کہ وہ یہ معلومات باہر انقلاب تک پہنچائیں گے تاکہ وہ محتاط رہیں ، پھر انہوں نے میری طرف مڑ کر مجھ سے تفصیلات پوچھی، مجھے محمود کے دوستوں کی باتیں یاد آئی اور مجھے یقین ہوگیا کہ یہ معلومات حاصل کرنے کا جال ہے، حالانکہ میرے پاس چھپانے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

میں نے انہیں مختصر جواب دیے اور وہ یہ جانچتے رہے کہ کیا میرے پاس کچھ چھپانے کے لیے ہے ، کافی وقت

بعد دروازہ دوبارہ کھلا اور قیدی دار نے مجھے بلایا، میرے سر پر تھیلا ڈالا اور مجھے ایک اور سیل میں لے جایا گیا ، مجھے یقین تھا کہ وہ اب میرے بارے میں رپورٹ دے رہے ہیں ، کچھ وقت بعد پولیس والے نے مجھے تفتیشی کمرے میں لے جایا گیا ، جہاں ایک تفتیشی افسر نے مجھے بتایا کہ انہوں نے یقین کر لیا ہے کہ میرے پاس چھپانے کے لیے کچھ نہیں ہے، لیکن وہ مجھے تین ماہ کے لیے انتظامی حراست میں بھیج رہے ہیں اور میری تفتیش ختم ہو گئی ہے ، قیدی دار مجھے کپڑوں کے اسٹور پر لے گیا اور مجھے قیدیوں کے لیے دی جانے والی تمام چیزیں دے دیں، پھر مجھے ایک سیکشن میں لے کے جہاں کئی قیدی تھے۔

قیدیوں نے میرا پرجوش استقبال کیا اور اپنے بارے میں بتایا ، انہوں نے مجھے ایک کمرہ دکھایا، میرا بستر اور سامان ترتیب دیا، چائے بنائی، اور میرے نہانے کا انتظام کیا ، میں نے آرام کیا اور کھانا کھایا ، شام کو ہم سب اکٹھے بیٹھے، انہوں نے میرا استقبال کیا اور آخر میں کمرے کے امیر نے مجھے بتایا کہ میں اپنی کیس کے بارے میں کسی سے بات نہ کروں، کل تنظیم کا ذمہ دار اور سیکیورٹی ذمہ دار آئیں گے اور مجھے سب کچھ سمجھا دیں گے ،اور کسی اور سے اس بارے میں بات کرنا سختی سے منع ہے۔

اگلے دن دو افسر آئے، ہم سب کمرے کے ایک کونے میں بیٹھ گئے، انہوں نے مجھ سے تعارف کیا اور بتایا کہ وہ میرے بھائی محمود، بھائی حسن اور ہمارے پڑوسی عبد الحفیظ کو جانتے ہیں، اور دیگر معلومات دیں جن سے مجھے ان پر پورا بھروسہ ہو گیا ، پھر انہوں نے مجھ سے میری کیس کے بارے میں اور میرے گرفتار ہونے کی وجوہات کے بارے میں پوچھنا شروع کیا ، میں نے انہیں تفصیل سے بتایا کہ مجھے کس وجہ سے گرفتار کیا گیا ہے، اور وہ مجھ سے میرے چچا زاد حسن کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، حالانکہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کہاں ہے اور یہ سوالات کیوں پوچھ رہے ہیں ؟ حسن ہمارے ساتھ نہیں رہتا، ہم نے اسے کئی سال پہلے گھر سے نکال دیا تھا اور ہمیں اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ہے۔

انہوں نے بار بار وہی سوالات دہرائے پھر میرا شکریہ ادا کیا اور چلے گئے ، چند دن بعد جیلر آیا اور میرا نام

پکارا، مجھے اسٹور روم لے جایا گیا، انہوں نے مجھ سے وہ سامان لے لیا جو انہوں نے مجھے دیا تھا اور میرے اپنے کپڑے اور چیزیں واپس کر دیں، اور بتایا کہ وہ مجھے رہا کر رہے ہیں ، انہوں نے مجھے جیل کے دروازے تک پہنچایا اور باہر چھوڑ دیا ، میں نے دوبارہ تازہ ہوا میں سانس لی اور یقین نہیں آیا کہ مجھے آزاد کر دیا گیا ہے ، میں ابھی بھی سوچ رہا تھا کہ حسن کے بارے میں کیا معاملہ ہے؟ اور یہ سوالات اور تفتیش کیوں ہوئی ؟ اور مجھے کوئی جواب نہیں ملا ، جب میں گھر پہنچا تو خبر پہلے ہی گھر پہنچ چکی تھی، میری ماں مجھے لینے آئی اور خوشی کے نعرے اور پڑوسی مبارکباد دینے اور میری سلامتی پر اللہ کا شکر ادا کرنے لگے ، ماں نے پوچھا کہ ابراہیم کہاں ہے ؟ میں نے کہا: مجھے نہیں معلوم، وہ پچھلے دنوں تفتیش میں میرے ساتھ تھا پھر اس کے بعد اس کی کوئی خبر نہیں ملی ، میں نے اپنے گھر والوں کو اپنی کہانی سنائی ، ایک ہفتے بعد عصر کے وقت جب ہم گھر میں بیٹھے تھے، دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی اور خوشخبری دینے والے کی آواز آئی یہ ابراہیم ہے، اسے رہا کر دیا گیا ہے ہم سب خوشی سے اسے لینے کے لیے باہر نکلے، خوشی کے نعرے اور مبارکبادیں ہر طرف سے آنے لگیں۔

اس نے مجھ سے پوچھا کہ میرے ساتھ کیا ہوا ؟ میں نے اسے سب کچھ بتایا اور اس نے بھی مجھے اپنی تفتیش کے بارے میں بتایا، جو تقریباً میرے ساتھ جو ہوا تھا وہی تھا ، رات کو جب ہم اپنے کمرے میں اکیلے تھے، میں نے اس سے پوچھا کہ یہ سب کیا ہوا اور اس کی کیا وضاحت ہے؟ اس نے کہا: مجھے نہیں معلوم لیکن لگتا ہے کہ حسن ان سے بھاگا ہوا ہے یا لاپتہ ہے!! میں نے پوچھا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ جو لوگ ہم سے ملے تھے وہ جاسوس تھے اور یہ سب ہمیں پھنسانے کے لیے تھا ؟ اس نے ہنستے ہوئے کہا: یہ پھنسانا نہیں تھا، احمد ؟ میں نے حیران ہو کر پوچھا: کیا؟ اس نے کہا: یہ پہلی جال ہے تاکہ تم اصلی جال میں پھنس جاؤ ، میں نے پوچھا: کیسے؟ میں سمجھا نہیں ؟ اس نے کہا: وہ جانتے ہیں کہ ہم نے جالوں اور جاسوسوں کے بارے میں سنا ہے، اس لیے وہ پہلے ہمیں ایک واضح جال میں پھنساتے ہیں تاکہ ہم اسے پہچان سکیں اور اس سے بچ جائیں،

پھر ہمیں دوسرے حصے میں لے جا کر وہاں پھنسانا چاہتے ہیں، یہی اصلی جال ہوتا ہے ، میں نے پوچھا ، تمہارا مطلب ہے کہ وہ حصہ اور اس میں موجود سب جاسوس ہیں اور وہ..... اس نے مجھے کاٹتے ہوئے کہا: ہاں ہاں ، میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میرے پاس کوئی معلومات نہیں تھی ورنہ میں انہیں بتا دیتا کیونکہ میں نے ان پر شک نہیں کیا تھا۔

اس نے مجھے بتایا کہ جب وہ ان کے پاس تھا اور انہوں نے اس سے پوچھا تو اس نے ہر بات سے انکار کیا، جیسے انہیں لگا کہ وہ ان پر شک کر رہا ہے، تو انہوں نے اسے دھمکی دی اور کہا کہ انہیں شک ہے کہ وہ جاسوس ہیں ، انہوں نے کمرے میں اس کا اعلان کیا اور اس پر ہنگامی حالت نافذ کر دی اور اس کے ساتھ اس طرح سلوک کرنا شروع کر دیا جیسے وہ جاسوس ہو ، وہ سمجھ گیا کہ وہ اس سے یہ ردعمل حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو بچانے کے لیے کچھ کہے اور ثابت کرے کہ وہ جاسوس نہیں ہیں ، تاکہ وہ اپنی سچائیاں بیان کرنا شروع کرے ، انہوں نے اس کے سامنے کچھ کاغذات رکھے جو تحریک کے ذمہ داروں کی طرف سے دستخط شدہ اور سرخ مہروں والے تھے، اور دوسری چیزیں تاکہ وہ ان کے ساتھ سچ بولے اور ان سے کچھ بھی نہ چھپائے ، اس نے ان سے کہا کہ وہ سچ بول رہا ہے اور اس نے ان سے کچھ بھی نہیں چھپایا، اور اگر وہ کچھ بھی کہتا تو وہ سالوں تک جیل سے باہر نہ آتا۔

میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور پوچھا: لیکن تم نے مجھے حسن کے بارے میں نہیں بتایا ؟ اس نے بے پروائی سے جواب دیا: اس بات کو بھول جاؤ، اہم یہ ہے کہ وہ ہمیں پریشان نہیں کرے گا اور نہ ہی ہماری ساکھ کو نقصان پہنچائے گا، اور نہ ہی کسی کو پریشان کرے گا ، میں نے سمجھا کہ اس نے اپنی قسم کا حق ادا کر دیا ہے، اور میں نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ میں پہلے اس کے راز کا شریک نہیں تھا یا اس کے کسی کام میں شریک نہیں تھا، ورنہ میں بھی ان فدائیوں کو بتا کر اور اپنے چچا زاد کو مصیبت میں ڈال کر پھنس جاتا۔

جیل سے باہر آنے کے بعد جیسے ہی موقع ملا، میں جلدی نکل گیا اور "انتصار" کو دیکھنے کا انتظار کرنے لگا، تاکہ وہ مجھے دیکھے اور اگر اس نے میری گرفتاری کے بارے میں سنا ہو تو وہ میری خیریت کے بارے میں جان لے ، میں نے اسے گلی کے کونے سے جھانکتے دیکھا، وہ مجھے دیکھ کر ایک نظر ڈال کر نظریں جھکا لی اور اس کے ہونٹوں پر چند چھوٹے الفاظ تھے جو مجھے لگا کہ میں نے پڑھا (الحمدللہ) یا شاید میں نے خود کو دھوکہ دیا ، اگر ایسا ہے تو ، اس نے جان لیا کہ میں جیل میں تھا اور وہ میری سلامتی کے لیے خدا کا شکر ادا کر رہی ہے ، میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی اور میں تیزی سے اس کے آگے بڑھنے لگا تاکہ وہ مجھے دیکھے اور میری سلامتی کی تصدیق ہو سکے۔

ایک شام جب ابراہیم رہا ہو چکا تھا، میں اس کے ساتھ کمرے میں بیٹھا تھا اور ہم یونیورسٹی کی کتابیں پڑھ رہے تھے ، میری ماں کمرے میں داخل ہوئی اور ہمیں سلام کیا، اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے تھی جس پر تین شیشے کے گلاس اور ایک چائے کا برتن تھا ، اس نے میز کو ابراہیم کے بستر کی طرف کھینچا اور بستر کے کنارے بیٹھ گئی ، ابراہیم اس کے پاس بیٹھ کر سہارا لے کر بیٹھ گیا ، اس نے چائے ڈالی اور ہمیں گلاس دیا اور اپنے گلاس سے لمبے گھونٹ لیے اور ابراہیم سے بات کرتے ہوئے کہنے لگی، "دیکھو محمود، حسن، فاطمہ اور تہانی کے بچے کتنے خوبصورت ہیں ، بیٹا دنیا کی سب سے قیمتی چیز ہے، اور جب تک آپ کا اپنا بچہ نہ ہو، آپ اس کا مطلب نہیں سمجھ سکتے ، کیا خوبصورت بات ہے کہ آپ ماں یا باپ بنیں، یہ دنیا کے سب سے خوبصورت احساسات اور جذبات ہیں۔

میں نے سمجھا کہ وہ کسی اور موضوع کی طرف اشارہ کر رہی ہے، اس لیے میں نے ابراہیم کی طرف چھپی نظر سے دیکھا، اور اس چالاک نے میری نظر کو محسوس کر کے ہلکی سی مسکراہٹ دی، جیسے وہ کہہ رہا ہو: میں سمجھ گیا ہوں کہ تمہاری ماں کیا کہنا چاہتی ہے ، گویا اس نے محسوس کیا کہ اس نے تمہید کو طول دیا ہے ، تو کہا: اے ابراہیم، میں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں اور تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں ، ابراہیم نے ایک لمبی

ہنسی کے ساتھ کہا: یہ کوئی عیب نہیں ہے، اے میری برکت والی چاچی، اللہ ہمیں تمہیں حفاظت میں رکھے ، لیکن فکر نہ کرو، میں کوئی نقصان دہ یا خطرناک کام نہیں کروں گا اور ابھی میں چھوٹا ہوں ، یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ان شاء اللہ بہتر ہو گا۔

چاچی نے غصے اور تیز لہجے میں جواب دیا: میں تمہاری شادی کروں گی، یعنی میں تمہاری شادی کروں گی اور کیوں فارغ التحصیل ہونے کے بعد؟ میرے پاس تقریباً دو ہزار دینار ہیں جو تمہاری شادی کے لیے کافی ہیں۔

ابراہیم نے کہا: "اے چاچی..." مگر چاچی نے کاٹتے ہوئے کہا: خاموش، معاملہ ختم ہو گیا ہے، تمہاری شادی ہوگی یعنی ہوگی ، اب اہم بات یہ ہے کہ تم کس سے شادی کرو گے؟ مجھے بتاؤ، میں باقی سب سنبھال لوں گی اور اس معاملے پر بحث نہ کرو .

ابراہیم نے کہا: مجھے لگتا ہے کہ یہ وقت اس بات کے لیے مناسب نہیں ہے، ابھی یہ بہت جلدی ہے.

چاچی نے پوچھا: کیا کوئی خاص لڑکی ہے جسے تم چاہتے ہو؟

ابراہیم نے حیرانی سے کہا: نہیں، میں نے اس بارے میں کبھی نہیں سوچا.

چاچی چائے کی ٹرے اٹھاتے ہوئے کھڑی ہوگئی. میں نے موقع جانا کہ اس کے نظریے اور رائے کو ایک حساس موضوع پر جانچوں : کیا تم حقیقت میں شادی نہیں کرنا چاہتے ؟

ابراہیم نے کہا: یہ بات میرے ذہن میں اس وقت تک نہیں آئی جب تک تمہاری ماں کمرے میں نہیں آئی، اور میں نے پہلے کبھی اس بارے میں سوچا بھی نہیں ،

میں نے پوچھا: اور اب ؟

ابراہیم نے کہا: مجھے لگتا ہے کہ یہ وقت اس بات کے لیے مناسب نہیں ہے، ابھی یہ بہت جلدی ہے.

میں نے پوچھا: کیا کوئی خاص لڑکی ہے جسے تم چاہتے ہو؟

ابراہیم نے حیرانی سے کہا: نہیں، میں نے اس بارے میں کبھی نہیں سوچا.

میں نے کہا : یعنی کیا تمہیں سچ میں کوئی لڑکی پسند نہیں ہے؟

ابراہیم نے مزید حیرانی سے کہا: پسند؟!! تم کس بات کر رہے ہو؟

میں نے کہا: یعنی تم کہنا چاہتے ہو کہ تمہیں کبھی محبت نہیں ہوئی ؟

ابراہیم نے کہا: اور کس نے کہا کہ مجھے محبت ہوئی ہے کہ میں اس کی نفی کروں.

میں نے پوچھا: اور تمہیں کبھی کسی دن محبت نہیں ہوئی ؟

ابراہیم نے کہا: کیا تم سچ سننا چاہتے ہو ؟

میں نے کہا: ہاں ۔

ابراہیم نے کہا: یہ ایک پیچیدہ اور طویل موضوع ہے، تقریباً پانچ سال پہلے میں نے ایک لڑکی کو دیکھا اور مجھے محسوس ہوا کہ میں اسے پسند کرتا ہوں، میں نے اس کے آنے جانے پر نظر رکھنا شروع کر دیا اور مجھے محسوس ہوا کہ میں اسے پسند کرتا ہوں اور وہ بھی مجھے پسند کرتی ہے ، بات اس سے آگے نہ بڑھی لیکن جب میں نے نماز پڑھنی شروع کی اور مسجد میں پابندی کی تو مجھے سمجھ آیا کہ ایسے تعلقات ممنوع ہیں جب تک کہ شادی کا سنجیدہ ارادہ نہ ہو، تو میں نے اس کے راستے میں کھڑے ہونے اور اس پر نظر رکھنے سے باز آ گیا، لیکن مجھے محسوس ہوا کہ میرا دل اب بھی اس سے لگا ہوا ہے اور اسے پسند کرتا ہے اور مجھے نہیں لگتا کہ اس میں کوئی مذہبی حرج ہے ،لیکن حسن کی واپسی اور خیمے میں اس کے قیام کے بعد اور جو مصائب اس نے کیے اور زندگی میں سیاسی سرگرمیوں میں میری شمولیت اور یہ احساس کہ میں اس ملک اور اس کے مقدسات کے

قومی مسائل کا حصہ بن گیا ہوں، میں نے تھوڑی دیر سوچا اور فیصلہ کیا کہ مجھے محبت کے بارے میں سوچنا بھی بند کرنا چاہیے، بس سوچنا بھی ، لگتا ہے اے احمد کہ ہمیں اس احساس سے بھی محروم رہنا پڑے گا، بس احساس سے۔

وہ اپنی روح کی گہرائیوں سے بات کر رہا تھا، جیسے درد کے بعد ایک نئی زندگی کی پیدائش ہو رہی ہو ، میں نے پوچھا: کیا تمہیں نہیں لگتا کہ تم کچھ زیادہ ہی بڑھا چڑھا کر بول رہے ہو؟ میرے علم کے مطابق انقلابی ، عاشق اور ادیب ہوتے ہیں ، وہ ہنس کر بولا، یہ صحیح ہے ، یہ صحیح ہے احمد، لیکن ہمارے یہاں نہیں، فلسطینی قوم میں یہ صحیح نہیں ، یہ صحیح ہے ویتنام، کیوبا، اور چین کی عوام میں، لیکن ہمارے نصیب میں صرف ایک ہی محبت ہے، اس زمین کی محبت، اس کے مقدسات، اس کی مٹی، اس کی ہوا، اور اس کے سنتروں کی محبت ، ایسا لگتا ہے کہ یہ زمین کسی بھی مد مقابل کو اپنے عاشقوں کے دل میں جگہ دینے سے انکار کرتی ہے۔

میں ہنس کر بولا : سچ کہوں، تم میں تینوں چیزیں موجود ہیں، انقلابی، عاشق، اور شاعر ، تمہاری یہ بات تو شاعری کی ایک تصویر ہے، جو تمہاری غیرت مند محبوبہ کے بارے میں ہے ، لیکن مجھے نہیں لگتا کہ یہ کسی خوبصورت لڑکی سے محبت کے خلاف ہے، کیونکہ ان سے محبت بھی وطن سے محبت کا ہی حصہ ہے ، وہ آہ بھرتے ہوئے بولا : احمد، کیا تم سچائی سننا چاہتے ہو؟ میں نے کہا : ہاں، صرف سچائی ، اس نے کہا : جیسے کہ اس ملک کے مقولہ میں کہا گیا ہے، " ولاد الحرام لم يتركوا لأولاد الحلال شيء " احمد ! قبضے نے ہماری ہر چیز کو آلودہ کر دیا ہے، ہماری زمین، ہمارے سکون، ہمارا سمندر، ہماری گلیاں، اور ہماری روحوں کو بھی آلودہ کر دیا ہے ، احمد : کتنی کہانیاں سنی ہیں جو اس ملک میں شدید محبت سے شروع ہوئی اور قبضے نے ان عاشقوں کی پیٹھ پر کوڑے جیسے بن کر ان کو جلایا ؟ احمد ! جب یہ پاکیزہ رشتہ غداروں کے ہاتھ میں آجاتا ہے تو یہ عاشقوں پر دباؤ ڈالنے کے لیے استعمال ہوتا ہے تاکہ وہ اپنی پہلی محبوبہ، ' القدس ' سے غداری کریں ، کیا ہماری زندگی میں محبت اور عشق کے لیے کوئی جگہ باقی رہتی ہے ؟ میں نے کہا: مجھے یقین ہے کہ تم بڑھا چڑھا کر بول رہے ہو

اور تم اپنے مذہبی تصورات اور شریعت کے احکام کو قابضین اور ان کے غداروں کی حرکات کے ساتھ ملا کر ایک بھاری اور تیز مرکب بنا رہے ہو ، وہ مسکراتے ہوئے بولا : کس نے کہا کہ مذہبی تصورات کو زندگی کی حقیقتوں اور ان کی تقاعلات سے الگ کیا جا سکتا ہے؟ احمد، میں نے یہ رشتہ اب توڑنے کا فیصلہ کیا ہے ، جب کہ میں نے پورے دل و جان سے ایک لڑکی سے محبت کی تھی ، حالانکہ میرے تعلقات اس کے ساتھ جائز اور پاکیزہ تھے، یہاں تک کہ ایک لفظ بھی نہیں بولا ، میں نے اس سے اپنی روح کی گہرائیوں سے محبت کی اور جب اس شدت اور تیز خیالات نے مجھ پر زور ڈالا، میں نے اپنے آپ سے سوال کیا: کیا میں واقعی اسے محبت کرتا ہوں؟ اور میں نے اپنے آپ کو پوری یقین کے ساتھ جواب دیا، تب میں نے اپنے آپ سے کہا کہ اگر تمہاری محبت سچی ہے تو ہماری فلسطینی زندگی کی پابندیوں میں تمہیں محبت میں قربانی دینی ہوگی، ہر اس چیز کو چھوڑ دینا ہوگا جو فساد اور برائی کے دروازے کھول سکتی ہے، جو محبوب کی تصویر یا اس کی ساکھ کو نقصان پہنچا سکتی ہے، اور یہاں تک کہ اس ہوا کو بھی روکنا ہوگا جو محبوب کے چہرے کو چھو سکتی ہے یا اس کے بالوں کو چھیڑ سکتی ہے ، ہم اوروں کی طرح نہیں ہیں، احمد... ہم اوروں کی طرح نہیں ہیں ، " شب بخیر" کہہ کر وہ اپنے بستر میں لیٹ گیا اور میں نے جواب دیا، "اور تمہیں بھی شب بخیر"، اور میں نے اپنے بستر پر لیٹ کر اس کی کہی ہوئی ہر بات کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا اور پوچھنے لگا کہ کیا وہ واقعی بڑھا چڑھا کر بول رہا ہے یا ہم واقعی اوروں کی طرح نہیں ہیں ؟ ہماری کہانی آئرلینڈ والوں یا ریڈ انڈینز یا پاکستانیوں کی کہانی نہیں ہے، یہ ایک فلسطینی کہانی ہے جس کی گتھی میں مسجد اقصیٰ کا معاملہ ہے۔

فائدہ : "ریڈ انڈینز" ایک پرانی اور متروک اصطلاح ہے جو یورپی نوآبادیاتی دور میں شمالی امریکہ کے مقامی لوگوں کے لیے استعمال کی جاتی اور ، یہ اصطلاح آج کل غیر مناسب اور توہین آمیز سمجھی جاتی ہے، اس کے بجائے، "Native Americans" (مقامی امریکی) یا "Indigenous Peoples" (مقامی لوگ) جیسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جو ان قبائل اور قوموں کے لیے زیادہ احترام اور مناسبیت رکھتے ہیں۔

اگلے دن جب میں مسجد سے گھر واپس جا رہا تھا تو میری نظر دیوار پر کچھ نئی نشانیوں پر پڑی، جو بلکل ویسی ہی تھیں جیسے وہ خفیہ پولیس افسر لکھ رہا تھا اور جن کا ہم نے رمز توڑا تھا، میں گھر واپس آیا اور ابراہیم کے آنے کا انتظار کیا، اور اسے اس بات سے آگاہ کیا، وہ فوراً باہر نکلا تاکہ لکھی ہوئی تفصیلات کو لے آئے، اور پھر واپس آیا، ہمارے پچھلے تجزیات کے مطابق اس رمز میں مقررہ ملاقات کا وقت ایک ہفتے بعد تھا، میں نے ابراہیم سے پوچھا: تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: یہ کسی نا معلوم ایجنٹ کا اشارہ ہے جو خطرناک ہے کیونکہ وہ نا معلوم ہے، ہمیں اسے جاننا ہوگا، میں نے پوچھا: کیسے؟" اس نے کہا: مجھے معاملات ترتیب دینے دو، ابھی ہمارے پاس ایک ہفتہ ہے، اشارے میں ملاقات کا وقت رات کے ۸ بجے بتایا گیا تھا۔

مقررہ دن کی صبح سے ہی ابراہیم نے مجھ سے کہا: آج تیار رہو، ہم ایجنٹ کو جاننے کی کوشش کریں گے، شام ۶ بجے میں تمہیں مسجد میں ملوں گا، میں مقررہ وقت پر مسجد میں اس کا انتظار کرنے لگا، وہ آیا اور مجھے گاڑی میں بٹھا کر کیمپ سے اور پھر غزہ شہر سے باہر شمال کی طرف لے گیا، پھر ایک فرعی سڑک پر مڑا جو کچھ بستیوں کی طرف جا رہی تھی، اور سڑک کے کنارے ایک چھوٹے سے جھاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: کیا تم یہ جھاڑی دیکھ سکتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: ایک گھنٹے بعد اندھیرا ہو جائے گا، اور جو جھاڑی کے پیچھے کمین لگائے گا اسے کوئی نہیں دیکھ سکے گا، اور وہ سڑک پر گزرنے والے ہر شخص کو دیکھ سکے گا، خاص طور پر بجلی کے کھمبے کے نیچے، میں نے کہا: صحیح ہے، اس نے کہا: جب اندھیرا ہو جائے گا، میں تمہیں یہاں چھوڑ دوں گا، چپکے سے جاؤ اور ماحول کا جائزہ لو، اگر حالات سازگار ہوں تو جھاڑی کے پیچھے چھپ جاؤ، میں تمہیں دیکھ رہا ہوں گا، اگر تم چھپ نہ سکے تو میں تمہیں لینے آ جاؤں گا، اگر تم اچھی طرح چھپ گئے تو سڑک کو اچھی طرح دیکھو اور جاننے کی کوشش کرو کہ یہاں کون آئے گا اور کیا ہوگا، وہاں چھپے رہو جب تک میں آ کر تمہیں لے نہ جاؤں، میں نے پوچھا: تمہیں کیسے یقین ہے کہ جس کے لیے اشارہ دیا گیا ہے وہ یہاں آئے گا نہ کہ دنیا کے کسی اور مقام پر؟ وہ ہنس کر بولا: کیا تم مجھ پر بھروسہ نہیں

کرتے ؟ معاملات کو میرے ہاتھ میں چھوڑ دو اے احمد ، مقررہ وقت پر وہ مجھے واپس لے آیا اور گاڑی سے اتار دیا ، میں نے ماحول کا جائزہ لیا، حالات سازگار تھے کیونکہ وہاں کوئی نہیں تھا، تو میں جھاڑی کے پیچھے چھپ گیا ، گھڑی کی سوئیاں حرکت کرنے سے انکاری تھیں، ہر منٹ ایک صدی کی طرح لگ رہا تھا ،آٹھ بجے کا وقت قریب آ رہا تھا، ایک منٹ... دو منٹ... تین منٹ اور کچھ نہیں ہو رہا تھا۔

میں نے سوچا کہ شاید ہم خود کو دھوکہ دے رہے ہیں اور خود کو ہوشیار سمجھ رہے ہیں، اور یہ کہ وہ اتنے آسان نہیں ہیں ، شاید میں نے ابراہیم پر زیادہ بھروسہ کیا ہے ، ان خیالات سے مجھے ایک گاڑی کے رکنے کی آواز نے نکال دیا، جو سڑک پر کچھ دوری پر رک گئی تھی، اور ایک شخص گاڑی کے دروازے کو کھولتا ہے اور باہر نکل کر دروازہ بند کرتا ہے، اور گاڑی اپنی راہ پر چل پڑتی ہے ، میں نے یقین کر لیا کہ یہ ایک عمومی ٹیکسی تھی۔

یہ شخص میری طرف فرعی راستے پر بڑھنے لگا، میں نے غور سے دیکھا اور میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوئیں اور مجھے ڈر تھا کہ یہ شخص انہیں سن لے گا ، میں نے اپنی آنکھیں ملیں تاکہ چوکنا ہو جاؤں کہ میں اسے اچھی طرح دیکھ سکوں ، جب وہ روشنی کے نیچے دس میٹر کے فاصلے پر پہنچا تو میں نے اسے دیکھا، میں تقریباً چیخنے والا تھا، میری روح میرے جسم سے نکلنے والی تھی اور میں نے اپنی سانس روکی، کیونکہ یہ "فائز" تھا، ابراہیم کے قریبی دوستوں میں سے ایک اور ایک کارکن ، میں نے دل میں سوچا شاید وہ بھی ابراہیم کے کہنے پر نگرانی کرنے آیا ہے ، اس سے پہلے کہ میں اس خیال کو پلٹتا، ایک تیز رفتار کار آئی اور فرعی راستے پر مڑی اور رک گئی، اس کا پچھلا دروازہ کھلا، فائز اس میں بیٹھ گیا اور کار چل دی ، مجھے سو فیصد یقین تھا کہ یہ علاقے کے خفیہ افسر "ابو ودیع" کی کار تھی ،اور مجھے تقریباً 90 فیصد یقین تھا کہ "ابو ودیع" کار میں تھا۔

خیالات نے مجھے متضاد کیا، کیا میں خواب میں ہوں؟ کیا یہ حقیقت ہے؟ کیا یہ کوئی جاسوسی فلم ہے؟ ابراہیم کو کیا بتاؤں؟ کیا اسے سچ بتاؤں؟ کیا اسے یہ بتاؤں کہ کچھ نہیں ہوا ؟ خیالات اور سوالات نے مجھے چیر دیا

یہاں تک کہ ابراہیم کی کار آئی ، جب وہ قریب آیا تو میں نے جگہ کا جائزہ لیا، وہ خالی تھا ، میں درخت کے پیچھے سے نکلا، اس کے ساتھ بیٹھا اور اس نے کار کو موڑ کر راستے سے باہر نکالا اور پوچھنے لگا : یہاں کچھ ہوا ؟ کیا تم نے کسی کو دیکھا؟ کیا خفیہ افسر آیا اور میں جواب نہ دے سکا۔

اس نے محسوس کیا کہ میں غیر معمولی حالت میں ہوں، اس نے پوچھا : کیا ہوا، تمہیں کیا ہوا ؟ میں نے کہا : تم یقین نہیں کروگے کہ کیا ہوا، اس نے بے تابی سے پوچھا : کیا ہوا؟ میں نے کہا: وہ شخص آیا اور ابو ودیع آیا اور اسے گاڑی میں لے گیا ، اس نے چیخ کر کہا : سچ؟ کون شخص؟ میں نے کہا : یہی مسئلہ ہے ، اس نے کہا : کون سا مسئلہ، کون شخص ؟ میں نے کہا : فائز، اس نے کہا : فائز ! کون؟ میں نے کہا : تمہارا دوست؟ اس نے چیخ کر کہا : تم کیا کہہ رہے ہو؟ کوئی اور نہیں؟ میں نے کہا : ہاں، وہی، میں نے اپنی ان دونوں آنکھوں سے اسے سو فیصد دیکھا، کوئی شک نہیں ، اس نے کہا : ابو ودیع آیا اور اسے لے گیا ؟ میں نے کہا : ہاں، ابو ودیع اپنی کار سے آیا، اس کے پاس روکی، دروازہ کھولا اور وہ بیٹھ گیا، اور کار بستیوں کی طرف چل دی ، ابراہیم نے راستے کے کنارے پر گاڑی موڑ دی اور اس کی رفتار کم کی یہاں تک کہ اس نے گاڑی روک دی، ہینڈ بریک کھینچی، اور گاڑی بند کر دی اور اپنا سر گاڑی کے اسٹیرنگ پر رکھ دیا، اور کہا : یا اللہ، یہاں کیا ہو رہا ہے؟ میں یقین نہیں کر سکتا، یہ ناقابل یقین ہے، یہ ممکن نہیں ... یہ ممکن نہیں اور اسے سینکڑوں بار دہرایا ، میں نے کہا : کیوں ممکن نہیں؟ یہ سچ ہے کہ وہ نہیں جانتا ... اس نے بات کاٹتے ہوئے کہا : یا اللہ، لگتا ہے کہ میں نے اپنا دماغ کھو دیا ہے، چلو گھر چلتے ہیں ، میں اس کی جگہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا، اور بغیر کسی لفظ کے گھر کی جانب چل دیا ، جب ہم گھر کے قریب پہنچے، اس نے مجھ سے کہا کہ شیخ احمد کے گھر جاؤ، اور پہنچنے سے پہلے اس نے مجھ سے کہا کہ رک جاؤ اور شیخ کے گھر سے دور انتظار کرو، جب تک وہ واپس نہ آئے ، تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ واپس آیا، میرے ساتھ بیٹھا اور ہم گھر کی طرف روانہ ہو گئے ، ہم میں سے کسی نے ایک بھی لفظ نہیں کہا ، میری بہن مریم نے ہمیں رات کا کھانا پیش کیا، لیکن اس نے بمشکل چند نوالے ہی

کھائے ، ہم نے چائے پی اور ہر ایک نے اپنی کتاب پکڑی، اس کی طرف دیکھتا رہا لیکن حروف کو نہیں دیکھ پایا۔

ایک گھنٹے بعد اس نے میری طرف دیکھا اور کہا: احمد ، میں جانتا ہوں کہ تمہیں یاد دہانی کی ضرورت نہیں، لیکن پھر بھی یاد دلانا ضروری ہے، یہ موضوع بند ہے اور کسی کو نہیں بتانا ، میں نے کہا: بلا شبہ ، اس نے کہا: ہم ابھی تک یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ یہ سب محض اتفاقات کا مجموعہ نہیں ہے، ہمیں چیزوں کی تحقیقات کرنی ہوگی تاکہ سو فیصد یقین ہو سکے ، میں نے کہا: ایسا ہی ہے، لیکن کیسے ؟ اس نے کہا: دیکھیں گے، دیکھیں گے ،شب بخیر ، اور اس نے اپنے اوپر کمبل کھینچ لیا، پھر مڑ کر کہا: اگر تم اس سے ملو تو اسے تمہارے رویے میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہونی چاہیے ، میں نے کہا: "ایسا ہی ہوگا ، ہم میں سے ہر ایک نے اپنا کمبل کھینچا اور اپنا سر تکیے پر رکھا ، مجھے نہیں معلوم کہ ہم کتنے گھنٹے اپنے بستر میں کروٹیں بدلتے رہے، جیسے ہمارے بستر انگاروں سے بھرے ہوں۔

جب ہم فجر کی نماز کے لیے اٹھے تو اس نے میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی اور کہا: کیا ہمارے جیسے لوگوں کے لیے جو ایسی زندگی گزار رہے ہیں اور جو کچھ دیکھ رہے ہیں، محبت کرنا اور عشق کرنا جائز ہے احمد ؟ تب میں نے فیصلہ کیا کہ میں اپنی محبت کی کہانی ختم کر دوں گا، اگر اسے محبت کی کہانی کہنا مناسب ہو، اور میں نے سمجھ لیا کہ ہماری کہانی ایک تلخ فلسطینی کہانی ہے جس میں ایک سے زیادہ محبت کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

انیسویں فصل

ابراہیم کے ساتھ میں نے ایک عبرانی اخبار دیکھا جسے دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ ابراہیم عبرانی زبان جانتا ہے ،ابراہیم نے بتایا کہ وہ زبان تھوڑی بہت جانتا ہے، لیکن پوری طرح نہیں ، وہ اخبار "یدیعوت احرونوت" تھا ،

میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیسا اخبار ہے اور اس میں کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ عبرانی اخبار "یدیعوت احرونوت" ہے، اور اس میں ایک مضمون غزہ کے بارے میں ہے ، اس نے اخبار کو نرمی سے میرے سامنے رکھا اور اس کے ساتھ مضمون کا ترجمہ بھی دیا۔

یہ ایک طویل مضمون تھا جو غزہ کی موجودہ حالت بیان کرتا تھا، اور خلاصہ یہ تھا کہ غزہ ایک دلدل بن چکا ہے جہاں جاسوس اور مخبر ، اسرائیلی خفیہ ایجنسی "شاباک" کے ساتھ کام کر رہے ہیں ، مضمون میں کہا گیا تھا کہ غزہ جو کہ ابتدائی دنوں میں اسرائیلی قبضے کے لیے ایک بڑا مسئلہ تھا، اب کبھی بھی دوبارہ اس کی پرانی حالت میں واپس نہیں آ سکے گا ، اس مضمون میں زیادہ تر معلومات خفیہ ذرائع اور شاباک کے اہلکاروں سے منسوب تھی۔

میں نے یہ سب کچھ بہت تشویش کے ساتھ پڑھا ، ابراہیم نے میری پریشانی کو محسوس کیا اور مسکراتے ہوئے کہا: یہ واقعی پریشان کن ہے، ہے نا ؟ میں نے کہا: بالکل ، اس نے کہا: یہ سب بکواس ہے ، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب انہوں نے یونیورسٹی کو محاصرے میں لیا تو ہم نے مساجد سے لوگوں کو کس طرح متحرک کیا ؟ میں نے کہا : صحیح ، لیکن...اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا : بے شک، انہوں نے مزاحمت کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور ہمارے لوگوں کے درمیان بڑے پیمانے پر گھس گئے ہیں، لیکن یہ زمین مبارک ہے، اللہ نے اس میں اور اس کے لوگوں میں برکت دی ہے جب وقت آئے گا ، تو یہ دیو پھر سے جاگے گا، اور وہ جان جائیں گے کہ ان کا کیا انجام ہوگا ، میں نے کہا : ایک بار پھر، میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت رومانوی اور خیالی ہو، اور میں نہیں سمجھتا کہ تمہاری تھیوری صحیح معلومات اور اعداد و شمار پر مبنی ہے بلکہ یہ صرف خواب اور خواہشات ہیں ، وہ بڑی خود اعتمادی کے ساتھ مسکرایا اور کہا: تم دیکھو گے، احمد، تم دیکھو گے۔

تین نوجوان جو بیس سال کی عمر کے تھے، رفح کیمپ میں ایک گھر میں جمع ہوئے، جو مصر کی سرحد کے قریب واقع تھا ، وہ پرانی کپڑوں پر بیٹھے سرگوشیاں کر رہے تھے ، عبد الحمید نے کہا : ہمیں کچھ کرنا ہوگا، ہم اس

طرح بغیر کچھ کیے انتظار نہیں کر سکتے ، خلیل نے پوچھا : اور ہم کیا کر سکتے ہیں؟ فرید نے جواب دیا : ہم پرانے ہتھیاروں کا انتظام کر سکتے ہیں اور ان سے کام شروع کر سکتے ہیں ، خلیل نے فوراً کہا : نہیں... ہم بازار سے خریدے گئے ہتھیار نہیں استعمال کر سکتے کیونکہ تم جانتے ہو کہ ان میں سے زیادہ تر خراب یا مشکوک ہیں، یا فوری گرفتاری کا سبب بنتے ہیں کیونکہ جو لوگ ان کی تجارت کرتے ہیں وہ اصل میں مخبر ہوتے ہیں تاکہ جو بھی قبضے کے خلاف کچھ کرنے کا سوچے اسے پکڑ لیا جائے۔

عبد الحمید نے تنگ آ کر پوچھا : اور تم کیا کرو گے ؟ ہمیں کچھ نہ کچھ شروع کرنا ہو گا ، خلیل مسکراتے ہوئے بولا : میرے پاس ایک اچھا خیال ہے، اور ہمیں اسے آزمانا ہو گا ، ہفتہ کے دن صبح گیارہ بجے غزہ شہر کے میدان فلسطین میں کئی بسیں رکتی ہیں، جن سے سینکڑوں یہودی مرد و خواتین اترتے ہیں ، وہ شہر اور اس کی مارکیٹوں میں گروپوں کی شکل میں گھومنے لگتے ہیں، ہنستے ہنساتے، چیزیں خریدتے اور کھاتے پیتے ہیں ، عمر المختار اسٹریٹ میں میدان فلسطین سے میدان شجاعیہ تک کے علاقے میں، جہاں کمرشل سرگرمیاں عروج پر ہوتی ہیں، وہ بھیڑ کی صورت میں موجود ہوتے ہیں ، وہ عبرانی زبان بولتے ہیں اور کبھی کبھار ٹوٹی پھوٹی عربی بھی بولتے ہیں، جس پر دکاندار ہنستے ہیں اور وہ بھی ہنستے ہیں۔

عمر المختار اسٹریٹ کے اختتام پر، ساحۃ الشجاعیہ کی طرف سے خلیل لاپرواہی سے چلتے ہوئے آ رہا ہوتا ہے، اس کے ہاتھ میں "القدس" اخبار لپٹی ہوئی ہوتی ہے ، جیسے کہ کئی کیمپ کے نوجوانوں کا معمول ہے ، وہ دکانوں کی کھڑکیوں کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھتا ہے ، اچانک وہ ایک یہودی کے قریب ہو جاتا ہے، ایک میٹر کے فاصلے پر ، خلیل اخبار گرا دیتا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک تیز دھار والا باورچی خانے کا چاقو ہوتا ہے ، اس کا ہاتھ چاقو کے ساتھ بجلی کی سی تیزی سے یہودی کی گردن کی طرف جاتا ہے اور آگے پیچھے ہوتا ہے ، یہودی کی گردن کٹ جاتی ہے اور خون بہنے لگتا ہے ، خلیل ایک سائڈ اسٹریٹ میں مڑ جاتا ہے اور لوگ شور مچانے لگتے ہیں ، لیکن خلیل اس وقت تک ایک گاڑی میں سوار ہو جاتا ہے جسے عبد الحمید چلا رہا ہوتا ہے ،

گاڑی آہستہ آہستہ شہر کی ٹریفک میں جذب ہو جاتی ہے ، پندرہ منٹ کے اندر بڑی تعداد میں قابض افواج، انٹیلی جنس اور پولیس موقع پر پہنچ جاتی ہے ، وہ علاقے کو گھیر لیتے ہیں، لاش کو منتقل کرتے ہیں، جگہ کا معائنہ کرتے ہیں اور دکانداروں اور راہگیروں سے تحقیقات شروع کر دیتے ہیں۔

چند دن بعد قریب کے علاقے میں اسی طرح کا واقعہ دوبارہ پیش آتا ہے ، خلیل ایک اور قابض کو چاقو کے ساتھ بجلی کی سی تیزی سے حملہ کرتا ہے اور پھر شہر کی گلیوں میں غائب ہو جاتا ہے ، قابض افواج اور انٹیلی جنس اسے پکڑنے کی کوشش کرتی ہیں، گرفتاری، تحقیقات، کچھ بھی کام نہیں آتا۔

ایک شام میں اپنے کمرے میں بیٹھا اپنی کتابوں میں پڑھائی کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی ، میں دیکھنے کے لیے اٹھا کہ کون ہے ، دروازہ کھولا تو فائز سامنے کھڑا تھا اور سلام کر رہا تھا ، میں جواب دینے کے قابل نہیں تھا، الفاظ میرے گلے میں اٹک گئے ، پھر مجھے یاد آیا کہ ابراہیم نے کیا کہا تھا، تو میں نے تحیہ کا جواب دیا۔

اس نے پوچھا : کیا ابراہیم موجود ہے؟ میں نے کہا : نہیں، لیکن وہ کسی بھی لمحے آ سکتا ہے ، اس نے کہا : نہیں، میں تھوڑی دیر بعد آوں گا ، اگر وہ آ جائے تو اسے بتا دینا کہ میں آوں گا، وہ میرا انتظار کرے، پھر وہ چلا گیا ، میں اپنی پڑھائی میں واپس آ گیا ، تقریباً آدھے گھنٹے بعد دوبارہ دروازے پر دستک ہوئی اور ابراہیم ابھی تک واپس نہیں آیا تھا ، دروازے پر فائز تھا، میں نے اسے کہا : ابراہیم ابھی تک نہیں آیا، اندر تشریف لے آئیں ، میں نے گفتگو کا خیال اپنے ذہن میں بٹھا لیا تھا، اور اہل خانہ کو بلایا کہ وہ راستہ خالی کریں ، وہ میرے ساتھ ہمارے کمرے میں آیا جہاں وہ ابراہیم کے بستر کے کنارے بیٹھ گیا، اور میں وقت گزارنے کے لیے کسی موضوع پر بات کرنے کی کوشش کرنے لگا تاکہ میری پریشانی کم ہو ، میں نے اس سے اس کی پڑھائی اور امتحانات کی تیاریوں کے بارے میں پوچھا جو قریب آ رہی تھی ، اس نے جواب دیا کہ سب کچھ ٹھیک ہے اور تیاری زور شور سے جاری ہے ، پڑھائی اصل میں آسان ہے اور پیچیدہ نہیں ہے ، اچانک اس

نے پوچھا: تمہارے خیال میں ابراہیم کو دیر ہوگی؟ میں نے کہا: نہیں، میرے خیال میں نہیں ،اس نے کہا: میں زیادہ دیر نہیں رکنا چاہتا، کیا اس کی عادت ہے کہ رات کو دیر سے آتا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، لیکن کبھی کبھار اسے دیر ہو جاتی ہے ، اس نے پوچھا: تمہارے خیال میں وہ ابھی کہاں ہو سکتا ہے، شاید میں وہاں جا کر دیکھوں؟ میں نے کہا: مجھے نہیں معلوم ، اس نے پوچھا: کیا وہ اپنے بھائی حسن سے ملنے جاتا ہے؟ میرے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی اور میں نے جواب دیا: نہیں، ہم حسن سے ملنے نہیں جاتے اور اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، کئی سالوں سے ہم نے اسے اس کے برے کاموں کی وجہ سے گھر سے نکال دیا ہے۔

فائز نے کہا: لیکن حسن اس کا بھائی ہے اور خون کا رشتہ کبھی نہیں ٹوٹتا، یقیناً وہ اس کی فکر کرتا ہوگا ، میں نے کہا: نہیں... نہیں، میں نے اسے اس وقت سے اس کا نام لیتے نہیں سنا، اور ہم اسے بھول چکے ہیں ، اگر تم نے اس کا ذکر نہ کیا ہوتا تو ہم اسے یاد بھی نہیں کرتے ، میں نے پوچھا: لیکن تم حسن کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟ ایک لمحہ کے لیے وہ پریشان نظر آیا، پھر اس نے کہا: میں نے سوچا ہو سکتا ہے وہ وہاں ہو، تو میں وہاں جا کر دیکھوں ، پھر اس نے پوچھا: لیکن اب وہ کہاں رہتا ہے؟ میں نے کہا: مجھے نہیں معلوم ، ہم نے اسے ایک طویل عرصہ سے نہیں دیکھا ، اس نے رخصت لی، تو میں اسے لے کر گھر سے باہر نکلا اور اپنے کمرے میں واپس آ گیا ، میں اپنی پڑھائی پر دوبارہ دھیان نہیں دے سکا، اور سوچنے لگا کہ کیا وہ خفیہ ایجنسی کی طرف سے ہمیں حسن کے بارے میں پوچھنے کے لیے بھیجا گیا ہے؟ ورنہ وہ اس کے بارے میں اتنے سوالات کیوں کر رہا تھا ؟ ابراہیم تھوڑی دیر بعد واپس آیا، تو میں نے اسے معاملہ بتایا ، وہ ہنسا اور کہا: بہت خوب، بہت خوب ، اب ہم اسے دیکھ سکتے ہیں جبکہ وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتا ، اسے اپنا کام کرنے دو اور ہم اس بات کی تصدیق کریں گے کہ وہ ان کے ساتھ کام کر رہا ہے یا نہیں ، میں نے کہا: کیسے ؟ اس نے کہا : ابھی کوئی اسے دیکھ رہا ہے اور اس کی ہر حرکت اور سکونت کا حساب رکھ رہا ہے ، میں نے کہا: کیا تمہیں

نہیں لگتا کہ جب سے میں نے تمہارے ساتھ رپورٹ دیکھی ہے، تب سے مجھے یقین ہے کہ تمہارے پاس ایسا کوئی سیکیورٹی آلہ ہے جو ان معاملات پر کام کرتا ہے؟ اس نے غصے سے میری طرف دیکھا اور کہا: احمد، اس بات کی کیا ضرورت ہے ؟ تم انگور چاہتے ہو یا چوکیدار سے جھگڑا ؟ میں ہنسا اور کہا: اہم بات یہ ہے کہ مجھے اس معاملے کی ترقیات کے بارے میں آگاہ رکھو کیونکہ میں ابتدا سے ہی اس کا ایک اہم حصہ رہا ہوں ، اس نے کہا: یہ تمہارا حق ہے۔

میری ماں کھانا لے کر آئی اور ہمیں سلام کیا ، ہم نے بھی جواب دیا ، اس نے کھانا میز پر رکھ دیا اور ابراہیم کے بستر کے کنارے پر بیٹھ کر کہا: کھانا کھاؤ ، جب ہم میز کے گرد اپنی نشستیں لے رہے تھے، تو اس نے پوچھا: ہمارے دولہا کی کیا خبر ہے ؟ ابراہیم نے اس کی طرف دیکھ کر کہا: اچھی ہے، لیکن اس دولہا کی کوئی ضرورت نہیں ہے ، اس نے غصے سے جواب دیا: کیوں ؟ جان لو کہ میں نے تمہارے لیے ایک چاند جیسی دلہن ڈھونڈنا شروع کر دیا ہے ، اس نے کہا: کیا ہم نے یہ بات طے نہیں کی تھی کہ گریجویشن تک اس معاملے کو مؤخر کریں گے ؟ اس نے کہا: ہاں، لیکن میں تمہارے لیے ڈھونڈ رہی ہوں اور جیسے ہی مجھے مناسب دلہن ملے گی، ہم اسے تمہارے لیے مانگ لیں گے، چاہے گریجویشن سے پہلے ہو ، اس نے کہ : اے چچی !!! میں نے مداخلت کی تاکہ اسے اس مشکل سے نکال سکوں ، میرا خیال ہے کہ وہ کسی خاص کو چاہتا ہے اور اسے پسند کرتا ہے ، مس نے طنزیہ انداز میں میری طرف دیکھا اور کہا: چپ رہو ، تمہیں کس نے بولنے کو کہا ؟ اور تمہیں مردوں کی کیا خبر؟ ابراہیم کسی خاص کو چاہتا ہے!! اور اسے پسند کرتا ہے، واہ ! چپ رہو، چپ رہو ، پھر اس نے ابراہیم کی طرف مڑ کر کہا ، میں تمہارے لیے دیکھ رہی ہوں اور جلد تمہیں ان سے ملانے لے جاؤں گی ، اس نے کہا: اے چچی ، اس نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: تم بھی چپ رہو ، اور کمرے سے نکل گئی۔

الخلیل شہر میں مغرب کی نماز کے بعد، شیخ جمال کچھ نوجوانوں کے درمیان مسجد میں کھڑے ہو کر انہیں دین

کے امور کی تعلیم دے رہے تھے، انہیں تقویٰ کی اہمیت بتا رہے تھے اور دنیا سے بے رغبت کر رہے تھے، اسی وقت ایک اور مسجد میں عبد الرحمن کچھ نوجوانوں کے ساتھ بیٹھے انہیں یہی باتیں بتا رہے تھے ،منبر کے قریب بیٹھے ، شیخ نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا اور اذان دینے کے لیے تیاری کرنے لگے ، اذان عشاء کی صدائیں الخلیل کی مساجد سے بلند ہوئی ، اللہ اکبر، اللہ اکبر ، نماز مکمل کرنے کے بعد عبد الرحمن نے اپنے بھتیجے عبد الرحیم کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ چلو، مسجد کے دروازے پر ملتے ہیں اور وہ دونوں نکل پڑے، عبد الرحمن نے کہا: چلو، ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے کیونکہ آج ہمارے پاس گاڑی نہیں ہے جو ہمیں گاؤں لے جائے ، ہم قدیم پتھریلے گھروں والے گاؤں کی گلیوں میں چلنے لگے ، ایک گلی میں چیخنے کی آوازیں بلند ہوئی : اللہ اکبر، لوگو ! یہ ہمارا گھر ہے ، اور ایک دوسری آواز ٹوٹی پھوٹی عربی میں جواب دے رہی تھی ، یہ تمہارا نہیں، یہ میرا گھر ہے، یہاں سے چلے جاؤ ، عبد الرحمن اور عبد الرحیم نے گلی کی طرف دیکھا تو وہاں درجنوں فوجی کھڑے تھے جنہوں نے اپنے ہتھیار نکال رکھے تھے اور وہ چند باشندوں عورتوں اور مردوں کی حفاظت کر رہے تھے ، وہ گلی کے رہائشیوں کو نکال رہے تھے اور ان کا سامان گھر سے باہر پھینک رہے تھے ، جب بھی گلی کے رہائشی واپس اپنے گھر جانے کی کوشش کرتے تو فوجی ان پر ہتھیار تان لیتے اور اور وطن کے باشندے انہیں دھکیلتے، کھینچتے اور ان پر چیختے۔

عبد الرحیم رک گیا جب اس کا قدم گلی کی طرف بڑھا اور اس کے چچا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے کھینچ لیا ، کہاں جا رہے ہو؟ اور ان بندوقوں کے سامنے تم کیا کر سکتے ہو ؟ عبد الرحیم نے ناراضگی سے اس کی طرف دیکھا اور کہا: ہم ایسے ہی گزر جائیں؟ کچھ نہ کریں؟ اس کے چچا نے کہا: بیٹے ! یہ مسئلہ جذبات اور فوری ردعمل سے حل نہیں ہوگا ، یہ پہلا اور آخری گھر نہیں ہے کہ جس پر نو آبادکار قبضہ کر رہے ہیں، اور یہ پہلی اور آخری فیملی نہیں ہے جو اپنے گھر سے نکالی جا رہی ہے تم دیکھ رہے ہو کہ آنکھیں دیکھ سکتی ہیں لیکن ہاتھوں میں طاقت نہیں ہے ،اور یہ مسئلہ جڑ سے حل ہونا چاہیے۔

عبد الرحیم نے بے صبری سے کہا: کیسے ؟ اور کب ؟ عبد الرحمن نے جواب دیا: صبر کرو بیٹے ! ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اور اللہ کا حکم آ کر رہے گا۔

اگلی صبح گاؤں کے بچوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں ، عبد الرحیم بھاگتا ہوا دروازے کی طرف گیا تاکہ دیکھے کیا ہو رہا ہے ، اس کی خالہ نے پکارا ! کہاں جا رہے ہو ؟ عبد الرحیم نے جواب نہیں دیا اور بچوں کے ساتھ مغرب کی طرف بھاگ نکلا ، مغرب کی سمت سے بلڈوزروں اور گاڑیوں کی آوازیں آ رہی تھیں جو زمین کو مسمار کر رہی تھی۔

بچے ان آلات کو دیکھنے لگے جو زمین کو ہموار کر رہے تھے، درختوں کو اکھاڑ رہے تھے اور چھوٹے پتھر کے گھروں کو گرا رہے تھے ، کئی بچے چیخے : یہ ہماری زمین ہے، وہ اسے مسمار کر رہے ہیں ، اور دوڑتے ہوئے گاؤں واپس آ گئے ، ان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں ، یہودی ہماری زمین مسمار کر رہے ہیں، یہودی ہمارے درخت اکھاڑ رہے ہیں ، ان کی آوازوں کے ساتھ ہی گھروں کے دروازے کھلنے لگے اور لوگ پوچھتے ہوئے باہر آنے لگے کہ کیا ہو رہا ہے ؟ اور مغرب کی طرف چلنے لگے۔

ایک آدمی چیختے ہوئے دوڑتا ہوا جمع شدہ لوگوں کی طرف آیا: اللہ اکبر، لوگو، اللہ اکبر، کیا ہوا ؟ جب اس نے بلڈوزروں کو اپنے درختوں کو مسمار کرتے دیکھا تو بے ہوش ہو کر زمین پر گر گیا اور لوگ اس کی مدد کے لیے جمع ہو گئے ، ایک شخص چیختے ہوئے بولا : پانی لاؤ ؟ جب کچھ لوگ اس کی مدد میں مصروف تھے تو چند آدمی بلڈوزروں کی طرف بڑھنے لگے، ان کے سامنے چند فوجی آ گئے اور ان کے درمیان ایک ایسی گفتگو ہونے لگی جو کہ بہروں کی بات چیت کی مانند تھی۔

مرد کہتے ہیں : یہ ہماری زمین ہے اور آپ اسے کیوں ہموار کر رہے ہیں؟ اور فوجی انہیں پیچھے ہٹنے کا حکم دیتے ہیں اور ان کے چہروں پر بندوقیں تان دیتے ہیں، مرد دوبارہ اعتراض کرتے ہیں تو فوجی انہیں دھکا دیتے

ہیں جس سے ایک بزرگ آدمی گر جاتا ہے، ایک دوسرا آدمی اپنی مدد کرتا ہے اور ایک تیسرا آدمی فوجیوں سے لڑنے لگتا ہے ، چیخ و پکار شروع ہو جاتی ہے، پھر فوجی مردوں کو لاٹھیوں سے مارنے لگتے ہیں، جو زمین پر گرتا ہے اسے وہ لاتیں مارتے ہیں ، اس پر لوگ چیخنے اور اللہ اکبر کے نعرے لگانے لگتے ہیں ، پھر فوجی آنسو گیس کے گولے داغتے ہیں، لوگ منتشر ہونے لگتے ہیں ، بچے پتھراؤ کرتے ہیں اور فوجی مظاہرین کے سروں پر گولیاں چلاتے ہیں ، زمین کو ہموار کیا جاتا ہے، زیتون کے درختوں کو کاٹ دیا جاتا ہے اور بلڈوزروں کے نیچے پیس دیا جاتا ہے ، عبد الرحیم فوجیوں پر پتھراؤ کرتا ہے، فائرنگ اور گیس کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور بلڈوزر کا کام سورج غروب ہونے تک جاری رہتا ہے ، بلڈوزر اور ان کی حفاظت کرنے والی فوجیں پیچھے ہٹ جاتی ہیں، اور زیادہ تر لوگ چلے جاتے ہیں سوائے کچھ بزرگ مرد اور خواتین کے جو اپنی زمین پر گر پڑتے ہیں، اسے چومتے ہیں اور اپنے سروں پر مٹی ڈالتے ہیں، ان کی رونے کی آوازیں نہیں رکتی۔

ابراہیم نے آج کہا کہ ان شاء اللہ ہم آج "فائز" کے معاملے کو قطعی اور حتمی طور پر حل کریں گے ، میں نے کہا: کیسے ؟ اس نے کہا: تمہیں صرف اپنا کردار ادا کرنا ہے اور اگلے چھ گھنٹوں تک اس کی نگرانی کرنی ہے ، یہ گاڑی کی چابیاں ہیں، بہت محتاط رہنا کہ تمہاری نگرانی کا پتہ نہ چلنے پائے، ورنہ پوری منصوبہ بندی ناکام ہو جائے گی ، میں نے چابیاں لیتے ہوئے کہا: فکر نہ کرو، وہ چلا گیا اور کہنے لگا : ابھی سے نگرانی شروع کرو، میں نے فوراً کہا اور اپنی آنکھوں سے اسے تلاش کرنے لگا ، طلباء کے ہجوم میں مجھے وہ مل گیا اور میرے لیے حیرت کی بات یہ تھی کہ ابراہیم اس کے ساتھ چل پڑا، اس سے رسمی باتیں کی اور پھر اسے یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں لے گیا، میں نے ان پر نظر رکھی، وہ وہاں تقریباً آدھے گھنٹے تک بیٹھے رہے، پھر ابراہیم نے اجازت لی اور چلا گیا ، فائز پریشان اور الجھن میں نظر آ رہا تھا، پھر وہ اٹھا اور کیفے سے نکل گیا، کچھ دیر یونیورسٹی میں گھومتا رہا، پھر باہر نکل گیا ، میں جلدی سے گاڑی میں بیٹھا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا تاکہ وہ نہ جانے کہ میں اس کی نگرانی کر رہا ہوں ، وہ تیسری سڑک پر مشرق کی طرف جا رہا تھا اور دکانوں کو غور

سے دیکھ رہا تھا، پھر ایک دکان میں داخل ہوا ، میں گاڑی سے اترا اور دکان کے سامنے گیا تاکہ دیکھ سکوں کہ وہ اندر کیا کر رہا ہے ، میں نے دیکھا کہ وہ دکان کے مالک سے بات کر رہا تھا اور اس سے فون استعمال کرنے کی اجازت مانگ رہا تھا، جس کی اجازت دی گئی ، اس نے فون اٹھایا اور ایک مختصر کال کی، پھر مالک کا شکریہ ادا کر کے باہر آیا۔

میں دور سے اس کا انتظار کر رہا تھا، اس نے ایک گزرتی ہوئی گاڑی کو اشارہ کیا جو رکی اور وہ اس میں بیٹھ گیا ، میں اس کے پیچھے پیچھے گاڑی چلاتا رہا یہاں تک کہ وہ فلسطین چوک پہنچ گیا ، وہ گاڑی سے اترا اور کچھ دیر چوک میں گھومتا رہا، پھر ایک پارکنگ کی طرف بڑھا ، ڈرائیور سے بات کی اور گاڑی میں بیٹھ گیا جو چوک سے باہر شمال کی طرف چلی گئی ، جب گاڑی اس چوراہے کے قریب پہنچی جہاں میں نے اسے "ابو ودیع" کی گاڑی میں سوار ہوتے دیکھا تھا، میں نے رفتار کم کی اور گاڑی روکی ، وہ اتر گیا، میں نے گاڑی کو شمال کی طرف چلایا، پھر واپس مڑا اور دوبارہ اسی راستے پر چلا ، جب بھی میں اس چوراہے سے گزرتا، دیکھتا کہ وہ اب بھی مغرب کی طرف جا رہا ہے۔

انہیں اتفاقات کے دوران میں نے دیکھا کہ "ابو ودیع" اپنی گاڑی میں جا رہا ہے ، اس نے اپنی رفتار کم کی اور ایک مڑنے والے راستے پر مڑ گیا ، میں جلدی سے اس مڑنے والے راستے کی طرف بڑھا اور جب میں وہاں پہنچا تو "ابو ودیع" اپنی گاڑی روک چکا تھا اور دروازہ کھول رہا تھا ، پھر فائز اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور گاڑی چل پڑی ، میں نہیں جانتا تھا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے، کیا مجھے نگرانی جاری رکھنی چاہیے یا میرا کام ختم ہو گیا ہے ، آخر کار میں نے گاڑی اس ذیلی راستے پر چلا دی اور دور سے دیکھا کہ "ابو ودیع" کی گاڑی ایک بستی میں داخل ہو رہی ہے ، میں نے پلٹ کر مرکزی سڑک کی طرف واپس چلا گیا اور مڑنے والے راستے سے پچاس میٹر دور انتظار کرنے لگا ، تقریباً (۴۰) منٹ انتظار کرنے کے بعد اچانک "ابو ودیع" کی گاڑی تیزی سے غزہ کی طرف واپس آ رہی تھی ، میں نے گاڑی چلائی اور ذیلی راستے میں دیکھا، تو پایا کہ فائز مڑنے والے

راستے کی طرف واپس آ رہا ہے ، میں جلدی سے پلٹ کر واپس اپنی پچھلی جگہ پر آ گیا ، فائر مڑنے والے راستے پر پہنچا اور گزرتی ہوئی گاڑیوں کو اشارہ کیا ، ایک گاڑی رکی اور وہ اس میں بیٹھ گیا ، میں اس کے پیچھے پیچھے چلا اور وہ فلسطین کے میدان میں اترا، پھر ایک اور گاڑی میں بیٹھ کر کیمپ کی طرف چلا گیا اور گھر چلا گیا ، میں نے سمجھا کہ میرا کام ختم ہو گیا ہے اور مجھے ابراہیم کو اس کی اطلاع دینی چاہیے ، میں جلدی سے گھر گیا تاکہ اسے ڈھونڈ سکوں، لیکن وہ وہاں نہیں تھا ، میں جلدی سے یونیورسٹی گیا، اور اسے پایا اور اسے سب کچھ بتایا ، وہ ہنسنے لگا یہاں تک کہ وہ اپنی پیٹھ پر گرنے والا تھا اور کہنے لگا : اس نے جال کو نگل لیا ہے، اور اب ہمیں یقین ہوگیا ہے کہ وہ غدار ہے، لیکن ہمیں فریب جاری رکھنا چاہیے ، میں نے پوچھا : کون سا جال؟ اور کون سا فریب؟! اس نے کہا : چند دن پہلے جب میں نے اسے اس رات دیکھا اور وہ ہر موقع پر مجھ سے حسن کے بارے میں پوچھتا ہے، تو میں نے سمجھا کہ یہ اس کا کام ہے کہ وہ حسن کے بارے میں معلومات جمع کرے ، تو آج میں نے اسے بتایا کہ میں آٹھ بجے حسن سے ملنے جا رہا ہوں جو میں نے سالوں سے نہیں دیکھا اور اس نے مجھے ایک شخص کے ذریعے پیغام بھیجا ہے جسے میں نہیں جانتا کہ وہ مجھے کسی اہم معاملے کے لیے ملنا چاہتا ہے اور میں یقین تھا کہ وہ فوراً یہ معلومات ان تک پہنچائے گا جو وہ اہم سمجھتے ہیں ، اس نے جال کو نگل لیا ہے اور اب ہمیں معاملہ مکمل کرنا چاہیے۔

میں ایک دور دراز جگہ جاؤں گا جیسے کہ میں حسن کے آنے کا انتظار کر رہا ہوں، ایک طویل وقت تک انتظار کروں گا اور ظاہر کروں گا کہ میں پریشان ہوں اور انتظار کر رہا ہوں اور بے چین ہوں، میں ایک گھنٹہ انتظار کروں گا اور ہر لمحہ اپنی گھڑی دیکھوں گا جیسے کہ کوئی بے چین شخص ہوتا ہے، پھر میں گھر واپس آؤں گا ، میں نے حیرانی سے پوچھا : اور اس کا کیا فائدہ ہوگا ؟ اس نے کہا : احمد ! انہوں نے ہمیں گرفتار کیا، ہم سے تحقیقات کیں، اور ہمیں جال میں لے گئے تاکہ یہ جان سکیں کہ آیا ہم نے اسے قتل کیا ہے یا ہمیں اس کے مقام کا علم ہے اور انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہمارے درمیان اس غدار کو بھیجا تاکہ وہ ہمارے ساتھ

اس کے بارے میں کھوج کرے ، اور وہ ہمیں نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ انہیں یقین نہ ہو جائے کہ ہم اس معاملے سے واقعی لاعلم ہیں اور ہمیں نہیں پتہ کہ وہ کہاں ہے اور اس طرح وہ ہمارے پیچھے سے پیچھا چھوڑ دیں گے، اور اس طرح ہم نے ایک تیر سے دو شکار کیے، اس کی غداری اور غدار ہونے کی تصدیق کی، اور اسے استعمال کیا تاکہ انہیں ایک ایسی معلومات پہنچا سکیں جو ہمیں ان کی شرارت سے بچائے۔

میں نے کہا: اور حیرت سے بھرا ہوا تھا، "واللہ، تم تو ایک مصیبت ہو ، وہ مسکرایا اور کہا: یہ اللہ کا فضل ہے ، میں نے کہا: کیا آپ کو اب مجھ سے کچھ چاہیے؟ اس نے اپنی گھڑی دیکھی اور کہا: نہیں، ابھی کافی وقت ہے کہ تمہیں گھر پہنچا دوں اور پھر اپنے وقت پر جا سکوں ، اس نے مجھے گھر پہنچایا ، راستے میں اس نے بتایا کہ اسلامی جہاد سے تعلق رکھنے والے کچھ نوجوانوں کو گرفتار کیا گیا ہے جو حالیہ دنوں میں غزہ میں ہونے والے چاقو سے قتل کے واقعات کے پیچھے تھے ،اللہ اکبر، ہر سیل زیادہ سے زیادہ ایک ماہ تک کام کرتا ہے اور پھر گرفتار ہو جاتا ہے ، یہ کیا مصیبت ہے؟ اس نے کہا: جب تک ہماری عوام میں ایسے غدار موجود ہیں اور جب تک ہم بطور تنظیم اور سیاسی قوتیں اس مسئلے کو جڑ سے حل کرنے میں ناکام ہیں تب تک صورتحال ایسی ہی رہے گی، بلکہ بدتر ہوتی جائے گی ، ہم گھر پہنچ گئے تو میں نے کہا: دیر مت کرنا، اگر تم دس بجے تک نہ پہنچے تو میں سمجھوں گا کہ کچھ برا ہوا ہے ، وہ اپنے وقت پر اپنے اپوائنٹمنٹ پر پہنچنے کے لیے روانہ ہو گیا۔

میرے بھائی محمد کی منگیتر اپنے آخری سمسٹر کے امتحانات اور یونیورسٹی کی پڑھائی کے اختتام کی تیاری کر رہی تھی، اس لیے محمد ان کے گھر بار بار جاتا تھا تاکہ دیکھ سکے کہ کہیں اسے پڑھائی میں مدد کی ضرورت تو نہیں ہے ، عصر کی نماز مسجد میں پڑھنے کے بعد وہ ان کے گھر پہنچا، دروازہ کھٹکھٹایا تو ان کا ایک بھائی دروازہ کھولنے آیا اور اسے اندر لے گیا ، ان کے والدین نے اسے خوش آمدید کہا اور پھر وہ بھی اپنے کتابوں کے ساتھ آئی اور ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی ، اس کی ماں چائے بنانے چلی گئی اور اس کے والد بیٹھے رہے ، وہ پڑھائی کے موضوعات پر سوال کرتی رہی اور محمد جواب دیتا رہا یہاں تک کہ مغرب کی اذان ہوئی ، اس نے نماز پڑھی،

اس کے والد نے بھی نماز پڑھی اور اس کی ماں اور وہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے لگی ، پھر وہ دوبارہ کچھ وضاحت کرنے بیٹھ گیا، تقریباً آدھے گھنٹے بعد اس نے کہا: مجھے واپس گھر جانا ہے ، اس نے کہا: کیا ابھی وقت ہے؟ اس نے کہا: نہیں، آپ جانتے ہیں کہ حالات غیر مستحکم ہیں اور شہر اب ایک بھوتوں کا شہر بن گیا ہے، نہ کوئی آتا ہے نہ جاتا ہے ، مجھے عشاء سے پہلے گھر پہنچنا ہے تاکہ کسی مسئلے میں نہ پھنس جاؤں، چاہے وہ فوجیوں، آبادکاروں، یا کسی بدکردار کی وجہ سے ہو ، اس نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ مارا جیسے کہہ رہی ہو، جلدی کیوں ؟ اس کے والد نے کہا: محمد ! تم نے بالکل درست کہا ، محمد نے الوداع کہا: السلام علیکم ، اور ان کے والد اسے دروازے تک چھوڑنے آئے اور کہا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خدا حافظ۔

محمد گھر سے نکلا، اندھیرا چھا چکا تھا، اور وہ اپنی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہوا ، وہ ایک خوفناک راستے پر چل رہا تھا جہاں سوائے کچھ آوارہ بلیوں اور کتوں کے کوئی زندہ مخلوق نہیں تھی ، اس وقت کے ابتدائی حصے میں تمام دکانیں بند ہو چکی تھیں اور لوگ مسائل اور سر درد سے بچنے کے لیے اپنے گھروں میں چھپے ہوئے تھے ، محمد جلدی جلدی قدم بڑھاتے ہوئے گھر کی جانب چلا تاکہ بغیر کسی رکاوٹ کے جلدی پہنچ جائے۔

ابراہیم قریباً دس بجے گھر واپس آیا، کمرے میں داخل ہونے کے بعد میں نے پوچھا: کیسا رہا ؟ اس نے کہا: وہ جال میں پھنس گئے، اور لگتا ہے کہ ہم سو فیصد کامیاب ہوئے ، میں نے پوچھا: کیا ہوا ؟ اس نے کہا: میں گیا اور انتظار کیا اور پریشانی اور تناؤ ظاہر کیا، اور دیکھا کہ مجھ پر اور اس جگہ پر سخت نگرانی ہو رہی ہے، یہاں تک کہ وہاں کھڑی گاڑیاں بھی بند تھی ، جو کہ قریب ہی کھڑی تھی ، لگتا ہے کہ ان میں خصوصی فورسز تھی کہ اگر کچھ ہوتا تو فوراً حملہ کر دیتی ، جب کچھ نہیں ہوا تو میں واپس آگیا اور کسی نے میری راہ میں رکاوٹ نہیں ڈالی ،انہیں یقیناً یہ یقین ہو گیا ہے کہ ہمیں حسن کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔

میری ماں کمرے میں داخل ہوئی اور کہنے لگی : کیا آپ لوگ کھانا نہیں کھانا چاہتے؟ اور کھانے کی ٹرے کو میز پر رکھتے ہوئے بولی : السلام علیکم ، ہم نے کہا: وعلیکم السلام ، وہ ابراہیم کے بستر کے کنارے بیٹھ گئی اور

ہم کھانے کے لیے آگے بڑھے ، اس نے کہا: واللہ، ابراہیم! میں نے تمہارے لیے ایک دلہن دیکھی ہے جو چاند کی طرح خوبصورت ہے، اور کل میں تمہیں اسے دیکھنے کے لیے لے جاؤں گی ، ابراہیم نے کھانے سے ہاتھ اٹھا لیا، کیا کہہ رہی ہو ؟ اس نے کہا: جیسا تم نے سنا، کل عصر کی نماز پڑھ کر فوراً آ جانا تاکہ میں تمہیں ابو حسین کے گھر لے جاؤں اور ان کی بیٹی سلوہ کو دکھاؤں، جو کہ چاند کی طرح خوبصورت ہے، اخلاق اور دین میں بہترین، اور جو تم چاہو اور تمنا کرو ، اس نے کہا: اے میری چاچی... اے میری چاچی، میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا...اس نے اسے کاٹتے ہوئے کہا: بس اے میری چاچی بس ، کچھ اور ؟ یہ معاملہ ختم ہو چکا ہے، اور تم جانتے ہو کہ محمد کی منگیتر ایک یا دو ہفتوں میں اپنی تعلیم مکمل کر لے گی، اور ہم تمہاری اور اس کی شادی ساتھ ہی کریں گے، جیسے ہم نے محمود اور حسن کی ساتھ کی تھی، یہ زیادہ آسان، تیز اور کم خرچ ہوگا ، اس نے کہا: اے میری چاچی ! میں نے تمہیں پہلے کہا تھا کہ میں اپنی تعلیم مکمل کرنے سے پہلے شادی نہیں کروں گا ، اس نے کہا: تمہاری تعلیم مکمل ہونے میں ایک سال باقی ہے، اور میں تمہارا انتظار نہیں کر سکتی، تم شادی کرو گے ، بس تمہیں دلہن چننے کا حق ہے، لیکن شادی کرنا یا نہ کرنا تمہارے اختیار میں نہیں ہے، اور کل عصر کے بعد فوراً آ جانا بھولنا مت ، وہ مجبوراً خاموش ہو گیا، میری ماں کھانے کی ٹرے اٹھا کر چلی گئی، وہ کچھ دیر بغیر کچھ کہے اپنے بستر پر بیٹھا رہا، پھر اچانک بولا ، اے میری چاچی ! اے میری چاچی ! وہ اپنے کمرے سے نکل کر آئی اور بولی : ابراہیم، کیا ہوا ؟ اس نے کہا: آؤ ! میں تمہیں کچھ کہنا چاہتا ہوں ، وہ آکر اس کے پاس بیٹھی اور بولی : کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: میں کل عصر کے بعد نہیں آؤں گا، اور ہم 'ابو حسین' کے گھر نہیں جائیں گے، اور میں ان کی بیٹی سلوہ سے شادی نہیں کروں گا ، وہ حیرت اور استعجاب کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہی تھی، کیونکہ یہ وہ ابراہیم نہیں تھا جو بول رہا تھا، اور غصے سے بولی : کیا کہہ رہے ہو؟ اس نے کہا: اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اے میری چاچی ! میں نے کہا: اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا تم میری بات توڑنا چاہتے ہو؟ اور میری بات نہیں سننا چاہتے ؟ اور ابھی شادی نہیں کرنا چاہتے ؟ اس

نے کہا؟ نہیں، نہیں ، میں شادی کروں گا، اے میری چاچی، جیسا تم چاہتی ہو، جب تم چاہتی ہو۔

میں نے چیخ کر کہا: میں نے کہا تھا کہ وہ کسی خاص لڑکی سے محبت کرتا ہے اور اس پر نظر رکھی ہے ، میری ماں نے حقارت سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا: میں نے تمہیں کہا تھا کہ خاموش رہو اور مداخلت نہ کرو ، اس نے کہا: سچ تو یہ ہے، اے میری چاچی کہ اس کی بات میں کچھ سچ ہے، لیکن معاملات ویسے نہیں ہیں جیسے وہ کہتا ہے ،اس نے تنگ آکر کہا: مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا، کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں ؟ اس نے سر جھکاتے ہوئے کہا: میں مریم سے شادی کرنا چاہتا ہوں، اے چچی ! میں نے پوچھا: کون مریم ؟ اس نے کہا: ہاں میری چچا زاد مریم ! اس نے کہا !مریم ! اس نے کہا: ہاں مریم !اور کیا مجھے اس سے بہتر کوئی ملے گی؟ کیا آپ لوگ اس کے مجھ سے شادی کرنے پر راضی ہیں؟ آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے کہا: کیا مریم کو بھی تم سے بہتر کوئی مل سکتا ہے ابراہیم ؟ مجھے جانے دو تاکہ مریم ، محمود اور حسن کی بھی رائے لے لوں ، اور وہ باہر جانے لگی تو میں نے کہا: اور میرا کیا ؟ آپ کو میری رائے نہیں چاہیے ؟ اس نے کہا: نہیں، مجھے آپ کی رائے اس معاملے میں نہیں چاہیے، کیونکہ آپ کا دوست روح کی طرح ہیں اور آپ کی رائے معلوم ہے ، میں ہنسا اور ابراہیم سے کہا: مبارک ہو، ابراہیم ! اس نے سر جھکاتے ہوئے کہا: اللہ آپ کو مبارک کرے، احمد، لیکن دوسروں کی رائے بھی دیکھیں۔

میری ماں باہر چلی گئی، پھر اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا: واللہ، مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا کروں ، ہم ایک وادی میں ہیں اور آپ کی ماں دوسری وادی میں ، میں اُسے ناراض نہیں کرنا چاہتا اور مجھے خوف ہے کہ مریم کو اپنے ساتھ نہ پھنسا لوں اور پھر جیل میں چلا جاؤں یا... وہ خاموش ہو گیا تو میں نے کہا: آگے بولو، یا کیا ؟ کیا تمہیں قتل ہونے کا خوف ہے ؟ اس نے جلدی سے کہا: نہیں، نہیں، لیکن کون جانتا ہے کہ مقدر کیا چھپائے ہوئے ہیں اور دن کیا لاتے ہیں۔"

میری ماں کچھ دیر بعد واپس آئی اور محمود اور حسن اس کے ساتھ تھے، وہ کہتے ہوئے آئے : مبارک ہو،

ابراہیم، مبارک ہو! میری ماں نے کہا: اگر رات کا درمیانی حصہ نہ ہوتا تو زغردتی (عرب کی روایتی خوشی کی آواز) سے تمہارے اور مریم کے لیے میری خوشی دوگنی ہوتی، لیکن کل ان شاء اللہ تمہاری منگنی کی رسم پوری کریں گے، پھر اُس نے مریم کو آواز دی: مریم! آؤ، مریم! جب مریم نہیں آئی تو میری ماں اُسے لینے گئی اور اُسے کھینچتے ہوئے لائی، مریم شرم سے اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی، یہاں تک کہ وہ کمرے میں داخل ہوئی، میری ماں نے اُسے دھکیلتے ہوئے کہا: اپنے منگیتر، اپنے چچازاد کے ساتھ بیٹھو! وہ بیٹھ گئی اور شرم سے اُس کا چہرہ اور ابراہیم کا چہرہ سرخ ہو گیا، اور کوئی بھی دوسرے کو نہیں دیکھ رہا تھا، ابراہیم نے ہمت کرتے ہوئے میری ماں سے پوچھا: کیا مریم راضی ہے یا آپ نے اُسے مجبور کیا ہے، چچی؟ میری ماں نے جواب دیا: مجبور کیا! اور کیوں مجبور کروں؟ کیا اُسے تم سے بہتر کوئی مل سکتا ہے؟ اس کا چہرہ دوبارہ سرخ ہو گیا، اس نے کہا: "اللہ کی پناہ، کیا مجھے اُس سے بہتر کوئی مل سکتا ہے؟ واللہ، چچی، میں آپ کے احسانات سے شرمندہ ہوں، میری ماں نے جواب دیا: ہمارے احسانات! تم نے اپنی زندگی خود بنائی ہے، اللہ تمہیں برکت دے، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا: چچی! کیا مریم راضی ہے؟ میری ماں نے جواب دیا: بالکل، بالکل راضی ہے، اس نے کہا: میں اس کے منہ سے سننا چاہتا ہوں، میری ماں نے کہا: کہو، مریم، کیا تم راضی ہو؟ مریم نے سر ہلایا، ہاں میں، پھر وہ باہر چلی گئی اور ہماری ہنسی اس کا پیچھا کرتی رہی، وہ تھوڑی دیر بیٹھ کر منگنی اور شادی کی ترتیب کے بارے میں باتیں کرتے رہے، پھر سونے کے لیے اجازت لی کیونکہ صبح جلدی اٹھ کر کئی ذمہ داریاں نبھانی تھی، جب وہ باہر نکلے تو میں نے ہنستے ہوئے سرگوشی کی: آج خوش ہو جاؤ، آج تمہارا دن ہے، صبح سے ہی تم کامیابیاں حاصل کر رہے ہو اور ہر کامیابی پچھلی سے بڑی ہو، وہ ہنستے ہوئے کہنے لگا: اللہ نہ کرے حسد ہو، شب بخیر، میں نے جواب دیا: شب بخیر۔

یہاں غزہ کی جیل میں اسی سیکشن میں جہاں میرے بھائی محمود پہلے رہ چکے تھے، ان کے کمرے کے پاس والے کمرے میں جب قیدیوں کے محافظ نے روشنی بند کر دی اور سونے چلا گیا، تو ایک قیدی نے اپنے بستر

کے قریب دروازے کے پاس ایک چھوٹے سے آئینے کا ٹکڑا نکالا جس کا کنارہ دروازے کے نیچے سے باہر نکل رہا تھا، تاکہ محافظ کی حرکات پر نظر رکھ سکے ، محافظ قریب آیا تو اس نے اپنی انگلی سے زمین پر تین بار دستک دی، سب اپنے بستروں پر لیٹ گئے جیسے سو رہے ہوں، اور آئینہ ہٹا لیا، محافظ کمرے کے دروازے پر پہنچا اور اپنے ہاتھ میں موجود ٹارچ کی روشنی کمرے میں ڈال کر حالات کا جائزہ لیا، سب کو سوتے دیکھا تو دوسرے کمروں کی طرف چلا گیا اور اپنی گشت مکمل کرنے کے بعد واپس آکر اپنے سیکشن کے کونے میں کرسی پر بیٹھ گیا ، اس قیدی نے پھر اپنا آئینہ نکالا، دیکھا اور سرگوشی میں کہا: چلو اور ہاتھ سے اشارہ کیا ، تین قیدی اٹھ کر غسل خانے میں گئے، ان میں سے ایک کے ہاتھ میں لوہے کی آرے کی بلیڈ تھی جس کا ایک کنارہ کپڑے سے لپیٹا ہوا تھا تاکہ اسے اچھی طرح پکڑ سکے ، وہ اپنے ساتھی کی پیٹھ پر چڑھ کر لوہے کی راڈ کو دوبارہ کاٹنے لگا ، فرش پر لیٹے ہوئے لڑکے نے تین بار دستک دی تو وہ تیزی سے اپنے بستر پر واپس آ گئے، محافظ نے اپنی گشت کی اور پھر اپنی کرسی پر واپس آ گیا، تو وہ دوبارہ اپنے کام میں لگ گئے۔

فجر کی اذان سے پہلے ہی کام مکمل ہو چکا تھا، آزادی کی کھڑکی کھل چکی تھی ، نیند محافظ پر غالب آ رہی تھی جو اپنی کرسی پر دیوار کے سہارے بیٹھا تھا، اور ہمارے چھ جوان اپنے باقی ساتھیوں کو گلے لگا کر ایک ایک کرکے کھڑکی سے باہر نکل رہے تھے ، انہوں نے اپنے بستروں میں کچھ چیزیں رکھ دیں جو ایسے لگ رہی تھیں جیسے بستر میں وہ سو رہے ہوں ، جب آخری آدمی بھی کھڑکی سے نکل گیا تو اذان کی آواز بلند ہوئی، "اللہ اکبر اللہ اکبر"، وہ جیل سے باہر نکل کر دیوار سے چھلانگ لگا کر باہر آ گئے۔

صبح چھ بجے محافظ روشنی جلانے آئے، اور لاؤڈ اسپیکر پر صبح کے شمار کی تیاری کا اعلان ہوا ، ضابطہ شمار آیا، کمرہ کھولا، اور گنتی شروع کی ، یہاں کمی ہے، باقی کہاں ہیں؟ موجود لوگوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ، وہ غسل خانے کی طرف بھاگا، پھر پسینے میں شرابور باہر نکلا اور مواصلاتی آلہ اٹھا کر بولنے لگا، اور جیل میں الارم کی آواز گونج اٹھی دو گھنٹے اور آدھے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا جب نوجوان روانہ ہوئے تھے، یہ وقت کافی

تھا کہ وہ نہ صرف فلسطین کے آخری کونے تک پہنچ جاتے بلکہ غزہ کے کسی محلے یا اس کے مضافات میں کسی محفوظ پناہ گاہ تک بھی ، بڑی تعداد میں جیلر آئے اور کمروں میں تلاشی لینے اور ہر چیز کو تہس نہس کرنے لگے، اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں قابض فوجی نکلے، رکاوٹیں کھڑی کرنے لگے، لوگوں کو روکنے اور ہر آنے جانے والے کی تلاشی لینے لگے ،الجھن اور ہسٹیریا کی یہ ایک واضح حالت تھی ۔

عصر کی اذان تک تمام انتظامات مکمل ہو چکے تھے، میری ماں نے ابو حسین کے گھر پیغام بھیجا کہ ہم منگنی کے لیے نہیں آسکیں گے ، کیونکہ لڑکا صرف اپنی چچا زاد سے شادی کرنا چاہتا ہے، اور خالہ کو بھی اطلاع دی، اور اکثر پڑوسیوں کو بھی خبر کردی اور مجھے بقلاوہ خریدنے اور دیگر تیاریوں کے لیے بھیجا، عصر کی اذان کے بعد گھر میں لوگوں کا ہجوم تھا، زغارید (خوشی کی آوازیں) گونج رہی تھیں اور گانے بج رہے تھے، اور بقلاوہ تقسیم ہو رہا تھا ، اس طرح ابراہیم کی مریم سے منگنی سب کے سامنے اور سب کی نظروں میں معروف اور اعلان شدہ ہوگئی اور اس طرح مریم کو سب کے سامنے شرمندگی سے بچالیا گیا۔

بیسویں فصل

غزہ شہر کی وحدت سٹریٹ پر نفی بک روڈ کے چوراہے پر لوگوں اور گاڑیوں کا ہجوم ہے ، یہ مقام ہزاروں غزہ کے باشندوں اور سینکڑوں فوجی اور سول افسران اور خفیہ ایجنسیوں کے اہلکاروں کے لیے ایک مرکزی محور ہے۔

سرایا کی عمارت میں جہاں غزہ پٹی میں مرکزی قبضے کا ہیڈکوارٹر ہے، سڑک گاڑیوں سے بھری ہوئی ہے، اور چونکہ کوئی ٹریفک سگنلز نہیں ہیں جو ٹریفک کو منظم کریں، اس لیے سب کو رکنا پڑتا ہے اور گاڑیاں سنٹی میٹر بہ سنٹی میٹر آگے بڑھتی ہیں ، ایک فوجی گاڑی جسے غزہ کی پٹی میں اسرائیلی فوجی پولیس کا کمانڈر چلا رہا ہے، آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہے، اور اس نے اپنا بازو گاڑی کی کھڑکی پر رکھا ہوا ہے اور گاڑی کے ریڈیو سے

عبرانی زبان میں ایک عجیب موسیقی کے ساتھ گانا بج رہا ہے۔

ہجوم میں سے "محمد" آگے بڑھا، جو چند ہفتے پہلے غزہ کی جیل سے فرار ہونے والے نوجوانوں میں سے ایک تھا ، جب وہ گاڑی تک پہنچا تو اس نے اپنی پستول نکالی اور اسے پولیس کمانڈر کے سر اور دل کی طرف نشانہ بنایا، اور کئی گولیاں چلائیں، پھر لوگوں کے درمیان غائب ہو گیا، جہاں ایک گاڑی اس کا انتظار کر رہی تھی، جو اسے لے کر وہاں سے دور چلی گئی۔

فوج کی بڑی تعداد نے علاقے کو گھیرے میں لے لیا اور لوگوں کو حراست میں لینا شروع کر دیا، دکانیں بند کروا دیں، مار پیٹ اور توڑ پھوڑ شروع کر دی ، خفیہ ایجنسی کے افسران تفتیش کے لیے اور مجرموں کو پکڑنے کے لیے معلومات جمع کرنے کے لیے پہنچ گئے، لیکن یہ معلومات بے سود ثابت ہوئیں۔

چند دن بعد ایک فوجی جیپ شہر کی ایک مرکزی سڑک پر معمول کی گشت کر رہی تھی، آہستہ آہستہ چل رہی تھی ،سڑک کے قریب موجود ایک قبر کے پیچھے سے ایک نوجوان، جو چند دن پہلے جیل سے فرار ہوا تھا، نمودار ہوا اور اس نے بدوی قبیلے کی چابی گاڑی پر پھینکی، جس سے گاڑی میں دھماکہ ہوگیا، اور وہ مقام سے فرار ہو گیا، جبکہ زخمی فوجیوں کی چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی۔

چند دنوں بعد کچھ خودکار بندوقیں ایک فوجی گاڑی پر فائرنگ کرنے لگی اور حملہ آور بغیر کسی مشکل کے واپس چلے گئے ، یہ خبریں مقبوضہ علاقوں میں پھیل گئیں ، ہر محلے، ہر گھر، اور ہر مجلس میں گونجنے لگی ، سبھی ان حملوں کی سطح اور حملہ آوروں کی جرأت سے متاثر تھے اور قابض فورسز میں جو افراتفری پھیل گئی تھی اس سے خوش تھے ، یہ ہمارے گھر میں ہونے والی کئی نشستوں میں سے ایک کا موضوع تھا۔

چند دنوں بعد پورا علاقہ بدترین خبروں سے جاگ اٹھا ، قابض فورسز اور ان کی انٹیلیجنس نے دو جوانوں کو پکڑنے میں کامیابی حاصل کی جو کہ غزہ کی جیل سے فرار ہو گئے تھے اور خیال کیا جاتا ہے کہ وہ حالیہ حملوں

کے پیچھے تھے ، انہیں ایک گھات لگا کر، ہزاروں گولیوں سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا، جو کہ بریج کیمپ کے شمال میں ایک ذیلی سڑک پر نصب کیا گیا تھا ، یہ خبریں یونیورسٹی تک پہنچ گئی ، جس پر ہم نے تعلیم کو معطل کر دیا اور ایک مظاہرہ کیا جس کا تصادم فوجیوں کے ساتھ ہوا ، یہ مظاہرے پورے علاقے میں پھیل گئے۔

(۶/۱۰/۱۹۸۷) کو چند دنوں بعد مغرب کی اذان کے بعد ان جوانوں کا ایک اور گروپ اور ان کے کچھ معاونین اپنی گاڑیوں میں غزہ کے شجاعیہ محلے کی ایک سڑک پر حرکت کر رہے تھے ، جب ان پر کئی شہری گاڑیوں نے حملہ کر دیا اور فائرنگ شروع کر دی ، پھر بڑی فوجی قوتیں بھی شامل ہو گئی اور جوانوں کے ساتھ جھڑپ ہوئی جس میں انٹیلی جنس کا ایک افسر مارا گیا جو کہ اس آپریشن اور گھات کی نگرانی کر رہا تھا ، تمام جوان شہید ہو گئے اور محلے میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔

ابراہیم میرے پاس آیا اور مجھے بتایا کہ وہ عثمان مسجد میں نماز جمعہ کے لیے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اکٹھا کریں گے، اور وہاں سے ایک عظیم الشان مظاہرہ شہداء کی یاد میں اور ان کی عزت کے لیے نکلے گا ، اس نے مجھے جانے کی ترغیب دی ، بڑی تعداد میں نوجوان مسجد میں جمع ہوئے اور وہاں نماز جمعہ ادا کی ، خطبہ اور نماز معمول کے مطابق تھی، جب نماز ختم ہوئی اور نمازی مسجد سے نکلنے لگے تو کچھ سرگرم کارکن ابراہیم کے گرد جمع ہو گئے اور نعرے لگانے لگے "بالروح بالدم نفدیک یا فلسطین... بالروح بالدم نفدیک یا شہید" لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور ایک عظیم الشان مظاہرہ شجاعیہ کی سڑکوں پر پھیل گیا، شہداء کے خاندانوں کے گھروں اور ان کے لیے لگائے گئے تعزیتی خیموں کے پاس سے گزرتا ہوا ، ہر بار جب یہ مظاہرہ کسی ایسی جگہ پہنچتا تو رُک جاتا اور نعرے بلند ہو جاتے۔

چند منٹوں کے بعد فوج کی بڑی تعداد وہاں پہنچ گئی اور ان کے ساتھ جھڑپیں شروع ہو گئی ، جن میں پتھر اور خالی بوتلیں پھینکی گئی ، جو کہ شام تک جاری رہی ، یہ پہلی بار تھی کہ اس علاقے میں اس طرح عوامی

مظاہرے نکلے، جو مسلح جدوجہد کی حمایت میں تھے، بغیر کسی شک و شبہ کے، یہاں تک کہ میرے بھائی محمود نے جب ہم اس دن شام کو گھر میں جمع ہوئے تو کہا: تم سب پاگل ہو، اس طرح کے مظاہرے کیسے نکل سکتے ہیں جو مسلح جدوجہد کی واضح حمایت میں ہوں۔

محمد کی منگیتر نے اپنی پڑھائی اور امتحانات مکمل کر لیے تھے اور محمد شادی کی تیاریاں کرنے کے لیے غزہ سے واپس آگیا تھا، اس نے رام اللہ میں ایک فلیٹ کرائے پر لیا اور اسے تمام ضروریات سے آراستہ کیا، میری ماں ایک بھرپور اور مکمل تقریبِ شادی چاہتی تھی، لیکن محمد اور ابراہیم ایک سادہ اور چھوٹے خاندانی تقریب چاہتے تھے، اختلافات شدت اختیار کر گئے، محمد رام اللہ میں شادی کرنا چاہتا تھا تاکہ خاندان اور قریبی رشتہ دار دو یا تین گاڑیوں میں رام اللہ جا سکیں اور وہاں تقریب ہو کر معاملات آسانی سے نمٹ جائیں، ابراہیم چاہتا تھا کہ تقریب سادہ ہو اور گھر میں رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ ہو تاکہ میری ماں اور بہن بھائی اور ہمارے پڑوسی خوش ہو سکیں، محمود اور حسن کے لیے یہ معاملہ زیادہ اہم نہیں تھا، ان کے لیے یہ اہم تھا کہ سب متفق ہو جائیں، فاطمہ اور تہانی میری ماں کے ساتھ تھیں، جبکہ میں اور مریم محمد اور ابراہیم کے ساتھ تھے، آخر کار سب اس بات پر متفق ہو گئے کہ ہمارے خاندان سے ایک چھوٹا گروپ رام اللہ جائے گا تاکہ محمد اور اس کی دلہن کا نکاح ہو سکے، اور پھر دلہن اور اس کے خاندان کے جو لوگ چاہیں غزہ آ جائیں گے جہاں ابراہیم اور مریم کا نکاح ہوگا، خواتین کی جانب سے شادی کی تقریب جیسی وہ چاہتی ہیں منعقد ہوگی، اور اگلے دن محمد اور اس کی دلہن دوبارہ رام اللہ جا سکیں گے، تمام امور منصوبے کے مطابق بغیر کسی مشکلات کے مکمل ہو گئے، اس سے پہلے مجھے اور ابراہیم کو ہمارے مشترکہ کمرے سے منتقل ہونا پڑا، جہاں اس کے اور اس کی دلہن کے لیے انتظام کیا گیا تھا، اور مجھے عارضی طور پر مہمانوں کے کمرے میں رہنا پڑا، شادی کے بعد میں اپنی ماں کے ساتھ ان کے کمرے میں رہنے لگا، یہ واضح ہو گیا کہ یہ گھر تین جوان خاندانوں اور میری ماں کے لیے ناکافی ہوگا، انجینئر محمود نے گھر کے اوپر ایک دوسری منزل بنانے کی تجویز

دی، اور ہمیں بتایا کہ تھوڑی محنت اور انتظار کے ساتھ یہ انجینئرنگ کے لحاظ سے ممکن ہے، ابراہیم نے اس کی تجاویز سے اتفاق کیا اور کہا کہ وہ اس پر عمل درآمد کر سکتا ہے، چنانچہ سب نے فیصلہ کیا کہ شادی کے دو ماہ بعد اس پر کام شروع کیا جائے گا۔

اسی سال آٹھ دسمبر کی شام، جب ایک بس میں کئی فلسطینی مزدور اپنے کام سے واپس غزہ جا رہے تھے، اور بس حاجز ایریز کے قریب پہنچ چکی تھی، تو سڑک کے دوسری طرف سے ایک بڑی گاڑی جسے ایک صیہونی چلا رہا تھا، تیزی سے شمال کی طرف جا رہی تھی، جب وہ بس کے قریب پہنچی، تو اچانک بس کی طرف مڑ گئی اور اسے کچل دیا، اس حادثے میں کئی مزدور ہلاک ہوگئے اور دیگر زخمی ہوگئے، ہلاک شدگان کو ان کے گھروں میں اور زخمیوں کو ہسپتالوں میں منتقل کر دیا گیا، یہ خبر غزہ میں تیزی سے پھیل گئی کہ یہ حادثہ جان بوجھ کر مزدوروں کو قتل کرنے کے لیے کیا گیا تھا، ہزاروں لوگ سڑکوں پر نکل آئے اور اس حادثے کے بارے میں باتیں کرنے اور معلومات حاصل کرنے لگے۔

ایک نوجوان شیخ احمد کے گھر چپکے سے داخل ہوا تاکہ انہیں معاملے کی اطلاع دے اور سادہ طریقے سے پوچھے کہ کیا کرنا چاہئے، شیخ نے ان جنازوں کو بڑے پیمانے پر مظاہروں اور قابض فوج کے ساتھ شدید تصادم کی طرف لے جانے کا مشورہ دیا، وہ نوجوان انتظامات کرنے کے لیے نکل پڑا، جب جبالیا سے جنازے نکلے تو ان کے پیچھے ایک بڑی جماعت جمع ہوگئی، جو نعرے، تکبیریں اور تسبیحات بلند کر رہی تھی، قابض فوج آئی اور شدید تصادم شروع ہوگیا جو آدھی رات تک جاری رہا، جب ابراہیم رات کو گھر واپس آیا تو اس نے میرے کان میں سرگوشی کی کہ اگلے دن اسلامی یونیورسٹی مظاہروں کا مرکز ہوگی اور ان لوگوں نے اپنے انتظامات مکمل کر لیے ہیں، صبح کے وقت اسرائیلی ریڈیو نے اعلان کیا کہ غزہ کے فوجی حاکم نے اسلامی یونیورسٹی کو تین دن کے لیے بند کرنے کا فیصلہ کیا ہے، ابراہیم نے اپنی گاڑی میں مختلف علاقوں کا دورہ کیا اور کارکنان کو مطلع کیا کہ منصوبہ تبدیل کر دیا گیا ہے اور مظاہروں کو یونیورسٹی کی بجائے تمام علاقوں میں

منتقل کیا جائے گا، ہر گروپ کو اپنے علاقے میں صورتحال کو بھڑکانا تھا۔

نصف دن کے دوران غزہ کا پورا علاقہ شمال سے جنوب تک قابض فوج کے خلاف آگ کی طرح بھڑک اٹھا، ہر علاقے میں ہزاروں لوگوں نے شدید مظاہرے کئے اور قابض فوج کے ساتھ شدید تصادم ہوا، ہر علاقے میں درجنوں زخمی ہوئے، زخمیوں کو ہسپتالوں یا قریبی کلینکوں میں منتقل کیا گیا، ہر نئے زخمی کے ساتھ عوامی جذبات مزید بھڑک اٹھتے اور ان کا غصہ زیادہ ہو جاتا، جبالیا کے کیمپ میں انتفاضہ کا پہلا شہید، حاتم السیسی، شہید ہوا، دوسرے دن جمعرات کی صبح ہی سے واقعات پھوٹ پڑے، درجنوں نقاب پوش نوجوان سڑکیں بند کرنے لگے، رکاوٹیں کھڑی کر دیں اور ان مزدوروں کی راہ روکی جو 1948 میں مقبوضہ علاقوں کی طرف کام کے لیے جا رہے تھے، قابض فوج نے سڑکیں کھولنے کی کوشش کی، لیکن ہر بار جب ایک سڑک کھولی جاتی تو دوسری جگہ بند ہو جاتی، نقاب پوش نوجوان قابض فوج پر پتھر اور خالی بوتلیں پھینک کر تصادم کر رہے تھے، دوپہر کے وقت پورے علاقے میں بڑے پیمانے پر ریلیاں نکلی، جن میں فلسطینی پرچم اٹھائے گئے، فلسطین اور شہداء کے نعرے لگائے گئے اور آبادکاری کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔

ایک بوڑھا آدمی اپنے گھر میں جلدی سے داخل ہوا اور اپنے بیٹے کے کمرے میں گیا جو ابھی تک صبح دس بجے کے بعد بھی سو رہا تھا، تم ابھی تک سو رہے ہو؟ س نے کہا: نوجوان نے حیرت سے اپنے والد کی طرف دیکھا اور اپنی آنکھیں ملتے ہوئے سوچا، مجھے مظاہروں اور تصادم میں شرکت کے لیے جگا رہے ہیں میرے والد؟ وہ والد جو چند دن پہلے تک قابض فوج کے خلاف کسی بھی کارروائی کی خبر سے کانپتا تھے اور ہمارا گھر بند کر دیتا تھے؟ اس دنیا میں ایسا کیا ہوا کہ یہ بڑی تبدیلی آئی؟ مسجد کے قریب سے لاؤڈ اسپیکر پر یہ آواز آ رہی تھی: قسماً بالله الجبار، لتعودي يادار، باسم الدين، على فلسطين، ليفر الغدار، مشينا الدرب، خضنا الصعب، تخطينا الحدود، مهما الشوك، الصبر المر، لتعودي يا دار۔

ہر چوراہے پر یا ہر راستے کے کنارے سینکڑوں نوجوان، جو اپنے ساتھ لائی ہوئی یا مستعار لی ہوئی کوفیہ پہنے ہوئے تھے، رکاوٹیں کھڑی کرتے، ٹائر جلاتے اور قابض فورسز سے ٹکراتے تھے، آنسو گیس کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور ناک مسلسل بہہ رہی تھی، وہ فوراً گری ہوئی گیس کی شیل دوبارہ قابض فوجیوں کی طرف پھینک دیتے تھے تاکہ وہ بھی گیس کا مزہ چکھیں، درجنوں کی تعداد میں ایک زخمی کو اٹھاتے تھے جسے غدار کی گولی لگی ہوتی تھی، گولیوں کی آوازیں جنگ کی طرح ہوتی تھی اور مظاہرین کی چیخ و پکار، کوئی کسی سے مدد مانگتا، اور مسجد کے لاؤڈ اسپیکر حوصلہ بڑھا رہے تھے، ابراہیم اپنی گاڑی لے کر نکلا، میں نے اسے پکارا: کہاں جا رہے ہو، ساری سڑکیں رکاوٹوں سے بھری ہوئی ہیں؟ پیدل ہی چلے جاؤ اپنے کام پر، وہ مسکراتے ہوئے بولا: فکر نہ کرو احمد، فکر نہ کرو، میں نے اسے دیکھا کہ وہ کیا کرتا ہے، جیسے ہی وہ پہلی رکاوٹ پر پہنچا، مظاہرین نے فوراً اسے راستہ دیا، جلتے ہوئے ٹائر کو لوہے کی لمبی سلاخوں سے ہٹایا جو انہوں نے اس مقصد کے لیے تیار کی تھی، اس نے ایک کے بعد ایک رکاوٹ پار کی جیسے وہ معرکے کا اولین قائد ہو، شاید وہ یہی تھا۔

اس دن عصر کے وقت ہم تقریباً تیس نوجوان اکٹھے ہو گئے، ایک گشتی فوجی دستہ، تقریباً بیس فوجیوں پر مشتمل آ گیا، ہم فوراً گلیوں کے کونوں پر بٹ گئے اور جیسے ہی وہ سڑک کے درمیان پہنچے، پتھر بارش کی طرح ان پر برسنے لگے، انہوں نے ہوش و حواس کھو کر ہر سمت میں گولیاں برسانا شروع کر دیں، گولیوں کی آواز سن کر سینکڑوں مرد اور عورتیں باہر نکل آئے اور سب نے قابضوں پر پتھراؤ شروع کر دیا، جنہیں پاگل پن نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور وہ بے تحاشہ گولیاں چلا رہے تھے، زخمی گرنے لگے اور پتھروں کی بارش جاری رہی، ایک فوجی اپنی جگہ پر بے حس و حرکت تھا، اس کے کندھے پر ایک بھاری وائرلیس سیٹ تھا، وہ مدد کے لیے بلا رہا تھا، اس نے مزید گولیاں چلانے کی کوشش کی، لیکن اس کی ٹانگیں اسے سنبھال نہیں سکتی تھی اور وہ زمین پر گر کر عبرانی میں اپنی ماں کو پکارنے لگا: אמא (ایما) یعنی میری ماں،

اے ماں ! ، بیسیوں جیپیں مدد کے لیے دوڑتی ہیں، راستے میں ہر گلی سے مظاہرین سے ٹکراتی ہیں ، بڑی محنت کے بعد پہنچتی ہیں اور اپنے فوجیوں کو پتھراؤ کے درمیان ڈھونڈ لیتی ہیں ، درجنوں بلکہ سینکڑوں زخمی دار الشفاء اسپتال پہنچتے ہیں، کچھ ایمبولینسوں میں اور زیادہ تر شہریوں کی گاڑیوں میں جو راستے سے تیزی سے گزرتی ہیں، دروازے کھلے ہوئے اور درجنوں لوگ زخمی کے ساتھ لٹکے ہوئے ہوتے ہیں ، ہزاروں لوگ خون میں تر بتر اسپتال کے مدخل پر جمع ہوتے ہیں، بازوؤں سے خون بہہ رہا ہوتا ہے اور طبی عملہ انہیں پیچھے دھکیلتا ہے، وہ چیخ رہے ہوتے ہیں کہ یہ ہماری صلاحیت اور اسپتال کی گنجائش سے کہیں زیادہ ہے ، اسپتال کے مدخل پر لوگوں کا سمندر خود بخود حرکت میں آتا ہے جب بھی کوئی گاڑی زخمی کو لے کر آتی ہے، ہارن بجاتی ہے اور سائرن بجاتی ہے ، یہ ہجوم ایک آواز میں نعرے لگاتا ہے فلسطین، شہداء، زخمی اور قبضے کے خلاف اور اس کے قائدین اور ان کی کارکردگی کے خلاف جو نہ ڈرا سکتی ہیں اور نہ روک سکتی ہیں ، بڑی تعداد میں فوجی اسپتال کی علاقے میں آتے ہیں اور مظاہرین پر بے پناہ آنسو گیس اور گولیاں چلاتے ہیں ، ہزاروں پتھر فوجیوں پر برسنے لگتے ہیں، فائرنگ میں اضافہ ہوتا ہے اور ہجوم پیچھے اسپتال کے اندر چلا جاتا ہے، ایک آواز میں نعرے بلند ہوتے ہیں : اللہ اکبر، اللہ اکبر ، خیبر خیبر یا یھود ، جیش محمد سوف یعود اللہ اکبر بسم اللہ ، اللہ اکبر فوجی ان کے پیچھے اسپتال کے مدخل کی طرف دوڑتے ہیں، سب دوبارہ آگے بڑھتے ہیں اور نوجوان اپنے ہاتھوں میں پتھر لے کر تیار ہوتے ہیں ، اس ہجوم کے سامنے فوجی پیچھے ہٹتے ہیں، ایک فوجی زمین پر گر جاتا ہے، اور لوگ اسے مارنے اور لاتیں مارنے لگتے ہیں، اس کے ہتھیار اور فوجی سامان چھین لیتے ہیں اور اسے اندرونی لباس میں بھاگنے دیتے ہیں، پھر اس کے ہتھیار کو پھینک دیتے ہیں جب ایک عقلمند نے خبردار کیا کہ ہتھیار رکھنے سے وہ ہزاروں کو مار سکتے ہیں ، ان کا ہتھیار پھینک دو۔

لوگوں کی روح آسمان میں اڑتی ہے جب وہ دیکھتے ہیں کہ اسرائیلی فوج پتھروں کے سامنے جھک جاتی ہے، اور

مقابلوں، شہداء، زخمی اور بہادری کی کہانیاں ہر گھر اور در میں پھیلتی ہیں، نوجوانوں اور بچوں میں قربانی اور وفاداری کی روح بیدار کرتی ہیں۔

شام میں ابراہیم نے شیخ احمد سے شیخ کے گھر میں ملاقات کی، جہاں شیخ نے بیان کا متن لکھوایا جو اگلے دن جمعہ کی نماز میں مسجدوں میں تقسیم کیا جائے گا، ابراہیم نے اس وقت چھپائی کا عمل شروع کیا جب اصل نسخہ تیار کیا گیا تھا، پھر ایک خفیہ پرنٹنگ پریس، جو ایک ایسے اسٹور میں چھپایا گیا تھا جو پرانے سامان کا گودام لگتا تھا، وہاں سے ہزاروں نسخے چھپنے لگے، ہر ایک گروپ کو پیک کیا گیا اور پھر یہ نسخے ابراہیم نے اپنی کار کے ڈگی میں رکھے اور عام سڑک پر آگے بڑھنے لگا، اس کے آگے ایک اور گاڑی چل رہی تھی تاکہ وہ اچانک کسی چیک پوسٹ میں نہ پھنس جائے، آگے والی گاڑی نے پچھلے شیشے پر خاص لائٹس لگا رکھی تھیں تاکہ پچھلی گاڑی اسے دیکھ سکے اور کسی چیک پوسٹ پر رکنے یا سست ہونے سے پہلے خبردار ہو جائے اور پہلے والی گاڑی کے پاس کوئی ممنوعہ چیز نہیں تھی، اس لیے وہ آسانی سے چیک پوسٹ پار کر سکتی تھی، دونوں گاڑیاں منشورات تقسیم کرنے لگیں، جہاں ابراہیم ہر علاقے کی ایک مسجد میں منشورات کا ایک بنڈل رکھتا اور پھر اگلی منزل کی طرف روانہ ہو جاتا، کچھ دیر بعد ایک نوجوان آکر ان منشورات کو ایک مخصوص جگہ چھپا دیتا تاکہ اگلے دن جمعہ کی نماز کے بعد لوگوں کے سامنے آئیں۔

(12/11) جمعہ کے دن جب نمازی نماز ختم کر کے مسجد سے نکل رہے تھے، تو انہیں زمین پر منشورات کے ڈھیر ملتے، ہر ایک پتھر پر رکھا ہوا، ہر کوئی ایک نسخہ اٹھا کر پڑھنے لگتا، جب وہ اپنے گھر کی طرف جا رہا ہوتا، یہ بیان "حركة المقاومة الاسلامية" کے نام سے دستخط شدہ تھا اور اس میں لوگوں کو مزاحمت اور جدوجہد کی روح جگانے کی کوشش کی گئی تھی، اس نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور احتجاج کے لیے اکسایا، اور یوں ہجوم بڑھتا گیا، نعرے بازی کی آواز بلند ہونے لگی، اور لوگ اسرائیلی قبضے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

ہزاروں افراد ہر علاقے میں شہروں اور کیمپوں کی سڑکوں پر نکل آئے، اس دن ہم بھی ایک مظاہرے میں

شامل ہوگئے جو مسجد سے شروع ہوا تھا، اور یوں مظاہرے کیمپس کی سڑکوں سے ہوتے ہوئے مین روڈ کی طرف بڑھنے لگے ، جیسے جیسے ہم فوجیوں کے قریب پہنچتے گئے، اور وہ فائرنگ کرتے، لوگوں کا حوصلہ اور بڑھتا گیا، جس کی وجہ سے فوجیوں کو پیچھے ہٹنا پڑا ، یہاں تک کہ ہم سرائے کے قریب پہنچ گئے ، وہاں فائرنگ بہت زیادہ ہونے لگی، ایک ہیلی کاپٹر مظاہرین کے اوپر آکر آنسو گیس کے بادل چھوڑنے لگا ، اس دن مجھے لگا کہ غزہ کا بیشتر حصہ اور اس کا کیمپ آزاد ہو گیا ہے، بس سرائے کی عمارت اور اس کے ارد گرد ہی فوجی موجود تھے، اور یہی صورتحال پورے علاقے میں تھی۔

بلاطہ نامی کیمپ جو نابلس شہر کے قریب واقع ہے، وہاں مہینوں تک بارڈر گارڈز کے فوجیوں کے ظلم و ستم جاری رہے، جن میں زیادہ تر تھے ، انہوں نے علاقے کی عورتوں اور لڑکیوں کو ہراساں کرنا شروع کر دیا تھا ، اس دوران غزہ کے واقعات نے اس پر مزید تیل چھڑک دیا اور لوگ جمعہ کے دن مظاہرہ کرنے کے لیے سڑکوں پر نکل آئے، جو کہ اسرائیلی فوج کے ساتھ شدید تصادم میں بدل گیا ، اسی طرح کی صورتحال بیت لحم کے قریب واقع الدہیشہ کیمپ میں بھی دیکھنے کو ملی۔

اسی دوران بیری زیت یونیورسٹی کو فوجی حکم کے تحت بند کر دیا گیا، جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے محمد اور اس کی بیوی ہمارے پاس غزہ آئے اور چند دن کے لیے ہمارے ساتھ رہے ، عام ہڑتالوں کی حالت میں، بہت سے لوگوں نے ایک دوسرے سے ملنے کا موقع تلاش کیا ، اس دوران، فاطمہ بھی اپنے بیٹے اور بیٹی کے ساتھ ہمارے گھر آئی اور ہم سب اکٹھے ہو گئے ، گھر مردوں، عورتوں، بچوں اور بچیوں سے بھر گیا تھا ، میں نے یاد کیا جب ہم بچے تھے، ایک چھوٹے سے کمرے میں رہتے تھے اور اب ہماری چھوٹی سی فیملی ایک فوج کی مانند ہو گئی ہے ، میں نے مذاق میں یہ بات کہی، تو میری ماں نے کہا : نبی پر درود بھیجو اور سب نے کہا : اللھم صل علی سیدنا محمد ۔

دوپہر کے کھانے کے دوران جو کہ ایک دعوت کی مانند تھا، ایک لمبی سیاسی بحث چھڑ گئی کہ کیا ہو رہا ہے اس

کا فائدہ ہے یا نقصان؟ مختلف آراء تھیں ، کچھ حمایت میں تھے، کچھ مخالفت میں، کچھ خوفزدہ تھے اور کچھ نتائج پر پر اعتماد تھے ، میرا بھائی محمود یہ سمجھتا تھا کہ یہ سب جلد ہی ختم ہو جائے گا جب لوگ اپنا غصہ نکال لیں گے اور یہ کچھ فائدہ مند نہیں ہوگا ، ابراہیم خاص طور پر اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ یہ لہر جلد ہی ختم ہو جائے گی ، شام کو اسرائیلی ٹیلی ویژن کے عربی نیوز بلیٹن میں وزیر اعظم اسحاق شامیر کی بیان بازی آئی، جس میں انہوں نے کہا کہ فلسطینی لوگ تشدد سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے اور یہ تشدد بیکار ہے اور اسے سختی سے نمٹا جائے گا۔

محمود نے ابراہیم سے کہا : دیکھا، میری بات سچ ثابت ہوئی ؟ ابراہیم ہنستے ہوئے بولا، بھائی !آدمی نے پہلی بار تسلیم کیا ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس نے ہمیں فلسطینی عوام کہا ہے؟ کیا تم نے کبھی شامیر یا دوسرے دائیں بازو کے اسرائیلی رہنماؤں سے سنا ہے کہ وہ ہمیں فلسطینی عوام کہیں ؟ کل تک شامیر ہمیں علاقے کے لوگ یا غزہ، یہودا اور سامریہ کے باشندے کہتا تھا، لیکن آج اس نے ہمیں فلسطینی عوام کہا ہے ، محمود نے اپنے کھانے میں مصروف ہونے کا بہانہ کیا تاکہ گفتگو کو جاری نہ رکھے یا اپنی شکست ظاہر نہ کرے۔

رات کے دوران مرد حضرات کے ایک گروہ نے شیخ احمد کی سربراہی میں اجتماع کیا اور مظاہرے کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ، شیخ احمد نے اپنی رائے بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ قوم ایک عظیم قوم ہے اور وہ ہر قیمتی چیز کی قربانی دینے کے لیے تیار ہے ، اس نے پہلے بھی ثابت کیا ہے اور دوبارہ بھی ثابت کرے گی کہ وہ توقع سے زیادہ تیار ہے، بلکہ کئی گنا زیادہ ، اس نے امید ظاہر کی کہ یہ بغاوت اور انتفاضہ ایک مستقل حالت میں بدل جائے، تاکہ یہ فلسطینی قوم کی روزمرہ زندگی کا محور بن جائے ، ہماری زندگی کا ہر پہلو اس محور کے ساتھ مطابقت کرے، چاہے وہ تعلیم ہو، کام ہو، صحت ہو یا زندگی کے دیگر معاملات، یہاں تک کہ ہم اپنے اہداف حاصل کر لیں، یعنی قبضے کا خاتمہ اور دیار کی آزادی ، انہوں نے کہا : ہم نے اللہ کی برکت سے اس مرحلے کے لیے سالوں کی محنت اور تربیت کی ہے، اور اب ہم نے آغاز کیا ہے، ہمیں رکنا نہیں چاہیے اور

پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے، بلکہ آگے بڑھنا ہے اور اپنے کام کے معیار کو بلند کرنا ہے، اور مرحلہ بہ مرحلہ اپنے اہداف کی طرف بڑھنا ہے ، ہماری قوم یہ ثابت کرے گی کہ وہ اس مقصد کے لائق ہے اور اللہ کی برکت سے کامیاب ہوگی۔

حسن اور حسین دونوں بھائی محلے کی مسجد میں عشاء کی نماز ادا کر رہے تھے ، واپسی کے دوران حسین نے اپنے بھائی حسن سے کہا: کل کے واقعات آج کی طرح ہوں گے، یقینی طور پر مقابلے ہوں گے، زخمی لوگ گریں گے، اور انہیں الشفاء ہسپتال منتقل کیا جائے گا، جہاں بڑی تعداد میں لوگ جمع ہو جائیں گے، اور قابض افواج آئے گی اور لوگوں کو منتشر کرے گی ، حسن نے اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا: اگر ایسا ہے تو ہمیں ابھی سے تیار ہونا چاہئے ، حسین نے حیرت سے پوچھا: کیسے ؟حسن نے کہا :میرے ساتھ آؤ ! وہ گھر گئے اور ایک بڑا پلاسٹک کا جالون لیا ، قریب کی پٹرول پمپ پر گئے اور جو پیسے ان کے پاس تھے، ان سے پٹرول خریدا ، پھر وہ واپس محلے کے کنارے کی ایک خالی جگہ پر گئے، جہاں انہوں نے بڑی تعداد میں خالی بوتلیں جمع کیں اور ان میں پٹرول بھرنے لگے ، انہوں نے تقریباً چالیس بوتلیں بھریں، پھر کپڑے کے ٹکڑے کاٹ کر انہیں بوتلوں کے منہ میں ڈال دیا، تاکہ پٹرول تک پہنچ سکیں ، پھر انہوں نے بوتلوں کو صندوقوں میں رکھا، اور ایک صندوق حسن نے اٹھایا اور دوسرا حسین نے، اور وہ دار الشفاء ہسپتال کی طرف روانہ ہوئے ، وہاں انہوں نے صندوقوں کو ایک زیتون کے درخت کے نیچے چھپا دیا اور واپس گھر چلے گئے ، صبح کے وقت شہر میں شورش برپا ہوئی اور زخمیوں کو ہسپتال "الشفاء" منتقل کیا گیا ، لوگوں کی بھیڑ ہسپتال کی طرف بڑھنے لگی اور دکانوں میں نعرے بازیاں شروع ہو گئی " خيبر خيبر يا يهود جيش محمد سوف يعود" جیسے نعرے گونجنے لگے۔

دوپہر کے وقت بڑی تعداد میں قابض فوجی دستے ہسپتال کے علاقے کو گھیرنے لگے اور مظاہرین پر حملہ شروع کر دیا، حسین ہسپتال میں موجود تھا اور قابض فوجیوں کے آنے کا انتظار کر رہا تھا ، جب فوجی جمع ہونا

شروع ہوئے تو اس نے اندر سے بوتلیں تیار کرنی شروع کیں اور ہسپتال کی دیوار کے ساتھ ایک خالی ڈرم رکھا ، فوجی آگے بڑھے اور مظاہرین سے جھڑپ شروع ہو گئی ، حسین نے ڈرم کو دیوار کے ساتھ رکھا اور ایک بوتل اٹھا کر ڈرم پر چڑھ گیا ، اس نے بوتل کو آگ لگا کر ایک فوجی جیپ کی طرف پھینک دیا جس پر پتھراؤ ہو رہا تھا ، بوتل ٹوٹ گئی اور جیپ پر آگ لگ گئی، فوجی چیخنے لگے اور پیچھے ہٹ گئے ، وہ اس جگہ پر فائرنگ کر رہے تھے جہاں سے بوتل آئی تھی حسین نے ڈرم کو پیچھے ہٹایا اور جبکہ فوجی پتھراؤ اور بوتل کی جگہ پر مشغول تھے، اس نے دوسری بوتل اٹھا کر آگ لگائی اور ان کی طرف پھینکی ، اس طرح آگے پیچھے سے بوتلیں پھینکتا رہا اور مظاہرین کی بڑی تعداد پتھراؤ کرتی رہی ، جھڑپیں سورج غروب ہونے کے بعد تک جاری رہی ، حسین نے اکیلے ہی اس دن چالیس بوتلیں پھینکی اور اس کا بھائی حسن بھی اس کی مدد کر رہا تھا۔

رات کو ایک لڑکے نے اپنے والد کی ہتھوڑی اور کچھ کیلیں اٹھا لیں اور کچھ چھوٹے لکڑی کے ٹکڑوں میں کیلیں ٹھونکنے لگا ، اس نے ان لکڑی کے ٹکڑوں کو اس راستے میں نصب کیا جہاں سے فوجی جیپیں گزرتی تھی ، تاکہ کیلوں کا نوک دار حصہ اوپر ہو اور فوجی گاڑیوں کے ٹائروں کو نقصان پہنچائے ، وہ دونوں دور بیٹھ کر اپنے کام کا نتیجہ دیکھنے لگے ، جب فوجی جیپیں تیزی سے مظاہرین کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں پہنچی تو چار گاڑیوں کے ٹائر پنکچر ہو گئے اور وہ رک گئی جس سے باقی گاڑیوں کا راستہ بھی بند ہو گیا ، لڑکے خوشی سے اچھلنے لگے اور نعرے لگاتے رہے " خیبر خیبر یا یهود جیش محمد سوف یعود " انہیں یہ خیال نہیں آیا کہ انہیں کیلوں کو بھی وہاں سے ہٹانا چاہیے تھا جو انہوں نے پیچھے چھوڑ دی تھی ، ابراہیم شام کے وقت اپنی گاڑی اس کچے راستے پر چلا رہا تھا کہ اچانک اس کی گاڑی کا ایک ٹائر پنکچر ہو گیا ، وہ نیچے اتر کر وجہ جانچنے لگا ، اس نے جیک نکالا اور پنکچر ٹائر کو ٹھیک کرنے لگا، غصے سے بھرا ہوا اور اس کی آنکھوں میں غصے کی چمک تھی ، جب اس نے ٹائر اٹھایا اور کیل کو دیکھا جو ایک لکڑی کے ٹکڑے میں پھنسی ہوئی تھی ، وہ ہنستے ہوئے بولا : شعب جبار، شعب جبار ، اس نے ٹائر بدل دیا اور حسن کی ورکشاپ کی طرف بڑھا جہاں اس نے حسن

سے مضبوط تاروں کے ہزاروں چھوٹے ٹکڑے تیار کرنے کو کہا، حسن نے ہر ٹکڑے کو چند سینٹی میٹر لمبائی میں کاٹا، پھر درمیان سے اسے ایک زاویے پر موڑ دیا اور ہر دو ٹکڑوں کو برقی ویلڈنگ سے جوڑ دیا، اس طرح ہر ٹکڑا پرندے کے پاؤں کی طرح ہوگئے جو زمین پر ٹکے ہو ، حسن نے چند گھنٹوں میں بڑی مقدار میں یہ ٹکڑے تیار کر لیے ، ابراہیم کو بلایا کہ وہ انہیں لینے آئے اور اسے گھر چھوڑ دے ، پھر ابراہیم نے انہیں مختلف علاقوں میں سرگرم کارکنوں میں تقسیم کیا تاکہ وہ انہیں قابض فوجی گاڑیوں کے سامنے جب وہ نقاب پوشوں کا پیچھا کرنے نکلیں پھینک سکیں۔

اگلے دن جہاں بھی اور جب بھی قابض فوجی گاڑیاں گزرتی ، آپ دیکھتے کہ ان کے ٹائر پنکچر ہو چکے ہوتے اور گاڑی ایک طرف جھکی ہوئی ہوتی ، فوجی خود کو جال میں پھنسا ہوا پاتے ، نہ وہ آگے بڑھ سکتے تھے نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے، اور نہ ہی وہ اس حالت میں رہ سکتے تھے ، وہ مدد طلب کرتے اور مزید فوجی آجاتے جو کہ مظاہرین اور رکاوٹوں سے ٹکراتے، یا وہی انجام پاتے جو ان کی مدد کو آنے والوں کا ہوتا تھا ، یہ ایک بہت ہی مزے دار اور مضحکہ خیز دن تھا، جب آپ ان کی گاڑیاں اس حالت میں دیکھتے ، ایسا لگتا تھا کہ ان کی زیادہ تر ربڑ کے ٹائر والی گاڑیاں ناکارہ ہو گئی تیں یا جو بچی تھی وہ بھی کام کرنا چھوڑ چکی تھیں ۔

انہوں نے لوہے کی پٹریوں والی ٹینکوں کو میدان میں اتارا، جس سے لوگوں کے حوصلے بلند ہوئے جب انہوں نے دیکھا کہ دشمن الجھ رہا ہے اور ہسٹیریا میں مبتلا ہو رہا ہے، جس سے لوگوں کا حوصلہ اور بڑھ گیا، ہم اس کام کے دوران ایک خطرناک کھیل کھیلتے تھے جس میں ایک چابی کے سوراخ میں کیل ٹھونک کر اسے ایک دیوار پر زور سے مارتے تھے ، اس سے چابی کے سوراخ میں موجود سلفر جو کہ ماچس کی تیلیوں سے نکالا گیا ہوتا تھا، دھماکے سے جل اٹھتا اور ایک بہت زور دار دھماکہ ہوتا ، یہ کھیل کیمپ کے بچوں میں بہت مشہور تھا جس کی وجہ سے اکثر والدین اپنے بچوں کو اس کھیل سے روکنے کے لیے مارا کرتے تھے، کیونکہ یہ خطرناک اور پریشان کن تھا ، اس کھیل کا خلاصہ یہ تھا کہ کبریت کی مقدار کو ایک تنگ جگہ میں شامل کرنا

ایک دھماکہ پیدا کرتا تھا، اس کا استعمال صاف کرنے والے ہتھیار کے طور پر مقبوضہ علاقوں میں کیا جاتا تھا، جس نے ابتدائی دستی بم بنانے کی سوچ کو جنم دیا۔

جبالیہ کیمپ کے تین نوجوان، جن میں سے ایک "پلمبر" کے طور پر کام کرتا تھا، کبریت کے ساتھ دستی بم بنانے میں مصروف تھے، ایک پہلے سے تیار شدہ سوراخ سے وہ ایک قابلِ لچکدار پٹی داخل کرتے ہیں، جس کی درجنوں تعداد بڑی احتیاط سے تیار کی گئی تھیں، کیونکہ کوئی بھی غلطی یا زائد رگڑ ایک چنگاری پیدا کر سکتی ہے جو ان کے ہاتھوں میں بم کے پھٹنے کا سبب بن سکتی ہے، پھر انہوں نے انہیں تقسیم کیا تاکہ اگلے دن کی مڈبھیڑ کے لئے تیار ہوں۔

صبح کے وقت معمول کے مطابق اجتماعات، مظاہرے، پتھراؤ، گولی باری اور آنسو گیس کے دھوئیں سے بھرے مناظر ہوتے تھے، کچھ نوجوان دیواروں، جھاڑیوں یا سڑک کے کنارے چھپے ہوتے تھے، ایک گشتی گاڑی کے گزرنے پر، ایک نوجوان ناری شریٹ کو جلاتا اور گاڑی کی طرف پھینکتا تھا، جو ایک خوفناک دھماکہ پیدا کرتی تھی اور کبھی کبھار کچھ فوجیوں کو زخمی بھی کرتی تھی، انتفاضہ کے ابتدائی دنوں کی ایک شام، میرے بھائی محمود کے چند دوست اس سے ملنے آئے، میں ان میں سے کچھ کو جانتا تھا اور کچھ کو نہیں، وہ سب مہمان خانے میں بیٹھے تھے، اور ماحول سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ ایک تنظیمی اجلاس یا کچھ اس طرح کا تھا، انہوں نے کئی گھنٹے بحث و مباحثے میں گزارے، ان میں دو رائے تھی، ایک مکمل شرکت کے حق میں اور دوسری مخالفت میں، آخر میں انہوں نے اتفاق کیا کہ ایک متحدہ قومی فریم ورک کے تحت شرکت کی جائے اور تنظیم آزادی فلسطین کی نمائندہ قومی جماعتوں کے ساتھ مل کر کام کیا جائے چند دن بعد دوسرے مہمان آئے، جو مختلف قومی جماعتوں کا ایک مجموعہ تھے، میں کچھ کو جانتا تھا، وہ طویل وقت تک بیٹھے بحث و مباحثے میں مصروف تھے، اور انتفاضہ کو قابض قوتوں کے خلاف مزید بھڑکانے کی بات کر رہے تھے، اب سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ دو بیانات جاری ہونے والے ہیں، ایک متحدہ قیادت کی طرف سے اور دوسرا اسلامی

مزاحمتی تحریک (حماس) کی طرف سے، دونوں ہی شدت پسندی اور تسلسل کی روح لے کر آئیں گے ، لیکن ان میں سے ہر ایک مختلف پروگرام پیش کرے گا، مثلاً پہلا اتوار کے روز عام ہڑتال کی دعوت دے گا، اور دوسرا پیر کے روز ، پہلا بدھ کے روز اعتصام کی دعوت دے گا، اور دوسرا جمعرات کو زخمیوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لئے اجتماعی روزے کی دعوت دے گا ، ہر گروہ کے کارکن اپنے بیانات ہر جگہ تقسیم کرتے ہیں تاکہ انہیں زیادہ سے زیادہ پھیلایا جا سکے، اور ہر سرگرمی والے دن کارکن نقاب پہن کر سڑکوں پر اترتے ہیں تاکہ سب کو پابند کیا جا سکے اور کمزوری، عاجزی یا عوام کی بے حسی ظاہر نہ ہو ، اس عمل نے کئی بار تصادم اور اختلافات کو جنم دیا ، جنہیں آخری لمحے میں جھگڑے یا تصادم میں بدلنے سے روکا گیا ،اور جو بھی مسائل سامنے آتے ان کا فوری طور پر حل کیا جاتا۔

مشترکہ قیادت یہ سمجھتی ہے کہ وہ فلسطینی عوام کی صحیح نمائندہ تنظیم ہے اور اس لیے وہی تصادم کی رفتار اور واقعات کے پروگرام کو طے کرنے کا حق رکھتی ہے ، جبکہ حماس یہ سمجھتی ہے کہ وہ ایک بڑا اور فعال گروہ ہے جس کی تنظیم میں نمائندگی نہیں ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسے اپنی سرگرمیوں کا پروگرام طے کرنے اور چاہی جانے والی رفتار کو مقرر کرنے کا حق نہیں ہے ، آخر میں عوام اور شہریوں کی تیاری ہی فیصلہ کن ہے ، کئی بار میرے بھائی محمود اور میرے دوسرے بھائی حسن یا محمد یا میرے چچا زاد ابراہیم کے درمیان گھر میں شدید بحث چھڑ جاتی تھی، کیونکہ یہ معلوم تھا کہ محمود مشترکہ قیادت میں ہے، جبکہ حسن، محمد اور ابراہیم دوسرے گروہ میں ہیں ، اس دوران جواز کے بارے میں شدید بحث ہوتی تھی کہ کس گروہ کا عمل جائز ہے یا کس گروہ کی کوشش دوسرے کو نظر انداز کرنے اور اس کے وجود اور اثر کو نظرانداز کرنے کی کوشش ہے، اور ہر گروہ اس بات کے ثبوت دیتا تھا کہ وہی اختیارات کا حامل ہے اور وہی ہے جس نے انتفاضہ کی منصوبہ بندی کی ہے یا اسے شروع کیا ہے اور اس کی سرگرمیوں اور کارکردگی کو ترقی دی ہے ، ہر ہفتے انتفاضہ نئی علاقوں تک پھیلتی جاتی تھی جو پہلے شامل نہیں تھے اور ہر ہفتے نئے طبقے کے لوگ اس میں

شامل ہوتے جاتے تھے، یہاں تک کہ یہ واقعی فلسطینی روزمرہ زندگی کا حصہ بن گئی ، باقی سرگرمیاں اور روزمرہ کی زندگی کی سرگرمیاں بھی اس کے ساتھ ہم آہنگ ہو گئی، تاکہ انتفاضہ کی مسلسل جاری رہنے کے باوجود زندگی اور معاشرت کی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

بچے صبح کے وقت اسکول جاتے تھے، تعلیم حاصل کرتے تھے اور شام کے وقت سڑکیں تصادم، مظاہروں اور جھگڑوں کا منظر بن جاتی تھی ، تاجر صبح کے وقت خرید و فروخت کرتے تھے اور دوپہر کے بعد عام ہڑتال ہوتی تھی، اور یہ دیگر معاشرتی شعبوں پر بھی لاگو ہوتا تھا، پہلے چند مہینوں میں شہر الخلیل میں، جو باقی علاقوں سے پیچھے رہ گیا تھا، ایک اجلاس ہوا جس میں شہر کے اسلامی گروہ کے کئی رہنما شامل تھے، اور موجود لوگوں میں جمال اور عبدالرحمن بھی شامل تھے ، بحث طویل ہو گئی تھی، کچھ لوگ شرکت کے حامی تھے جبکہ کچھ مخالف ،آخرکار ایک مصالحتی فارمولے پر اتفاق ہوا جس کے تحت تدریجی طور پر محدود تعداد میں شرکاء کے ساتھ سرگرمیوں کا آغاز کیا گیا، اور پھر نتائج کا جائزہ لیا گیا ، محدود تعداد میں شرکت کے ساتھ سرگرمیاں شروع ہوئیں تو عوام میں وسیع پیمانے پر قبولیت اور شرکت دیکھنے میں آئی ، اس کے بعد ایک ہنگامی کمیٹی بنانے کا فیصلہ کیا گیا جس کی سربراہی جمال کو سونپی گئی تاکہ سرگرمیوں کو مزید بڑھایا جا سکے اور ان کی مستقل مزاجی کو یقینی بنایا جا سکے ، تھوڑی ہی مدت میں سرگرمیوں میں تیزی آئی اور دیگر قوتیں بھی میدان میں آ گئی ، عوام کے وسیع طبقے ابھی تک اس انتفاضہ کے بارے میں فیصلہ نہیں کر پائے تھے، جیسے کہ وہ مزدور جو مقبوضہ علاقے (۴۸) میں کام کرتے تھے ، ان کے مفادات اور بچوں کی روزی روٹی امن و سکون اور اس بات پر منحصر تھی کہ وہ اپنے کام پر جا سکیں ، اس طبقے کو بھی دوسرے طبقوں کی طرح انتفاضہ سے ہم آہنگ ہونا پڑا کیونکہ ان کے یہودی مالکان کے ساتھ وعدے اور ذمہ داریاں تھی ۔

انتفاضہ کی سرگرمیوں کے بڑھنے اور اس کی مسلسل پریشانی کے سبب اسرائیلی وزیر دفاع اسحاق رابین نے "ہڈیوں کو توڑنے" کی پالیسی کا آغاز کرنے کا فیصلہ کیا ، ان کے مطابق جب بھی لوگوں کے مجمع میں سے کوئی

ایک شخص کسی گشت پر پتھر پھینکے، تو پورے مجمع کو سخت سزا دی جائے تاکہ یہ مجمع سیکھ جائے کہ اپنے درمیان سے ایسے شخص کو روکنے کی کوشش کرے ، خود بخود مزدوروں کے ایک مجمع میں سے ایک نوجوان نے گزرنے والی ایک گشت پر پتھر پھینکا ، اس پر فوجی رک گئے اور مجمع پر حملہ آور ہو گئے، مارنے اور لاتیں مارنے لگے ، اچانک مجمع نے شور مچایا اور سب نے مل کر ایک جیسی حرکت کی، جھک کر پتھر اٹھائے اور حملہ آوروں کی طرف پھینکنے لگے ، اس طرح وہ طبقہ جو متذبذب تھا، انتفاضہ میں شامل ہو گیا اور تضادات کو ملا کر اپنے بچوں کی روزی تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ اس عوامی جدوجہد میں بھی شامل ہو گیا۔

اکیسویں فصل

اکثر گھر میں بے انتہا بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے خاندان نے دوسرا منزلہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا ، یہ ذمہ داری بنیادی طور پر ابراہیم اور علی پر عائد تھی، اور مجھے حسن کے ساتھ ان کی مدد کرنی تھی، جبکہ محمود کو ہدایات دینا اور انجینئرنگ کی نگرانی کرنا اور ہمیں ضروری آلات فراہم کرنا تھا ، ہم نے آہستہ آہستہ کام کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ گھر کی زندگی مفلوج نہ ہو کیونکہ ہمارے پاس رہنے کے لیے کوئی اور جگہ نہیں تھی ، محمود نے کھدائی کے مقامات مقرر کیے جہاں ہم نے دیواروں کے قریب اور اس کے بنیاد کے نیچے تقریباً ہر چار میٹر پر ایک گڑھا کھودا ، ہم جب ایک گڑھے کو کھودتے تھے، ابراہیم لوہے کے سلاخوں کا ایک پنجرہ تیار کرتا تھا ، گڑھا مکمل ہوتے ہی وہ اس میں پنجرہ رکھ دیتا تھا اور ہم نے پہلے ہی سیمنٹ تیار کیا ہوتا تھا جسے ہم گڑھے میں ڈال دیتے تھے ، اس طرح گڑھے میں ریت کی بجائے سیمنٹ بھر جاتا تھا اور یہ دوسرے منزلے کی بنیادوں میں سے ایک بن جاتی تھی ، اگلے دن ابراہیم سیمنٹ کے ستون کی لوہے کی سلاخوں کو تیار کرتا تھا اور لکڑی کے طوبار کو تیار کرتا تھا اور اسے دیوار کے باہر سے دیوار پر ٹھیک کرتا تھا ، پھر ہم اس میں سیمنٹ ڈالتے تھے جو چار میٹر کی اونچائی تک ہوتا تھا ، اگلے دن ہم لکڑی کو نکال دیتے تھے اور دوسرے گڑھے پر کام شروع کر دیتے تھے، پھر ستون پر، اور اس طرح ہم نے تمام چوبیس ستون مکمل کیے۔

پھر محمود نے اپنے ٹھیکیدار دوستوں سے کافی مقدار میں لکڑی اور معاون پائپ مستعار لیے تاکہ آدھے گھر کی چھت بن سکے ، ابراہیم نے پرانی ایسبیسٹو کی چھت کو ہٹانے کے بعد آدھی چھت کے لیے طوبار تیار کرنا شروع کیا ، پھر اس نے حسن کی مدد سے چھت کی لوہے کی سلاخوں کو تیار کیا، اور محمود نگرانی کرتا رہا ، میں ان دونوں کے ماتحت مزدور تھا ، پھر محمود نے ایک ٹھیکیدار سے مکسر مستعار لیا اور سیمنٹ، ریت، اور بجری لے آیا، اور ہمارے دوست اور پڑوسی ہماری مدد کرنے آگئے۔

ایک جمعہ کی دوپہر اذان سے قبل ہم نے کام مکمل کر لیا اور نماز کی تیاری کے لیے چلے گئے، اس اتفاق پر کہ سب لوگ کھانے کے لیے واپس آئیں گے ، اہل خانہ دو ہفتے تک مغربی حصے کے نصف میں غیر معمولی حالات میں رہے ، یہاں تک کہ مشرقی حصے میں سیمنٹ خشک ہو گیا، اور ہم نے لکڑی کو نکال دیا ، پھر ابراہیم پرانی دیواروں کو چھت تک مکمل کرنے لگا اور انہیں اور چھت کو پلاسٹر کرنے لگا ، جب بھی ایک کمرہ تیار ہوتا، اس کا مالک اس میں واپس آجاتا، یہاں تک کہ پورا خاندان مشرقی حصے میں منتقل ہوگیا اور ہم نے مغربی حصے کے کام کو مکمل کرنا شروع کر دیا ، تین ہفتوں کے دوران یہ کام مکمل کر لیا گیا اور کچھ انتظامات باقی رہ گئے جو فرش اٹھانے اور ٹائلنگ کے متعلق تھے ، یہ کام اسی وقت شروع ہوا جب دوسرے فلور پر ستون اٹھانے اور بیرونی دیواریں تعمیر کرنے کا کام شروع ہوا ، یہ واضح تھا کہ ہمیں دوسرے فلور کی کھڑکیوں کی سطح بہت اونچی رکھنی ہوگی تاکہ ہمسایوں کے گھروں پر نظر نہ پڑے۔

انتفاضہ کی سرگرمیاں بڑھتی جارہی تھی اور ان کے جوش و خروش میں اضافہ ہو رہا تھا ، ہمارے گھر کے کام میں مصروف رہنے کے باوجود ہم نے ان سرگرمیوں میں اپنا کردار برقرار رکھا ، میں وقتاً فوقتاً فوجی تنازعات اور مزاحمتوں میں شرکت کرتا رہا ، محمود اور ابراہیم دونوں اپنے اپنے تنظیم میں قائدانہ کردار ادا کرتے رہے، خاص طور پر تنظیمی امور، ہدایات، منشورات اور مسائل کے حل میں ، ایسا لگتا تھا کہ اسرائیلی قائدین نے خیال کیا ہے کہ محض جبر انتفاضہ کو روکنے کے لیے کافی نہیں ہے، جو کہ ایک مستقل اور جاری رہنے والا

رجحان بن چکی تھی، انہوں نے نقب میں ایک بڑا قید خانہ کھولنے کا فیصلہ کیا جو ہزاروں قیدیوں کو سمو سکتا تھا اور اسے براہ راست فوج کے زیر انتظام کر دیا، فوج نے نقب کے وسیع علاقے کو تاروں کی باڑوں اور پہرے کے برجوں سے گھیر لیا اور بڑے پیمانے پر گرفتاریوں کی مہم شروع کی تاکہ ہر اس کارکن کو یا مشتبہ افراد کو گرفتار کیا جا سکے جو انتفاضہ کی روح کو زندہ رکھنے اور اس کی استمراری میں کردار ادا کر رہے تھے اور انہیں قید خانہ میں ڈال دیا، گرفتار ہونے والے پہلے گروہ میں میرے بھائی محمود اور میرے چچا زاد ابراہیم بھی شامل تھے، بڑی تعداد میں فوج رات کے وقت ہمارے گھر پر چھاپہ مار کر انہیں میری ماں، ان کی بیویاں اور بچوں کی چیخوں کے درمیان گرفتار کر کے لے گئی، انہیں فوری طور پر بغیر کسی مقدمے کے اور علاقے کے فوجی حاکم کے فیصلے کے مطابق چھ ماہ کی انتظامی قید میں ڈال دیا گیا۔

پہلے گروہ کو نقب کے قید خانے میں پہنچایا گیا جو ابھی تک محض ایک وسیع زمین کا ٹکڑا تھا جسے تاروں کی باڑوں سے گھیر دیا گیا تھا اور پہرے کے برجوں سے محفوظ کیا گیا تھا، انہیں بے حد بے عزتی کے ساتھ مارا پیٹا گیا اور ہاتھوں کو سر کے اوپر جوڑ کر، اور سر جھکائے، مار پیٹ اور گالی گلوچ کے ساتھ زمین پر بیٹھا دیا گیا، پھر کچھ گروہوں کو اٹھنے اور بڑے فوجی خیمے نصب کرنے کا حکم دیا گیا، ہر شخص کو چار کمبل دیے گئے اور خیموں میں تقسیم کر دیا گیا، ہر خیمے میں تقریباً بیس قیدی تھے، قیدی دن رات بغیر کسی توقف کے سینکڑوں کی تعداد میں قید خانے میں پہنچ رہے تھے، ہر نئے گروہ کو استقبال کے طور پر وہی بے عزتی اور تذلیل دی جاتی تھی۔

مردم شماری دن میں چار بار ہوتی تھی، ایک سپاہی مائیکروفون کے ذریعے مردم شماری کا اعلان کرتا تھا اور سب کو خیموں سے باہر نکل کر سیکشن کے سامنے وسیع میدان میں باقاعدہ دیے گئے نمبروں کے مطابق بیٹھنا ہوتا تھا، شمار کا آغاز افسر نمبر کہہ کر کرتا اور قیدی اپنا نام بتاتا یا افسر پہلے نمبر والے کو جواب دینے کو کہتا اور پھر دوسرا اپنا نمبر بتاتا اور اسی طرح سلسلہ چلتا، اگر کوئی خلل ہوتا تو عدد دوبارہ شروع ہوتا، کبھی ایک

گھنٹہ، کبھی دو کبھی تین گھنٹے تک چلتا رہتا اور سب زمین پر بیٹھے رہتے، جبکہ بندوقیں خاردار تاروں کے پیچھے سے ان کی طرف نشانہ باندھے رہتیں اور پہرے دار برجوں سے اپنی بھاری مشین گنوں کا رخ ان کی طرف کیے رہتے اور سب کے گرد درجنوں سپاہی ڈنڈے لے کر کھڑے ہوتے، پانچ یا سات افراد کا کھانا ایک کو بھی پورا نہیں ہوتا اور کپڑے میلے اور ناکافی ہوتے، جو کہ زیادہ تر بہت بڑے ہوتے تھے اور قیدیوں کو انہیں اپنے کمر کے گرد کپڑے کا ٹکڑا باندھ کر لٹکانا پڑتا تھا، پانی بہت کم ہوتا، غسل ہر ہفتے ایک بار اور پانچ منٹ میں فارغ ہونا ہوتا تھا، بیت الخلاء لکڑی کے چھوٹے چھوٹے کیبنوں کی ایک قطار ہوتی تھی جو ایک لمبے گڑھے کے اوپر نصب ہوتے تھے کیونکہ نہ تو نکاسی آب کا نظام ہوتا تھا اور نہ پانی، نہ کوئی اہل خانہ کی ملاقات ہوتی تھی، نہ پیغامات، اور نہ ہی ریڈ کراس کے نمائندے آتے تھے کہ کوئی عملی مدد کر پاتے سوائے انسانیت سوز صورتحال کی رپورٹس لکھنے اور اعلیٰ حکام کو بھیجنے کے۔

قیدیوں نے پہلے چند ہفتوں میں اپنی صفوں کو منظم کرنے کی کوششیں شروع کیں تاکہ اپنی زندگی کی حالت بہتر بنا سکیں اور ظالم جیلر پر اپنا احترام مسلط کر سکیں، فوراً ہی دھڑ بندی کی نمائندگی کا مسئلہ کھڑا ہو گیا کیونکہ فلسطین لبریشن آرگنائزیشن میں موجود تحریکیں، فتح، الجبھۃ الشعبیۃ، اور ڈیموکریٹک فرنٹ وغیرہ نے اجتماع کر کے اس بات پر اتفاق کیا کہ اسلامک تنظیموں یعنی حماس اور جہاد کی موجودگی کو تسلیم نہیں کیا جائے گا، اور جو افراد جیل میں آئیں گے انہیں صرف فلسطین لبریشن آرگنائزیشن کے کسی نہ کسی جماعت کے تحت زندگی گزارنی ہوگی اور وہ آزادانہ زندگی نہیں گزار سکتے، فلسطین لبریشن آرگنائزیشن کے افراد کی تعداد زیادہ تھی اور یہ بات واضح تھی کہ معاملہ طاقت کے ذریعے نافذ کیا جا رہا تھا اور جو بھی انکار کرتا اسے زبردستی اور تشدد کا سامنا کرنا پڑتا، اسلام پسندوں کی قلیل تعداد کو وقتی طور پر اس حقیقت کو قبول کرنا پڑا اور خاموشی سے زندگی گزارنی پڑی، ابراہیم کو اس معاہدے کے تحت زندگی گزارنی پڑی ... وہ محمود کی طرف طویل استنکاری نظروں سے دیکھتا، محمود مسکراتے ہوئے اپنے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کرتا جیسے کہہ رہا ہو: کیا کیا جائے؟

تمہارے پاس کوئی اور آپشن نہیں ہے اور تمہیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا اور میری براہ راست ذمہ داری کے تحت زندگی گزارنی ہوگی ، ابراہیم سر ہلاتے ہوئے جیسے کہہ رہا ہو : ٹھہرو ٹھہرو ... ہر چیز کا ایک وقت مقررہ ہوتا ہے۔

انتظامیہ کے ساتھ سخت لڑائی تھی کیونکہ قیدخانے کی سخت حالات پر خاموشی اختیار نہیں کی جا سکتی تھی اور فوری طور پر ایک مضبوط رد عمل کی ضرورت تھی، لیکن احتجاج یا اعتراض کی کوئی بھی شکل فوراً سخت جبر اور اجتماعی سزاؤں کے ساتھ جواب دی جاتی تھی، قیدیوں کو گھٹنوں تک زمین پر بٹھا دیا جاتا، پھر قیدخانے کا کمانڈر اپنی فوجی وردی میں آتا، اپنے ہاتھ کمر پر رکھ کر اکڑ کر چلتا، اور ٹوٹی پھوٹی عربی میں دھمکیاں دیتا اور ڈراتا۔

محمد رام اللہ میں مقیم تھا اور مجھے اور میرے بھائی حسن کو پورے خاندان کا بوجھ اٹھانا پڑا، خاص طور پر میری ماں، بھائی محمود کی بیوی اور اس کے بچوں، اور میری بہن مریم جو ابراہیم کی بیوی تھی ، گھر کی تعمیر کا کام رک گیا تھا اور گھر کا ماحول ماں، محمود کی بیوی اور مریم کے رونے دھونے سے افسوسناک ہو گیا تھا ، جب بھی کھانا تیار ہوتا، ماں رونے لگتی اور اس کے پیچھے باقی خواتین بھی رونے لگتی ، بچے بھی رونے لگتے، اور پھر مجھے اور حسن کو حالات کو سنبھالنے اور دلجوئی کرنے کی کوشش کرنی پڑتی، اور صبر کی تلقین کرنی پڑتی کہ یہ وقت زیادہ لمبا نہیں چلے گا ، جب بھی بچوں کو کچھ ضرورت ہوتی یا ماں سے پوچھتے کہ "ابا کب آئیں گے ؟ تو ماں رونے لگتی، اور پھر مجھے اور حسن کو حالات کو سنبھالنے کی کوشش کرنی پڑتی۔

اچانک... ایک دن حسن بھی گرفتار ہو گیا، اور میں ایک ایسی انسانی تباہی کا سامنا کرنے لگا جسے برداشت کرنے کی صلاحیت میرے پاس نہیں تھی ، حسن کی بیوی اور اس کے بچے بھی افسوس کا شکار ہو گئے، اور مجھے تسلی دینے کی کوشش کرنی پڑتی، کبھی کامیاب ہوتا اور کبھی اپنے اعصاب پر قابو نہیں رکھ پاتا اور چیخنے لگتا کہ یہ رونا دھونا بے مقصد ہے اور کیا چھ مہینے کی قید واقعی اتنی تکلیف دہ ہے؟ شاید ان پر چیخنا زیادہ مؤثر تھا کیونکہ اس سے رونا دھونا کم ہو جاتا، یا وہ اپنے کمروں میں جا کر روتے، لیکن دو مہینے گزرنے کے بعد گھر میں

اجتماعی رونے دھونے کی حالت کم ہو گئی اور لگتا تھا کہ وہ حالات کے ساتھ مطابقت پیدا کر چکے تھے۔

جب حسن نقب پہنچا تو اس کے ساتھ غزہ اور مغربی کنارے سے سینکڑوں قیدی بھی آئے، جو مختلف قوتوں اور رجحانات کے سرگرم کارکن تھے، لیکن یہ واضح تھا کہ اسلام پسندوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہو رہا تھا اور وہ ایک قابل ذکر طاقت بن گئے تھے، کچھ دنوں بعد ان میں سے کچھ لوگ، جن کی قیادت ابراہیم اور حسن کر رہے تھے، جمع ہوئے اور فیصلہ کیا کہ ان کی موجودگی کو تسلیم کروایا جائے اور ان کے ساتھ افراد کی طرح برتاؤ کیا جائے، وہ محمود اور دیگر قومی قوتوں کے رہنماؤں کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ انہیں ایک آزاد قوت کے طور پر تسلیم کیا جائے اور انہیں کچھ خیمے دیے جائیں تاکہ وہ باقی دھڑوں کی طرح رہ سکیں اور اپنی زندگی گزار سکیں۔

جواب انکار اور طاقت کے استعمال کی دھمکی کا تھا اور واضح ہو گیا تھا کہ معاملات تصادم کی طرف بڑھ رہے ہیں، ان نوجوانوں نے اپنی مرضی کی چیزیں زمین پر نافذ کرنا شروع کر دی تھیں، جیسے کہ ان میں سے ایک امام کے ساتھ اجتماعی نماز پڑھنا، ان میں سے ایک خطیب کا جمعہ کا خطبہ دینا اور اجتماعی جلسے منعقد کرنا، جب نئے قیدیوں کی تعداد بڑھنے لگی جن میں سے کچھ جوان بھی شامل تھے جو حقیقت کو قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے، تو زبانی جھگڑے شروع ہو گئے جو ہاتھا پائی، گھونسے اور تھپڑوں تک جا پہنچے، پھر پتھروں اور خیموں کی پائپوں سے مار پیٹ شروع ہو گئی، کئی زخمی ہوئے اور قابض فوجی تماشائی بنے رہے اور مداخلت نہ کی یہاں تک کہ جھگڑا ختم ہو گیا، پھر وہ زخمیوں کو اٹھانے اور علاج فراہم کرنے آئے اور اسے میڈیا تک اس طرح پہنچایا کہ فلسطینی قیدی آپس میں لڑ رہے ہیں اور جلاد ان کا علاج کر رہا ہے اور ان کے زخموں کو سی رہا ہے۔

مسئلہ حل نہ ہوا اور ہر فریق اپنے موقف پر قائم رہا، اور ایسا لگتا ہے کہ کچھ ذاتی اختلافات جیسے محمود اور ابراہیم اور حسن کے درمیان اختلافات بھی اپنی جھلک دکھا رہے تھے اور نظریاتی اور فصلی اختلافات کو مزید

شدت اور تشدد دے رہے تھے ، داخلی سطح پر تنظیم آزادی فلسطین کے درمیان اور دوسری طرف اسلام پسندوں کے درمیان، اور دوسری طرف مجموعی قیدیوں اور جیل انتظامیہ کے درمیان جو ان کے ساتھ بدترین طریقے سے پیش آ رہی تھی، ایک اور تصادم ہوا جو پچھلے تصادم کے حجم کا نہیں تھا اور دونوں طرف کے عقلمندوں کی آوازیں بلند ہوئیں کہ یہ حالت ناقابل برداشت ہے اور جاری نہیں رہ سکتی اور ضروری ہے کہ کوئی حل تلاش کیا جائے جو کشیدگی کو دور کرے اور اجلاس اور مذاکرات منعقد ہوئے، جہاں اسلام پسندوں کے مطالبات کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں ایک آزاد قوت کے طور پر تسلیم کیا گیا کہ اسے دیگر تنظیموں کی طرح حق حاصل ہے اور ان کے لیے خصوصی خیمے مختص کیے گئے ، مظاہرہ جاری رہا اور شدت اور تصادم بڑھتا رہا اور پہلے چند ماہ کے دوران پورے مقبوضہ فلسطینی علاقے کو گھیر لیا ، کوئی شہر ، گاؤں، کیمپ یا گلی ایسی نہیں رہی جہاں مظاہرے نہ ہوئے ہوں اور ہر طبقہ اپنی قابلیت اور حالات کے مطابق فعال ہو گیا ، بڑے بڑے مظاہروں کی جگہ گلی کوچوں، محلوں اور گاؤں میں محدود تعداد میں لوگ ٹائر جلاتے، رکاوٹیں اور بیریئرز کھڑے کرتے، اور جب قابض فوج آتی تو پتھر، آتش گیر بوتلیں اور سلفر بم پھینکتے جنہیں لڑکے "اکواع" کہتے تھے ، کسی بھی گشتی ، خواہ پیدل ہو یا سوار، کے گزرنے پر ہر گلی، سڑک یا چوراہے پر تصادم شروع ہو جاتا۔

آنسو گیس کے بم پھینکنے، براہ راست گولیوں، ربڑ کی گولیوں، پلاسٹک کی گولیوں کا استعمال، گرفتاریوں اور ہڈیوں کو توڑنے کا سلسلہ قابض فوج کی جانب سے جاری تھا اور مظاہرین کی سرگرمیاں بھی بڑھتی جا رہی تھی ، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا ، ہر گلی میں جب لڑکے جمع ہوتے اور بات کرنے کا موقع ملتا تو ہر ایک اپنا سر دکھاتا جو ڈنڈے سے پھٹا ہوا ہوتا اور ٹانکے کے نشانات ابھی بھی نمایاں ہوتے اور جو ان تمغوں میں سے کوئی بھی نہیں لے سکا، وہ بات بدلنے کی کوشش کرتا یا گشت کرنے والی گاڑی کے آتے ہی جوش میں وہاں پہنچتا تاکہ وہ بھی اپنے ساتھیوں اور ہم عمروں کی طرح بہادری اور مردانگی

کا تمغہ حاصل کر سکے۔

قابض فوج کی خفیہ ایجنسیوں کے لیے سرگرم کارکنان اور واقعات کے محرکین کی شناخت کرنا بہت ضروری تھا، اس لیے وہ اپنے جاسوسوں کو استعمال کرتی تھی تاکہ وہ جھڑپوں اور تصادم کے مقامات کے قریب رہیں اور مساجد کے دروازوں پر موجود رہیں، ان میں سے کچھ لوگ اپنی بری شہرت کے لیے پہلے ہی مشہور تھے اور ان پر لوگوں کو شک تھا، کچھ لوگ تو اس قدر واضح اور نمایاں انداز میں اپنا کام کرتے تھے کہ نوجوان انہیں دیکھ کر پیچھے ہٹ جاتے اور پھر نقاب پہن کر واپس آتے تاکہ وہ انہیں پہچان نہ سکیں اور ان کے نام خفیہ ایجنسیوں کو نہ بتا سکیں جو بعد میں انہیں گرفتار کرنے آتی تھی۔

ایک دفعہ جب ایک شہید کا جنازہ اٹھایا گیا اور اسے مسجد لے جایا گیا تاکہ اس کی تدفین کی رسم ادا کی جائے، تو کیمپ کے مرد، خواتین اور بچے بڑی تعداد میں جمع ہو گئے، ایسے میں ایک مشکوک شخص آکر سڑک کے کونے پر کھڑا ہو گیا، جس سے لوگوں میں اضطراب پیدا ہوا اور کارکنان نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا اور نقاب پہن کر واپس آ گئے، جمعیت بڑھتی گئی، اور پھر ایک نقاب پوش نوجوان نے چیخ کر کہا کہ کیوں ہم خاموش رہتے ہیں ان غداروں کے بارے میں جو ہمیں دیکھتے ہیں اور ہماری اطلاعات خفیہ ایجنسیوں کو بھیجتے ہیں؟ پھر فوج آتی ہے اور ہمیں گرفتار کرتی ہے، اور ہمیں چھپنے یا نقاب پہننے پر مجبور کرتی ہے، انہیں ڈرنا چاہیے اور چیخ کر جمعیت کو مشکوک شخص پر حملہ کرنے کا کہا، بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جمعیت اس مشکوک شخص پر ٹوٹ پڑی اور اسے مارنے لگی، تقریباً اسے مار ہی دیا تھا کہ ایک عقلمند نے بیچ بچاؤ کرایا اور چیخ کر کہا کہ کیا تم اسے مارنا چاہتے ہو؟ بس کرو، اور اسے کھینچ کر لے گیا، حالانکہ اس کا جسم ہر جگہ سے سوجا ہوا تھا۔

مشکوک افراد کو مارنے اور انہیں سزا دینے کا رجحان بہت بڑھ گیا تھا کیونکہ بہت سے ایسے لوگ مظاہرین یا نقاب پوشوں کی بہت ہی احمقانہ اور نمایاں انداز میں نگرانی کرتے تھے اور، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کوئی مشکوک شخص نقاب پوشوں کے ایک گروپ کا پیچھا کرتا رہتا تاکہ جب وہ نقاب اتاریں تو انہیں پہچان سکے، اس لیے

مظاہرین یا نقاب پوش اسے خوب مارتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ وہ تقریباً مر ہی جاتا۔

ان میں سے ایک مشہور مخبر ایک ہسپتال دار الشفاء میں نگران کے طور پر کام کرتا تھا جہاں ہسپتال سرکاری تھا یعنی صحت کی انتظامیہ کے تحت تھا، انہوں نے اس بات کی پوری کوشش کی کہ اپنے مخبروں کو ایسے حساس مقامات پر تعینات کریں، اس شخص کی سیرت بدنام اور مشہور تھی اور اس کا مخبری کرنا واضح تھا، کیونکہ اس نے کئی بار فون اٹھا کر حکام یا فوجیوں کو کسی زخمی شخص کو گرفتار کرنے کے لیے بلایا تھا (یہ سب انتفاضہ سے پہلے کی بات ہے)۔

جب انتفاضہ شروع ہوئی تو یہ مخبر کچھ وقت کے لیے غائب ہو گیا کیونکہ ہجوم غصے میں بھرا ہوتا تھا، اور ایک دفعہ جب ایک بڑا ہجوم جمع تھا اور کچھ زخمی وہاں آئے، ایک نوجوان نے اسے پہچان لیا اور لوگوں کو اس کی حقیقت یاد دلائی، تو ہجوم نے اس پر پتھر برسانا شروع کر دیے اور اسے شیطان کی طرح مارا، پھر لوگوں نے اسے لاتوں اور جوتوں سے مارا اور اس کے جسم کو سوجا دیا، اور وہ بمشکل بچا جب بڑی تعداد میں فوجی وہاں پہنچ گئے، مشہور مخبروں کی موجودگی کچھ کم ہو گئی لیکن جب بھی کوئی نظر آتا اور ہجوم کے ہاتھوں میں آتا تو اسے ان سالوں کے ظلم کا مزا چکھایا جاتا جو انہوں نے مخبری کرتے ہوئے گزارے تھے، لگتا تھا کہ انٹیلی جنس نے اپنے مخبروں کو زیادہ ہوشیاری سے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا، لیکن مظاہرین کا تجربہ بھی ساتھ ساتھ ترقی کر رہا تھا۔

کئی بار مخبر کو رنگے ہاتھوں پکڑا گیا جب وہ مظاہرین کے نام لکھ رہا ہوتا، یا دوسرا پکڑا گیا جب وہ ایک چھوٹے کیمرے سے مظاہرین کی تصاویر لے رہا ہوتا جو لائٹر کی شکل میں ہوتا، یا کوئی اور پکڑا گیا جب وہ مسجد میں جمعہ کے خطبہ کو ایک چھوٹے ریکارڈر سے ریکارڈ کر رہا ہوتا جنہیں انٹیلی جنس اپنے مخبروں کو ایسے کاموں کے لیے فراہم کرتے تھے، ہجوم اس پر یا اس جیسے کسی اور کے سر پر جوتے برساتا، کیونکہ باقاعدہ فوجی، اپنے یونیفارم، ہیلمٹ اور ہتھیاروں کے ساتھ، ہر بار مظاہرین سے ٹکراتے تھے جو ان کی حرکت کو روک دیتے

تھے، فوج نے اپنے طریقے بدلنے شروع کر دیے ، انہوں نے گاڑیوں کے شیشوں پر لوہے کی جالیاں لگانا شروع کر دیں تاکہ پتھروں سے شیشے نہ ٹوٹیں، پھر انہوں نے خصوصی دستے استعمال کرنے شروع کیے جو عام فلسطینی لباس میں ہوتے تھے، کبھی پیدل چلتے اور کبھی مقامی لائسنس والی گاڑیاں استعمال کرتے، یا سڑکوں پر لوگوں سے گاڑیاں چھین لیتے ، یہ لوگ یا تو ہتھیار چھپائے چلتے یا گاڑیوں میں سفر کرتے اور جب کسی مظاہرہ کرنے والے یا نقاب پوش کے قریب پہنچتے تو ہتھیار نکال کر اسے گرفتار کر لیتے، اور اگر کوئی ان کی مدد کو آتا تو اس پر گولی چلا دیتے ، بڑی فوجی کمک ان کے قریب ہی ہوتی تھی، مثلاً کسی قریب کے متوازی سڑک پر، اور جلد ہی ان کی مدد کو پہنچ جاتی تھی تاکہ انہیں ہجوم کے ہاتھوں اور پتھروں سے بچالے ، ان خصوصی دستوں کے افراد کبھی کبھار مظاہرین یا نقاب پوشوں کے قریب جا کر انہیں زخمی کرنے یا قتل کرنے کے ارادے سے ان پر گولیاں چلاتے تھے ۔

ان افواج نے اپنی گرفتاریوں، زخمی کرنے اور قتل و غارت کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کیے، اور عوام میں نقاب پوشوں کے خوف کی لہر پیدا کی، مگر کچھ ہی عرصے بعد عوام نے اس کا عادی ہونا شروع کر دیا اور اس کو پہچاننے کی صلاحیت حاصل کر لی ، کئی مواقع پر ان افواج کے افراد بڑے ہجوم یا نقاب پوش نوجوانوں کی بڑی تعداد میں پھنس گئے جہاں انہیں وہی ذائقہ چکھایا گیا جو وہ ان نوجوانوں اور عوام کو چکھاتے رہے تھے ، کبھی کبھار کچھ پریشانیاں بھی پیش آئیں جب عوام نے انتفاضہ کے نقاب پوش نوجوانوں کی کسی گروہ پر شک کیا اور ان پر حملہ کرنے کی کوشش کی، تو وہ اپنی شناخت ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئے تاکہ انہیں سزا نہ ملے۔

عوام میں یہ افواہیں بھی پھیل گئیں کہ کچھ مخبر ان افواج کے ساتھ شامل ہیں جو نوجوانوں پر حملہ کرتی ہیں، کیونکہ کئی بار مظاہرین نے ان افواج پر حملہ کرتے وقت کسی کا نقاب اتارا اور اسے پہچان لیا یا عوام نے اسے پہچان لیا اور اس کی مدد کے لیے پہنچ گئے ، اس وجہ سے مخبروں کے خلاف نفرت میں اضافہ ہوا اور اگر کوئی پکڑا گیا تو اسے پہلے پکڑے گئے لوگوں سے زیادہ سزا ملی۔

نقب جیل میں قیدیوں کی تعداد بڑھ کر ہزاروں تک پہنچ گئی اور جیل مختلف حصوں میں تقسیم ہو گئی جنہیں نمبروں سے پہچانا جاتا تھا ، اس کی انتظامیہ کی پالیسی ظلم و ستم اور تشدد پر مبنی رہی، اور کسی بھی معاملے میں تشدد اور مار پیٹ کی جاتی تھی، متعلقہ حصے کو آنسو گیس کے سمندر میں غرق کر دیا جاتا تھا یا جیل کا کمانڈر آتا تھا اور دھمکیاں دیتا تھا اور چیختا چلاتا تھا ، ایک موقع پر گنتی کے انتظار میں بیٹھنے کا وقت طویل ہو گیا، جب گنتی آئی تو افسران نے کئی بار غلطی کی، اور ہر بار جب وہ غلطی کرتے تو دوبارہ شروع کرتے، یہاں تک کہ بیٹھنے والے تھک گئے ، واضح طور پر بے چینی ہوئی، افسران نے پوچھا کہ کس نے بات کی؟ کوئی جواب نہ دیا ، اس سے ماحول مزید کشیدہ ہو گیا اور بڑی تعداد میں افواج جمع ہو گئیں ، جیل کا کمانڈر آیا، دھمکیاں دیں، توہین کی، اور موجود لوگوں کو بزدلی کا الزام دیا اور کہا کہ ان میں کوئی مرد نہیں ہے ، پھر اس نے پوچھا کہ کس نے بات کی ؟ ایک نوجوان کھڑا ہوا اور بولا : مجھے سمجھیں کہ میں نے بات کی، اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہم سب مرد ہیں، اور آپ کے بزدل سپاہی ہتھیاروں کے ہوتے ہوئے بھی کانپ رہے ہیں ، کمانڈر نے اپنے ہتھیار کو نوجوان کی طرف اٹھایا، جو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں جھجکا اور اس کی پلکیں نہیں جھپکی وہ کھڑا رہا تو کمانڈر نے اس کی آنکھوں کے درمیان ایک گولی ماری اور وہ شہید ہو گیا۔

گولی کی آواز اور "اسعد" کا گرنا قید خانے میں بغاوت کی شروعات کی نشانی تھا ، وہاں موجود تمام لوگ کود پڑے اور جو کچھ ان کے ہاتھ میں آیا اٹھا کر قید خانے کے محافظوں پر پھینکنے لگے، جنہوں نے فائرنگ شروع کر دی ، برجوں میں موجود سپاہیوں نے بھی اپنی بھاری مشین گنوں سے فائرنگ شروع کر دی۔

قید خانہ آنسو گیس سے بھر گیا، اور قیدیوں نے خیمے اکھاڑنے شروع کر دیے، اور قید خانے کے حصوں کو گھیرنے والے تارہ دار تاروں پر حملہ کر دیا، انہیں ہلانے اور اکھاڑنے کی کوشش کرنے لگے ، واضح ہو گیا کہ حالات قابو سے باہر ہو چکے ہیں، اس لیے قریبی فوجی کیمپ سے بڑی تعداد میں فوجی دستے بلائے گئے، جو ٹینکوں کے ساتھ قید خانے کو گھیرنے لگے اور بھاری مشین گنوں کو نصب کرنے لگے، اس خوف سے کہ قیدی

تارہ دار تاروں کو اکھاڑ کر فرار نہ ہو جائیں ، واضح ہو گیا کہ تشدد مسئلے کا حل نہیں ہے ، یہاں بڑے فوجی قائدین نے کچھ قیدیوں کے قائدین کے ساتھ مذاکرات کی کوشش کی تاکہ حالات کو پر سکون کیا جا سکے ، مذاکرات شروع ہوئے اور تشدد ابھی جاری تھا، یہاں تک کہ اس قائد کو برخاست کرنے اور قیدیوں کے ساتھ تعاون کے طریقے کو بالکل تبدیل کرنے پر اتفاق ہوا ، گنتی کا طریقہ احترام کے ساتھ، کھانے کی بہتری، کینٹین کی خریداری، تلاشیوں سے افسران کی حفاظت، اور قید خانے میں آزادانہ نقل و حرکت اور اجتماع کی اجازت دینے پر اتفاق ہوا ، اس سے حالات پر سکون اور مستحکم ہونے لگے ، چند دنوں میں حالات قید خانے میں بتدریج بہتر ہونے لگے ، قید خانہ ایک اکیڈمی میں تبدیل ہونے لگا جہاں انتفاضہ کی ثقافت اور فنون کی تعلیم دی جاتی تھی ، ایک خیمے میں فلسطینی مسئلے کی تاریخ پڑھائی جاتی تھی، دوسرے میں سیکیورٹی علوم اور تفتیشی طریقے، تیسرے میں جہاد اور شہادت کے فقہ کی تعلیم، اور چوتھے اور پانچویں میں... یہاں ناخواندگی مٹانے کا کورس اور وہاں عربی خطاطی کے اصولوں کا کورس ہوتا تھا ، ایک نوجوان قید خانے میں ان پڑھ آتا اور ایک سال کی انتظامی قید کے بعد پڑھنا اور لکھنا سیکھ کر نکلتا، اور کئی مختلف شعبوں کی تربیت حاصل کرتا۔

دوستوں کا ایک گروپ اس محلے یا اس مسجد میں جمع ہوتا اور رہائی کے بعد عمل کرنے کا عہد کرتا اور انتفاضہ کو جاری رکھنے اور ترقی دینے کا وعدہ کرتا ، چونکہ نقب قید خانے میں مختلف قومی اور اسلامی قوتوں کے سب سے بڑے کارکنوں کا اجتماع ہو چکا تھا، اس لیے قابض انٹیلی جنس نے اس اجتماع پر توجہ دینا شروع کی اور اپنے درجنوں مخبروں کو اس اجتماع میں شامل کیا، جنہیں کسی نہ کسی بہانے گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جاتا تھا ، ان سے کہا جاتا کہ وہ کارکنوں کے بارے میں معلومات جمع کریں، ان کے ارادے، باتیں، اور سرگرمیاں جانیں، اور ان کے قریب ہو جائیں تاکہ جب وہ قید سے باہر نکلیں تو ان کی سرگرمیوں میں شامل ہو سکیں ، لیکن ان مخبروں کو جلد ہی بے نقاب کر کے ان کی سازشوں کو ناکام بنا دیا جاتا۔

ان میں سے کچھ شخصیات مختلف قوتوں کے کارکنوں کے لیے معروف اور جانی پہچانی تھیں اور کچھ غیر معروف

تھیں ، تجربے کے حامل ہونے کے ناطے، قیدیوں نے فیصلہ کیا کہ وہ قید میں رہتے ہوئے ایک سیکورٹی سرگرمی کا آغاز کریں گے جس میں وہ نگرانی کریں گے، ریکارڈ کریں گے، مواد تیار کریں گے، نگرانی کریں گے اور تفتیش کریں گے ، حالات اس حد تک بڑھ گئے کہ بعض مشتبہ یا مخبر افراد سے تفتیش کی گئی اور کئی مواقع پر جسمانی دباؤ اور تشدد کا بے جا استعمال کیا گیا جس کے نتیجے میں غیر ارادی طور پر اموات بھی ہوئیں یا کچھ تفتیشی افراد کو جسمانی نقصان پہنچا ، مگر ان منفی پہلوؤں کے باوجود اس عمل نے انتفاضہ کو نقصان پہنچانے کی مخفی منصوبوں اور خفیہ ایجنسیوں کے پروگراموں کو بے نقاب کیا، اور کبھی کبھی کچھ کارکنوں کی جسمانی صفائی کی بھی سازشیں معلوم ہوئیں۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ نقب کا قید خانہ، جہاں ہزاروں قیدی تھے، ایک حقیقی اکیڈمی بن گیا تھا ، یہاں نوجوان داخل ہوتے اور تجربہ حاصل کرتے، تعلیم حاصل کرتے اور تجربات کا تبادلہ کرتے ، مخبر افراد کا تعاقب کرنے کی یہ روش عوامی سڑکوں تک پھیل گئی، جہاں مختلف گروہوں نے مشہور مخبر افراد کا تعاقب شروع کیا، انہیں گرفتار کیا یا اغوا کیا، اور انہیں باغات یا دور دراز کے مقامات پر لے جا کر کئی دنوں تک ان کی تفتیش کی گئی ، کبھی کبھی تشدد کا استعمال کیا گیا، اور بعض اوقات حد سے زیادہ تشدد بھی کیا گیا ، بعض گروہوں نے ان مخبر افراد کو قتل کر کے ان کی لاشیں کوڑے دانوں یا عوامی مقامات پر پھینک دیں ، تاکہ خوف اور رعب پیدا ہو ، کبھی کبھی ان مخبر افراد کو عوامی مقامات پر لایا جاتا، جہاں لوگوں کا ہجوم ہوتا، انہیں بجلی کے کھمبے سے باندھا جاتا، کوڑے مارے جاتے یا ان کے ہاتھ یا پاؤں کاٹ دیے جاتے، یا گولیاں مار دی جاتیں ۔

یہ روش بڑھتی گئی اور بعض گروہوں کے درمیان مقابلے کا میدان بن گئی، جہاں بہت زیادہ تشدد کے ناگوار مناظر سامنے آئے ، یقیناً بعض حالات میں حد سے تجاوز کیا گیا، جس کی وجہ سے بعض معاملات میں ناانصافی بھی ہوئی، مگر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ قابض فوج کے ساتھ تعاون کرنے کی روش کمزور ہوگئی اور واضح طور

پر کم ہو گئی ، اس طرح خوف کا ماحول پیدا ہو گیا کہ بہت سے مخبر افراد غائب ہو گئے، قابض فوج کی طرف بھاگ گئے یا ملک چھوڑ گئے ، مخبر افراد پر دباؤ کی شدت کے باعث اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ بھاگنے کی وجہ سے قابض فوج کی خفیہ ایجنسی نے غزہ کے علاقے میں ایک مرکز قائم کیا جسے "الدھینیة" کہا جاتا تھا ، اور مغربی کنارے میں ایک مرکز "معمز" کے نام سے جانا جاتا تھا ، اکثر حالات میں جب وہ قتل کیے جاتے یا تشدد کا نشانہ بنتے قابض فوج اپنے مخبر افراد کو بچانے کے لیے مداخلت نہیں کرتی تھی، کیونکہ ان کی مداخلت انہیں عوامی اجتماعات میں داخل ہونے پر مجبور کرتی، جو ان کے لیے خطرناک ثابت ہوتی، کیونکہ ان پر پتھر، آتش گیر بوتلیں اور دستی بم پھینکے جاتے، جو نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہر جگہ موجود ہوتے ، یہ مخبر افراد در اصل دشمن کی خدمت کے لیے بھرتی کیے گئے تھے، نہ کہ اس کے برعکس۔

کبھی کبھار اور بڑے گاہکوں کو بچانے کے لیے جو کہ بہت ہی نایاب صورتوں میں ہوتا تھا ، ایک ہیلی کاپٹر کے ساتھ فوجیوں کو اتارا جاتا تاکہ انہیں اور ان کے خاندان کو ان کے گھر سے نکالا جا سکے قبل اس کے کہ ہجوم ان پر حملہ کرے ، لیکن یہ رجحان کم ہو گیا اور گاہکوں کے خوف اور ان کی رپورٹوں میں کمی آئی ، ان کی حرکات اور نگرانی کے واضح مظاہر ختم ہو گئے ، ہر روز کیمپ میں خاندان اپنے بچوں کی رہائی کا جشن مناتے جو اپنی سزا پوری کر کے جیل سے باہر آتے تھے ، جبکہ دوسرے خاندان رات کے وقت اپنے بچوں کی گرفتاری پر روتے ، رہائی اور گرفتاری روزانہ کا معمول بن چکی تھی ، محمود اور ابراہیم کو رہا کیا گیا اور ہم نے اس کا جشن منایا، ہمسایوں اور رشتہ داروں نے ہمیں مبارکباد دی اور ہر ایک نے اپنے کام، پڑھائی اور احتجاجی تحریک کی سرگرمیوں میں مزید احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ واپس آنا شروع کیا، ہم نے دوسرے منزلے کی تعمیر مکمل کرنے کے لیے دوبارہ کام شروع کر دیا۔

ابراہیم کی رہائی کے فوراً بعد " فائز " زیادہ تر اس کے ساتھ رہنے لگا اور ہمارے گھر آنا شروع کر دیا ، وہ ابراہیم کے سایے کی طرح اس کے ساتھ چمٹا رہتا، ظاہر ہے کہ ہم نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا، ہم نے اس

سے تعمیراتی کام کے بھاری اور محنت طلب کام کرائے، اور وہ اپنی محنت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کام کرتا اور ہم آرام کرتے ، ابراہیم نے اسے کچھ باتیں سنائیں کہ " احتجاجی تحریک کی پر تشدد سرگرمیوں سے دور رہنا ضروری ہے " تاکہ یہ بات خفیہ ایجنسیوں تک پہنچے اور وہ اسے دوبارہ گرفتار کرنے کا ارادہ نہ کریں ، اور ہمارے لیے ابراہیم کا فائز کے سایے سے منطقی اور معقول طور پر نکلنا مشکل نہیں تھا، جبکہ وہ ایک اہم اور حساس مشن پر جانے کا ارادہ رکھتا ہو جسے ہم نہیں چاہتے کہ فائز جانے۔

میں نے ابراہیم سے کئی بار فائز کے بارے میں بات کی اور کیسے اس کی غداری اور مخبری کی تصدیق کے بعد اسے اس طرح نظرانداز کرنا درست تھا ؟ وہ ہمیشہ مجھے اطمینان دلاتا کہ ہر چیز اپنے وقت پر بہتر ہوتی ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ فائز کو کوئی ایسا نقصان پہنچے جس کا الزام خفیہ ایجنسیاں اس پر ڈالیں ، ابراہیم میں بڑی صلاحیت تھی کہ چیزوں کو معمول کے مطابق ظاہر کرے اور اپنے اندر کے جذبات چھپا لے، یہاں تک کہ میری بہن مریم جو اس کی بیوی تھی ، شاذ و نادر ہی اس کی غیر معمولی حرکتوں کو جب وہ احتجاجی تحریک کی سرگرمیوں میں مصروف ہوتا تھا محسوس کرتی تھی ، حالانکہ وہ اپنی جماعت کی مرکزی شخصیات میں سے ایک تھا اور اس کے ذمہ بڑا بوجھ تھا ، میری ماں بغیر کوئی واضح ثبوت یا نشان کے دل سے یہ سب محسوس کرتی تھی ، وہ کبھی کبھار ابراہیم کے پاس آتی اور کہتی : ابراہیم ! بس کرو ، خود کو اپنی بیوی اور بچے کو جو تمہاری بیوی کے پیٹ میں ہے اور جلد ہی پیدا ہونے والا ہے ، ضائع مت کرو ، وہ ہنستا مذاق کرتا اور مطمئن کرتا کہ وہ کچھ ایسا نہیں کر رہا جو پریشانی کا باعث ہو اور یہ کہ وہ کیمپ کا سب سے پرسکون نوجوان ہے اور وہ دوبارہ جیل نہیں جائے گا۔

میری ماں خاموش ہو جاتی ، کیونکہ وہ اس کی دلیلوں کا جواب نہیں دے سکتی تھی اور اس کے خدشات اور تشویشات کے بارے میں کوئی ثبوت بھی نہیں تھا ، جبکہ وہ بات کو ہنسی مذاق میں تبدیل کرنے اور موضوع کو گول مول کرنے میں بڑی مہارت رکھتا تھا ، جیسے ہی میری ماں بات شروع کرتی تو مریم کا چہرہ جو زرد تھا،

کچھ ہی دیر میں مسکراتا ہوا نظر آتا اور پھر وہ زور زور سے ہنسنے لگتی اور اس کا خوف کم ہو جاتا۔

میری ماں کو میرے بھائی محمود کی طرف سے اطمینان تھا کہ وہ کسی سنگین معاملات میں ملوث نہیں ہوگا، کیونکہ وہ بڑا، تجربہ کار اور سمجھدار تھا، وہ شاید کچھ چیزوں میں حصہ لے لیکن وہ پتھر اپنے ہاتھ میں نہیں اٹھائے گا، اور میری ماں اسے اچھی طرح جانتی تھی، اس لیے اس کے بارے میں اس کی فکر بہت کم تھی، حسن کے بارے میں اس کی فکر محمود سے زیادہ تھی، لیکن وہ بھی اتنی نہیں تھی جتنا کہ اس کی بیٹی کے شوہر ابراہیم کے بارے میں تھی، جہاں تک علی کا تعلق ہے، تو اسے بالکل بھی فکر نہیں تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ میرا انتفاضہ کی سرگرمیوں میں حصہ لینا بہت محدود ہے، خاص طور پر جبکہ میری کوئی سیاسی یا فکری وابستگی نہیں ہے، اور میرا بھائی محمد اپنی فطرت میں ہی خاموش اور اپنی جامعہ بیرزیت میں اپنے کام اور ماسٹر کی تیاری میں مصروف تھا۔

اس کی تشویش کی علامات ہر ایک کی گھر واپسی اور ان کے باہر جانے اور واپس آنے کے اوقات کی نگرانی کرتے وقت ظاہر ہوتی تھی، خاص طور پر رات گئے واپس آنے پر، وہ اکثر محمود یا حسن کے کمرے کی تلاشی لیتی تھی، اور خاص طور پر ابراہیم کے کمرے کی، جہاں وہ ان تینوں کی بیویوں کو بھی ساتھ لے کر جاتی، درازوں اور شیلفوں کی تلاشی لیتی، وہ ان میں سے کسی سے بھی کہتی کہ ہر کاغذ پڑھیں تاکہ دیکھیں کہ کہیں اس میں کوئی ممنوع چیز تو نہیں ہے جو کسی کے ہاتھ سے گر گئی ہو، کہ کبھی قابض فوج یا اس کی خفیہ ایجنسی تلاشی لینے یا گرفتاری کے لیے آجائے تو وہ کاغذ مل جائے اور مصیبت آجائے، ابراہیم کے پیچھے کبھی کچھ نہیں ملا، کیونکہ وہ بہت محتاط تھا اور ہر چیز کو اچھی طرح صاف کرتا تھا، محمود کے پاس کبھی کبھی کچھ کاغذات جیسے کہ قیادت کی متحدہ کمیٹی کا مسودہ مل جاتا تھا۔

جب وہ گھر آتا تو اس کی زبردست کھنچائی ہوتی اور اس پر ایک فوجی عدالت لگتی، ایک بار میں نے دیکھا کہ وہ ابراہیم کی گاڑی کی مکمل اور جامع تلاشی لے رہی تھی، جیسے کہ اسے کچھ مل گیا ہو، اس نے اس پر اس

وقت چھاپہ مارا جب وہ کھانا کھا رہا تھا، اس کی بیوی کو کمرے سے نکال دیا اور دروازہ بند کر دیا، کبھی کبھار اس کی آواز بلند ہو جاتی اور وہ عام گفتگو کی صورت میں ہوتی جو کہ ڈانٹ ڈپٹ کے معنی میں ہوتی ہے ،جب وہ اس چیز کے بارے میں بات کرتی جو اس نے اس کی گاڑی میں پائی تھی تو پھر وہ آہستہ ہو جاتی اور یہ ظاہر تھا کہ وہ اپنی معمول کی ہنسی مذاق والی تکنیک استعمال کرنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن اس بار کامیاب نہیں ہو پا رہا تھا کیونکہ لگتا تھا کہ اس بار اس کی ماں نے اسے کسی بڑی غلطی پر پکڑ لیا تھا۔

ابراہیم کی تفتیش اور مقدمے کی بند کمرے میں کارروائی آدھے گھنٹے سے زیادہ جاری رہی اور جب دروازہ کھلا اور وہ باہر نکلا تو میں نے جھانک کر ابراہیم کی حالت دیکھنے کی کوشش کی ، وہ ایسے لگ رہا تھا جیسے اس پر دس تفتیش کاروں نے ایک ساتھ حملہ کیا ہو، جو کہ غزہ کے مرکزی جیل میں تفتیش کے سب سے زیادہ سنگین مراحل میں سے ایک ہوتا ہے ، میں نے طنزیہ مسکراہٹ دی تو اس نے غصے سے جواب دیا: جیسے کہ وہ کہہ رہا ہو کہ میں یہ سب تمہاری جلد پر نکالوں گا، تمہاری ماں کی جلد پر نہیں۔

میں نے بڑی کوشش کی کہ معلوم کر سکوں کہ اس سے اس کی ماں اور مریم سے کیا کچھ ضبط ہوا ، مریم حقیقت میں نہیں جانتی تھی، کیونکہ اگر وہ جانتی تو مجھ سے چھپا نہیں سکتی تھی، لیکن وہ اور میری ماں بڑی چالاکی اور رازداری سے میرے ساتھ پیش آتے تھے، اور جب بھی میں اس موضوع کو کھوجنے کی کوشش کرتا تو مجھے ڈانٹ دیتے ، کئی سال بعد مجھے معلوم ہوا کہ مریم کو گاڑی کی سیٹ کے نیچے سے ایک نائن ایم ایم پستول کی گولی ملی تھی، جس سے اس بات کی تصدیق ہوئی کہ اس کے پاس کوئی چھپی ہوئی ہتھیار ہے ، یہ بات خطرناک اور مصیبت تھی، لیکن اس سے بھی خطرناک بات یہ تھی کہ اس نے اس گولی کے گرنے کو نظر انداز کیا اور اسے وہاں چھوڑ دیا، بغیر اس کے کہ وہ اس پر تنبیہ کرے یا اسے نکال دے۔

کافی وقت گزر گیا اور انتفاضہ کے واقعات مسلسل جاری رہے، یہاں تک کہ یہ پورے ملک میں پھیل گئے ، اب یہ واقعات اتنے مشہور ہو گئے تھے کہ ان کا نام "انتفاضہ" زبانوں میں داخل ہو گیا تھا ، جب آپ

اسرائیلی ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر خبریں سنتے تو بار بار "انتفاضہ" کا ذکر ہوتا، اور یہی حال غیر ملکی نشریات کا بھی تھا۔

ایک دفعہ ابراہیم فائز کے ساتھ میری موجودگی میں بیٹھا اور اس کو قائل کرنے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ ہمارے پاس آنے جانے میں کمی کرے اور ابراہیم کے ساتھ تعلقات کو کم کرے، کیونکہ اسے ڈر تھا کہ کہیں کوئی جاسوس اس تعلق کو انٹیلی جنس تک نہ پہنچا دے اور انہیں شک ہو کہ وہ دونوں کچھ خاص کر رہے ہیں، جس پر انہیں گرفتار کر لیا جائے ، فائز نے ابراہیم کے خدشات کم کرنے کی کوشش کی لیکن ابراہیم نے اس کو ایسے باتوں میں الجھایا کہ اس نے فائز کو مجبور کر دیا اور اس نے واقعی آنا کم کر دیا، لیکن مکمل طور پر نہیں روکا۔

ایک دن رات کو جب اسراء والمعراج کی یاد آ رہی تھی، حماس کے بیان نے پہلے ہی لوگوں کو اس دن کی تقریبات اور مظاہروں کی دعوت دی تھی تاکہ مسجد اقصیٰ کی اسراء اور آسمان کی معراج کی یاد تازہ کی جا سکے ، صبح سے ہی نوجوانوں نے رکاوٹیں کھڑی کرنا، ٹائر جلانا اور ان میں کچھ چھوٹے دھماکہ خیز مواد ڈالنا شروع کر دیا تاکہ ان سے دھماکوں کی آوازیں آئیں اور ہڑتال کو سنجیدہ بنایا جا سکے، اور قابض افواج کو اشتعال دلایا جا سکے تاکہ وہ آ کر دھماکوں کی تلاش کریں اور تصادم ہو ، کئی گلیوں کے سرے پر کچھ نقاب پوش کامیاب ہو رہے تھے ، جب قابض فوج آئی تو لوگوں نے اس پر پتھر اور آتش گیر بوتلیں پھینکنی شروع کر دی جس پر فوج نے گولی چلانی شروع کر دی لوگوں نے بھی دستی بموں کا استعمال کیا، جس سے قابض فوج میں کافی افراتفری مچ گئی ، فوج نے اپنی گولیاں مظاہرین پر مرکوز کر دیں، جو ٹائر اور دیواروں کے پیچھے چھپنے میں ماہر تھے ، اس دن کئی لوگ زخمی ہوئے اور " فائز " نامی نوجوان مارا گیا ، اس وقت اس کے ساتھ " ابراہیم " بھی تھا ، فائز کو گولی لگی اور وہ موقع پر ہی جاں بحق ہوگیا ، کچھ نوجوان اس کے پاس آئے اور جب دیکھا کہ وہ مر چکا ہے، تو ایک نے کہا کہ وہ شہید ہو گیا ہے ، ابراہیم نے انہیں کہا کہ اس کی لاش کو دور لے جائیں تاکہ

وہ اسپتال نہ لے جائی جائے، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ قابض فوج میڈیکل رپورٹوں کو دیکھ سکتی ہے ، کیمپ میں شور مچ گیا اور لوگ غصے میں بھرے ہوئے باہر نکل آئے ، فائز کو دفنایا گیا اور لوگ نعرے لگاتے ہوئے اسے رخصت کر رہے تھے ، مجھے بالکل شک نہیں تھا کہ اسے قابض فوج کی گولیوں سے مارا گیا، لیکن میں ابراہیم سے اس بارے میں بات کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا، جو یقینی طور پر مجھے اس بارے میں بات کرنے کی اجازت نہیں دیتا تھا ، لیکن آنکھیں وہ کچھ کہہ رہی تھی جو زبانیں نہیں کہہ سکتی تھی ۔

فوجی حکام نے فلسطینی یونیورسٹیوں کو بند کرنے کے احکامات جاری کیے تاکہ طلباء کی بڑی تعداد کو جمع ہونے سے روکا جا سکے، کیونکہ یہ اجتماع تصادم اور بغاوت کا سبب بن سکتا تھا ، یہ واضح ہو چکا تھا کہ صورتحال طویل عرصے تک چلے گی ،تاہم تعلیمی سفر کو جاری رکھنا ضروری تھا ، ایک معقول حل تلاش کیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ کلاس رومز کو مساجد اور عوامی اداروں میں منتقل کیا جائے ، مثلاً اسلامی یونیورسٹی نے ایک دفتر مقرر کیا جہاں سے اعلان ہوتا تھا کہ کس مضمون کی کلاس کس مسجد میں ہوگی ، جیسے کہ مسجد العباس میں، یا مسجد فلسطین میں ، وقت اور دن مقرر کیے جاتے تھے، اور طلباء مسجد میں جمع ہو جاتے تھے جہاں پروفیسر آتے تھے ، یہ تعلیمی سفر کچھ مشکلات کے ساتھ جاری رہا لیکن سب نے نئے حالات کے ساتھ مطابقت پیدا کر لی۔

مجھے اور ابراہیم کو بھی کلاسوں اور امتحانات کے لیے جانا پڑتا تھا ، ابراہیم اپنے آخری سال میں تھا، جبکہ میرے پاس ابھی ایک سال باقی تھا ، تمام بندشوں، ناکا بندیوں اور کرفیو کے باوجود، تعلیمی سفر جاری رہا اور ابراہیم نے حیاتیات کے شعبے میں بیچلر کی ڈگری حاصل کی اور اقوام متحدہ کی امدادی ایجنسی میں ملازمت کے لیے درخواست دی اور منظوری کا انتظار کرنے لگا۔

میری ماں نے پوری کوشش سے دباؤ ڈالا کہ وہ سعودی عرب یا کسی خلیجی ملک میں ملازمت کے لیے اپنے کاغذات جمع کرائے، لیکن اسے صرف ایک بہرا کان ملا جو مٹی سے بھرا ہوا تھا اور دوسرا آٹے سے ، اس نے اپنے ذہن میں فیصلہ کیا تھا کہ وہ وطن نہیں چھوڑے گا، خاص طور پر اس اہم اور خطرناک مرحلے میں ،

میری ماں کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ نوجوان ملک چھوڑ دے کیونکہ یہاں رہنے کی بھاری قیمت چکانی پڑے گی اور وہ اس کا اظہار بھی کرتی تھی ، اس نے اپنے انداز کو بدلنا شروع کیا، جب اس نے دیکھا کہ وہ ملک میں رہنے پر اصرار کر رہا ہے، وہ منت کرنے لگی اور کہہ رہی تھی کہ وہ کچھ سالوں کے لیے بیرون ملک چلا جائے، کم از کم دو یا تین سال، لیکن اسے حتمی اور قطعی فیصلہ ملا کہ " میں ملک سے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں جاؤں گا۔

محمد نے تمام مشکلات کے باوجود بیرزیت میں اپنی ملازمت جاری رکھی، وہ بیرزیت یونیورسٹی کے سائنس کالج کے کیمسٹری لیب میں کام کرتا تھا، جہاں وہ طلباء کو کیمیائی تجربات کرتے ہوئے دیکھتا اور ان کی رہنمائی کرتا ، ان طلباء میں سے ایک طالب علم خاموش طبع، خوش اخلاق اور محنتی تھا جو اپنی تجربے کو کامیابی سے مکمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، جس نے محمد کی خاص طور پر توجہ حاصل کی اور اسے وہ محنت اور جدو جہد پسند آئی ، طالب علم نے اپنا کام کامیابی سے مکمل کیا، تو محمد اس کے پاس کھڑا ہو گیا تاکہ اس سے واقفیت حاصل کرے، اس نے دیکھا کہ وہ ایک مذہبی نوجوان ہے، اس کے کام اور محنت کی تعریف کی اور پوچھا کہ وہ کہاں رہتا ہے اور اس کے ہاسٹل میں رہنے کی شرکت کے بارے میں بھی ، محمد نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دی اور کہا کہ وہ کیمسٹری کے مضمون میں کسی بھی مشکل میں اس کی مدد کے لیے تیار ہے۔

بائیسویں فصل

میری ماں نے ابراہیم پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ اردن چلا جائے، وہاں سعودی سفارتخانے یا کسی اور عرب خلیجی ملک کے سفارتخانے میں اپنے کاغذات جمع کرائے، کیونکہ یہ زیادہ امکان ہے کہ وہاں اسے نوکری مل جائے گی، اور وہ اپنی بیوی کو لے کر وہاں کام کرنے چلا جائے گا، دور ہو جائے گا ان پریشانیوں اور خطروں سے جو غزہ کی ہر گلی میں اس کے لیے گھات لگائے ہوئے ہیں ، لیکن وہ مسکرا کر جواب دیتا کہ یہ ناممکن ہے کیونکہ اس نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ غزہ نہیں چھوڑے گا چاہے وہ وہاں صرف روٹی پر ہی کیوں نہ

چیے اور اقوام متحدہ کے ریلیف اینڈ ورکس ایجنسی کے جواب کا انتظار کرے جس میں اس نے ملازمت کے لیے درخواست دی ہے۔

کچھ وقت بعد جواب منفی آیا، کیونکہ اس کے شعبے میں درخواست دہندگان کی تعداد خالی جگہوں سے زیادہ تھی، اس لیے اس کی باری نہیں آئی، میری ماں نے ایک بار پھر اسے بیرون ملک سفر کرنے کے لیے دباؤ ڈالنے کا موقع پایا، لیکن اس نے یاد دلایا کہ اس کے پاس تعمیرات کا ہنر ہے اور وہ اس سے کافی روزی کما رہا ہے، اور اسے اصل میں ملازمت کی ضرورت نہیں ہے، اب جبکہ اس نے پڑھائی مکمل کر لی ہے، وہ اپنے کام کو وسعت دے سکتا ہے اور اسے ترقی دے سکتا ہے اور اس سے اسے بہت زیادہ آمدنی ہوگی۔

مریم نے اپنا پہلا بچہ جنم دیا، ایک بیٹی جس کا نام ابراہیم نے "اسراء" رکھا، جب میں نے پوچھا کہ اس نام کا مطلب کیا ہے ؟ تو اس نے کہا: کہ جب بھی میں اسے دیکھوں، مجھے اپنی زمین، اسراء والمعراج اور مسجد اقصیٰ کے بارے میں اپنی ذمہ داری یاد آئے، اور چونکہ بچوں کی وجہ سے لوگ جہاد سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں، اس کا نام اسراء رکھنے سے یہ میرے لیے میری ذمہ داری کی یاد دہانی ہوگی، بجائے اس کے کہ یہ میرے پیچھے ہٹنے کی وجہ بنے، اس نے مجھے ان خوبصورت لمحوں کی یاد دلائی جو ہم نے مسجد اقصیٰ میں گزارے تھے جب یہودیوں نے اسے دھمکی دی تھی کہ وہ اسے ناپاک کریں گے، اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اسی وقت ہم نے دوسرے منزل کی تعمیر مکمل کی، جہاں ہم نے کمروں کی تعمیر کی اور پرانی چھت کو ایسبیسٹ سے ڈھانپ دیا جو پہلے زمینی منزل کی چھت تھی اور میں نے ابراہیم کے محبت بھرے دل کا ایک منظر دیکھا، جب ہم دوسرے منزل کی چھت کو برابر کر رہے تھے اور ہم نے چھت کی ڈھلوان کو مغرب کی طرف بنا دیا تھا، جب ہم ایسبیسٹ ڈالنا شروع کر رہے تھے، ابراہیم نے اچانک کام روک دیا اور کہا کہ ہمیں اس طرح کام نہیں کرنا چاہئے۔

میں نے پوچھا: کس طرح ؟ اس نے کہا: چھت کی ڈھلوان کو مغرب کی طرف بنانا صحیح نہیں ہے۔

میں نے پوچھا: کیوں ؟ اس نے کہا: کیونکہ ہمارے چھت پر جمع ہونے والا بارش کا پانی ہمارے پڑوسیوں کی چھت پر گرے گا، میں نے کہا: اس میں کیا حرج ہے ؟ یہ پہلے بھی ایسا ہی تھا، وہ ہنسا اور کہا: نہیں احمد، حالات اب بدل گئے ہیں، پہلے ہماری چھت پڑوسیوں کی چھت سے تین میٹر اور نصف بلند نہیں تھی، اور جب زور سے بارش ہوگی تو اتنی اونچائی سے پڑوسیوں کی چھت پر پانی گرنے کی آواز بہت پریشان کن ہوگی اور وہ اس کے ساتھ نہیں جی سکیں گے، میں نے پایا کہ یہ بات درست ہے، میں نے پوچھا: لیکن اب کیا کرنا ہے؟ اس نے کہا کہ ہم کام دوبارہ کریں گے اور چھت کا ڈھلوان مشرق کی طرف بنائیں گے، تاکہ پانی سڑک پر گرے، اور اس نے دیوار کے اوپری حصے کو گرانا شروع کیا جو اس ڈھلوان کو ختم کرتا تھا، پھر ہم نے اسے الٹ سمت میں دوبارہ تعمیر کرنا شروع کیا، پھر ہم نے چھت رکھی، اور اس کے اوپر بھاری پتھر رکھ دیے تاکہ ہوا کے جھونکوں سے اڑ نہ جائے، تھوڑی ہی مدت میں ہم نے مکان کا کام مکمل کر لیا اور مکان چار فلیٹوں میں تبدیل ہو گیا، ہر فلیٹ میں کچھ نہ کچھ خودمختاری تھی، میں اپنی امی کے ساتھ ایک میں رہتا تھا اس بنیاد پر کہ محمد جب رام اللہ سے واپس آئے گا تو ہمارے ساتھ رہے گا، اور محمود، حسن اور ابراہیم میں سے ہر ایک دوسرے فلیٹوں میں مقیم ہوگیا، اس طرح ان کی بیویاں زیادہ آزادی سے رہ سکتی تھی، اور سارا دن اپنے سر پر دوپٹہ ڈالنے اور اپنے بالوں کو ڈھانپنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی اور نہ ہی اپنے شوہروں کے بھائیوں کے سامنے شرمندہ ہوتی تھی۔

ابراہیم کے ساتھ مکان کی تعمیر کے دوران، میں نے تعمیر کے بہت سے فنون سیکھے، اور اس میں شریک ہونے لگا، اس نے مشورہ دیا کہ میں اس کے ساتھ کام میں شامل ہو جاؤں، کیونکہ چند مہینوں میں میں ایک ماہر معمار بن سکتا ہوں، وہ مجھے سکھائے گا اور ہم اکٹھے شراکت میں کام کر سکتے ہیں، خاص طور پر جب ملازمت کے مواقع کم ہوں، مجھے اس کی رائے معقول لگی اور میرے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں تھا، اس لیے جو

منصوبے وہ اپنے ذمہ لیتا تھا انہیں مکمل کرنے میں میں نے اس کے ساتھ کام شروع کر دیا، اس کا کام وسعت اختیار کرنے لگا، ہمارے ساتھ کئی مزدور کام کرتے تھے ، خاص بات یہ تھی کہ وہ اکثر ہم سے کام کے مخصوص حصے مکمل کرنے کا کہتا اور کہتا کہ وہ ایک مختصر سی چکر لگا کر آئے گا، کام چھوڑ کر اپنی گاڑی میں بیٹھتا اور روانہ ہو جاتا، اور لمبے یا مختصر وقت کے بعد واپس آکر کام جاری رکھتا ، میں اپنے دل میں سوچتا کہ وہ کہاں جاتا ہے اور اپنا کام چھوڑ دیتا ہے؟ جب میں اس سے پوچھتا تو وہ کہتا: احمد، کام کی تلاش میں جاتا ہوں، کیونکہ جو کام ہمارے ہاتھ میں ہے اسے مکمل کرنے سے پہلے ہمیں ایک اور کام کی تلاش کرنی ہوگی جو ہمارا انتظار کر رہا ہو ، میں اس کی آنکھوں میں دیکھتا اور یقین کرتا کہ وہ کسی اور قسم کے کام میں مصروف ہوتا ہے، کسی ایسے کام کی تلاش میں ہوتا ہے جس کا تعمیری کام سے کوئی تعلق نہیں۔

مقبوضہ علاقوں میں 1948 کے قریب ایک جگہ جسے صرفند کہتے ہیں، اسرائیلی فوج کے ایک بڑے کیمپ میں، سینکڑوں فوجی صبح کے وقت وہاں آتے ہیں اور شام کو اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں ، وہ کاروں کے انتظار میں کھڑے ہوتے ہیں جو انہیں ان کے گھروں تک پہنچا سکیں اور سڑک پر آنے جانے والی گاڑیوں کو ہاتھ سے اشارہ کرتے ہیں تاکہ وہ رکیں اور انہیں اس سرد شام میں ان کے گھروں تک پہنچا سکیں ، کچھ لوگ سڑک کے کنارے چلنا شروع کر دیتے ہیں، اور جب کوئی گاڑی قریب آتی ہے تو ان میں سے کچھ گاڑیاں ان فوجیوں یا دیگر کو چند کلومیٹر دور جب پہلی جگہ پر ان کے مقاصد جدا ہو جاتے ہیں تو انہیں کوئی اور سواری تلاش کرنی پڑتی ہے جو انہیں آگے لے جائے ، سڑک پر ایک سفید جدید سپارو گاڑی چل رہی تھی ، جس کی نمبر پلیٹ پیلی (اسرائیلی) تھی ، اسے ایک نوجوان چلا رہا تھا جو یورپی نژاد لگتا تھا... سفید رنگت، سنہرے بال، نیلی آنکھیں، اور اس کے ساتھ ایک نوجوان بیٹھا تھا، جو عراقی نژاد لگتا تھا ، اور پچھلی سیٹ پر ایک نوجوان بیٹھا تھا جو یمنی نژاد لگتا تھا... گاڑی میں ریڈیو ایک عبرانی گانا بجا رہا تھا جس کی موسیقی دھیمی تھی ، ایک فوجی نے گاڑی کو رکنے کا اشارہ کیا، گاڑی رک گئی تو فوجی نے پچھلا دروازہ کھولا اور سیٹ پر بیٹھتے ہی عبرانی

زبان میں کچھ کہا، ڈرائیور نے جواب دیا " کوئی بات نہیں" (عبرانی میں "בסדר") اور گاڑی دوبارہ چل پڑی ، کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد، ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے نوجوان کی طرف مڑ کر ایک چھوٹا چھرا نکال کر کہا کہ کوئی حرکت نہ کرے (عبرانی میں "שום תנועה") اور پیچھے بیٹھے نوجوان سے عربی میں کہا: اس کی بندوق لے لو، تو اس نے اس سے بندوق لے لی، فوجی کانپنے لگا اور رونے لگا، اور عبرانی میں اپنی ماں کو پکارنے لگا "אמא". اس کا پیشاب بہہ کر اس کی پتلون کو گیلا کر رہا تھا، محمد نے اس پر چیختے ہوئے کہا "تم غزہ اور مغربی کنارے میں ہمیں مارنے آتے ہو، اور تم نے پہلے ہماری زمین پر قبضہ کر لیا، وہاں جب تم لوگ ہتھیار نکالتے ہو اور بچوں پر گولیاں چلاتے ہو تو اپنے آپ کو مرد سمجھتے ہو، یہاں اپنی ماں کو پکار رہے ہو اور اپنے کپڑوں میں پیشاب کر رہے ہو، اور اس کے دل میں ایک گولی مار دی، گاڑی ایک سائیڈ روڈ پر مڑتی ہے، تینوں نوجوان اترتے ہیں، گاڑی سے کھدائی کے آلات نکالتے ہیں اور ایک گڑھا کھود کر اسے دفنا دیتے ہیں، اس کا ہتھیار اور دستاویزات لے لیتے ہیں، ان میں سے ایک نے دستاویزات دیکھتے ہوئے چیخ ماری، اوہ! یہ فوجی اسرائیلی فوج کی جنرل اسٹاف کی خصوصی فورسز سے ہے، جو انتہائی خطرناک کمانڈو آپریشنز کرتی ہے اور اس کے پاس ایک اعزاز بھی ہے، چند دنوں بعد اسی گروپ نے ایک اور فوجی کو اغوا کیا، اور غزہ پٹی سے واپس آتے ہوئے اس سے ایک اور گلیلی رائفل چھین لی، دوسرے علاقے میں فوجی کو دفن کرنے کے بعد جب وہ غزہ پٹی کو اندرونی علاقوں سے جدا کرنے والی سرحدی تاروں کو پار کرنے کی کوشش کر رہے تھے، ایک محافظ نے انہیں دیکھ لیا اور علاقے کی حفاظت کرنے والی فوج کو اطلاع دی، جس کے بعد ان کا پیچھا کیا گیا اور کچھ افراد کو گرفتار کر لیا گیا، جبکہ دیگر فرار ہو کر مصر میں داخل ہو گئے، تحقیقات ہوئیں اور گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا، اور چونکہ دونوں فوجی اور ان کا اسلحہ ابھی تک لاپتہ تھے اور گرفتار شدگان میں سے کوئی بھی ان کا پتا نہیں جانتا تھا، اس لیے پورے غزہ پٹی پر کرفیو نافذ کر دیا گیا اور وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع ہو گئیں، حماس کی صفوں میں جو بھی فرد شک کے دائرے میں آتا تھا اسے گرفتار کر لیا

جاتا ، اور ظاہر ہے کہ ان گرفتاریوں میں میرے بھائی حسن اور میرے چچازاد ابراہیم بھی شامل تھے ، تحقیقات میں ان پر کچھ ثابت نہ ہوا تو انہیں تین ماہ کے لیے انتظامی حراست میں لے لیا گیا اور انہیں نقب کے صحرائی حراستی مرکز منتقل کر دیا گیا۔

کچھ دنوں بعد محمود کو بھی تین ماہ کی انتظامی حراست میں لے لیا گیا ، وہاں نقب میں اس کی ملاقات حسن اور ابراہیم سے ہوئی جن کے سروں نے آسمان کو چھو لیا تھا اور ان کے قدم زمین پر مضبوطی سے جمے ہوئے تھے، وہ محمود کی طرف دیکھ رہے تھے جو اکثر پوچھتا تھا کہ تمہارا مسلح مزاحمت میں کردار کہاں ہے؟ جیسے ہی انہیں بات کرنے کا موقع ملا، ابراہیم نے محمود سے کہا کہ اب ہمارا مسلح مزاحمت میں کردار شروع ہو رہا ہے، یہ شروعات ہیں اور جو کچھ بھی آگے ہوگا وہ خود ہی بولے گا ، محمود نے سرگوشی میں کہا : جلد، جلد..." حسن نے جواب دیا : اہم بات یہ نہیں ہے کہ کب، اہم بات یہ ہے کہ یہ شروعات ہیں اور اہم بات یہ ہے کہ آگے کیا ہوگا ، اب تمہاری باری ہے کہ تم بتاؤ کہ تمہارا فرض پورا کرنے میں کیا کردار ہے؟" محمود نے ہنستے ہوئے کہا : تم نے ابھی تک کچھ نہیں کیا اور ہم سے ہمارے کردار کے بارے میں پوچھتے ہو؟ ہمارا کردار تو گزشتہ تیس سالوں سے معروف ہے، ہم مسلح جدوجہد کے علمبردار ہیں، ہم ہی وہ ہیں جنہوں نے انقلاب کی ابتدا کی، اور ہم ہی وہ ہیں جنہوں نے ہزاروں کی تعداد میں فدائی حملے کیے ، ابراہیم نے بات کاٹتے ہوئے کہا : ہم آج کی نسل ہیں اور اہم بات یہ ہے کہ اب کون پرچم اٹھائے گا اور اس کی قیمت چکائے گا ؟ محمود نے جواب دیا : صحیح، صحیح، ہم دیکھیں گے، اور بہرحال، خوش آمدید، اب آپ مزاحمت کی خندق میں اپنی جگہ لے رہے ہیں، رضامندی اور احترام کے ساتھ۔

کچھ نوجوانوں نے ان کی گفتگو کو روکا اور ان کے پاس آکر سلام کیا، "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، انہوں نے سلام کا جواب دیا اور محمود نے رخصت لینے کی اجازت مانگی ، نوجوان کھڑے ہو کر اپنے تعارف کرانے لگے : میں ابراہیم ہوں، کیمپ الشاطی سے ، میں آپ کا بھائی یاسر ہوں، کیمپ خانیونس سے ، میں آپ کا بھائی

عماد ہوں، کیمپ جبالیا سے ، میں محمود ہوں، کیمپ البریج سے ، اور میں عز الدین ہوں، شجاعیہ سے ، وہ بیٹھ گئے اور اپنے بھائیوں کی جانب سے انجام دی گئی بہادری کی کارروائیوں کے بارے میں بات کرنے لگے، اور کیسے ان کارروائیوں نے قابضین کو مشکل مسائل کے سامنے لا کھڑا کیا ، فوجی جوان اپنی وردی میں اور اپنے ہتھیاروں کے ساتھ، جو ملک کی حفاظت اور نگرانی کرتے ہیں، اغوا ہو جاتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں، اور ریاست کے سیکورٹی ادارے، اپنی تمام تر کارروائیوں، طریقوں اور ظلم و ستم کے باوجود اس مسئلے کو حل کرنے میں ناکام رہتے ہیں ، پھر وہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ جہاد اور مسلح جدوجہد کے ذریعے جنگ کا دروازہ رسمی طور پر کھل گیا ہے اور ان شاء اللہ آنے والا کل ہمارے لیے روشن اور بھلائی سے بھرپور ہوگا ، تین مہینے تیزی سے گزر گئے اور حسن اور ابراہیم گھر واپس آگئے، اور چند دن بعد محمود بھی واپس آیا، حسب معمول اس خوشی کے موقع پر ہمسایوں اور خاندان والوں کی طرف سے مبارکباد اور جشن منایا گیا،اسی دوران عراقی افواج نے کویت پر حملہ کر دیا اور امریکی اور مغربی افواج خطرے میں عراق کے خلاف جنگ کے لیے جمع ہونے لگیں ، انتفاضہ کی سرگرمیاں بہت حد تک کم ہو گئی اور سب منتظر تھے کہ آنے والے دنوں میں کیا ہونے والا ہے ، فلسطینیوں کی اکثریت اس امید میں تھی کہ صدام حسین اپنی وعدے کے مطابق آدھی اسرائیل کو مٹا دے گا اور باوجود اس کے کہ عراقی عوام کی مغربی جنگی مشینری سے ہونے والی تکالیف پر ترس آتا تھا، ہم سب بے صبری سے اس جنگ کے آغاز کا انتظار کر رہے تھے تاکہ دیکھ سکیں کہ میزائل کیسے اس ظالم اور جارح ریاست کو تباہ کرتے ہیں ، اسرائیلی عوام اور قیادت کی اس جنگ سے خوف اور وحشت نے اس تڑپ کو مزید بڑھا دیا تھا، خاص طور پر جب کیمیائی ہتھیاروں کے بارے میں بات کی جاتی تھی جن کا عراق کے پاس ہونے کا دعویٰ کیا جاتا تھا۔

سب لوگ اعصاب شکن حالت میں خبریں سن رہے تھے، جب اعلان ہوا کہ عراق پر حملہ شروع ہو چکا ہے ، سب آسمان کی طرف دیکھنے لگے تاکہ عراق سے آنے والی کیمیائی میزائل کو دیکھ سکیں جو اس ظالم ریاست کو

مٹا دیں گی ، جب اسرائیل میں پہلی بار خطرے کے سائرن بجے اور لوگ گیس ماسک پہننے اور پناہ گاہوں میں چھپنے لگے، تو مختلف علاقوں میں لوگ نعرے لگانے لگے : "بالروح بالدم نفدیک یا صدام... یا صدام یا حبیب اضرب اضرب تل أبیب ، جس نے تل ابیب کو نشانہ بنایا، وہ اس مظلوم قوم کا محبوب بن گیا جو دہائیوں سے مصیبتیں جھیل رہی ہے۔

معلن نے ہنگامی حالت کے خاتمے کا اعلان کیا، اور کہا کہ زیادہ تر علاقوں کے باشندے ماسک اتار سکتے ہیں اور پناہ گاہوں سے باہر آ سکتے ہیں، اور میزائل ایک مخصوص علاقے میں گر رہے ہیں، جن کی جانچ کی جا رہی ہے کہ آیا وہ کیمیائی مواد لے کر آ رہے ہیں یا نہیں؟ ہمارے اوپر ایک خوفناک خاموشی چھا گئی جب ہم اس تاریک رات میں نتائج کا انتظار کر رہے تھے ، کچھ وقت کے بعد اعلان کیا گیا کہ یہ عام دھماکہ خیز مواد تھا اور کوئی کیمیائی ہتھیار نہیں تھا اور علاقے کے باشندوں سے ماسک اتارنے کا کہا گیا ، ہم یوں محسوس کر رہے تھے جیسے ہم پر برفانی پانی ڈال دیا گیا ہو اور خاموشی چھا گئی، جسے محمود نے توڑا اور کہا شاید یہ ایک چال ہو ، تاکہ وہ مطمئن ہو جائیں اور ماسک نہ پہنیں، پھر اچانک زبردست حملہ ہو ، ہم نے جواب دیا، ان شاءاللہ ، ان شاءاللہ حسن نے بے پناہ اعتماد کے ساتھ کہا : لوگو، صدام کے پاس کیمیائی ہتھیار نہیں ہیں، اگر ہوتے تو وہ اسرائیل پر حملہ کرتا، اور اگر کرتا بھی تو اسرائیل کو مٹا نہیں سکتا ، محمود نے غصے سے جواب دیا : اور یہ منفی خیالات کہاں سے آتے ہیں ؟ حسن نے اعتماد کے ساتھ جواب دیا : کیونکہ جو اسرائیل کو مٹائے گا، اس میں مخصوص صفات ہونی چاہیے ، جو کہ موجود نہیں ہیں..." محمود نے غصے میں کہا : بھائی، مجھے نہیں معلوم یہ خیالات اور باتیں کہاں سے آتی ہیں ، ابراہیم نے مداخلت کرتے ہوئے کہا : بہرحال، ان شاء اللہ اُس کے پاس کیمیائی ہتھیار ہوں اور وہ اُن پر حملہ کرے، ابھی بھی وقت ہے، اور ابھی کچھ کہنا جلد بازی ہوگی ، جنگ کے جاری رہنے اور اسرائیل پر عراقی میزائلوں کے گرنے کے ساتھ ہی لوگوں کی خوشی عروج پر تھی ، صحیح ہے کہ اسرائیل زمین سے نہیں مٹایا گیا، لیکن پہلی بار اس کے اندرونی علاقوں پر حملہ ہوا، اور سب اپنے پناہ

گاہوں میں چوہوں کی طرح گھس کے یا ماسک پہن لیے جو انہیں مار رہے تھے اور کچھ تو صرف الارم کی آواز سن کر ہی مر گئے ، یہ سب کچھ کافی تھا کہ لوگ باہر نکل آئیں اور صرف میزائلوں کو صیہونی ریاست کی طرف جاتا ہوا دیکھیں، لوگ نعرے لگاتے، خوشی مناتے اور گاتے تھے، حالانکہ نتیجہ بہت سے لوگوں کے لیے تقریباً معلوم تھا، پھر بھی جب جنگ اپنے انجام کو پہنچی تو بڑی مایوسی ہوئی ، جنگ کے نتائج سے پیدا ہونے والی ناامیدی اور مایوسی نے پہلے سے مشتعل لوگوں کو اور بھڑکا دیا، اور شاید اس خوف کی تصویر جس نے صیہونی ریاست کی گہرائیوں کو ہلا دیا تھا، لوگوں کو اس دشمن کی کمزوری پر یقین دلایا ، جنگ کے خاتمے کے بعد، انتفاضہ کے واقعات اور سرگرمیاں زیادہ شدت اختیار کر گئی اور یہ واضح ہو گیا کہ علاقوں میں سرگرم قوتوں کے وسیع حلقوں میں قابض افواج کے خلاف ہتھیار استعمال کرنے کا رجحان بڑھ گیا ہے، خاص طور پر ، انتفاضہ کے آغاز سے لے کر اب تک شہیدوں کی تعداد میں بڑا اضافہ ہوا ہے، اور زخمیوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے ، مگر علاقے مکمل طور پر ہتھیاروں سے خالی تھے، کیونکہ غزہ اور مغربی کنارے پر تقریباً دو دہائیوں سے جاری قبضے کے دوران، قبضہ کرنے والی طاقت نے منصوبہ بند طریقے سے ان علاقوں کو ہتھیاروں اور گولہ بارود سے خالی کیا، اور ہر اُس دروازے کو بند کیا جہاں سے یہ لائے جا سکتے تھے، اور اس کام میں ملوث ہر شخص کو سخت سزائیں دی ، لوگوں کو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ اگر انہیں ہتھیار مل بھی جائیں تو انہیں کیسے استعمال کرنا ہے ، اسی لیے کارکنان نے چاقو، خنجر، کلہاڑی اور تلواروں کے ساتھ ساتھ ڈنڈوں کا استعمال شروع کیا ، بہت کم ہی دیکھنے کو ملتا تھا کہ کوئی پستول یا پرانی کارلوستاف بندوق ہو۔

میری ماں نے محمود ، حسن اور ابراہیم کی کسی بھی ممنوعہ اشیاء کی تلاشی کے لیے اپنی تفتیشی مہمات کبھی نہیں روکی تھی ، جو وہ چھپانے میں ناکام رہتے تھے یا ان سے گر جاتی تھی ، ایک دن جب وہ ابراہیم کے کمرے کی تلاشی لے رہی تھی ، تو اس نے دراز کھینچا اور اس کی تلاشی لی، لیکن کچھ نہیں ملا ، دراز واپس رکھتے وقت اس کے دماغ میں آیا کہ اسے مکمل باہر نکالے، اس نے دراز کو مکمل باہر نکالا اور اندر سے ایک چھوٹا کارٹن کا

ڈبہ چپکا ہوا دیکھا ، اس نے ڈبہ کھولا اور اس میں ایک پستول پایا ، وہ تقریباً بے ہوش ہوگئی، لیکن اس نے خود کو سنبھالا، اور اپنے ارادے مضبوط کرتے ہوئے پستول کو چھپا دیا تاکہ مریم اسے نہ دیکھ سکے ، ابراہیم گھر پر نہیں تھا، لہٰذا اس نے اس کی بیوی سے میدان میں تفتیش شروع کی کہ اس کا شوہر اپنی چیزیں کہاں چھپاتا ہے؟ کہاں کہاں اور کیسے؟ اور مریم کچھ نہیں جانتی تھی اور میری ماں کے ساتھ اس کے برتاؤ پر حیران تھی ، جب ابراہیم گھر واپس آیا تو اس نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی اور بالکل معمول کے مطابق برتاؤ کیا ، شام کو ہمیں مریم پر چیخنے کی آواز آئی، لیکن ہم یہ نہیں سمجھ پائے کہ کیا ہو رہا ہے ، مگر جب اس نے یہ سنا تو وہ دوڑتی ہوئی اوپر کی منزل کی طرف گئی ، جب وہ ان کے پاس پہنچی تو دونوں جھگڑ رہے تھے ، مریم نے پلٹ کر چیختے ہوئے کہا: مجھے نہیں معلوم یہاں کیا ہو رہا ہے ، صبح ماں مجھ سے کچھ پوچھ رہی تھی جس کا مجھے علم نہیں اور شام کو شوہر مجھ سے کچھ پوچھ رہا ہے جس کا مجھے علم نہیں، اور میں بالکل بے خبر ہوں جیسے دلہن کی بارات میں کوئی بہرا آدمی ہو۔

کیا میں جان سکتی ہوں میری کمرے میں کیا ہو رہا ہے؟ وہ روتے ہوئے پھٹ پڑی ، اس کا رونا وہ بوجھ تھا جو ابراہیم کے دل سے اتار دیا گیا کیونکہ اس نے ماں کی توجہ کا بڑا حصہ مریم کو راضی کرنے اور تسلی دینے میں لگا دیا ، ابراہیم جان گیا کہ وہ (ماں) ہی تھی جس نے اس کا چھپایا ہوا سامان ڈھونڈ لیا تھا ، وہ خاموش رہا اور ماں کے بولنے کا انتظار کرنے لگا ، ماں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تمہیں ملک چھوڑ کر باہر چلے جانا چاہیے؟ میرا دل مجھے ہمیشہ یہی کہتا رہا ہے کہ تم اپنے آپ کو، اپنی بیوی اور بچی کو جہنم میں دھکیل دو گے ! ابراہیم مسکراتے ہوئے بولا، اے ماں ! لگتا ہے کہ اب مجھے وہ کہنا پڑے گا جو میں نے سالوں تک نہ کہنے کی کوشش کی ، سنو ! تم بھی سنو مریم، اور چونکہ میں دروازے پر پہنچ چکا تھا، اس نے مجھے بھی آواز دی، 'احمد تم بھی سنو : میں نے اپنا راستہ چن لیا ہے اور یہ آج کی بات نہیں ہے بلکہ سالوں پرانی بات ہے ، میں نے اس دن سے اپنا راستہ چن لیا تھا جب میں نے سنا کہ میرا بھائی 'حسن' ایک

یہودی عورت سے شادی کر کے تل ابیب میں رہتا ہے ، میں نے اپنا راستہ جہاد اور مزاحمت چن لیا اور اسی پر چلتا رہا اور چلتا رہوں گا ، مجھے اس سے کوئی چیز نہیں روک سکتی ، اسی لیے میں نے اسلامی یونیورسٹی میں پڑھنے کا فیصلہ کیا، کسی اور یونیورسٹی میں نہیں ، اسی دن محمود مجھ سے ناراض ہوا تھا اور میں نے غزہ میں تعمیراتی کام کرنے کا انتخاب کیا، سعودی عرب یا کویت میں نوکری کرنے کے بجائے، اور میری ماں مجھ سے ناراض ہوئی تھی ، میں نے اپنا راستہ چن لیا ہے اور میں اس سے پیچھے نہیں ہٹوں گا ، اللہ گواہ ہے کہ میں تم سب سے محبت کرتا ہوں، اور میں تم سب سے دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبت کرتا ہوں، لیکن اگر تم نے مجھے میرے راستے پر چلنے سے روکا تو میں تم سب سے، یہاں تک کہ مریم اور اسراء سے بھی محبت ترک کر دوں گا اور تم سب کو چھوڑ دوں گا تاکہ میں اپنے راستے پر چل سکوں اور اپنا فرض نبھا سکوں ، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور اسراء کے چھوٹے بستر سے اس کے رونے کی آواز آ رہی تھی، اور مریم اور میری ماں کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے ، میں خود کو روک نہ سکا اور میرے گالوں پر گرم گرم آنسو بہنے لگے ، میری ماں نے اپنے آنسو روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: تم آزاد ہو ابراہیم ! اور تمہیں جو کرنا ہے اسے کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا ، اللہ تمہاری حفاظت کرے، اللہ تمہاری حفاظت کرے ، پھر ماں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کے ساتھ سیڑھیاں اتری اور اسے اس کا پستول ایک کپڑے میں لپیٹ کر دے دیا۔

الخلیل شہر کے ایک گھر میں ہنگامی کمیٹی کا اجلاس ہو رہا تھا جس کی سربراہی جمال کر رہا تھا ، اور اس کے دائیں طرف عبد الرحمن بیٹھے تھے جہاں وہ شہر اور آس پاس کے دیہاتوں میں انتفاضہ اور مقابلوں کو بڑھانے کی منصوبہ بندی اور ترتیب دے رہے تھے ، وہ دو سمتوں میں کام کرنے پر متفق ہوتے ہیں : پہلا انتفاضہ کی سرگرمیوں اور واقعات کے ونگ کو فعال کرنا اور دوسرا مسلح گروپوں اور سیلز کی تشکیل اور ان کے لیے ہتھیار جمع کرنے کا آغاز کرنا۔

ایک موجود شخص تین نوجوانوں سے ملنے جاتا ہے تاکہ انہیں مسلح جدوجہد کی تشکیل کا اعلان کرے اور کہے

کہ انہیں ہتھیاروں کی تلاش، چھپنے کی جگہوں اور پناہ گاہوں کی تیاری شروع کرنی ہوگی اور اس میدان میں کام کرنے کے لیے تیار لوگوں کے نام تجویز کرنے ہوں گے ، اسی وقت درجنوں کارکنان مختلف سمتوں میں حرکت کر رہے ہیں، افراد اور حمایتیوں کو منشورات تقسیم کرنے، دیواروں پر نعرے لکھنے، سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کرنے، اور قابض فوجیوں اور بستیوں کے باشندوں کی حرکت میں رکاوٹ ڈالنے، اور انہیں پتھراؤ کے لیے مناسب جگہوں پر لانے کے لیے تحریک دے رہے ہیں تاکہ نوجوان انہیں آسانی سے گھیر سکیں، پیچھے ہٹ سکیں اور چالیں چل سکیں۔

عبد الرحیم جو اپنی جوانی کے آغاز میں تھا، اپنے دو دوستوں سے صوریف کے قصبے کی مسجد میں ملتا ہے، وہ کل کے قصبے میں ہونے والی سرگرمیوں کی ترتیب دے رہے ہوتے ہیں ، صبح کی روشنی سے پہلے وہ قصبے کے گھروں اور دکانوں میں منشورات تقسیم کرنے نکلتے ہیں، دیواروں پر نعرے لکھتے ہیں، پھر رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اور ٹائر جلاتے ہیں کیونکہ آج ہڑتال کا دن ہے جیسا کہ مزاحمتی بیان میں اعلان کیا گیا ہے، اور وہ یہ سب کر رہے ہیں حالیکہ وہ نقاب پوش ہیں ، ایک دن ان کے پیچھے ان کا ایک ساتھی دوڑتا ہوا آیا تاکہ وہ آئیں اور دیکھیں کہ کیا ہو رہا ہے ؟ انہوں نے پوچھا: کیا ہو رہا ہے؟ اس نے کہا: آؤ دیکھو! انہوں نے دیکھا کہ جو نعرے لکھے تھے، وہ مٹ چکے ہیں اور حماس کا نام مٹا ہوا ہے اور اس کے نیچے لکھا ہوا ہے "مخبروں سے بچو، حماس غاصب کے لیے مخبر ہے ، انہوں نے پوچھا: یہ کون کر رہا ہے؟ اس نے کہا: آؤ پیچھے دوڑو ،انہوں نے دیکھا کہ الجبهة اليسارية کے تین نوجوان یہ کر رہے ہیں ، انہوں نے ہاتھا پائی کی اور اس خوف سے کہ ان کا راز فاش نہ ہو جائے، انہوں نے اپنے ساتھ لاٹھیاں اور کلہاڑیاں لیں اور اپنے نشانے کی طرف نکل گئے ، انہوں نے ان کو وہاں پایا، ہر ایک کو کئی تھپڑ مارے اور تینوں بھاگ گئے ، انہوں نے ان کا پیچھا کیا اور ان کی گلیوں تک پہنچ گئے اور گلی کو محاصرے میں لے لیا ، بڑے بوڑھوں نے آکر نوجوانوں کو صلح کرائی اس شرط پر کہ ان کے بیٹے دوبارہ ایسا نہ کریں۔

صوریف گاؤں سے روزانہ دو بسیں نکلتی تھیں جو صفائی، باغبانی، مرمت اور دیگر کاموں کے لیے القدس بلدیہ میں کام کرنے والے مزدوروں سے بھری ہوتی تھی ، یہ بسیں اسرائیلی تھیں ، نوجوانوں نے انہیں اپنا ہدف بنایا ، صبح انہوں نے گھات لگائی اور ان کے پہنچتے ہی ان پر پتھراؤ کیا، جس سے ان کے شیشے ٹوٹ گئے اور انہیں مزدوروں کے بغیر واپس جانا پڑا۔

جب یہ کئی دن تک ہوتا رہا اور القدس بلدیہ کے پاس ان مزدوروں کے بغیر کوئی چارہ نہ رہا، تو دو فوجی جیپیں ان کی حفاظت کے لیے آنے لگی ، ایک سامنے اور ایک پیچھے ،اس سے نوجوانوں کے لیے فوجیوں پر حملہ کرنے کا موقع اور بھی مل گیا ، اسی طرح روزانہ صبح چھ بجے سے مقابلے شروع ہو جاتے اور کبھی کبھار گھنٹوں تک جاری رہتے ، آخرکار ، ایسا لگتا تھا کہ اسرائیلی کمپنی نے جس کے پاس بسیں تھی ، جب ان کی دو بسیں جلا دی گئی تو اپنا کام جاری رکھنے سے انکار کر دیا ، پھر ایک عرب کمپنی سے دو بسیں کرائے پر لی گئی اور پتھراؤ جاری رہا، اس لیے فوجی حفاظت کا انتظام کرنا پڑا کیونکہ بلدیہ کو مزدوروں کی ضرورت تھی اور مقابلے جاری رہے ، کبھی کبھار جب عبد الرحیم اور اس کے ساتھی اس سے مطمئن نہ ہوتے، تو وہ بیت شیمش جانے والی شاہراہ پر چلے جاتے ، جہاں وہ اسرائیلی گاڑیوں پر پتھراؤ کرتے، ان کے شیشے توڑ دیتے اور سڑک پر ٹریفک کو معطل کر دیتے ، قابض فوج آتی، وہ ان پر پتھراؤ کرتے اور پہاڑوں میں بھاگ جاتے جنہیں وہ اپنے گھروں کی طرح جانتے تھے اور باقی دن وہیں کھیلتے اور دوڑتے رہتے۔

مقابلے بڑھتے جا رہے تھے، سرگرمیاں تیز ہو رہی تھیں ، شہداء کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اور زخمیوں کی تعداد ہر تصور سے زیادہ تھی، قبضہ کرنے والا باز نہیں آ رہا تھا اور دنیا خاموش تھی ، ایک مظاہرے کے دوران جو مسجد الاقصی میں ہوا، قابض افواج مظاہرین پر بھاری مشین گنوں کا استعمال کرتے ہوئے حملہ کیا اور ہیلی کاپٹروں کی مدد سے درجنوں شہداء اور سینکڑوں زخمی ہوئے ، ردِ عمل کے خوف سے علاقوں میں کرفیو نافذ کر دیا گیا ، کرفیو کے دوران ایک نوجوان لڑکے کے دل میں انتقام لینے کا عزم ہوتا ہے ، وہ اپنی

چھری کو تیز کرتا ہے اور انتظار کرتا ہے ، کرفیو ہٹتے ہی پہلے دن وہ اپنی چھری کو کھانے کے سامان میں چھپا کر بس میں سوار ہوتا ہے جیسے وہ کام پر جانے کے لیے یروشلم جا رہا ہو ، وہ اپنے کام کی جگہ سے دور اترتا ہے تاکہ مناسب ہدف تلاش کر سکے ، اس کے قدم اسے ایک کنیسہ کی طرف لے جاتے ہیں جس میں کچھ یہودی عبادت گزار ہوتے ہیں ، اس کے ذہن میں پہلی بار خیال آتا ہے کہ الاقصیٰ کے قتل عام کا جواب یہاں مناسب ہوگا، لیکن وہ اس خیال سے پیچھے ہٹ جاتا ہے کیونکہ وہ عبادت گاہ میں داخل ہو کر عبادت گزاروں کو قتل کرنے والا نہیں ہے۔

وہ آگے بڑھتا ہے اور ایک آدمی کو دیکھتا ہے، اپنی چھری نکال کر اس پر کئی وار کرتا ہے، آدمی مر جاتا ہے ، وہ آگے بڑھتا ہے اور ایک فوجی خاتون کو دیکھتا ہے جو فوجی وردی میں ہوتی ہے، اس پر بھی کئی وار کرتا ہے اور وہ بھی مر جاتی ہے ، لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور شور مچاتے ہیں، ایک خصوصی فورس کا فوجی اپنے ہتھیار کے ساتھ اس کے سامنے آتا ہے اور پستول اس کے چہرے پر تان کر رکنے اور چھری پھینکنے کا حکم دیتا ہے، لیکن وہ اس کی طرف بڑھتا رہتا ہے ، فوجی کے ہاتھ کانپتے ہیں اور وہ دونوں ہاتھوں سے گن کو پکڑتا ہے، کانپتے ہاتھوں کے ساتھ گولی چلاتا ہے جو اس کی ٹانگوں میں لگتی ہے ، عامر کے پیروں میں تین تین گولیاں لگتی ہیں اور خون بہتا ہے، لیکن وہ آگے بڑھتا رہتا ہے ، فوجی کا ہتھیار اور وردی بھی اس کے قدموں کو سنبھالنے کے قابل نہیں رہتے، اور وہ گر جاتا ہے عامر کے لیے دو یا تین قدم باقی ہوتے ہیں، وہ اپنی ٹانگوں کو جیسے زمین میں گڑے ہوئے ہو، دھکیلتا ہے اور آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ناکام رہتا ہے ، فوجی کانپتا ہے اور جب عامر کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکے گا، وہ اپنے وزن کو آگے کی طرف گراتا ہے اور فوجی کو ایک وار، دوسرا وار اور تیسرا وار کرتا ہے، فوجی مر جاتا ہے، اور عامر کو سر بلند کر کے گرفتار کر لیا جاتا ہے۔

دو نوجوان جو کہ اپنی بیس کی دہائی کے آغاز میں ہیں، مسجد الخیم میں ابراہیم کو تلاش کرتے ہیں ، وہ مسجد

کے ایک کونے میں اس کے ساتھ بیٹھ کر کچھ وقت بات چیت کرتے ہیں، پھر صبح سویرے اس سے رخصت ہوتے ہیں ، ابراہیم اپنی گاڑی میں ان کا انتظار کر رہا ہوتا ہے تاکہ انہیں کام پر جانے والی گاڑیوں کے اسٹینڈ تک لے جائے ، وہ ہر ایک کو کھانے کا ایک تھیلا دیتا ہے اور انہیں نصیحت کرتا ہے کہ احتیاط سے رہیں ، نوجوان ایک دوسری گاڑی میں سوار ہوتے ہیں جو 1948 میں قبضہ کی گئی زمینوں کے اندر کام کرنے والے مزدوروں کو لے جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ یافا پہنچتے ہیں ، وہ ورکشاپ کے دروازے پر پہنچ کر مالک اور دوسرے مزدوروں کا انتظار کرتے ہیں ، ایک شخص آتا ہے اور دروازہ کھولتا ہے، وہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے اندر جاتے ہیں اور اپنے چاقو نکال کر اسے مارنے لگتے ہیں ، جب دوسرے مزدور آتے ہیں ، تو اسے بھی قتل کر دیتے ہیں ، جب مالک آتا ہے، تو اسے بھی قتل کر دیتے ہیں ، وہ جگہ سے نکلنے کا فیصلہ کرتے ہیں، لیکن اس سے پہلے ان میں سے ایک دیوار پر سپرے پینٹ سے "حماس کی سالگرہ کے موقع پر اور ہمارے بہادر شہداء کی روحوں کے نام" لکھتا ہے، اور پھر وہاں سے چلے جاتے ہیں۔

ایک اور نوجوان اپنے ایک چچا زاد سے رابطہ کرتا ہے جو یہودیوں کی گاڑیاں چوری کرتا ہے اور انہیں پرزوں میں تقسیم کر کے بیچتا ہے ، وہ صبح فجر کی نماز کے بعد اس سے ایک بڑی اور بھاری گاڑی لیتا ہے اور تل ابیب کے علاقے میں تل ہاشومیر ہسپتال کے سامنے لے جاتا ہے ، وہاں ایک بس اسٹاپ پر بہت سے فوجی کھڑے ہوتے ہیں ، وہ گاڑی کی رفتار بڑھاتا ہے اور اسے اسٹاپ کی طرف موڑ دیتا ہے، جس سے تین فوجی ہلاک اور درجنوں زخمی ہوتے ہیں ، یہ واقعات بار بار ہوتے رہتے ہیں۔

ایک نوجوان نے چاقو سے حملہ کر کے بس سٹیشن پر بیٹھے ہوئے کئی لوگوں کو قتل کر دیا جس میں چار افراد مارے گئے ، دوسرے نے اسکول سے باہر نکلتے ہوئے طلباء پر کلہاڑی سے حملہ کر دیا جس میں ایک شخص ہلاک اور کئی زخمی ہوئے ، تیسرا اور چوتھا... درجنوں واقعات نے سیاستدانوں اور اسرائیلی فوجی حکام کو 'چاقو کی جنگ' کے بارے میں بات کرنے پر مجبور کر دیا اور ان کے معاشرے میں خوف و ہراس پھیل گیا ، ان

میں سے چند افراد نے دشمن کے رہائشی علاقوں میں جنگ کو منتقل کرنے میں کامیابی حاصل کی اور ان کے افراد کو ہلاک کیا، نہ کہ صرف وہ شہیدوں کی تعداد بڑھاتے رہے بلکہ دنیا کے ضمیر کے جاگنے کا انتظار کررہے تھے ، جو خود گندگی میں ڈوبا ہوا ہے ، ہتھیار حاصل کرنے کی جستجو ختم نہیں ہوئی اور یہ بہت سے لوگوں کے لیے ایک جنون بن گیا۔

ایک نوجوان نے ابراہیم کو اطلاع دی کہ ان کے علاقے میں ایک مخبر ہے جس کے پاس ہتھیار ہے، اور وہ روزانہ مقررہ وقت پر اسے لے کر آتا جاتا ہے ، اس نے تجویز دی کہ اسے سفید ہتھیاروں سے حملہ کر کے قتل کیا جائے اور اس کا ہتھیار چھین لیا جائے ، اس نے وضاحت کی کہ اسے گھات لگا کر مارا جا سکتا ہے اور وہ ایسا کر سکتا ہے اور نوجوان اس کے لیے تیار ہیں ، ابراہیم نے اسے انتظار کرنے کو کہا تاکہ وہ اس کے لیے ایک پستول کا انتظام کرے کیونکہ دوسری ٹیم نے ایک پستول لے لیا تھا تاکہ کسی آپریشن کو انجام دے سکے ، سات نوجوان سفید ہتھیاروں سے مسلح ہو کر چہرے ڈھانپ کر اس مخبر کے گزرنے والے راستے پر گھات لگا کر بیٹھ گئے ، اس کی گاڑی کے راستے میں ایک گاڑی کھڑی کر دی گئی جیسے ہی وہ رکی، ان میں سے چند نے اس پر چاقو سے حملہ کر دیا ، اسے زخمی کر دیا لیکن وہ جلدی سے اپنی ایک ہاتھ سے 'عوزی' بندوق نکال کر نوجوانوں پر گولیاں چلانا شروع کر دیتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے گاڑی کو پاگلوں کی طرح چلاتا ہے، گاڑی موڑ کر حملہ آوروں سے دور لے جاتا ہے ، ایک نوجوان شہید ہو جاتا ہے اور "عماد"، جس سے ابراہیم کی ملاقات 'نقب' جیل میں ہوئی تھی، ابراہیم کے پاس واپس جا کر اسے ساری بات بتاتا ہے ، اس کی آنکھ سے آنسو گرتے ہیں اور وہ قسم کھاتا ہے کہ وہ رات کو نہیں سوئے گا جب تک کہ وہ ان کے لیے ایک ہتھیار نہ لائے ، وہ اپنی گاڑی میں بیٹھتا ہے اور رفح کے لیے روانہ ہوتا ہے، جہاں وہ ایک نوجوان سے ملتا ہے اور اس سے ایک اور شخص کے بارے میں پوچھتا ہے ، وہ تیسرا شخص اسے انتظار کرنے کو کہتا ہے اور ایک گھنٹے بعد ایک بوری میں لپٹی ہوئی چیز کے ساتھ واپس آتا ہے ، وہ اسے گاڑی میں رکھتا ہے اور جب بوری کھولتا ہے تو

ایک کلاشنکوف رائفل ملتی ہے ، وہ اسے ماتھے پر چومتا ہے اور واپس روانہ ہوتا ہے جہاں عماد اس کا انتظار کر رہا ہوتا ہے ، وہ اسے بوری دیتے ہوئے کہتا ہے : اب آپ محفوظ طریقے سے کام کر سکتے ہیں ، عماد اسے لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس روانہ ہو جاتا ہے، جو اسے ایک سنسان علاقے میں لے جاتے ہیں تاکہ اس کی جانچ کر سکیں اور اس کا استعمال سیکھ سکیں، کیونکہ یہ پہلی بار ہے کہ وہ بندوق پکڑتے ہیں ، وہ کوشش کرتے ہیں اور دوبارہ کوشش کرتے ہیں لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوتا ، عماد ابراہیم کے پاس واپس آتا ہے اور شکایت کرتا ہے کہ بندوق ٹھیک نہیں ہے ، ابراہیم بندوق لے کر ایک ایسے نوجوان کے پاس جاتا ہے جو اسلحے کے بارے میں جانتا ہے اور تجربہ رکھتا ہے ، نوجوان بندوق کو ایک بار اور دوبارہ چیک کرتا ہے اور اسے کھولتا ہے، پھر ابراہیم سے کہتا ہے : یہ درست ہے کہ بندوق خراب ہے کیونکہ اس کی سوئی ٹوٹی ہوئی ہے اور اسے نئی سوئی کی ضرورت ہے ، ابراہیم پوچھتا ہے : اور ہم اسے سوئی کہاں سے لائیں ، نوجوان جواب دیتا ہے : آپ کو ایک خراطے کی ورکشاپ اور برادہ کی ضرورت ہے، تاکہ ایک نئی بنا سکیں ، ابراہیم اس کا شکریہ ادا کرتا ہے اور روانہ ہو جاتا ہے ، کیونکہ حل آسان ہے ، "حسن" کی ایک ورکشاپ ہے جو یہ کام کر سکتی ہے ،وہ حسن کو ورکشاپ لے جاتا ہے، بندوق کو چھپا کر اور اس کا مطلوبہ حصہ لے کر کافی محنت اور کوشش کے بعد ایک متبادل سوئی تیار کی جاتی ہے، اسے آزمائش کے لیے لے جایا جاتا ہے، اور ثابت ہوتا ہے کہ یہ اب بھی مکمل طور پر مناسب نہیں ہے ، وقت کافی دیر ہو چکا تھا، اور دوبارہ ورکشاپ جانا شک پیدا کر سکتا تھا اور مسائل کھڑے کر سکتا تھا، لہذا اگلے دن کا انتظار کریں۔

اگلے دن دوبارہ کوشش کی جاتی ہے، آزمائش کی جاتی ہے، اور ترمیم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ، اس طرح ورکشاپ سے تجرباتی مقام تک کئی مرتبہ آنا جانا ہوتا ہے، یہاں تک کہ یہ مناسب ہو جاتی ہے ، ایک نیا مسئلہ سامنے آتا ہے، موجودہ گولیاں تربیت یا کسی کارروائی کے لیے ناکافی ہیں، اور یہ واحد بندوق ہے جو کئی گروپوں میں مختلف علاقوں میں گردش کر رہی ہے ، ابراہیم کے پاس موجود واحد پستول کے ساتھ دو نوجوان

نکلتے ہیں، ایک پیجو (404) گاڑی چلاتا ہے جو علاقے میں عام ہے، اور دوسرا اس کے ساتھ بیٹھتا ہے ، وہ غزہ کے وسطی علاقے میں مغرب کی جانب دیر البلح کے مدخل کے قریب، جہاں کفار داروم نامی بستی ہے، ایک بڑے آبادکار کی گاڑی کو دیکھتے ہیں جو بستی کے زرعی علاقے کا معائنہ کر رہی ہوتی ہے ، وہ ایک اشارے پر رک جاتی ہے، اور وہ اس کے قریب پہنچ جاتے ہیں ، تقریباً تیس سینٹی میٹر کے فاصلے سے، اس کا ساتھی اس کے سر پر ایک گولی مارتا ہے، جو فوراً ہلاک ہو جاتا ہے، اور گاڑی روانہ ہو جاتی ہے اور دوسری طرف درجنوں فوجی جیپیں علاقے کا محاصرہ کر رہی ہوتی ہیں ، انہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ مجرم ان کے درمیان سے چند لمحے پہلے ہی گزر چکے ہیں۔۔!!

ابراہیم اور دوسرے لوگ کسی بھی ایسی خبر کی تلاش میں ہیں جس سے پتہ چلے کہ کسی کے پاس کوئی ہتھیار ہے یا کبھی تھا، چاہے وہ کتنا ہی پرانا کیوں نہ ہو ، انہیں خبر ملتی ہے کہ ایک بوڑھے شخص کے پاس ایک کارلوگستاف رائفل تھی اور اس نے اسے اسرائیلی قبضے کے دنوں سے چھپایا ہوا ہے ، وہ اس کے پاس جاتے ہیں، اس کی منتیں کرتے ہیں، اور ابراہیم اس کے سر اور ہاتھ چومتا ہے، اسے کوئی بھی رقم دینے کی پیشکش کرتا ہے، مگر وہ شخص انکار کر دیتا ہے کہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔

وہ لوگ وہاں سے جانے لگتے ہیں تو وہ شخص انہیں واپس بلاتا ہے، ان کے ساتھ ایک قریبی باغیچے میں جاتا ہے، ایک درخت کے نیچے زمین کھودتا ہے، اور ایک سیمنٹ کے پائپ کو نکالتا ہے جو مٹی سے بھرا ہوا ہے ، وہ مٹی کو خالی کرتا ہے، اور اس میں سے ایک چیز نکالتا ہے جو پلاسٹک میں لپٹی ہوئی ہے ، وہ پلاسٹک کو پھاڑتا ہے، اس کے نیچے کپڑے کی بوری ہے، وہ بوری اٹھاتا ہے، اس کے نیچے ایک کپڑا ہے، وہ کپڑا اٹھاتا ہے، اس کے نیچے ایک بندوق لپٹی ہوئی ہے جو لمبے کپڑے کے ساتھ بندھی ہوئی ہے، اور اس پر زنگ یا نمی سے بچاؤ کے لیے چربی لگی ہوئی ہے ، اس کے باوجود جب وہ سب کچھ ہٹاتا ہے تو زنگ نے اس پر اثر ڈالنا شروع کر دیا تھا، مگر وہ ابھی بھی اچھی حالت میں ہے... بلکہ بہترین حالت میں ہے ، ابراہیم جو تنگ آ چکا ہوتا ہے کہتا

ہے : "آپ اس کا کیا معاوضہ چاہتے ہیں؟ بابا ! آپ کتنی رقم مانگتے ہیں ؟ ، بوڑھے کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں اور وہ کہتا ہے : اس کی قیمت بہت زیادہ ہے ،ابراہیم پوچھتا ہے "کتنی قیمت ہے ؟ بوڑھا شخص کہتا ہے: کہ اسے خدا کے نام پر قبضے کے خلاف استعمال کیا جائے کیونکہ اسے چھپانے اور انٹیلی جنس کو نہ دینے کی قیمت میں نے کئی مہینے تحقیق میں گزارے ہیں اور سال جیل میں ، ابراہیم اس کے سر کو چومتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ خدا کے حکم سے ایسا ہی کریں گے، اور اس سے دعا کی درخواست کرتے ہیں، اور روانہ ہو جاتے ہیں اور بوڑھا شخص آسمان کی طرف دیکھتا ہے ، خدا ان کی مدد کرے اور ان کے نشانے کو درست کرے۔

ایک اور نیا مرحلہ شروع ہوتا ہے گولہ بارود کی تلاش کا، ایک شخص سے دوسرے شخص تک، جو تیسرے شخص کو پہنچاتا ہے، پھر چوتھے تک، پانچویں تک، چھٹے شخص کے پاس چند گولیاں ملتی ہیں جو دس سے زیادہ نہیں ہوتی ، ایک شخص سے دوسرے شخص تک، تیسرے چوتھے تک، پانچ گولیاں ملتی ہیں، اور اس طرح ایک اور ڈیڑھ میگزین بھرنے کے لیے گولیاں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔

پھر ایک نیا مرحلہ شروع ہوتا ہے اسلحہ کے استعمال کے ماہر کی تلاش کا ، یہ مرحلہ ایک نوجوان پر ختم ہوتا ہے جو حال ہی میں بیرون ملک سے تعلیم حاصل کر کے آیا تھا اور اس دوران اس نے ایک فوجی تربیتی کورس لیا تھا ، اس نے تربیت دینے اور حصہ لینے کے لیے اپنی رضامندی ظاہر کی ، ابراہیم کے ساتھ اس نے اگلے دن عمر مختار سٹریٹ پر نامعلوم سپاہی کے یادگار کے پاس ملاقات طے کی ، ابراہیم اسے وہاں سے لے کر ایک باغیچے میں لے جاتا ہے جہاں چار نوجوان تربیت کے انتظار میں ہوتے ہیں ، وہ انہیں فائرنگ کی مختلف پوزیشنز اور دیگر متعلقہ باتیں سمجھاتا ہے۔

عماد کارلوگستاف تھامے ہوئے تھا، اسے اپنے ہاتھوں میں گھما رہا تھا اور خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا ، ایک نوجوان آگے بڑھا تاکہ لیموں کے درخت کے تنے پر نشان لگا سکے، جس پر نشانہ لگانا تھا ، عماد نے بندوق کو

لوڈ کیا اور نشانہ لگایا، لیکن کئی گولیاں اس کے ہاتھ سے نکل کر قریب سے گزرتی گئی جو کچھ کی موت کا سبب بن سکتے تھی اس واقعے سے ماحول میں انتشار اور تناؤ پیدا ہوا، لیکن کچھ وقت بعد سکون بحال ہوا اور کچھ نے مزید احتیاط کے ساتھ تربیت جاری رکھی ، ہر ایک کو صرف ایک گولی چلانے کی اجازت تھی کیونکہ گولیاں محدود تھی ، اور کئی گولیاں ضائع ہو چکی تھی ، لیکن کوئی بات نہیں، عملی تربیت میدان میں ہوگی ، اب ایک گروپ چاقوؤں کے ساتھ نکلے گا اور ایک کے پاس ہنگامی حالات کے لیے ایک رائفل ہوگی، جس سے معاملات میں ایک بڑی تبدیلی آئے گی ۔

کئی نوجوان ایک ہی گروپ سے ناخن کاٹنے والی قینچیوں سے ماچس کی تیلیوں کے سروں کو کاٹ رہے تھے اور انہیں ایک ڈبے میں جمع کر رہے تھے ، ایک اور نوجوان ایک نئی دھاتی ڈبیا تیار کر رہا تھا، لیکن وہ اسے آری سے لمبائی اور چوڑائی میں کاٹ رہا تھا تاکہ اس کی مضبوطی کو کم کر سکے اور اسے ٹکڑوں اور چھوٹے حصوں میں تبدیل کر سکے جو دھماکے کے وقت آسانی سے بکھر جائیں ، وہ اس ڈبے کو ماچس کی تیلیوں کے سروں سے بھر رہے تھے اور اس میں ٹنگسٹن کی تار ڈال رہے تھے جو ایک بجلی کے بلب سے نکالی گئی تھی، جس کا شیشہ احتیاط سے توڑا گیا تھا ، اس کے دونوں سرے باہر نکال کر اس ڈبے کو بند کر دیا گیا تھا اور ایک تار کے ساتھ جوڑا گیا تھا۔

فائدہ : ٹنگسٹن کی تار (Tungsten Filament) عام طور پر بلبوں اور دیگر برقی آلات میں استعمال ہوتی ہے ، ٹنگسٹن ایک دھات ہے جو اپنی مضبوطی اور زیادہ درجہ حرارت پر پگھلنے کی خصوصیات کے لئے مشہور ہے ، اس کی تار کو بلب کے اندر استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ یہ زیادہ درجہ حرارت پر بھی نہیں پگھلتی اور روشنی پیدا کرنے کے لیے کافی گرم ہو سکتی ہے ، جب بلب میں برقی رو گزرتی ہے، تو ٹنگسٹن کی تار گرم ہو جاتی ہے اور سفید روشنی پیدا کرتی ہے ، یہ عمل "فلامنٹ" کہلاتا ہے اور یہ بلب کے روشن ہونے کا بنیادی اصول ہے ، ٹنگسٹن کی یہ خصوصیات اسے بلب اور دیگر برقی آلات کے لئے ایک بہترین انتخاب بناتی ہیں۔

..... باقی نوجوان کچھ ٹائروں کو جلا رہے تھے اور دھماکہ خیز مواد کے مقام سے چند میٹر دور بیریئرز لگا رہے تھے ، جب گشتی گاڑی پہنچی، انہیں پتھر مارنے اور ٹکرانے لگے ، گاڑی سے ان پر گولیاں چلنے لگیں اور وہ پیچھے ہٹنے لگے ، جب گشتی گاڑی دھماکہ خیز مواد کے مقام تک پہنچی، عماد نے تاروں کو بیٹری کے قطبوں سے جوڑا ، ایک زوردار دھماکہ ہوا، گاڑھا دھواں اٹھا اور سپاہیوں کی چیخ و پکار بلند ہوئی ، نوجوان علاقے سے نکل گئے جب کہ بڑی تعداد میں کمک اور ایمبولینس زخمیوں کو لے جانے کے لیے پہنچ گئی جن کی چیخیں اور کراہیں بلند ہو رہی تھیں ۔

تیئیسویں فصل

ابراہیم اور مریم کی بیٹی اسراء کو دنیا میں دیکھنے کے اول چند لمحات کے بعد، میں نے دیکھا کہ میری ماں اسے خاص محبت دیتی ہے اور دیکھ بھال کرتی ہے، جو کہ محمود اور حسن کے بچوں سے کہیں زیادہ تھی ، مجھے سمجھ نہیں آیا کہ اس خاص محبت کی وجہ کیا ہے، شاید یہ ابراہیم کے لیے خاص عاطفت تھی جب سے اسے ماں کی گود میں تربیت کے لیے ڈال دیا گیا تھا تاکہ وہ اس کی ہماری طرح پرورش سکے ، اسی طرح اس بات نے بھی محبت میں اضافہ کیا کہ وہ اس کی بیٹی کی بیٹی ہے ، گویاکہ اس نے دوسرے پوتے پوتیوں سے زیادہ محبت حاصل کی ، ، گویاکہ اسراء دو محبتوں کا حقدار بنی، ایک اپنے بیٹے کی اولاد ہونے کی وجہ سے، اور دوسری اپنی بیٹی کی اولاد ہونے کی وجہ سے ، سچ کہوں تو اگر مجھے ابراہیم کے لیے خاص محبت اور احترام نہ ہوتا، اور یقین نہ ہوتا کہ وہ اس محبت کے مستحق ہیں، تو میں ماں کی اس حب و حرص پر حسد کرتا، حالانکہ وہ میری طرح اس کا اپنا بیٹا نہیں تھا ، وہ اکثر اسے اپنی بانہوں میں لے لیتی، اسے ہلاتی اور کھیلتی، اور وہ لوریاں گاتی جو عورتیں بچوں کے پالنے کو ہلاتے وقت گاتی ہیں ، تاکہ وہ سو جائیں یا رونا بند کر دیں ، وہ اکثر یہ لوری گاتی تھی ...

هاتي منديلي يا واقفة على الباب... هاتي منديلي ، لا رجع عابلادي يا واقفة على الباب... لا رجع عابلادي

واشوف حبابی یا واقف علی الباب... واشوف حبابی

اور وہ اسی وزن اور غنائیت پر ارتجال کرتی رہتی تھی ، لیکن ابراہیم کے ساتھ ہونے والے واقعے کے بعد اس نے اپنی لوری میں "مندیلی " کو " بارودی " سے بدل دیا ، وہ ہمیشہ یہ گنگناتی رہتی تھی ۔

'ھاتی البارودی یا واقفة علی الباب... ھاتی البارودی ، احرر بلادی یا واقفة علی الباب... احرر بلادی

یا عز احبابی یا واقفة علی الباب... یا عز احبابی

مجھے اپنی ماں کے نغمے بہت پسند تھے، اور میں محسوس کرتا تھا کہ وہ ان کے ذریعے اپنے اور ہمارے سب کے خواب اور امیدیں بیان کرتی ہیں ، میں اکثر دوسری منزل پہ کوئی بہانہ بنا کر چلا جاتا، ، اور اسراء کو ان کے پاس لے آتا تاکہ وہ گانا شروع کریں اور میں سنتا رہوں، اور الفاظ میرے روح کو چھوتے، اور میں کسی کام میں مصروف ہونے کا دکھاوا کرتا یا کوئی کتاب پڑھتا۔

ابراہیم چند نوجوانوں کے ساتھ بیٹھا تھا، جن میں عماد بھی شامل تھا، اور وہ شجاعیہ کے مشرق میں سبزیوں کی پیکنگ اور پھلوں کی پیکنگ کے ایک کارخانے پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے ، وہاں درجنوں عرب مزدور یہودی مالکان کے تحت کام کر رہے تھے، جو امان اور سکون محسوس کر رہے تھے۔

نوجوان سفید رنگ کی پیجو (504) کار میں سوار ہو کر روانہ ہوئے، ان میں سے ایک کے پاس کارلوستاف رائفل تھی جس کے میگزین میں چند گولیاں تھی ، اور دو کے پاس کمانڈو چھریاں تھی ، جبکہ چوتھا کار چلا رہا تھا جو انہیں شجاعیہ کی طرف لے جا رہی تھی ، شجاعیہ سے آگے بڑھ کر وہ ایک فیکٹری کے دروازے تک پہنچے، جہاں اندر ایک بڑی جگہ تھی، جو مزدوروں اور سامان سے بھری ہوئی تھی ، گاڑی نے جگہ پر دھاوا بول دیا اور اچانک رک گئی، جہاں سے تینوں چھلانگ لگاتے ہوئے نکلے، ایک نے رائفل نکال کر عرب مزدوروں کو کھڑا ہونے اور مداخلت نہ کرنے کا حکم دیا اور ان پر چیخنے لگا تاکہ وہ اس کی بات مانیں ، دو دوسرے یہودیوں پر چھریوں سے حملہ آور ہو گئے، ان کی چیخ و پکار اور رحم کی طلب سنائی دینے لگی ، مشن دو یا تین منٹ میں

مکمل ہو گیا، وہ اپنی گاڑی میں سوار ہو کر تیزی سے روانہ ہو گئے ، تھوڑی دیر بعد بڑی تعداد میں فوجی دستے علاقے کی تلاشی لینے اور موجود لوگوں سے تفتیش کے لیے پہنچے، اور کچھ گھنٹوں بعد ایک بیان جاری ہوا جس میں کہا گیا کہ یہ کارروائی نئے اسرائیلی چیف آف اسٹاف "یہود باراک" کو عہدہ سنبھالنے کی خوشی میں تحفہ ہے۔

چند دن بعد ابراہیم کو نئی معلومات ملی کہ ایک یہودی شمالی غزہ کے زرعی علاقے سے سبزیاں لینے آتا ہے ، اس بات کی تصدیق کے بعد وہی گروپ اسے نشانہ بنانے کے لیے مکمل ہتھیاوں کارلوستاف رائفل اور پستول کے ساتھ نکلتا ہے، وہ اس کے آنے کا انتظار کرتے ہیں، وہ سڑک پر رک کر کسانوں کا انتظار کرتا ہے تاکہ ان کی پیداوار ارزاں قیمت پر خرید سکے ، ایک نوجوان اس کے پاس جا کر اس کا نام کُوہین پکارتا ہے، وہ کمزور عربی میں کہتا ہے : " ہاں " تو اس کے سر میں تین گولیاں مار کر اس کا خاتمہ کر دیا جاتا ہے ، نوجوان گاڑی میں سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہو جاتا ہے، اور کچھ دور جانے کے بعد، راستے میں درجنوں فوجی گاڑیاں ان کے مخالف سمت میں دوڑتی ہوئی نظر آتی ہیں، جو حادثے کی جگہ کی طرف جا رہی ہوتی ہیں ، ایسی ہی ایک اور واقعہ اور ایک چوتھا واقعہ، اور خبریں ملک کے زخمی حصوں میں پھیلتی ہیں، تو ہجوم کتائب عزالدین کو سلام پیش کرتے ہوئے چیختا ہے۔

دشمن کے قائدین جنون میں مبتلا ہو کر جمع ہوتے ہیں، کیونکہ وہ جانوں کے بھاری نقصان کا سامنا کر رہے ہیں اور یہ چیز انہیں دیوانہ بنا دیتی ہے ، ہر ایک اپنے نیچے والے پر چیختا ہے کہ ان لوگوں کو پکڑنا یا قتل کرنا ضروری ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اسے روکنا ہوگا ، علاقے کی نوعیت اور تصادم کی نوعیت کی وجہ سے، اس کی تمام تر ذمہ داری انٹیلی جنس ایجنسی پر عائد ہوتی ہے، جسے ان نوجوانوں کی تلاش اس عوام کے درمیان اس طرح کرنی ہوگی جیسے سوئی کو بھوسے کے ڈھیر میں تلاش کرنا ہو ، وہ اپنی ایجنٹوں کو کسی بھی معلومات جمع کرنے کے لیے متحرک اور ہدایت کرتے ہیں جو ان تک پہنچنے کا ایک سرا فراہم کر سکے۔

دسیوں فوجی گاڑیاں بھری ہوئی فوجیوں کے ساتھ تیزی سے زمین کو روندتے ہوئے غزہ شہر کے صبرا محلے میں پہنچتی ہیں، ایک گھر کا محاصرہ کرتی ہیں، علاقے کے لوگوں کو نکال دیتی ہیں، اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے گھر میں موجود لوگوں کو فوراً باہر نکلنے کا حکم دیتی ہیں، اور ایک ہیلی کاپٹر اوپر محو پرواز ہوتا ہے، گھر کے اندر تین نوجوان، جو فوج کے مطلوب ہیں، ایک کمرے میں چھپے ہوئے ہیں، اور باقی گھر میں ایک فلسطینی خاندان اپنی روزمرہ کی زندگی گزار رہا ہے، گھر کا مالک دوڑتا ہوا ان کے پاس آتا ہے اور پوچھتا ہے: کیا کرنا چاہیے ؟ ایک نوجوان نے جواب دیتا ہے : آپ لوگ گھر سے باہر نکل جائیں، ہم معاملات سنبھال لیں گے ، آدمی چیختا ہے اور کہتا ہے کہ ہم کیسے نکلیں جب کہ آپ لوگ یہاں ہیں؟ تینوں نوجوان مسکرائے، ایک نے کہا: ہمارے بارے میں فکرمند نہ ہوں ، اور ہر ایک نے ہاتھ میں ایک دستی بم پکڑا ہوا تھا جو انہوں نے پائپوں سے بنایا تھا اور ماچس کی تیلیوں کے سروں سے بھرا تھا، اور ایک کے ہاتھ میں پستول بھی تھا، آپ لوگ باہر نکل جائیں تاکہ بچوں اور عورتوں کو نقصان نہ ہو ، ہم معاملات سنبھال لیں گے ، انہوں نے آدمی کو کمرے سے دھکیلنا شروع کر دیا، تو وہ باہر نکل گیا اور اپنے بچوں اور گھر والوں کو باہر نکال دیا، اس کی زبان پر "اللھم لا حول ولا قوۃ إلا باللہ" کے الفاظ تھے، پھر وہ "وجعلنا من بين أيديهم سداً ومن خلفهم سداً فأغشيناهم فهم لا يبصرون" پڑھنے لگا ، وہ لوگ گھر سے باہر نکلے تو فوجیوں نے انہیں پکڑ لیا، ان کے چہرے پر بندوقیں تان لیں ، بڑوں کو تفتیش کے لیے نزدیک لے گئے اور بچوں کو ایک اور جگہ پر روک لیا، گھر کے اندر نوجوانوں نے اپنی پوزیشنیں سنبھال لیں، ایک نے پستول پکڑا ہوا تھا اور باقی دونوں نے ہاتھ میں ماچس کے بم اور لائٹر پکڑ رکھے تھے، حملے کا انتظار کر رہے تھے ، باہر درجنوں ہتھیاروں سے لیس فوجی گھر پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے ، انہوں نے زبردستی دروازہ کھولا، اور پہلے فوجی اندر داخل ہوئے، تو ایک نوجوان نے اپنا بم جلایا اور گھر کے دروازے پر پھینک دیا، جو زور سے پھٹ گیا، فوجیوں کی چیخیں بلند ہوئی ، اور جو بغیر چوٹ کے بچ گئے، پیچھے ہٹ گئے، اور زخمیوں کی چیخیں بڑھتی رہی ، پھر دوبارہ حملہ کیا، شدید

فائرنگ کے درمیان زخمی کو باہر نکال لیا، اور شدید فائرنگ کے تحت دوبارہ گھر میں داخل ہوئے ، پھر فائرنگ رک گئی، اور ایک واحد گولی کی آواز آئی، وہ پستول کی گولی تھی، جس نے ایک فوجی کو ہلاک کر دیا، اس پر درجنوں بندوقوں نے فائرنگ شروع کر دی، دوسرا بم پھینک دیا گیا، جو پھٹ گیا، چیخیں بلند ہوئیں اور پھر گولیوں کی آواز بلند ہوئی ، کچھ دیر بعد فوجی باہر نکلے، اپنے زخمیوں کو اٹھائے ہوئے، پھر شہداء کو نکالا، اور گھر کے مالک کو گرفتار کر لیا۔

اس وقت کے بعد پیجو (۵۰۴) سفید گاڑی تیزی سے اسرائیلی پولیس ہیڈکوارٹر کے مدخل سے روانہ ہوئی، جہاں سے ایک بم پھینکا گیا اور کارلوستاف رائفل سے گولیوں کی بوچھاڑ کی گئی، اور پستول سے چند گولیاں چلائیں گئی ، گارڈز کے چیخنے چلانے کی آوازیں بلند ہوئی ، پھر ان گاڑیوں کے پیچھے گولیاں برسنے لگی جو کہ وہاں سے روانہ ہو رہی تھیں ۔

قابض انٹیلی جنس اور افواج نے مجاہدین کی پکڑ دھکڑ میں اپنی سرگرمیوں کو تیز کر دیا، اور ایک اور مہم میں قتل و غارت گری کی کامیابی حاصل کی جس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بڑی حد تک ایک جامع انٹیلی جنس سرگرمی پر مبنی تھی، جس کا زیادہ تر بوجھ جاسوسوں پر تھا ،ان سب لوگوں کی جو کہ مشکوک تھے کہ ان کا تعلق اس کام اور اس کے عاملین سے ہو سکتا ہے، یا جو ان کی مدد کرنے کے میں مشکوک تھے ، بہت سی گرفتاریاں بھی ہوئیں ، آپ دیکھتے ہیں کہ قابض افواج کی بڑی بڑی تعداد کسی محلے کو گھیرے ہوئے ہیں تاکہ کسی گھر پر چھاپہ مار سکیں، جہاں کچھ مجاہدین چھپے ہوئے ہیں، یا کوئی خاص دستہ گلیوں یا باغات میں گھات لگا کر بیٹھا ہے، تاکہ ان میں سے کسی مجاہد کو قتل کر سکیں ، واضح ہوگیا تھا کہ اسلحے کی کمی کی وجہ سے اور دوسری طرف قابض افواج کی تنگی اور پیچھا کرنے کی وجہ سے صورتحال اسی طرح نہیں چل سکتی تھی ۔

ایک ملاقات میں جس میں ابراہیم اور کچھ مجاہدین شامل تھے، ایک نے تجویز دی کہ جو بھی جاسکتا ہے ، وہ سرحد پار کرکے مصر چلا جائے، کیونکہ ملک میں رہنا خودکشی کے مترادف ہے ، ابراہیم اور زیادہ تر موجود

لوگوں نے اس تجویز کی مخالفت کی کہ وہ مقبوضہ زمین چھوڑ دیں ، مزید دباؤ کے بعد ابراہیم نے تجویز دی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ مغربی کنارے جائیں، وہاں وہ اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکتے ہیں، آرام کر سکتے ہیں اور پھر دوبارہ غزہ واپس آ سکتے ہیں ، وہاں اسلحے کی تلاش بھی کی جا سکتی ہے، شاید وہاں اسلحہ غزہ کی نسبت زیادہ دستیاب ہو ، کچھ لوگوں کے مصر جانے کے اصرار پر یہ طے پایا کہ جو جانے کا خواہشمند ہے وہ جا سکتا ہے اگر راستے آسان ہوں ، کچھ مجاہدین کے لیے جعلی شناختی کارڈ تیار کیے گئے جنہیں وہ غزہ سے مغربی کنارے جانے کے لیے استعمال کرتے تھے ، آٹھ معروف اور قابض افواج کے مطلوب افراد رام اللہ کے علاقے میں پہنچ گئے ، وہاں یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلباء نے ان کی مدد کی ، انہوں نے خود کو ان یونیورسٹیوں کے طلباء ظاہر کر کے اپارٹمنٹ کرائے پر لیے تاکہ ان کا وہاں رہنا شک و شبہ پیدا نہ کرے ، دوسرے لوگ بھی سرحد پار مصر جانے کی کوشش میں لگے رہے، جہاں انہیں ۱۹۴۸ سے زیر قبضہ علاقے میں اسمگل کیا جاتا تھا اور وہاں سے ایک بدو انہیں رہنمائی کرتا تھا اور مشرق کی طرف صحرائے نقب میں لے جاتا تھا ، جہاں مصر کی سرحد پر سخت سیکیورٹی موجود ہے وہاں وہ انہیں مصر میں اسمگل کرتا ، کچھ لوگوں نے مصر میں داخل ہونے میں کامیابی حاصل کی، جہاں مصری سیکیورٹی فورسز نے انہیں گرفتار کیا اور جیل میں ڈال دیا ، کچھ وقت کے بعد انہیں اس شرط پر رہا کر دیا گیا کہ وہ مصر چھوڑ دیں، اور وہ سوڈان چلے گئے۔

جو لوگ مغربی کنارے میں پہنچے، انہوں نے وہاں کے طلبا کی مدد سے مجاہدین سے رابطہ کرنے کی کوشش کی ، عماد، بشار، اور محمد نے الخلیل یونیورسٹی کے کچھ مشہور طلبا سے ملاقات کی، جو جمال، عبد الرحمن یوسف، یعقوب، اور عابد کے درسی حلقوں میں بیٹھتے تھے ، یہ لوگ جنوبی مغربی کنارے میں مسلح جدوجہد کی تیاری کر رہے تھے ، عماد نے پہلے ہی ملاقات میں پوچھا: کیا یہاں ہتھیار موجود ہیں؟ نوجوانوں نے مسکراتے ہوئے کہا: ہتھیار کا انتظام کرنا مشکل نہیں ہے ، عماد نے زور دے کر کہا: تو ہمیں فوراً چاہیے ، ایک نے ہنستے ہوئے کہا: آرام سے، آرام سے، تم غزہ والوں کا خون گرم ہوتا ہے ۔

کیمپوں کے نوجوان رام اللہ یا الخلیل کی سڑکوں پر گھومتے ہوئے حیران ہوتے تھے کہ یہاں پتھر کے شاندار مکانات ہیں، جیسے کہ محل ، ایک نے کہا: اللہ اکبر، اس محل کو سجانے والے پتھر ہمارے کیمپ کو چھ ماہ تک کھانا فراہم کر سکتے ہیں ، یعقوب ہنستے ہوئے کہتا ہے : یہاں کے لوگ بہت اچھی حالت میں ہیں، اور اقتصادی حالات بہترین ہیں۔

ایک سیاہ مرسڈیز (۱۹۹۲/ماڈل) گزرتی ہے، عماد اس کی طرف دیکھتا ہے اور اس کے ڈرائیور کو نہیں دیکھ پاتا کیونکہ وہ ایک چھوٹا لڑکا ہے، جو اسٹیئرنگ کے پیچھے چھپا ہوا ہے ، عماد پوچھتا ہے : اس کے والد اسے اکیلا گاڑی چلانے کی اجازت کیسے دے سکتے ہیں؟ یعقوب مسکراتے ہوئے کہتا ہے : یہ اس کے والد کی نہیں، بلکہ اس کی اپنی گاڑی ہے ، عماد کہتا ہے : اللہ اکبر، اس گاڑی کی قیمت سے ہم دس کلاشنکوف بندوقیں خرید سکتے ہیں اور دنیا کو الٹ سکتے ہیں ، یعقوب کہتا ہے : یہاں درجنوں کروڑ پتی ہیں، جنہیں اپنی دولت کا حساب بھی نہیں معلوم ، عماد کہتا ہے : کاش ہم ان میں سے کسی ایک سے کچھ پیسے لے کر ہتھیار خرید سکتے ، یعقوب ہنستا ہے : تمہاری سوچ ہر وقت ہتھیار خریدنے کی ہوتی ہے ، عماد جواب دیتا ہے : تمہیں نہیں معلوم کہ ہمارے بھائیوں کے ساتھ کیا ہوا ، جب قابض فوج نے ان پر حملہ کیا، ان کے پاس ہتھیار نہیں تھے تاکہ اپنی حفاظت کر سکیں ، اللہ کی قسم اگر ان کے پاس ایک رائفل ہوتی تو وہ مرنے سے پہلے درجنوں کو مار سکتے تھے۔

حرم ابراہیمی شریف کے دروازوں پر چند دنوں بعد دو قابض فوجی کھڑے ہوتے ہیں جو وہاں کے مقام اور آنے والے آبادکاروں کی حفاظت کر رہے ہوتے ہیں ، عماد اور یعقوب ہر ایک کے ہاتھ میں آٹومیٹک رائفل ہوتی ہے، وہ دونوں فوجیوں پر فائرنگ کرتے ہیں اور انہیں مار دیتے ہیں، پھر خاموشی سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں ، فوجی کمک آتی ہے اور شہر پر کئی دنوں تک کرفیو نافذ کر دیا جاتا ہے۔

کچھ وقت بعد چند نوجوان اپنی گاڑی میں سوار ہوتے ہیں جن میں عماد بھی شامل ہوتا ہے اور ان کے پاس کچھ

بندوقیں ہوتی ہیں جو انہوں نے کچھ ہتھیاروں کے دلالوں سے خریدی ہوتی ہیں جو تاجروں اور یہودی فوجیوں سے خریدتے ہیں ، وہ کسی آبادکار یا فوجی کی گاڑی کی تلاش میں شہر سے باہر جانے والے ایک راستے پر نکلتے ہیں، تاکہ اس پر فائرنگ کی جا سکے ، اچانک ایک فوجی جیپ ان کے مخالف سمت میں آتی ہے ، گاڑی کا ڈرائیور مڑ کر اس کے پیچھے جاتا ہے، جیپ شہر میں داخل ہوتی ہے اور وہ اس کے پیچھے جاتے ہیں ، پھر وہ تیزی سے جیپ کے پیچھے چلتے ہیں، اور جب وہ اس کے برابر آتے ہیں تو تین بندوقوں کی فائرنگ سے جیپ میں موجود فوجیوں کو مار دیتے ہیں۔

ایک اور موقع پر وہ ایک فوجی افسر کی گاڑی کو دیکھتے ہیں، اس پر فائرنگ کرتے ہیں جس سے وہ سڑک کے کنارے الٹ جاتی ہے، اور اس میں موجود فوجی مارے جاتے ہیں یا زخمی ہو جاتے ہیں۔

کئی سالوں کی گہری نیند کے بعد الخلیل شہر میں آگ بھڑک اٹھتی ہے اور قابض فوجیوں کے لیے ایک کانٹا بن جاتی ہے ، شہر میں عشوائی گرفتاریوں کی مہمات شروع ہو جاتی ہیں اور نوجوانوں کو جیلوں اور حراستی مراکز میں دھکیل دیا جاتا ہے ، عماد اور اس کے چند دوسرے ساتھی جو قابض فوجیوں کے لیے نامعلوم ہیں، غزہ واپس آجاتے ہیں لیکن ان کے پاس ایک آٹومیٹک رائفل اور کئی گولیاں ہوتی ہیں ، پھر ایک اور نوجوان الخلیل واپس جاتا ہے اور ایک اور بندوق لے کر آتا ہے ، اب غزہ میں حقیقی مزاحمت شروع کی جا سکتی ہے ، ابراہیم نوجوانوں کو اسرائیلی اہداف کی نگرانی کے لیے بھیجتا ہے اور اسے اطلاع ملتی ہے کہ ایک فوجی جیپ مشرقی الشجاعیہ کے عام راستے پر گشت کر رہی ہے، جس پر ہزاروں مزدور اندرون ملک کام کرنے جاتے ہیں ، گشت کرنے والی جیپ فجر کی اذان سے پہلے اس راستے پر چلتی ہے ، جیپ میں تین فوجی ہوتے ہیں، ایک ڈرائیور، دوسرا بھاری مشین گن کے پیچھے بیٹھا ہوتا ہے، اور تیسرا ایک طاقتور ٹارچ کے پیچھے بیٹھا ہوتا ہے جو مزدوروں اور ڈرائیوروں کی آنکھوں پر روشنی ڈال کر راستے اور کنارے کی تلاشی لیتا ہے ، ان کے پیچھے ایک سفید رنگ کی پیجو (404) کار چل رہی ہوتی ہے جس میں تین نوجوان ہوتے ہیں، ڈرائیور، عماد اور جمیل ،

دونوں کے ہاتھ میں آٹومیٹک رائفلیں ہوتی ہیں ، جب بیجو کار جیپ کے برابر آتی ہے تو دونوں بندوقوں کی فائرنگ سے تینوں فوجیوں کو مار دیا جاتا ہے اور ان کی جیپ سڑک کے کنارے سے ٹکرا جاتی ہے ، مجاہدین آسانی اور سکون سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے پہلے ہی اپنی واپسی کا راستہ بنا رکھا ہوتا ہے ، فوجیں آتی ہیں ، محاصرہ کیا جاتا ہے ،گرفتاریاں ہوتی ہیں ، تحقیقات کی جاجاتی ہیں اور اگلے دن دشمن کی صحافت ایسی بے مثال جراءت کے بارے میں بات کرتی ہے اور ان فوجیوں کے بارے میں لکھتی ہے جو غزہ میں تربیتی پتلے بنے بیٹھے ہیں۔

چند دنوں بعد مجاہدین ایک نئے ہدف کے لیے نکلے، ایک اسرائیلی بس جو رفح کے مصری سرحد سے واپسی پر مزدوروں کو لے جا رہی تھی، ان کے پاس سے گزرے اور اس پر گولیاں برسائیں، اور کچھ دن بعد ایک اور فوجی جیپ پر حملہ کیا، کرفیو نافذ کیا گیا، گرفتاریاں ہوئیں اور تحقیقات کی گئی ، لیکن بے سود، اور کرفیو اٹھنے کے بعد پہلی فرصت میں مجاہدین نے ایک ہدف پر نظر رکھی اور اس پر گولیاں چلا دیں ، اسرائیلی تجزیہ نگاروں نے کہنا شروع کر دیا کہ غزہ اسرائیل کے سر میں ایک سیاہ سوراخ بن چکا ہے، اور کچھ سیاستدانوں نے جراءت کر کے غزہ سے غیر مشروط انخلا، وہاں کی بستیوں کا خاتمہ، اور اس کے ارد گرد ایک دیوار بنانے کا مطالبہ کیا، اور اسے اس کے حال پر چھوڑنے کا کہا۔

مجاہدین اپنی گاڑی میں غزہ کے عمر مختار سٹریٹ پر جا رہے تھے، اور ایسا لگ رہا تھا کہ بارڈر گارڈز کی دو گاڑیاں ان کا پیچھا کر رہی ہیں ، عماد نے ڈرائیور سے کہا کہ سڑک سے مڑ کر وحدت سٹریٹ کی طرف چلے ، بارڈر گارڈز کی گاڑیاں الگ الگ ہو گئی ، ایک پیچھے رہی اور دوسری گھومنے چلی گئی ، واضح تھا کہ یہ ایک منصوبہ بند تعاقب ہے ، ڈرائیور گھبرا گیا اور گاڑی کے پہیے فٹ پاتھ سے ٹکرا گئے ، بارڈر گارڈز کی جیپ چند میٹر کے فاصلے پر رک گئی، اور اس میں سے دو فوجی بندوقیں تانے اترے اور گاڑی میں موجود لوگوں سے ہاتھ اٹھا کر باہر آنے کا حکم دینے لگے ، عماد اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا، اس نے فوراً بندوق نکالی اور گاڑی کے پچھلے

شیشے سے فوجیوں اور جیپ پر گولیاں برسانا شروع کر دیں، اور ساتھ بیٹھے دونوں ساتھی بھی فائرنگ کرنے لگے ، فائرنگ رکنے کے بعد ڈرائیور نے گاڑی دوبارہ چلائی، اور مجاہدین یقینی موت سے بچ نکلے۔

تین مجاہدین رات کی تاریکی میں اپنی بندوقیں ہاتھ میں لیے پہلے نرم اور ٹھنڈے ریت پر رینگتے ہوئے خان یونس کے شمال میں واقع مستوطنت (عتمی طال) کے قریب پہنچے، اور فجر سے پہلے ریت میں کھدائی شروع کر دی، تاروں کے نیچے سے رینگتے ہوئے، اور تاروں کے نیچے سے نکل کر زرعی گرین ہاؤسز میں چھپ گئے ، چند منٹ بعد ایک فوجی جیپ مستوطنت کی نگرانی کرتے ہوئے نمودار ہوئی، جس پر ایک بجلی کا بلب لگا ہوا تھا ، جونہی جیپ پہنچی اس پر گولیاں برسا دی گئی ، گاڑی چند میٹر آگے جا کر رک گئی، پھر نوجوان یہ یقین کرنے کے لیے کہ فوجیوں کا خاتمہ ہوگیا ہے، ان کی بندوقیں لے کر وہاں سے نکل گئے اور ان کی منتظر گاڑی میں سوار ہوگئے ، مقبوضہ یروشلم میں آس پاس کے قصبوں سے چار نوجوان ملتے ہیں، وہ ایک منفرد عمل کی منصوبہ بندی کرتے ہیں ، وہ اپنی گاڑیوں میں سوار ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ کچھ سفید ہتھیار اور رسیاں لے کر فجر سے پہلے مقبوضہ شہر لد کی طرف روانہ ہوتے ہیں ، سرحدی محافظوں کا ایک سپاہی اپنے گھر سے اپنی بیس کی طرف جا رہا ہوتا ہے، وہ سڑک کے کنارے چل رہا ہوتا ہے جب ڈرائیور گاڑی تیز کرتا ہے اور تھوڑا سا مڑ کر سپاہی کو گاڑی کے کنارے سے ٹکر مارتا ہے تو اس سے وہ زمین پر گر جاتا ہے ، وہ گاڑی روکتا ہے اور دوسرے اتر کر اسے گاڑی میں چھپا لیتے ہیں، گاڑی کو بند کر دیتے ہیں اور اپنی مشن کو مکمل کرنے کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں ، وہ بین الاقوامی ریڈ کراس کمیٹی کے دفتر میں ایک پیغام چھوڑتے ہیں جس میں اسرائیلی حکومت کے لیے ایک میڈیا بیان ہوتا ہے، جس میں انہیں شیخ احمد یاسین اور دیگر قیدیوں کی رہائی کے لئے چوبیس گھنٹے کا وقت دیا جاتا ہے، اور اس کے بدلے میں وہ سپاہی "نسیم طولیدانو" کو یورپی سفارت کاروں کی ضمانت پر آزاد کرنے کی شرط رکھتے ہیں۔

اسرائیلی وزیر اعظم اسحاق رابین اور ان کی فوج اور خفیہ ایجنسیوں کے سربراہان کا جنون سر پر چڑھ جاتا ہے،

اور ہزاروں سپاہی تلاش اور چھان بین کرنے اور ہر آنے جانے والے کو ہسٹیریائی طریقے سے چیک کرنے کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں ، جب چوبیس گھنٹے بغیر اسرائیلی حکومت کی طرف سے کوئی کارروائی کیے گزر جاتے ہیں، تو نوجوان سپاہی کو قتل کر دیتے ہیں اور اس کی لاش کو قریبی وادی میں پھینک دیتے ہیں تاکہ رابین کو سمجھ آ جائے کہ اگر وہ دھمکی دیں گے، تو وہ اسے عملی جامہ پہنائیں گے ، اسرائیلی حکومت ایک اجلاس کرتی ہے جس میں اعلی فوجی اور سیکیورٹی حکام شامل ہوتے ہیں تاکہ موجودہ خطرناک سیکیورٹی صورتحال پر بات چیت کی جائے، کیونکہ فدائی حملے بڑھتے جا رہے ہیں اور ان کے جانی نقصان روز بروز دوگنے ہو رہے ہیں ، وہ گفتگو کرتے ہیں، مشورے دیتے ہیں اور تجاویز پیش کرتے ہیں۔

رات کی تاریکی میں، مغربی کنارے اور غزہ پٹی کے ہر شہر، قصبے اور گاؤں میں، ہزاروں افسران اور خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار، اور دسیوں ہزار سپاہی، سینکڑوں گاڑیوں، کاروں اور بسوں کے ساتھ ایک وسیع پیمانے پر گرفتاری کی مہم چلاتے ہیں جس میں اسلامی تحریک حماس اور جہاد اسلامی کے تمام کارکنوں کو گرفتار کرتے ہیں ، چار سو پندرہ افراد کو اندھی آنکھوں اور بندھے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ بسوں میں لے جایا جاتا ہے اور بسیں انہیں شمال کی طرف مسلسل سفر کرتے ہوئے لبنانی سرحد تک لے جاتی ہیں ، وہاں انہیں لبنانی فوج کی ٹرکوں میں سوار کیا جاتا ہے اور دوبارہ جنوبی لبنان کے اندرونی علاقے میں لے جایا جاتا ہے، یہاں تک کہ حفاظتی پٹی تک پہنچتے ہیں ، انہیں سرحد پر اتارا جاتا ہے اور آگے بڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے، ورنہ ان پر گولیاں چلائی جائیں گی ، سب لوگ دوسری طرف رکتے ہیں اور فیصلہ کرتے ہیں کہ یہاں سے وہ اپنے گھروں کی طرف واپسی کے بغیر نہیں ہٹیں گے، کیونکہ انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ ایک اجتماعی جلاوطنی کی کارروائی ہے ، وہ وہاں سردی، بارش اور بھوک کے باوجود بیٹھے رہتے ہیں اور اپنی میڈیا اور سیاسی جنگ شروع کرتے ہیں، تاکہ اسرائیل پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ انہیں واپس بھیجے ، وقت گزرنے کے ساتھ، لبنان کے عوام، تنظیمیں، انجمنیں، جماعتیں اور افراد ان کی حمایت اور ضروریات فراہم کرنے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ وہ واپس

آ جائیں۔

میرا بھائی حسن ان میں شامل تھا ، وہ لوگ ابراہیم کو دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن وہ گھر پر نہیں تھا لہذا وہ دوری اور گرفتاری سے بچ گیا ، چند ہی دنوں میں مرج الزہور لبنان میں دور کیے جانے والوں کی خبر ہر فلسطینی کے گھر اور ہر مجلس میں موضوع بحث تھی ، فوراً ہی مجاہدین کی نئی خلیات فوری فدائی حملوں کے لیے تیار ہونے لگی ، تاکہ اسرائیلی حکومت اور فوجی قائدین کو اپنی منصوبہ بندی کی ناکامی کا ثبوت دیں، اور یہ کہ مجاہدین ابھی بھی وطن کی گلیوں کو بھرتے ہیں۔

عماد اور اس کے ساتھی مشرقی سڑک کی طرف نکلے، جہاں اسرائیلی فوجی گاڑیاں چل رہی تھی ، انہوں نے اپنی بندوقوں سے ایک اسرائیلی افسر پر گولی چلائی جو اپنی گاڑی میں سفر کر رہا تھا، اور گاڑی کو سڑک کے کنارے پر چھوڑ دیا ، پھر ایک اسرائیلی بس جو چند میٹر کے بعد رک گئی، انہوں نے ایک خالی بندوق کی میگزین پھینکی، جس میں رابین کے لیے ایک بیان رکھا تھا، جس میں مزید فدائی حملوں کی دھمکی دی گئی تھی، اور یہ یقین دہانی کروائی گئی تھی کہ ان کی حکمت عملی سے مزاحمت اور بھی بڑھ جائے گی۔

شمالی مغربی کنارے میں کچھ نوجوان جو قابض فوج نے گرفتار کرنے کی کوشش کی، وہ بھاگنے اور پہاڑوں میں چھپنے میں کامیاب ہو گئے ، وہ آپس میں جمع ہوئے اور اسلحہ تلاش کرنے لگے ، مشقت اور مشکلات کے بعد کچھ اسلحہ ملا اور انہوں نے ایک پہاڑی دشوار گزار راستے پر گھات لگائی، جہاں گاڑیاں رفتار کم کرنے پر مجبور ہوتی تھی ، برقین گاؤں کے قریب ایک فوجی گشتی گاڑی آئی، انہوں نے اس پر فائرنگ کی، گاڑی پہاڑی سلسلے سے ٹکرا گئی اور اس میں موجود فوجی مارے گئے ، مجاہدین بحفاظت واپس چلے گئے۔

نابلس میں ایک نگرانی کی چوکی جو ایک بلند عمارت کی چھت پر قبضہ کیے ہوئے تھی، اس کی طویل عرصے تک نگرانی کی گئی اور معلوم ہوا کہ گارڈز کی تبدیلی کا وقت کیا ہے ؟ تین جوان آتے تھے، تو تین جو چوکی میں

ہوتے وہ نیچے اترتے، اور نئے تین اوپر چڑھتے ، تین نوجوان ہتھیاروں اور چھریوں کے ساتھ عمارت میں چھپ گئے اور تبدیلی کا انتظار کرنے لگے ، نئی گشتی گاڑی آئی اور پرانے گارڈز نیچے اترے اور گاڑی میں سوار ہو گئے ، نئے تین جوان سیڑھیاں چڑھنے لگے، تو مجاہدین نے ان پر حملہ کیا اور انہیں مار کر ان کے ہتھیار لے لیے۔

وہ خصوصی دستہ جس نے گوندا طولیدانو کو اغوا کیا تھا، یروشلم سے اپنی گاڑی میں عوزی بندوق اور ایک پستول کے ساتھ نکلے اور آدھی رات کے بعد الخضیرہ کے قریب قابض علاقے میں داخل ہو گئے ، ایک اسرائیلی پولیس کی گاڑی نگرانی کے لیے سڑک کے کنارے کھڑی تھی ، مجاہدین کی گاڑی اس کے قریب پہنچی اور رک گئی، اور مجاہدین نے پولیس اہلکاروں پر گولی چلا دی، انہیں ہلاک کر کے ان کے پستول لے لیے اور سکون سے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

مجاہدین کے ہاتھوں میں کچھ ہتھیار آ گئے، مگر وہ بہت محدود اور مطلوبہ مقدار سے بہت کم تھے ، مجاہدین ہتھیار لانے کے لیے دنیا کے آخری کونے تک جانے کو تیار تھے اور کسی بھی قیمت پر انہیں خریدنے کو تیار تھے ، عماد کو پتہ چلا کہ ایک شخص کے پاس کلاشنکوف بندوق ہے، وہ کسی کو اس شخص سے بندوق خریدنے کے لیے بھیجتا ہے ، وہ شخص عماد کو جانتا تھا جو فلسطین میں جہاد اور مزاحمت کا نشان بن چکا تھا ، اس نے فوراً بندوق بیچنے پر رضامندی ظاہر کی ، واپس آ کر اس نے عماد کو بتایا کہ وہ شخص کلاشنکوف اس قیمت پر بیچنے کے لیے تیار ہے جس پر اس نے خود خریدی تھی، بغیر ایک پیسہ بھی زیادہ لیے ، قیمت تھی پانچ ہزار اردنی دینار ، اب فوراً یہ رقم اکٹھی کرنی تھی ، ابراہیم اپنی بیوی مریم کے پاس جا کر اس سے زیور ادھار لیتا ہے، اور اپنی تمام بچت جمع کرتا ہے ، دوسرے لوگ بھی رقم جمع کرتے ہیں اور اسے اس شخص کے حوالے کر دیتے ہیں جو بندوق خریدنے گیا تھا ، وہ بندوق لے کر واپس آتا ہے، اور مجاہدین اسے ایک دوسرے کے بعد گلے لگاتے ہیں جیسے وہ ان سب کی محبوبہ ہو ،کچھ دن بعد عماد ایک آدمی سے ملتا ہے جو اپنی ایک فدائی کارروائی سے

واپس آ رہا ہوتا ہے اور جب قابض افواج اس کا اور اس کے ساتھیوں کا تعاقب کر رہی ہوتی ہے تو وہ انہیں اپنے گھر پناہ دیتا ہے ، گفتگو کے دوران بندوق کلاشنکوف کو دیکھ کر وہ شخص عماد کو پہچان لیتا ہے اور انہیں بتاتا ہے کہ اس نے ہی وہ بندوق بیچی تھی ، بات چیت کے دوران عماد کو پتہ چلتا ہے کہ یا تو وہ شخص جو بندوق بیچنے میں واسطہ بنا تھا، اس نے مجاہدین سے ایک ہزار پانچ سو دینار لوٹ لیے ہیں، یا پھر وہ شخص جو بندوق بیچ رہا تھا جھوٹا ہے ، فوراً اس نے اپنے ایک معاون کو واسطہ لے کر آنے کے لیے بھیجا ، اس نے واسطے کو ایک کمرے میں بلایا اور ہاتھ میں چھڑی ہلاتے ہوئے پوچھا : تم نے بندوق کے لیے کتنے پیسے دیے؟ واسطہ جواب دینے میں ہچکچاتا ہے ، عماد نے زور سے پوچھا : کتنے دیے؟ واسطے نے جواب نہ دیا تو عماد نے چھڑی سے اسے مارا ، واسطے نے کہا : تین ہزار پانچ سو دینار ، عماد نے پوچھا : باقی رقم کہاں گئی ؟ واسطے نے کہا : مجھے اس کی ضرورت تھی، میں نے لے لی ، حقیقت واضح ہو گئی تھی ، بندوق بیچنے والے نے اسے چار ہزار دینار میں خریدا تھا اور جب اسے پتہ چلا کہ بندوق مجاہدین اور خاص طور پر عماد کے لیے ہے، تو اس نے اسے پانچ سو دینار کا نقصان اٹھا کر، جہاد اور مجاہدین کی محبت کی خاطر تین ہزار پانچ سو دینار میں بیچ دیا ، پھر یہ واسطہ جس نے صرف ایک گھنٹے کے کام کے لیے ایک ہزار پانچ سو دینار چرا لیے جو کہ بچوں کے دودھ کی قیمت تھی جو ان کے والدین نے اپنے منہ سے کاٹ کر جہاد اور مزاحمت کی حمایت کے لیے دی تھی ، یقیناً اس شخص کو کئی چھڑیوں کی مار پڑی اور سخت الفاظ میں ڈانٹا گیا اور اسے دو ہفتے کی مہلت دی گئی کہ رقم واپس کرے، ورنہ اس کی کھال اتار دی جائے گی۔

مجاہدین کے بارے میں تفتیش اور ان کا پیچھا کرنے کی مہمات کو تیز کرنے کی وجہ سے انہیں وقتاً فوقتاً اپنے چھپنے کے مقامات تبدیل کرنے پڑتے تھے ،اسی لیے کچھ مددگاروں کا کام یہی ہوتا تھا کہ وہ ایسے گھروں کی تلاش کریں جو ان پناہ گزیں مجاہدین کو ایک رات، ایک ہفتہ یا زیادہ وقت کے لیے پناہ دے سکیں ، ایک مددگار نے ایک ایسے بھائی کو تلاش کیا جو ان کو پناہ دینے کے لیے تیار تھا ، وہ اس کے گھر منتقل ہو گئے جو

اس کے تین بھائیوں کے گھر کے ساتھ تھا ، اس آدمی نے اپنے گھر والوں کو سختی سے تاکید کی کہ کسی کو مجاہدین کی موجودگی کا احساس نہ ہونے دیں ، کیونکہ اس سے انہیں خطرہ ہو سکتا ہے ، اسی گھر سے مجاہدین اپنی کارروائی کے لیے نکلے، جہاں انہوں نے ایک گشت پر گھات لگا کر حملہ کیا، پھر خاموشی اور کچھ دھوکے کے ساتھ اس گھر میں واپس آ گئے جہاں وہ پناہ لے رہے تھے ، گھر میں داخل ہونے کے ایک گھنٹے بعد اس خاندان کے بڑے بزرگ اپنے بیٹے کے گھر آئے، اور گھر میں اجنبیوں کی موجودگی کا احساس کیا ، ان کا بیٹا اس بات کو سمجھ گیا اور فوراً انہیں بتایا کہ اس کے پاس کچھ مہمان ہیں جو صرف تھوڑی دیر کے لیے یہاں ہیں ، بزرگ بیٹھ گئے اور چند لمحوں کے بعد ان کے ہونٹوں پر ایک بڑی مسکراہٹ آئی، انہوں نے اپنی مونچھوں کو مروڑتے ہوئے کہا: آرام سے رہو جوانو ! تمہاری حقیقت مجھ جیسے پر چھپی نہیں رہ سکتی ، نوجوان گھبرا گئے اور بغیر کچھ کہے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے ، بزرگ نے ان کی مشکل کو کم کرتے ہوئے کہا : تمہارے کپڑوں سے بارود کی بو آ رہی ہے، تم نے ایک یا دو گھنٹے پہلے فائرنگ کی تھی ، نوجوان صدمے میں آ گئے اور ہر ایک اپنی جگہ خاموش بیٹھا رہا، نہیں جانتا تھا کہ کیا کہے ، بزرگ نے کہا: شرمندہ نہ ہوں ، خدا کی قسم ! تم سب مجھے اس دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہو ، پھر عماد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: تم ضرور عماد ہوں گے؟ وہ بہادر جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی سات جانیں ہیں، اور اس نے دشمنوں کو پریشان کر رکھا ہے ، عماد شرم سے پسینے میں ڈوب گیا اور کہا: ہاں حاجی، میں عماد ہوں لیکن... بزرگ نے کہا: نہ لیکن نہ کچھ اور .... سب نے تمہاری بہادریوں کے بارے میں سنا ہے، اللہ تمہیں سلامت رکھے، آرام سے رہو جوانو... آرام سے رہو ، نوجوانوں نے محسوس کیا کہ سب کچھ واضح ہو چکا ہے اور بزرگ کے الفاظ نے انہیں تسلی دی ، عماد نے پوچھا: لیکن حاجی، آپ نے یہ سب ہمارے بارے میں کیسے جانا ؟ بزرگ نے مسکراتے ہوئے کہا: جو شخص جہاد کا ذائقہ چکھتا ہے اور بارود کی خوشبو میدانِ جنگ میں سونگھتا ہے، وہ اسے کبھی نہیں بھول سکتا ، ہمارے ملک کے ضائع ہونے سے پہلے اللہ نے مجھے یہ شرف دیا تھا ، میں نے تمہارے

کپڑوں سے بارود کی خوشبو محسوس کی، بہتر ہوتا کہ تم فوراً اپنے کپڑے تبدیل کر لیتے اور انہیں محمد کی بیوی کو دھونے کے لیے دے دیتے ، آئندہ یہ کام کرنا ، عماد نے مسکراتے ہوئے پوچھا: لیکن آپ نے کیسے جانا کہ میں عماد ہوں؟ بزرگ نے جواب دیا: میں نے تمہاری کارروائیوں کے بارے میں بچوں سے اور خبروں میں سنا، اور اپنے تخیل میں اس مجاہد کی آنکھوں کا تصور کیا، جب میں نے تم لوگوں کو دیکھا اور بارود کی خوشبو محسوس کی تو میں نے تمہیں تمہاری آنکھوں سے پہچان لیا، آنکھیں کبھی جھوٹ نہیں بولتی ، عماد بیٹا: آنکھیں کبھی جھوٹ نہیں بولتی ۔

اس لمحے محمد اندر داخل ہوا اور کہا: ایک اشارہ ہے کہ قابض افواج محلے کے قریب پہنچ رہی ہے ، مجاہدین تیزی سے اُٹھے اور کہنے لگے ، ہمارا اسلحہ دو اور یہاں سے نکل چلیں ، شیخ نے چیختے ہوئے کہا: کہاں؟ کہاں ؟ عماد نے کہا ؟ تاکہ بچوں اور عمارتوں کو نقصان نہ پہنچے ، شیخ کا چہرہ سیاہ ہو گیا اور اس نے چیختے ہوئے کہا: کیا بچے اور عمارتیں تم سے زیادہ قیمتی ہیں؟ نہیں، خدا کی قسم، تم یہاں سے نہیں جاؤ گے ، اگر ثابت ہوا کہ وہ یہاں آرہے ہیں، تو تم میں سے ہر ایک میرے چار بیٹوں کی عمارتوں میں چڑھ جائے، ان میں مورچہ لگا کر بیٹھو اور ہم بھی وہاں ہوں گے ، ہتھیار ڈالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ان پر اپنی ساری گولیاں چلا دو اور جو کچھ اللہ نے مقدر کیا ہے وہی ہو گا ، عماد نے کہا: لیکن حاجی... شیخ نے چیختے ہوئے کہا: بس عماد، بس ، خدا کی قسم ! جب تک میں زندہ ہوں تم اس گھر سے نہیں نکلو گے ، ہمیں ابھی تک معلوم نہیں کہ آیا وہ واقعی ہمارے ٹھکانے آرہے ہیں یا یہ صرف ایک معمول کی گشت ہے ، بیٹھو، بیٹھو، تب تک ہم دیکھیں اور وہ خود صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے گھر سے باہر چلے گئے ، جب مجاہدین مقابلے کے لیے تیاری کر رہے تھے، حاجی واپس آئے اور کہا: وہ جا چکے ہیں، یہ ایک معمول کی گشت تھی اور اس کا تم سے کوئی تعلق نہیں تھا ، بیٹھو، بیٹھو اور مجھے اپنی کاروائیوں کے بارے میں بتاؤ ؟ آؤ عماد: میرے پاس آکر بیٹھو۔

محمد نے دیکھا کہ اُس کا کیمیا کا طالب علم اپنی کتابوں میں کچھ خاص تلاش کر رہا ہے وہ اُس کے پاس گیا اور

پوچھا: تم کیا تلاش کر رہے ہو ؟ وہ نوجوان پریشان ہو گیا اور جواب دیا ، کچھ نہیں، کچھ نہیں ، محمد مسکرایا اور کہا: یار کچھ نہیں مت کہو، بلکہ یہ کہو کہ تم میری مدد نہیں چاہتے ، تم کچھ ایسا تلاش کر رہے ہو جو تمہیں فکر مند کر رہا ہے ، نوجوان نے دوبارہ اُس کی طرف دیکھا اور کہا: سچ تو یہ ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو، میں کچھ خاص تلاش کر رہا ہوں، لیکن کوئی بات نہیں، میں خود ہی دیکھ لوں گا ، محمد نے مسکراتے ہوئے کہا: مجھے دیکھنے دو، تم ایک مخصوص معادلہ تلاش کر رہے ہو جو کتاب کے صفحہ نمبر ۱۳۱ پر ہے ، نوجوان حیران ہو گیا اور کتاب کے صفحات پلٹنے لگا: تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں کیا تلاش کر رہا ہوں ؟ محمد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، صفحہ کھولو اور دیکھو کہ آیا میں نے صحیح پہچانا یا نہیں؟ نوجوان نے صفحات پلٹے اور مطلوبہ صفحہ کھولا، اور اس کی حیرانی مزید بڑھ گئی، وہ اپنے تاثرات چھپا نہ سکا، اور پوچھا: تمہیں کیسے پتا چلا، خدا کی قسم ؟ محمد نے جواب دیا: ایک محنتی نوجوان جو کسی مخصوص مسئلے کی تلاش میں ہو اور جب میں پوچھتا ہوں تو پریشان ہو جاتا ہو ، اور اسے چھپاتا ہو ، تو اگر تم کوئی عام چیز تلاش کر رہے ہوتے تو بغیر پریشانی کے جواب دیتے ، پھر آنکھیں جھوٹ نہیں بولتی یحییٰ ! آنکھیں جھوٹ نہیں بولتی ! تمہاری آنکھیں تمہارے دل کی بات بتا رہی ہیں ، تمہارے بظاہر سکون اور خاموشی کے باوجود، کچھ لوگ شاید یہ سوچیں کہ بلی تمہارا کھانا کھا رہی ہے، لیکن تمہارے اندر ایک طوفانی غصہ ہے ، یحییٰ نے مسکراتے ہوئے کہا: یقین کرو، میں ایسا نہیں ہوں... محمد ہنسا اور کہا: یقین کر لیا یقین کر لیا۔

چوبیسویں فصل

میں نے یونیورسٹی سے گریجویشن مکمل کی اور سائنس کی فیکلٹی سے جیولوجی میں بیچلر ڈگری حاصل کی ، میں نے ایجنسی میں نوکری کی درخواست دی اور اس کے جواب کا انتظار کرنے لگا ، اس دوران میں نے تعمیراتی کام جاری رکھا، ابراہیم مکمل شریک تھا ، ابراہیم کم وقت کام کرتا تھا، لیکن وہ کم وقت میں بھی بہت زیادہ پیداوار کرتا تھا، جو میری محنت کے برابر ہوتا تھا ، میں اس کی شراکت داری سے دل کی گہرائیوں سے مطمئن

تھا، نہ صرف اس لیے کہ وہ میرا چچا زاد ، بچپن کا دوست اور بہن کا شوہر تھا، بلکہ اس لیے بھی کہ مجھے علم تھا کہ وہ کام سے غیر حاضر رہتا ہے کیونکہ وہ مجاہدین کی ترتیب، منصوبہ بندی اور حمایت میں بہترین قومی کردار ادا کر رہا تھا ، اس کے علاوہ وہ اپنے کام میں انتہائی مخلص تھا ، جب وہ کام پر آتا تو ایک گھنٹے میں وہ اتنا پیداوار دیتا تھا جتنا میں کئی گھنٹوں میں بھی نہیں کر سکتا تھا، خاص طور پر کیونکہ وہ فنی اور مشکل کام کرتا تھا جو بعد میں میرے اور ہمارے ساتھ کام کرنے والے مزدوروں کے لیے آسان بناتا تھا ، نوکری میرے لیے زیادہ اہم نہیں تھی، کیونکہ تعمیراتی کام اچھا تھا اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بہترین تھی، لیکن اس کی واحد مشکل یہ تھی کہ اس کے لیے زیادہ جسمانی محنت کی ضرورت تھی اور اس کی تصویر یہ تھی کہ یہ کام ان لوگوں کے لیے ہے جو یونیورسٹی کی ڈگری نہیں حاصل کر پاتے ، لیکن چونکہ میں نے جیولوجی میں بیچلر ڈگری حاصل کی تھی، اس لیے یہ کام میرے لیے آسان ہو جاتا تھا۔

میرا بھائی حسن مرج الزہور کی جلاوطنی سے تقریباً ایک سال بعد واپس آیا تھا ، جلاوطنوں کو دو گروپوں میں تقسیم کرنے پر اتفاق ہوا تھا، پہلا گروپ تقریباً ایک سال بعد واپس آنا تھا اور دوسرا دو سال بعد ، حسن پہلے گروپ میں تھا اور ہم نے اسے گھر میں خوش آمدید کہا اور مبارکباد دینے والے ہمیں جھنڈ در جھنڈ ملنے آئے ، ان میں سے بہت سارے اس کے دوست تھے، جو مسجد کے نوجوان تھے اور وہ اس سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے تھے اور پھر اسے گلے لگاتے تھے ، ہر ایک اسے کئی بار گرم جوشی سے اپنے سینے سے لگاتا تھا اور اس کے بچے اس کے ارد گرد کھیلتے تھے، وہ اپنے والد کی واپسی پر بہت خوش تھے اور ان کی خوشی اور ان کے آس پاس ہونے سے اس کی خوشی بڑھ جاتی تھی، خاص طور پر جب اس کا کوئی دوست اس کے کسی بچے کے ساتھ کھیلنے لگتا تھا ، حسن کی واپسی کے چند دن بعد غزہ شہر کے شارع النصر میں مجاہدین کے ایک گروپ اور قابض فوج کے درمیان جھڑپ ہوئی ، اس معاملے کی اہم بات یہ تھی کہ اس جھڑپ میں ایک مجاہد شہید ہوگیا تھا، اور اہم بات یہ بھی تھی کہ وہ مجاہد ابراہیم کا دوست یاسر تھا، جس نے اس کے ساتھ تعمیراتی کام

شروع کیا تھا، میں نہیں جانتا کہ میں اپنے جذبات، ابراہیم کے جذبات اور ہمارے تمام کیمپ کے جذبات کو کیسے بیان کروں، یہ خوشی، غم، رضا ، غصہ ، اور سعادت کا ملا جلا تھا۔

ہم ایک ایسے شخص کی فتح پر خوشی منا رہے تھے، جس نے اپنا راستہ چنا اور اپنے فرض کو پورا کیا، اور وہ اس اعلی اور قیمتی چیز کو جیت گیا جس کی ہم جیسوں لوگوں کی خواہش ہوتی ہے اور ہم ایک ایسے شخص کی جدائی پر غمگین تھے جس کی جدائی نے ایک خلا چھوڑ دیا تھا، جسے بھرنا یا کسی اور کے ذریعے بھرا جانا آسان نہیں ، خبر سنتے ہی ابراہیم کے گال پر ایک تیز آنسو گرا، اس نے اسے جلدی سے صاف کیا اور چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا: الحمد للہ جس نے اسے شہادت سے نوازا، اللہ کی قسم یاسر اس کے لائق تھا، اللہ سے دعا ہے کہ اسے صالحین اور شہداء میں قبول فرمائے ، پھر ہم جلدی سے اس کے اہل خانہ کے ساتھ کھڑے ہونے کے لیے اس فرض کو پورا کرنے کے لیے نکلے ، ہم نے ایک بڑا شامیانہ لگایا، کرسیاں لائے اور اس کے خاندان اور پڑوسیوں کے ساتھ بیٹھے تاکہ تعزیت کرنے والوں کا استقبال کر سکیں ، میں نے اس کی ماں اور بیوی کو ایک عجیب حالت میں دیکھا، وہ رونے سے مغلوب تھی اور میری ماں ان کے ساتھ تھی، وہ انہیں تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھی ، ان میں سے ایک نے کہا: الحمد للہ، اس نے اپنی سب سے بڑی تمنا کو پالیا... الحمد للہ ، اور وہ ہم پر زور دیتا تھا کہ ہم اس پر نہ روئیں، کہتا تھا کہ شہداء پر نہیں روتے اور نہ ان کا سوگ منایا جاتا ہے، بلکہ انہیں زغارید (خوشی کے گیت) کے ساتھ رخصت کیا جاتا ہے اور ان کے خاندان کو ان کی شہادت پر مبارکباد دی جاتی ہے اور پھر عورتوں کی زغارید بلند ہوئیں، میں اپنے آنسوؤں کو روکنے میں ناکام تھا اور میں اس حالت پر حیران تھا، ہمارے لوگ شہداء پر رونے کے عادی تھے، لیکن اب زغارید کے ساتھ انہیں رخصت کرتے ہیں اور حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ تعزیت کرنے والوں کو بقلاوہ تقسیم کر رہے تھے، جس سے تعزیت کرنے والے الجھن میں پڑ گئے کہ وہ تعزیت کے الفاظ کہیں یا مبارکباد کے ، جب ہم تعزیت والے خیمے میں تھے، ایک بڑا قافلہ آیا ، جس میں قابض فورسز کی گاڑیاں اور بکتر بند گاڑیاں شامل

تھیں ، انہوں نے جگہ کو گھیر لیا اور کچھ گاڑیاں خیمے میں گھس گئیں، جس سے خیمہ گرا اور کچھ کرسیاں ٹوٹ گئیں ، اس کے بعد عوام اور قابض فورسز کے درمیان شدید جھڑپیں ہوئیں ، ان کے چلے جانے کے بعد ہم نے خیمہ دوبارہ نصب کیا اور تعزیت کرنے والوں کا سلسلہ بغیر کسی وقفے کے جاری رہا۔

اس دن بڑی رنگین تصویریں شہید کی تقسیم کی گئی اور لوگوں نے ان میں سے ایک حاصل کرنے کے لیے مقابلہ کیا، ان میں سے بہت سی تصویریں کیمپ کی گلیوں میں دیواروں پر چسپاں کی گئیں ، آپ جس گلی میں بھی چلتے، اس کی تصویر آپ کے سامنے ہوتی ، بہت سے لوگوں نے اس کے فریم بنائے اور انہیں اپنے مہمان خانے کی دیوار پر لٹکا دیا، لیکن ابراہیم نے تصویر نہیں لگائی ، جب میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے اپنے قریبی دوست کی تصویر کیوں نہیں لگائی، تو اس نے کہا: یہ میری روح کی گہرائیوں میں لگی ہوئی ہے احمد ! اور اس کی بیوی حاملہ تھی، اس نے کہا: اگر مجھے بیٹا ہوا تو میں اس کا نام یاسر رکھوں گا، ان شاء اللہ۔

یحییٰ ہفتہ کے آخر میں بیرزیت چھوڑ کر اپنے گاؤں واپس آیا، اپنے والدین سے ملنے کے بعد، وہ عصر کی نماز کے لیے مسجد گیا، وہاں اپنے ایک دوست سے ملا اور اس کے ساتھ کچھ مجاہدین سے ملنے کے لیے نکلا جو گاؤں میں مقیم تھے ، وہ سب ایک گھر کے تہہ خانے میں بیٹھے تھے، اور یحییٰ نے انہیں یہ بتانا شروع کیا کہ تحقیق کے بعد اس نے ایک طریقہ ڈھونڈ نکالا ہے جس سے وہ ایک قسم کا دھماکہ خیز مواد بنا سکتا ہے ، اس پر سب نے حیرانی اور تعریف میں چیخ ماری، اور کچھ تو یقین بھی نہیں کر رہے تھے ، یحییٰ نے مزید بتایا کہ جو بنیادی مواد اس میں استعمال ہوتا ہے وہ آسانی سے دستیاب ہیں، جیسے کہ ایک قسم کی کیمیائی کھاد اور ایسیٹون ، فوراً ہی کچھ لوگ ضروری مواد لانے نکل پڑے ، یحییٰ اور اس کے دو ساتھی مواد تیار کرنے میں لگ گئے ، وہ مواد کو آرام سے ملا رہے تھے، جس سے ایک مضبوط بو والے دھوئیں نکل رہے تھے ، ایک نے تیز ہوا میں باہر نکلنے کا دباؤ ڈالا، مگر یحییٰ اسی کام میں لگا رہا، مواد تیار ہونے کے بعد اسے ایک لوہے کے سلنڈر میں بھرا گیا، اور تینوں اسے پہاڑوں کے درمیان ایک ویران جگہ لے گئے ، وہاں انہوں نے ایک بجلی کے بلب کا شیشہ

توڑا، اور مواد کے اندر بھر دیا اور ایک تار اندر ڈال دی ، وہ چند میٹر دور چلے گئے، اپنے سر نیچے کر کے، اور کانوں میں انگلیاں ڈال کر بیٹھ گئے ، یحیٰ نے تار کے دو سروں کو بیٹری کے قطبوں پر رکھا، مگر کچھ بھی نہیں ہوا، نہ کوئی بڑا دھماکہ نہ چھوٹا ، اس کے ساتھی ایک دوسرے اور یحیٰ کی طرف دیکھنے لگے جیسے کہہ رہے ہوں : کیا ہوا ؟ دھماکہ کیوں نہیں ہوا جس کے بارے میں تم نے ہمیں سر درد دے رکھا تھا ؟ ایک ساتھی نے جا کر سلنڈر کو لات مارنے کی کوشش کی، مگر یحیٰ نے چیخ کر اسے خبردار کیا کہ معاملہ سنجیدہ ہے اور بغیر سوچ سمجھے کچھ نہ کرے ، اس نے بیٹری سے تار الگ کیا، ایک لمبی شاخ لی، اس کے پتے اتارے، اور رینگتے ہوئے دھیرے دھیرے قریب گیا ، اس کا پسینہ ماتھے پر تھا اور وہ شاخ سے سلنڈر کو کئی بار دھکیلتا رہا جبکہ ابھی بھی پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا، سر اٹھائے بغیر اس نے کئی بار دھکیل کر یقینی بنا لیا کہ سلنڈر میں دھماکہ خیز مواد نہیں پھٹے گا ، پھر بیٹھ گیا ، اس وقت اس کے ساتھی بھی اس کے پاس بیٹھ گئے تاکہ مسئلہ دیکھیں ، انہوں نے پایا کہ دھماکہ خیز مواد کا تار (ٹنگسٹن) ٹوٹا ہوا تھا ، یحیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا: میں نے کہا تھا نا ... تو مسئلہ صرف ایک تکنیکی خرابی تھی ، اس کے ایک ساتھی نے شہر جا کر اس بار دو بڑے بلب توڑے، اور تاروں کو اس طرح لگایا کہ اگر ایک ناکام ہو جائے تو دوسرا کام کرے ، انہوں نے تار جوڑا اور دور ہو کر ایک پتھر کے پیچھے چھپ گئے ، یحیٰ مسکراتے ہوئے بولا: اب کان بند کرو، اور جب انہوں نے کان بند کیے تو یحیٰ نے تار کے دونوں سروں کو بیٹری کے قطبوں پر رکھا ، دھماکہ زور دار تھا، اور پتھروں کے ٹکڑے ادھر ادھر بکھر گئے ، تینوں بھاگتے ہوئے وہاں سے نکلے، اس سے پہلے کہ قابض فوج اور اس کی انٹیلی جنس دھماکے کی آواز سن کر پہنچ جائے ، اس کے ساتھی اسے چومنے اور گلے لگانے لگے، اور زہدی بولا : اب ہم بہت ساری بارودی سرنگیں بنائیں گے اور انہیں گشت کرنے والی گاڑیوں کے راستے میں رکھیں گے، تاکہ انہیں مزہ چکھائیں۔

فائدہ : ایسیٹون (Acetone) ایک کیمیائی مرکب ہے جس کا کیمیائی فارمولہ CH_3COCH_3 ہے ، یہ ایک

شفاف، بے رنگ، اور آتش گیر مائع ہے جس کی بو خاصی تیز ہوتی ہے ، ایسیٹون کو صنعتوں میں مختلف مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

..... یحییٰ مسکراتے ہوئے بولا : نہیں، ہم اسے گشت والے راستے میں نہیں رکھیں گے ، زہدی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا: تو پھر آپ اسے کہاں رکھیں گے؟ اور ہم نے اتنی محنت کیوں کی، اگر ہم اسے اپنے آپریشنز میں قابض فوج کے خلاف استعمال نہیں کریں گے؟ یحییٰ پھر مسکرایا اور بولا : یہ قابض فوج جو ہمیں سالوں سے شروع ہونے والے انتفاضہ کے دوران بغیر کسی رحم اور شہداء کے خون کی پرواہ کیے بغیر قتل کرتی آ رہی ہے، چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں، بوڑھے ہوں یا بچے، یہاں تک کہ بچوں اور شیر خواروں کو بھی نہیں چھوڑا، اسے سب سے بھاری قیمت چکانی ہوگی، اب اسے سمجھنا چاہیے کہ ہم اس کے اندرونی حصے کو مار سکتے ہیں، ہمیں اسے پیٹ اور چہرے کے نیچے کمزور مقامات پر ضربیں لگانی ہوں گی نہ کہ صرف اس کی مضبوط اور بکتر بند اطراف پر ، زہدی نے پوچھا: کیا آپ کا مطلب ہے کہ ہم اندرونی آپریشن کریں؟ یحییٰ مسکراتے ہوئے جواب دیا : ہاں، خصوصی منتخب آپریشن، بہت طاقتور جو قابض فوج کے قتل کے توازن کو برابر کرے جو سالوں سے ہم پر کیے جاتے رہے جب ہمارے پاس صرف پتھر اور چھری تھی۔

یحییٰ مواد کی تیاری میں مصروف ہوگیا اور زہدی ہدف کی تلاش میں نکل گیا ، اسے کچھ نوجوان ملے جو ایک نائٹ کلب کے بارے میں جانتے تھے جہاں جمعہ کی شام کو سیکڑوں اسرائیلی جمع ہوتے تھے اور ان میں سے بہت سے اپنی فوجی یونٹوں سے واپس آئے ہوتے تھے جو مختلف علاقوں میں خدمات انجام دیتے تھے ، بم تیار کیے گئے اور ایک گاڑی میں رکھے گئے، اور دو نوجوان اسے ہدف کے مقام پر لے جانے کے لیے روانہ ہوئے۔ جب وہ ہدف کے قریب پہنچے، تو وہاں ایک سڑک حادثہ ہوا تھا اور پولیس کی غیر معمولی حرکت تھی ، ڈرائیور گھبرا گیا، یہ سوچ کر کہ اسے ہی نشانہ بنایا جارہا ہے، اور پھر پولیس والے ظاہر ہوئے اور سڑکوں پر پیچھا شروع ہوگیا ، عبد الرؤوف نے چیخ کر کہا : اوہ، کاش کہ بم تیار ہوتے اور ہم یہاں ہوتے ، اس کا ساتھی

چیخ کر بولا : اہم یہ ہے کہ ہم سب بچ جائیں یا کم از کم ہم میں سے کوئی ایک بچ جائے ، پھر اس نے چیخ کر کہا: پہلے موڑ پر میں رفتار کم کروں گا، دروازہ کھول اور خود کو گاڑی سے باہر پھینک دے، اور ظاہر کر کہ تو سڑک کے کنارے چل رہا تھا ، عبد الرؤوف چیخا : اور تو ؟ اس کا ساتھی بولا : اہم یہ ہے کہ تو بچ جا، میں کوشش کروں گا کہ کم از کم ہم میں سے کوئی ایک بچ جائے۔

جیلیں اور حراستی مراکز قیدیوں اور گرفتار شدگان سے بھر گئے، اور قابض حکام کو مزید جیلیں کھولنی پڑی ، ان میں سے ایک جیل 'الظاہریہ' تھی، جو خاردار تاروں، برجوں، بندوقوں اور بھاری مشین گنوں سے گھری ہوئی تھی، اور اس کے خیمے قیدیوں سے بھرے ہوئے تھے جو آزادی کی امید کر رہے تھے اور جیل کے باہر دوبارہ انتفاضہ اور مزاحمت میں شامل ہونے کے انتظار میں تھے ، اس سے کچھ دور ایک نوجوان لڑکا ایک ڈھال کے پیچھے چھپ کر اپنی جیب سے تار کاٹنے والی پلاس نکالتا ہے اور اسے تقریباً ایک میٹر لمبی پتلی مگر مضبوط رسی سے باندھتا ہے ، وہ رسی کے ایک سرے کو پکڑتا ہے اور دوسرے سرے سے پلاس لٹک جاتی ہے ، وہ اسے زور سے گھماتا ہے جیسے کہ غلیل (نبیطہ) گھمائی جاتی ہے، اور جب اس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور وہ جیل کی سمت میں بڑھتی ہے، تو وہ رسی کا سرا چھوڑ دیتا ہے اور پلاس جیل کے سامنے والے حصے میں جا گرتی ہے۔

ایک خیمے کے اندر سے دو آنکھیں بڑی احتیاط اور عزم کے ساتھ باہر کی طرف دیکھ رہی تھی ، مشن کی تکمیل کے اشارے کا انتظار کر رہی تھی ، گہری تاریکی میں ایک ہلکی سی روشنی دو بار چمکی، تو ان آنکھوں والے شخص نے اپنا ہاتھ منہ پر رکھا اور دھیما سے کہا: الحمد للہ، الحمد للہ ، فجر کے طلوع ہونے کے ساتھ جہاد اپنے بستر پر بیٹھا ہوا تھا، وہ ساری رات نہیں سویا تھا، حالانکہ اس نے نیند کا دکھاوا کیا تھا، لیکن اس کی آنکھیں اس میدان سے دور نہیں ہوئیں ، جب گنتی ختم ہوئی اور نوجوانوں نے میدان میں جا کر اپنی ضروریات پوری کی اور اپنے چہرے دھوئے، تو وہ سب سے پہلے وہاں پہنچا ، اس کی آنکھیں میدان کو چھانتی رہی ، پھر اس نے جھک کر

ایک کٹر اٹھایا، اسے اپنے کپڑوں میں چھپایا، اور میدان میں موجود لوگوں میں شامل ہوگیا، شام کی تاریکی کے ساتھ جھاد ایک خفیہ نقطے سے جو قریب کے برج کو اچھی طرح نظر نہیں آتا تھا، تاروں کی طرف رینگتا ہوا گیا، اس نے اپنے کمر بند سے کٹر نکالا اور کانٹے دار تار کو کئی بار کاٹا، اس میں ایک خلا پیدا کر کے باہر نکل آیا، اور خاموشی سے پیچھے چار دوسرے قیدی بھی نکل آئے، چند لمحات انہیں آزادی سے جدا کر رہے تھے، انہوں نے رینگتے ہوئے قید خانے کی دیوار سے دوری اختیار کی، اور پہلے سڑک پہنچتے ہی ایک دوسرے سے گلے ملے اور آزادی کی طرف دوڑ پڑے، فجر کے طلوع ہونے سے پہلے ان میں سے تین نوجوان الخلیل شہر کے کنارے پہنچ گئے اور اپنے ایک جاننے والے کو تلاش کر لیا، جو انہیں چھپنے کی جگہ پر بھیجے گا، اور کچھ کھانا، پانی اور کمبل فراہم کرے گا، اور پھر ان کے ساتھیوں کو تلاش کرنے نکلے گا جو کہ قابض افواج کی گرفتاری کی کوششوں کے بعد غائب ہو گئے تھے، شام تک وہ بھائی اس جگہ پہنچ چکے تھے، اپنے ساتھیوں کی پناہ گاہ میں اور ان کے ہاتھوں میں بندوقیں تھی .... ایک دوسرے کو گرمجوشی سے گلے ملے اور بندوقوں کو اور بھی زیادہ گرمجوشی سے گلے لگایا اور وہ کل کی تیاری کرنے لگے انٹیلی جنس کے ساتھ تعاون کرنے والوں یا ان پر شک کرنے والوں کا قتل جاری رہا، ہر کچھ وقت بعد کسی ایک کو قتل کر کے اس کی لاش پھینک دی جاتی یا سولی پر لٹکا دی جاتی، اور کبھی کبھی کسی کو کوڑے مارے جاتے، اسے کسی میدان میں سولی پر لٹکا کر کوڑے مارے جاتے یا قتل کر دیا جاتا۔

پڑھے لکھے لوگوں کی طرف سے آوازیں اٹھنے لگیں کہ اس معاملے پر نظر ثانی کی جائے، اس کا جائزہ لیا جائے اور اسے روکا جائے، حالانکہ مزاحمت کے میدان میں کام کرنے والے مجاہدین اور مزاحمت کار اس بات پر قائل تھے کہ اس کا جاری رہنا درست ہے، اور اس کی ضرورت بھی تھی، کیونکہ قابض فوج کے ساتھ تعاون کرنے والوں کو قتل کرنا ضروری تھا یا فائدہ مند تھا، کیونکہ مزاحمت کی کامیابی اور اس کا جاری رہنا بڑی حد تک معاشرے کو غداروں سے پاک کرنے پر منحصر تھا، یا زیادہ درست اصطلاح میں، مزاحمت کی کامیابی

اور اس کا جاری رہنا بڑی حد تک قابض کی اندر کی آنکھوں کو نکال پھینکنے پر منحصر تھا۔

اس معاملے پر مختلف مجالس میں بڑا تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا ... حمایتی فریق مذکورہ بالا دو نکات کو پیش کرتے ہیں جبکہ مخالفین کا خیال ہے کہ اس میں بہت زیادہ مبالغہ آرائی کی گئی ہے، اور یہ ہمارے اندرونی طور پر خود کو کھائے جانے کا عمل ہے جسے روکنا چاہیے ، جب انتفاضہ کو روکنے کے مطالبات بلند ہونے لگے، تو ان دونوں آوازوں میں فرق کرنا آسان نہیں تھا، اور یہ آوازیں ایک جیسی لگتی تھی، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کچھ لوگ بیک وقت انتفاضہ کو روکنے اور قتل کے رجحان کو روکنے کی حمایت کر رہے تھے، جو کہ قبضے کے ساتھ تعاون کے بہانے انجام دیا جا رہا تھا۔

ایسے مباحث اکثر میرے بھائی محمود کے دوستوں کے ساتھ ہمارے گھر کے مہمان خانے میں ہونے والے اجلاسوں میں اٹھتے تھے ، سچ کہوں تو اس رجحان میں واضح مبالغہ تھا اور سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ کوئی قومی یا تنظیمی حوالہ موجود نہیں تھا جو اس سلسلے میں فیصلے کر سکے، اور فیصلے اکثر جوشیلے نوجوانوں کے ہاتھ میں تھے، جن پر کسی اعلیٰ ذمہ دار اتھارٹی کی نگرانی نہیں تھی، اور کوئی عدالتی، قانونی یا انسانی حقوق کی نگرانی بھی اس معاملے میں مکمل طور پر غائب تھی ، ایسے مسائل کے بارے میں جاننے والے اور باشعور لوگ، جیسے کہ محمود، ایسی باتیں کرتے تھے، لیکن یہ واضح تھا کہ ان خیالات کو عملی جامہ پہنانا خود مزاحمت کی ذاتی وجوہات، اس کے دھڑوں اور اختلافات، اور قابض حکومت کی طرف سے مسلط کیے گئے حالات کی وجہ سے تقریباً ناممکن تھا ، ان حالات میں گرفتاریاں، قتل، اور رائے رکھنے والوں کو قید یا جلا وطن کرنے کی وجہ سے کوئی شک نہیں کہ بغیر کسی پابندی کے اس رجحان کو جاری رکھنا ایک بڑی غلطی تھی، اور یہ بھی واضح تھا کہ ذمہ داران، دانشوروں اور قانونی ماہرین نے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش نہیں کی، تاکہ اس رجحان کو کم سے کم قتل کے ساتھ اور خوفناک اور نفرت انگیز تصویر سے بچتے ہوئے جاری رکھا جا سکے۔

عماد کا نام ہر زبان پر تھا اور وہ بہادری اور مزاحمت کی علامت بن گیا تھا، یہاں تک کہ اسرائیلی میڈیا نے

بھی اس میں خاص دلچسپی لینا شروع کر دی تھی، اور اسرائیلی وزیر اعظم رابین نے اپنے فوجی اور سکیورٹی کمانڈروں پر اس کے سر کو لانے کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا تھا ، اس کے برعکس قابض افواج نے اپنی سلامتی اور حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے نئے حفاظتی اقدامات کرنا شروع کر دیے تھے ، اعلان کیا گیا کہ کوئی بھی عربی ڈرائیور کسی اسرائیلی فوجی گاڑی سے آگے نہیں بڑھ سکتا یا اس کے قریب نہیں جا سکتا، اور اسے کم از کم پچاس میٹر کے فاصلے پر رہنا چاہیے... اگر عربی گاڑیاں قریب آنے یا آگے بڑھنے کی کوشش کرتی ہیں تو ان پر اسلحہ تان لیا جاتا اور ان پر گولی چلائی جاتی اور کسی اسرائیلی گاڑی کو غزہ کی پٹی میں بغیر فوجی محافظ کے حرکت کرنے کی اجازت نہیں تھی ، پھر کسی بھی فوجی گاڑی کو اکیلے چلنے سے روک دیا گیا، اور کم از کم دو فوجی گاڑیوں کا ساتھ ہونا ضروری قرار دیا گیا، اِس کے علاوہ شہریوں پر مزید پابندیاں، گرفتاریوں، چھاپوں اور معمولی شک پر فائرنگ کی کارروائیاں ہونے لگیں۔

معلومات ملیں کہ دو جیپ گاڑیوں پر مشتمل ایک فوجی گشت جبالیا کیمپ کے قبرستان کے پاس رات کے ابتدائی وقت میں حرکت کر رہی ہے، عماد اور اس کے ساتھیوں نے کارروائی کی منصوبہ بندی کی، اور کیمپ کی گلیوں میں جیپ گاڑیوں کی گھات لگائی ، ایک ساتھی قافلے کی جانب پیش قدمی کرنے والی گلی میں، دو دیگر پچھلی گلی میں ، دونوں گلیاں اس سڑک پر کھلتی تھی جس پر گاڑیاں چلتی تھی ، انہوں نے پہلی جیپ کو گزرنے دیا، اور جیسے ہی دوسری جیپ دوسری گلی کے دہانے پر پہنچی، پہلے ساتھی نے پہلی جیپ کے پیچھے سے فائرنگ شروع کردی، اور دو دیگر ساتھیوں نے سامنے سے دوسری جیپ پر فائرنگ کی ، وہ سڑک پر اتر کر فائرنگ کرنے لگے، صرف تین میٹر کے فاصلے سے ، فوجی جواب نہ دے سکے، اور دوسری جیپ کے تین فوجی مارے گئے، گاڑی سڑک سے اتر گئی، اور پہلی جیپ کے فوجی زخمی ہوگئے ، تینوں ساتھی تنگ گلیوں کے ذریعے ایک گاڑی تک پہنچے جو دوسری طرف ان کا انتظار کر رہی تھی، اور کیمپ سے نکل گئے ، اضافی فوجی دستے، کرفیو، گرفتاریوں اور تحقیقات کی معمول کی کارروائیوں کے باوجود کچھ حاصل نہ ہوا ، رابن واشنگٹن کا دورہ

مختصر کر کے واپس آنے پر مجبور ہوگیا، جیسے ہی اس نے کارروائی کی خبر سنی ، مجاہدین غزہ کے شارع النصر کی طرف نکل گئے ، جہاں ابراہیم اپنی گاڑی میں ان کا انتظار کر رہا تھا ، وہ اس کی گاڑی میں سوار ہوگئے، کارروائی میں استعمال ہونے والی گاڑی کو چھپا دیا اور شہر غزہ کے مشرق میں الشجاعیہ کے علاقے میں ایک گھر کی طرف روانہ ہوگئے ، ابراہیم نے گاڑی روکی اور دروازہ کھٹکھٹایا، ایک نوجوان لڑکا دروازہ کھولنے آیا، جب اس نے ابراہیم کو دیکھا تو پوچھا : کیا وہ آپ کے ساتھ آئے ہیں؟ ابراہیم نے جواب دیا :"ہاں" لڑکا دوڑتا ہوا اندر گیا اور ایک منٹ بعد واپس آ کر کہا : تشریف لائیں، خوش آمدید ، اس کا چہرہ وقت گزرنے کے ساتھ سرخ ہوتا جا رہا تھا ... پھر وہ دوڑتا ہوا واپس گیا اور پھر دوڑتا ہوا آیا اور دوبارہ خوش آمدید کہنے لگا، واضح تھا کہ وہ شدت جذبات کی وجہ سے نہیں جانتا تھا کہ کیا کرے ، ابراہیم اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور وہ بھی مسکرا رہے تھے۔

لڑکا ان کے پاس فرش پر بیٹھا اور کہا : میں نضال ہوں، آپ سب کا خیر مقدم ہے ، ابراہیم نے جواب دیا ، زادکم اللہ شرفا ، میں ابراہیم ہوں، یہ احمد ہے، یہ خالد، اور یہ عماد ہے ، لڑکا پھر جوش میں آگیا اور کہا : آپ عماد ہیں ؟ خوش آمدید! میری ماں ابھی آپ کے لیے کھانا تیار کر رہی ہے، آرام سے بیٹھیں، آرام سے بیٹھیں ، پھر وہ بھاگتے ہوئے باہر گیا تاکہ دیکھ سکے کہ کھانے کا کیا حال ہے ، کچھ دیر بعد وہ پھر بھاگتے ہوئے آیا اور دروازے سے جھانک کر کہا : میری ماں اور والد چاہتے ہیں کہ وہ آئیں اور آپ سے ملیں ، مجاہدین نے ابراہیم کی طرف دیکھا ، کیونکہ وہ ہی مقامی لوگوں کو جانتے تھے اور فیصلے کرنے والے تھے، اس نے سر ہلایا ، نضال بھاگتے ہوئے گیا اور کچھ دیر بعد اپنے والدین کو لے کر واپس آیا ، اس کے والد لمبے اور موٹے تھے ، جن کے چہرے پر نرمی کے آثار تھے ، انہوں نے سلام کیا اور نوجوانوں سے ہاتھ ملایا ، نضال کی ماں دروازے پر کھڑی تھی، سفید لباس میں ملبوس اور سر ڈھانپے ہوئے، وقار سے بھری ہوئی، اس نے ہاتھ سے مصافحہ نہیں کیا، بلکہ اس کے لبوں سے بے شمار خوش آمدید کے الفاظ نکلے ، نضال نے ان کا تعارف کروایا اور فخر سے

پھولے نہ سماتا تھا، والدین نے مہمانوں کا بھرپور خیر مقدم کیا، نضال کی ماں پیچھے ہٹ گئی اور کہا: میں جا کر کھانا مکمل کرتی ہوں، آرام سے بیٹھیں، اپنے آپ کو اپنے گھر جیسا محسوس کریں، جو بھی کھانے یا پینے کی چیز چاہیے ہو، بس مانگیں، اللہ آپ کی حفاظت کرے اور آپ کو سنبھالے، وہ باہر چلی گئی، ابو نضال بیٹھ کر نوجوانوں سے باتیں کرنے لگا اور ان سے واقفیت حاصل کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد نضال کی ماں کھانے کی ٹرے لے کر واپس آئی، جس پر چاولوں کے اوپر کچھ چھوٹے کبوتر کے بچے رکھے تھے، نضال نے فوراً ٹرے پکڑی اور نوجوانوں کے سامنے رکھ دی، اور کہا: لطف اٹھائیں، لطف اٹھائیں، نضال کی ماں باہر جاتے ہوئے کہنے لگی، صحت اور عافیت ہو! سب نے کھانا شروع کیا، اور کھانا نہ صرف مزیدار تھا، بلکہ اس محبت سے بھرا ہوا تھا جو اس فلسطینی متوسط طبقے کے خاندان کے دلوں میں تھی، جیسے کہ باقی خاندانوں کی طرح جو مزاحمت اور اس کے افراد کے لیے محبت رکھتے ہیں، جب بھی کوئی نوجوان کھانے سے رکنے کی کوشش کرتا، ابو نضال اسے ایک اور لقمہ دے کر مزید کھانے پر اصرار کرتا، سب نے کھانا ختم کیا اور ہاتھ دھونے کے لیے اٹھے، نضال ٹرے لے کر باہر گیا تاکہ اسے اپنے بہن بھائیوں اور ماں کے سامنے رکھے جو دوسرے کمرے میں بیٹھے اپنا کھانا کھا رہے تھے۔

تحقیقاتی مرکز مسکوبیہ میں قیدیوں کے سیلوں میں ہلچل مچی ہوئی تھی، جیلر قیدیوں کو تحقیقاتی کمرے میں لے جا رہے تھے اور پھر واپس لا رہے تھے، محققین سوالات کر رہے تھے، مار پیٹ کر رہے تھے، اذیت دے رہے تھے اور دھمکیاں دے رہے تھے تاکہ کسی بھی مزاحمت کار، انتفاضہ کے کارکن یا کسی ہتھیار کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں، ایک کمرے میں تفتیشی افسر ایک نوجوان کو پیشکش کر رہا ہے کہ اگر وہ ان کے ساتھ تعاون کرے گا تو اسے فوراً جیل سے رہا کیا جائے گا، اور وہ اس پر عدالت میں لگنے والی سزا کو ختم کر دیں گے، اس کے بھائیوں کی گواہی کے بعد اسے دس سال کی سزا ہو سکتی ہے، افسر کبھی خوفزدہ کرتا ہے اور کبھی لالچ دیتا ہے، نوجوان کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور اس کی سرخی بڑھتی جاتی ہے، ایک نوجوان جو

زندگی میں محدود تجربہ رکھتا ہے، اسے اسرائیلی خفیہ ایجنسی کا ایجنٹ بنانے کی کوشش کی جارہی ہوتی ہے ، نوجوان انکار کرتا ہے اور خفیہ ایجنسی کا افسر اس پر دباؤ ڈالتا ہے، آخرکار نوجوان مان جاتا ہے تو افسر اس سے ہاتھ ملاتا ہے اور کہتا ہے کہ اب وہ دونوں دوست ہیں ، افسر باہر نکلتا ہے اور پھل اور مٹھائی کے برتن لاتا ہے، انہیں نوجوان کے سامنے رکھ کر اسے کھانے کی دعوت دیتا ہے ، ایک تیسرا شخص نوجوان کی تصویریں لیتا ہے جبکہ افسر اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرتا ہے ، پھر اسے بتاتا ہے کہ کچھ دن بعد اسے عدالت میں پیش کیا جائے گا، جہاں سے جج اسے رہا کر دے گا تاکہ سب کچھ منطقی لگے اور اس پر کوئی شک نہ ہو۔

افسر اسے ضرورت کے وقت فون کرنے کا نمبر دیتا ہے اور یروشلم میں ایک مکان کا پتہ بتاتا ہے، جہاں اسے اگلے مہینے کی پہلی تاریخ کو صبح دس بجے آنا ہے ، صرف دروازہ کھٹکھٹانا ہے اور وہ اسے وہاں ملے گا تاکہ معلومات اور رابطے کے طریقے پر بات چیت کر سکے ، ماہیر کو رہا کر دیا جاتا ہے اور وہ اپنے گھر بیت لحم کے قریب عائدہ کیمپ واپس آ جاتا ہے، جہاں اس کے اہل خانہ، رشتہ دار، ہمسائے اور دوست اسے سلام کرتے ہیں اور اس کی خیریت دریافت کرتے ہیں ، جب سب سلام دعا اور مبارکباد دے چکتے ہیں، تو ماہیر اپنے شیخ اور مسجد کے مربی سے ملتا ہے اور انہیں ساری بات بتاتا ہے، اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ اس نے یہ سب کچھ اس احمق اور اس کی ایجنسی کو سبق سکھانے کے لیے کیا ہے اور وہ اسے قتل کر دے گا ، شیخ سر ہلاتے ہوئے اس کی بات مان لیتے ہیں، پھر ماہیر اپنے چچا زاد ناصر اور محمود کے پاس جاتا ہے اور انہیں ساری بات بتاتا ہے، اور ان سے مدد مانگتا ہے وہ اس سے جگہ وقت اور تمام تفصیلات پوچھتے ہیں اور تینوں اس کام کو انجام دینے کا عزم کرتے ہیں۔

مقررہ دن تینوں نکلتے ہیں، ماہیر کے ہاتھ میں عام سا ہتھوڑا (شاکوش) ہوتا ہے اور باقی دونوں کے ہاتھ میں باورچی خانے کے چاقو ہوتے ہیں جو انہوں نے اپنے کپڑوں میں چھپائے ہوتے ہیں ، وہ یروشلم پہنچتے ہیں، عمارت میں داخل ہوتے ہیں اور مکان کے دروازے تک پہنچتے ہیں ، ماہیر دروازے کے سامنے کھڑا ہوتا ہے،

ناصر دائیں طرف اور محمود بائیں طرف ، ماہیر گھنٹی بجاتا ہے، خفیہ ایجنسی کا افسر مسکراتا ہوا دروازہ کھولتا ہے اور کہتا ہے اندر آؤ، اندر آؤ، اور اندر جاتے ہوئے کہتا ہے دروازہ بند کرو ، ماہیر اپنے کپڑوں کے پیچھے سے ہتھوڑا نکالتا ہے اور اس کے سر کے پیچھے مارتا ہے، وہ زمین پر گر جاتا ہے، اور تینوں اس پر حملہ آور ہو جاتے ہیں اور اسے مارنے اور چھری کے وار کرنے لگتے ہیں ، پھر وہ جگہ چھوڑ کر چپکے سے نکل جاتے ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو ، ماہیر اپنے گھر سے دور نکل جاتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ وہ اسے گرفتار کرنے آئیں گے ، شام کو کیمپ کو گھیر لیا جاتا ہے اور گرفتاریاں شروع ہو جاتی ہیں اور خفیہ ایجنسی کے افسر کی موت کی خبر آتی ہے۔

فوج کی ایک بڑی تعداد جن کی قیادت کچھ انٹیلی جنس افسران کر رہے تھے، نے رافات گاؤں پر حملہ کیا اور ابو یحییٰ کے گھر کو گھیر لیا، وہ چیخ رہے تھے : یحییٰ کہاں ہے؟ یحییٰ اس وقت گھر میں نہیں تھا کیونکہ اس نے اس کار کے حادثے کی خبر سن لی تھی جس میں اس کے تیار کردہ بم تھے ، اس لیے اس نے اپنے گھر میں رہنا بند کر دیا تھا اور کبھی کبھار، وہ بھی بغیر کسی کے دیکھے، اپنے گھر آتا تھا اور فوراً چلا جاتا تھا ، وہ اپنے کچھ دوستوں کے پاس چھپ کر رہتا تھا ، فوجیوں نے گھر کی تلاشی لی، اسے الٹ پلٹ دیا اور اس کے تمام کتابیں، کاغذات اور آلات ضبط کر لیے ، اور اس کے والد کو تفتیش کے لیے گرفتار کر لیا۔

کئی دن کی تفتیش کے بعد انہیں رہا کر دیا گیا ، جبکہ یحییٰ نابلس منتقل ہو گیا اور وہاں اپنے کچھ ساتھیوں کے پاس چھپ گیا، تاکہ طوفان تھم جائے ، پھر اس نے کئی نوجوانوں سے رابطہ قائم کیا اور انہیں فدائی گروپوں میں شامل کرنا شروع کر دیا، تاکہ شمالی مغربی کنارے کے شہروں اور قصبوں میں کام شروع کیا جا سکے ، نابلس میں ایک گروپ ، عنبتا میں دوسرا ، طوباس میں تیسرا اور جنین میں چوتھا گروپ تشکیل دیا ، چونکہ وہ قابض فوج کے لئے مطلوب تھا، اس نے ہر گروپ کے ذمہ داران سے علیحدہ علیحدہ ملاقات کی اور ان سے کہا کہ وہ اس سے رابطہ کرنے کے لیے مخصوص مقامات کا استعمال کریں، جہاں ایک غیر معروف اور غیر مطلوب

نوجوان کے ذریعے خط و کتابت کا تبادلہ ہو سکے۔

جنوبی مغربی کنارے پر العروب کیمپ، جو بیت لحم اور الخلیل کے درمیان واقع ہے، کے نوجوان ایک نوجوان "محمد" کے گھر آ کر اس کی رہائی پر مبارکباد دیتے ہیں، جو النقب جیل میں قید تھا، جب مبارکباد دینے والے چلے جاتے ہیں اور کیمپ میں لوگوں کی نقل و حرکت کم ہو جاتی ہے، تو محمد اپنی جیکٹ پہنتا ہے اور اپنے سر کو سرخ رومال سے ڈھانپ لیتا ہے اور گھر سے باہر نکل جاتا ہے، تاکہ راستے میں کوئی اسے پہچان نہ سکے، وہ ایک گھر پہنچتا ہے، دروازے پر ہلکی اور منظم دستک دیتا ہے، دروازہ کھلتا ہے اور "خالد"، جو بیس کی دہائی کے اوائل میں ہے اور جس کی ہلکی داڑھی ہے، باہر نکلتا ہے، خالد پوچھتا ہے، کیا میں گاڑی نکالوں ؟ محمد جواب دیتا ہے، ہاں، جلدی کرو، ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، خالد گاڑی نکالتا ہے، محمد اس کے ساتھ بیٹھتا ہے اور دونوں جنوب کی طرف، الخلیل کی جانب روانہ ہو جاتے ہیں، وہ الخلیل کے مرکز سے گزرتے ہیں اور مغرب کی طرف بڑھتے ہیں، الخلیل سے نکل کر بیت عوا کی طرف، خالد ایک گھر کے سامنے رک کر گاڑی سے اتر کر پیدل گھر کے دروازے تک جاتے ہیں اور دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں، دروازہ کھولنے والا ایک نوجوان ہے، خالد اس سے چند باتیں کرتے ہیں، نوجوان کے جواب دینے کے بعد گھر سے ایک آدمی باہر آتا ہے اور خالد سے ہاتھ ملاتا ہے، خالد اس سے کچھ باتیں کرتے ہیں، پھر وہ آدمی خالد کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتا ہے وہ دونوں گاڑی میں سوار ہو کر چل پڑتے ہیں، اور آدمی خالد کو راستہ بتاتا ہے، پھر وہ ایک قریبی گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: یہاں رک جاؤ، اور گاڑی سے اترتے ہوئے کہتا ہے: یہاں تھوڑا انتظار کرو، میں دیکھتا ہوں اور گھر کی طرف جاتے ہیں، وہ ارد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں، دروازہ کھولنے والا شخص ان سے بات کرتا ہے، پھر وہ واپس گاڑی کی طرف آتے ہیں اور خالد اور محمد سے کہتے ہیں کہ گاڑی سے اتر کر ان کے ساتھ گھر میں چلیں وہ سب گھر کے اندر ایک کمرے میں داخل ہوتے ہیں جہاں پانچ نوجوان بیٹھے ہوتے ہیں، ان میں سے دو نوجوان وہی ہیں جو کچھ عرصہ پہلے مجدو جیل سے فرار ہوئے

تھے ، جیسے ہی وہ محمد کو دیکھتے ہیں، وہ اپنی جگہوں سے کھڑے ہو کر ان کا استقبال اور معانقہ کرتے ہیں ، سب بیٹھ جاتے ہیں، ایک نوجوان پوچھتا ہے : آپ کب رہا ہوئے ؟ خالد جواب دیتے ہیں ، "آج" اور سب ہنسنے لگتے ہیں ، ایک نوجوان کہتا ہے، محمد کی طرح وہ کل تک انتظار نہیں کر سکتے تھے ، محمد مسکراتے ہوئے کہتا ہے ، صبر کیسے کر سکتا تھا ؟ اللہ کی قسم، اگر لوگوں کی محبت اور ان کی ملاقات کی قدر نہ ہوتی، تو والد اور بھائیوں سے ملاقات کے فوراً بعد یہاں آتا ، نوجوان ہنستے ہوئے کہتے ہیں، آہستہ آہستہ، ابو رشدی ! محمد کہتا ہے اہم بات یہ ہے کہ الحمدللہ، میں نے فوراً آپ لوگوں کو پالیا ، کیا خبریں ہیں؟ ہمارے پاس کتنے مجاہدین ہیں؟ گولہ بارود کی خبریں کیا ہیں؟ پناہ دینے والوں کی تیاری کیا ہے؟ کیا کوئی اہداف ہیں جنہیں نشانہ بنانا ہے؟ کیا ؟ کیسے ؟ کب ؟ اور نوجوان مسکراتے ہوئے محمد کے سوالات ختم ہونے کا انتظار کرتے ہیں ، ایک جوان شخص مسکراتے ہوئے کہتا ہے، ہمارا حال اچھا ہے، قائد! ہمارا حال اچھا ہے، ہم صرف آپ کی شمولیت کا انتظار کر رہے تھے اور پھر وہ ان کی تازہ ترین خبروں کے بارے میں بتانا شروع کرتا ہے۔

مجھے پناہ گزینوں کے مڈل اسکول میں نوکری کی منظوری مل گئی تھی ، جہاں میں نے کام شروع کر دیا ، فوراً ہی میری ماں نے مجھ سے شادی کے بارے میں بات کرنا شروع کر دی ، فوراً ہی میری یادداشتوں میں وہ لڑکی آئی جس سے میں محبت کرنے لگا تھا اور جسے میں یونیورسٹی کے راستے پر دیکھا کرتا تھا ، اور میں رابطہ منقطع کرلیا تھا جب سے ابراہیم کے ساتھ " واحد و تنہا محبت" کے بارے میں بات کی تھی ، میں نے اپنے دل میں سوچا : کیا وہ اب بھی موجود ہے؟ کیا اس کی شادی نہیں ہوئی؟ کسی نے اس کا رشتہ نہیں مانگا ؟ مجھے یہ دیکھنا ہے ، اگر وہ اب بھی ویسی ہی ہے، تو میری دعا پوری ہو سکتی ہے اور میں نے دل ہی دل میں دعا کی کہ اللہ اسے میری قسمت میں شامل کرے۔

ہم نے اپنی رات کا آغاز اپنی ماں کے کمرے میں کرنا شروع کر دیا تھا ، جو بھی شام کے وقت گھر میں موجود ہوتا، وہ ماں کے کمرے میں آتا ، وہ اپنی بیوی کے ساتھ آتا، جس نے لازمی طور پر اپنا سر ڈھانپا ہوتا،

سوائے مریم کے جو اپنے شوہر کے گھر میں ہوتی ، بھائی اور بہن بھی اپنے بچوں کے ساتھ آتے ، کبھی ہم سب اکٹھے ہوتے، کبھی صرف کچھ لوگ آتے ، ہم بیٹھ کر باتیں کرتے، خبروں کو دیکھتے اور اس کے بارے میں گفتگو کرتے ، کبھی تربوز کے بیج کھاتے، کبھی کوئی پھل یا مٹھائی لے آتا ، کوئی چائے یا سحلب بنا کر لاتا ، ہم اپنی شام مل کر گزارتے، بات چیت کرتے، کبھی کبھی بحث کرتے، کبھی کبھی اختلاف رائے کرتے اور کبھی کبھار کسی مسئلے پر متفق ہوتے ، پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد ہر کوئی اپنے اپنے اپارٹمنٹ کی طرف چلا جاتا ، عام طور پر وہ اپنے بچوں کو اٹھا کر لے جاتے جو نیند میں ڈوب چکے ہوتے۔

فوج کی بڑی تعداد اور انٹیلی جنس کے افسران، جو فوجی آپریشنز کے پس منظر میں حبرون (الخلیل) میں گرفتار شدہ خلیہ کے گھروں کو بند کرنے آئے تھے وہ ام جمیل کے گھر میں گھس جاتے ہیں اور اس کے اہل خانہ کو نکالنے لگتے ہیں اور کچھ سامان باہر پھینک دیتے ہیں، جبکہ کچھ فوجی کھڑکیاں اور دروازے ویلڈ کرتے ہیں ، انٹیلی جنس کا افسر ام جمیل کو زور سے دھکیلتا ہے جو اپنے گھر میں رہنے کی کوشش کر رہی ہوتی ہے، نتیجتاً وہ زمین پر گر جاتی ہے ، وہ اپنا ہاتھ اٹھا کر دعا کرتی ہے اور کہتی ہے، "اللہ کرے یہ تمہاری زندگی کے آخری دن ہوں، اور ان شاء اللہ، جوانانِ کتیب تمہیں مار ڈالیں۔

چند دن بعد ایک انٹیلی جنس افسر اپنی جدید گاڑی میں زمین کو چیرتا ہوا جا رہا تھا، اور اس کے پیچھے ایک تیز رفتار گاڑی تھی جس میں مجاہدین کی تعداد تھی اور ان کی بندوقیں تیار تھی تاکہ اس کے سر پر جہنم برسا سکیں ، جیسے ہی دوسری گاڑی قریب پہنچی، اس میں سے تین مشین گنوں کی گولیاں چلنے لگیں، جس سے گاڑی اور اس میں موجود افراد کا حال کچلے ہوئے بھوسے کی مانند ہو گیا۔

چند دن بعد مجاہدین ایک اور گاڑی کا انتظار کر رہے تھے جو کہ ایک بستی کے حاخام کی تھی، اور جیسے ہی وہ گاڑی آئی، انہوں نے اس پر گولیاں برسادیں، جس سے وہ وادی میں الٹ گئی اور حاخام مارا گیا اور اس کا

ساتھی زخمی ہوا ، مجاہدین فوری طور پر غائب ہو گئے۔

الخلیل اور اس کے ارد گرد کے دیہات میں مجاہدین کی کاروائیاں جاری تھیں اور انہیں جیسے ہی قابض فوج یا بستی والوں کا کوئی ہدف ملتا، وہ فوراً پتھروں کے پیچھے چھپ کر یا تیز رفتار گاڑی کے ذریعے حملہ کرتے ، انہوں نے کئی فوجی جیپوں، عام بستی والوں کی گاڑیوں اور بسوں پر حملہ کیا جو کہ بستی والوں یا فوجیوں کو علاقے سے یروشلم لے جا رہی تھی۔

ہر روز فائرنگ کی کاروائیاں ہوتیں اور زیادہ دن نہیں گزرتے تھے کہ قابض فوج کو یہاں یا وہاں سے کوئی ضرب لگتی ، جنوبی علاقے میں ضرب لگتی تو فوج وہاں جا کر محاصرہ کرتی، گرفتاریاں کرتی ، اور کرفیو نافذ کرتی، پھر شمال میں ضرب لگتی، تو فوج وہاں جاتی، اور پھر مشرق یا مغرب میں ضرب لگتی ، درجنوں کاروائیاں اور درجنوں ہلاکتیں ہونے لگی ، مجاہدین دو گروپوں میں بٹے ہوئے تھے، ایک جنوبی الخلیل اور دیہات میں، اور دوسرا شمالی الخلیل اور دیہات میں ، ہر گروپ دوسرے گروپ کے کام کو جاری رکھتا۔

جنوبی لبنان کے مرج الزہور کیمپ میں، جمال اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا، ایک ٹانگ دوسری پر رکھی ہوئی تھی اور وہ ٹانگ خوشی سے ہل رہی تھی، جب وہ خبریں سن رہا تھا اور ہلکا سا پراعتماد ہنس رہا تھا ، اس نے اپنے دوست عبدالرحمن سے کہا: کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا ؟ کیا میں نے نہیں کہا تھا ؟ عبدالرحمن نے پوچھا : کیا کہا تھا، شیخ جمال؟ جمال نے کہا: کیا تمہیں یاد ہے وہ کہانی جو میں نے تمہیں صوریف کے پہاڑ پر بتائی تھی جب تم ہمیں ملنے آئے تھے، اور تمہارا بڑا بھائی آیا تھا، اور ہمارے لیے کھانا لایا تھا اور ہمارے ساتھ بیٹھ کر باتیں کی تھی ، عبدالرحمن نے جواب دیا: مجھے وہ موقع یاد ہے، لیکن کہانی یا جو تم نے کہا تھا وہ یاد نہیں ، وہ کہانی کیا تھی اور تم نے کیا کہا تھا؟ جمال مسکراتے ہوئے بولا : وہ کہانی جو میں نے تمہیں اس دن بتائی تھی کہ جب میں بچہ تھا، اور یہودیوں نے 1967 میں الخلیل پر قبضہ کر لیا تھا اور شہر میں آسانی سے گھوم رہے تھے، اور کوئی مخالفت نہیں تھی، میں نے زمین سے ایک پتھر اٹھایا اور ایک یہودی پر پھینک دیا اور سیب کے درختوں

کے پیچھے بھاگ گیا اور کچھ وقت کے بعد، میں نے اپنے پڑوسی کے بیٹے کی آواز سنی، جو مجھے بلا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ یہودی وہاں سے جا چکا ہے ، جب میں باہر نکلا تو دیکھا... عبد الرحمن نے بات کاٹتے ہوئے کہا... مجھے یاد آیا، جب تم باہر نکلے تو دیکھا کہ یہودی نے تم پر بندوق تانی ہوئی تھی اور تمہیں دھمکی دی تھی، تو جمال نے جواب دیا: بالکل صحیح ، عبد الرحمن نے پوچھا: تمہیں یہ بات کیسے یاد آئی ؟ جمال نے جواب دیا: مجھے یہ موجودہ حالات کی وجہ سے یاد آیا، جو آج کل الخلیل میں ہو رہی ہیں، ہر وقت فدائی حملے ہو رہے ہیں، حالانکہ شہید بھی ہو رہے ہیں، محاصرہ بھی ہے، کرفیو بھی ہے اور اجتماعی سزائیں بھی دی جا رہی ہیں۔

آج کی الخلیل پچیس سال پہلے کی الخلیل نہیں ہے، وہ الخلیل جو امن سے جینا چاہتی تھی، روزی کمانا چاہتی تھی، دولت بنانا چاہتی تھی اور کوشش کرتی تھی کہ ہم قابضین اور آبادکاروں سے ٹکراؤ نہ کریں، حالانکہ وہ ہمیں کبھی بھی سکون سے نہیں چھوڑتے تھے ، لیکن آج کی الخلیل، جہاد، مزاحمت اور شہادت کی جگہ ہے... وہ ایک آہ بھر کر کہتا ہے : جمال ! دیکھو کہ کس طرح صبر اور نرم آگ نے چیزوں کو پکا دیا ہے اور تبدیلی لائی ہے ، عبد الرحمن مسکراتے ہوئے کہتا ہے: بالکل صحیح، اور الحمدللہ کہ ہماری کوششیں ضائع نہیں گئیں ، بلکہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ نئی نسل لڑاکا اور مرنے کے لیے تیار ہے، الحمدللہ جمال مسکراتے ہوئے کہتا ہے : اور پھر کیا عبد الرحمن؟ اور تم نے اور کیا دیکھا ؟ یہ تو آغاز ہے اور اللہ کے فضل سے بہت زیادہ عظیم چیزیں آئیں گی ، و اللہ میں دیکھ رہا ہوں کہ آنے والے دنوں میں، ہماری سرزمین قابضین کے قدموں کے نیچے آگ بن جائے گی اور میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس دن کو کوسیں گے جس دن انہوں نے ہماری زمین پر قدم رکھا اور ہمارے مقدسات پر قبضہ کیا۔

پچیسویں فصل

ایک شام جب ہم سب ماں کے کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، ابراہیم نے کہا کہ وہ مریم اور بچوں کے ساتھ ایک ہفتے کے لیے محمد سے ملنے اور ماحول تبدیل کرنے کے لیے رام اللہ جانے کا سوچ رہا ہے، محمود

اور حسن کی بیویاں دونوں نے ایک ساتھ کہا کہ یہ خیال بہترین ہے، جبکہ محمود اور حسن خاموش رہے ، ماں ابراہیم کے چہرے کے تاثرات کو غور سے دیکھ رہی تھی، جیسے کہ وہ اس کے الفاظ سے کچھ زیادہ جاننے کی کوشش کر رہی ہو ، ابراہیم نے جیسے ہی ماں کے خیالات کو سمجھا تو اس سے مخاطب ہو کر بولا : آپ کا کیا خیال ہے ، چچی ! اور کیا آپ چند دنوں کے لیے ہمارے ساتھ چلیں گی ؟ رام اللہ اور مغربی کنارے کی سیر کریں گے ، پھر واپس آ جائیں گے؟ ماں نے جیسے ہی اس کی دعوت سنی تو مطمئن ہو کر بولی : میں بوڑھی ہوگئی ہوں اور سفر کرنے کے قابل نہیں رہی، تم سب جاؤ اگر چاہو ،مریم نے کہا : چلو ماں، اس میں کوئی تھکن نہیں ہے، گاڑی تمہیں یہاں سے اٹھا کر وہاں دروازے تک پہنچا دے گی ، پھر ابراہیم کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا : ہم اپنی ہی گاڑی میں جائیں گے، ابراہیم، کیا ایسا نہیں ہے؟ ابراہیم نے جواب دیا : جب چاہو، کل اگر چاہو یا دو دن بعد، ایک ہفتے بعد، جب تم چاہو ، ماں نے کہا : مجھے صبح تک سوچنے دو، کل تمہیں جواب دوں گی ، اگلے دن ماں نے معذرت کر لی اور ان کے سفر کے لیے دعا کی، جہاں ابراہیم اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ رام اللہ کے لیے روانہ ہوا ، راستے میں وہ مریم اور اسراء کو ان علاقوں کے بارے میں بتاتا رہا جن سے وہ گزر رہے تھے ، راستے میں ایک جگہ رکے، جہاں وہ گاڑی سے اترے اور یاسر کو اٹھا کر اس سے باتیں کرنے لگے کہ یہ ہماری زمین ہے جہاں سے میرے دادا، والد اور چچا کو ہجرت کرنی پڑی تھی، ہماری بستی الفالوجہ کی زمین ، کچھ دیر وہاں رکے پھر دوبارہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ رام اللہ پہنچے، جہاں محمد اور اس کی بیوی نے ان کا بہترین استقبال کیا ، پہلی رات گپ شپ کرتے گزری اور پھر سب سونے چلے گئے ، صبح ابراہیم محمد کو یونیورسٹی چھوڑنے گیا، محمد کے روکنے کے باوجود ابراہیم نے اصرار کیا کہ وہ اسے یونیورسٹی لے جائے گا، یہ موقع اسے محمد کی رہائش گاہ کو دیکھنے کا موقع دے گا۔

ابراہیم نے گاڑی روکی اور اسے بند کر کے چلنے لگا، طلباء کے چہروں کو غور سے دیکھنے لگا، جب اس نے ایک نوجوان کو دیکھ کر محسوس کیا کہ وہ اسے صحیح راستہ دکھا سکتا ہے ، اس سے پوچھا تو اس نے ایک مخصوص جگہ

کی طرف اشارہ کیا، ابراہیم وہاں روانہ ہوا، ایک کیفے ٹیریا میں گیا جہاں کچھ نوجوان بیٹھے تھے، کچھ داڑھی والے تھے ، اس نے سلام کیا اور اپنی مطلوبہ جگہ کے بارے میں پوچھا تو ایک نوجوان اسے لے جانے کے لیے اٹھا ، ابراہیم اس کے پیچھے چلتا رہا یہاں تک کہ وہ اسے ایک اور نوجوان کے پاس لے گیا، ایسا لگ رہا تھا کہ ابراہیم اسے پہلے سے جانتا تھا ، اس نے نوجوان کا شکریہ ادا کیا اور اکیلا آگے بڑھا، نوجوان "صلاح" نے اسے بڑی گرمجوشی سے خوش آمدید کہا، دونوں کچھ دیر باتیں کرتے رہے اور پھر اس معاہدے پر رخصت ہوئے کہ نوجوان تھوڑی دیر بعد ابراہیم کی گاڑی کے پاس آئے گا ، ابراہیم اپنی گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا ، تھوڑی دیر بعد صلاح واپس آیا اور اس کے ساتھ ایک اور نوجوان بھی تھا، وہ گاڑی میں داخل ہوئے، صلاح اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور دوسرا نوجوان پیچھے بیٹھ گیا ، گاڑی آہستہ چلنے لگی کیونکہ گفتگو گاڑی کے اندر ہی مقصود تھی، نہ کہ کسی مخصوص مقام پر جانا ، تقریباً آدھے گھنٹے کی گفتگو کے بعد، ابراہیم نے نئے نوجوان مؤمن کو پیسوں کا ایک بنڈل دیا ، مؤمن نے پیسے لے کر اپنی جیب میں چھپائے، پھر ابراہیم نے اپنی گاڑی کو یونیورسٹی کی طرف موڑا، جہاں اس نے دونوں نوجوانوں کو اتارا اور رام اللہ واپس چلا گیا ، وہاں اس نے محمد کی یونیورسٹی سے واپسی تک گاڑی چلائی، پھر گھر واپس آیا۔

مؤمن نے اپنا تعلیمی دن ختم کیا اور گاڑی میں سوار ہو کر اپنے گھر، جو کہ یروشلم کے قریب بیت حنینا میں ہے، واپس چلا گیا ، شام کو مغرب کی نماز کے لیے مسجد گیا، جہاں اس نے اپنے ایک دوست سے ملاقات کی وہ ایک طرف ہو کر سنجیدہ گفتگو کرنے لگے، پھر مؤمن اپنے ایک اور دوست کے گھر گیا، دروازہ کھٹکھٹایا، دوست باہر آیا اور دونوں خاموشی سے سڑک پر چلتے رہے ، مؤمن اسے سنجیدگی اور توجہ سے کچھ بتا رہا تھا اور اس کا دوست بھی بڑی توجہ سے سنتا رہا اور سر ہلاتا رہا ، اگلے دن مؤمن یونیورسٹی گیا، جہاں اس نے صلاح سے ملاقات کی اور بتایا کہ وہ تیار ہے، کیونکہ اب خلیہ کام کرنے کے لیے تیار ہے ، اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کی آمادگی کی تصدیق کی ہے ، صلاح رام اللہ جاتا ہے، جہاں ابراہیم سے ملاقات کرتا ہے اور اسے

معاملے کی اطلاع دیتا ہے ، پھر ابراہیم اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر بیرزیت جاتا ہے، جہاں وہ مؤمن سے ملتے ہیں ، ابراہیم مؤمن کو ایک چھوٹا ڈبہ دیتا ہے، اس کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑتا ہے اور کامیابی و کامرانی کی دعا کرتا ہے ، شام کو مؤمن اور اس کے دو ساتھی گاڑی میں نکلتے ہیں، جو کہ ایک اسرائیلی کمپنی کی ہے اور اس پر عبرانی میں لکھا ہوا ہے ، وہ یروشلم کے ارد گرد کے عمومی راستوں کا جائزہ لیتے ہیں ، پہلے دن وہ شمال کی طرف جاتے ہیں اور دوسرے دن جنوب کی طرف، اور وہ قابض افواج اور پولیس کی حفاظتی تدابیر، گاڑیوں اور پیدل چلنے والوں کی حرکت، اور سڑک کے کنارے کھڑے اکیلے فوجیوں کی موجودگی کا جائزہ لیتے ہیں ، جب بھی انہیں کوئی چیز راستے کے دونوں طرف نظر آتی ہے، وہ اپنے ساتھی کو اس کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

چند دن بعد وہ تینوں گاڑی میں نکلتے ہیں، مؤمن پچھلی سیٹ پر بیٹھتا ہے، اور اس کے دو ساتھی ایک ڈرائیور کی جگہ اور دوسرا اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہیں ، گاڑی بیت حنینا سے جنوب کی طرف چلتی ہے ، جب وہ عرب علاقے سے دور ہوجاتے ہیں، تو وہ اپنی جیبوں سے چھوٹی ٹوپیاں نکالتے ہیں جو یہودی مذہبی لوگ پہنتے ہیں ، وہ ٹوپیاں اپنے سروں پر رکھتے ہیں اور سڑک کے کنارے ایک مناسب ہدف کی تلاش میں نکلتے ہیں ، ایک فوجی اپنی وردی میں بندوق کے ساتھ کھڑا گاڑیوں کو اشارہ کر رہا ہوتا ہے کہ انہیں کسی گاڑی میں بٹھا لے جائے ، مؤمن اپنی تھکاوٹ کے باعث سر کو کرسی پر لگا کر سوتا ہے۔

کار رکی تو سپاہی آگے بڑھ کر سامنے کی کھڑکی سے جھانکتا ہے اور عبرانی میں ڈرائیور سے پوچھتا ہے "התסובת סמי" (ٹیسوبت سمی) حسن عبرانی میں جواب دیتا ہے "تعلیہ" (تعلیہ) پھر وہ پچھلا دروازہ کھولتا ہے اور کار میں چڑھ جاتا ہے ، چند منٹوں کے بعد جب کار چل رہی ہوتی ہے اور ریڈیو عبرانی گانے بجا رہا ہوتا ہے، مؤمن اپنی بندوق سپاہی کے چہرے پر تانے ہوئے ہوتا ہے اور اس کے ہتھیار تک رسائی کو روکنے کے لیے اپنا ہاتھ اس پر رکھتا ہے ، عبد الکریم اس کی طرف مڑ کر چاقو اس کے چہرے پر تانے ہوئے

ہوتے ہیں ، دونوں اسے حرکت نہ کرنے کی دھمکی دیتے ہیں تاکہ اس کی حفاظت اور سلامتی کو یقینی بنایا جا سکے، لیکن وہ نکلنے کی کوشش کرتا ہے اور بندوق نکالنے کی کوشش کرتا ہے ، مؤمن اس پر کئی گولیاں چلاتا ہے اور عبد الکریم اسے کئی بار چاقو سے مارتا ہے ، وہ اس کی اوٹومیٹک بندوق (M16) لے لیتے ہیں اور اس کی کمر پر ایک بڑا کاغذ لگا دیتے ہیں جس پر لکھا ہوتا ہے کہ کتیبہ (بریگیڈ) نے اس کے اغوا اور قتل کی ذمہ داری قبول کی ہے اور اسے سڑک کے کنارے پھینک دیتے ہیں ، وہ وادیوں میں لڑھک جاتا ہے۔

عبد الرحیم نے محمد ابو رشدی سے ملاقات کی، جو جنوبی غرب اردن، الخلیل، بیت لحم اور اس کے دیہات کے علاقے میں کتیبہ (بریگیڈ) کا قائد تھا ، عبد الرحیم اپنے گاؤں صوریف چلا گیا، وہ محسوس کر رہا تھا کہ دنیا اس کے لیے تنگ ہو چکی ہے، وہ ہفتے کے گزرنے کا انتظار کر رہا تھا تاکہ عملی طور پر مجاہدین کی صفوں میں شامل ہونے کا مقصد پورا ہو سکے ، اگلے دن گاؤں میں قابض افواج کے ساتھ جھڑپیں اور تصادم ہوئے جو ایک نوجوان کو گرفتار کرنے آ گئے تھے ، گاؤں کے لوگوں نے پتھروں کے ساتھ مزاحمت کی اور ان کے پتھروں سے کئی سپاہی زخمی ہو گئے ، جب اس رات کی تاریکی گاؤں پر چھا گئی، قابض فوج اور انٹیلی جنس کی بڑی تعداد نے گاؤں میں وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع کر دیں ، بڑی فوجی طاقت نے میری خالہ کے گھر پر چھاپہ مارا اور عبد الرحیم کو گرفتار کر لیا، گھر کی تفصیلی تلاشی لی لیکن کچھ نہیں ملا سوائے چند کاغذات اور بیانات کے جن کا جواز پیش کرنا آسان تھا کہ وہ سڑک پر ملے ہیں ، جیسا کہ بہت سے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

میری خالہ فتحیہ اپنے جگر کے ٹکڑے اور آنکھوں کے نور عبد الرحیم کی گرفتاری پر پاگل سی ہو گئی، لیکن جب وہ اسے گھر سے باہر لے جا رہے تھے تو اس کی مزاحمت بے سود ثابت ہوئی ، لیکن اس کو تھوڑی تسلی اس بات سے تھی کہ عبد الرحیم اب ایک مرد بن چکا تھا اور اس کے لیے خوف کی کوئی بات نہیں تھی ، جب وہ اسے گرفتار کر رہے تھے تو وہ بالکل ایک مرد کی طرح ثابت قدم تھا اور اس کی دروازے پر کہی ہوئی باتیں

"يا أماه لا تخافي علي فقد أصبحت رجلاً" (اے میری ماں، میرے متعلق نہ ڈرو، میں مرد بن چکا ہوں) اس کے کانوں میں گونجتی رہتی تھی اور اسے تسلی دیتی تھی ، وہ اللہ سے اس کی حفاظت، سلامتی اور جلد واپسی کی دعا کرتی رہی۔

عبدالرحیم کو نقب جیل لے جایا گیا، جہاں اسے چھ ماہ کے انتظامی قید کی سزا سنائی گئی ، اس دوران انہوں نے وہاں بہت سے نوجوانوں، علماء اور داعیوں سے ملاقات کی اور وہاں موجود ثقافتی اور تربیتی رسائل کے ذریعے کافی فائدہ اٹھایا۔

ابو رشدی اور اس کے ساتھیوں نے علاقے میں قابض افواج اور ان کے آبادکاروں پر اپنے حملے تیز کر دیے ، شاید ہی کوئی دن گزرتا ہو جب وہ ایک یا دوسری گشتی پارٹی یا آبادکاروں پر حملہ نہ کرتے ہوں ، کبھی وہ گاڑی کے ذریعے حملہ کرتے، کبھی راستے کے کنارے، پہاڑوں کے دامن یا وادیوں کی گہرائیوں میں چھپ کر نشانہ بناتے، اور قابضین پر مجاہدین کی گولیاں برساتے ، یہاں ایک ہلاک، وہاں ایک زخمی، اس طرح ہر جگہ قابضین کو نقصان پہنچتا۔

کچھ مجاہدین کی گرفتاری کے بعد، دشمن کی انٹیلی جنس اور فوج کی کڑی محنت کے باعث، ابو رشدی اور اس کے کچھ اہم ساتھیوں کے نام قابض افواج کے علم میں آگئے ، ان افواج، خاص طور پر انٹیلی جنس افسران نے ابو رشدی کے گھر پر کئی حملے کیے تاکہ اسے گرفتار کر سکیں، لیکن ناکام رہے ، کیونکہ جیسے ہی ان ساتھیوں کو گرفتار کیا گیا، ابو رشدی نے اپنے گھر والوں سے الوداع کہا اور انہیں بتایا کہ وہ شاید طویل عرصے تک گھر واپس نہ آئے ، انہوں نے قریبی پہاڑوں یا دیہات میں چھپ کر رہنا شروع کر دیا، جہاں وہ دوستوں یا اچھے لوگوں کے گھروں میں پناہ لیتے تھے، جو مزاحمت کاروں کو پناہ دینے اور مدد فراہم کرنے میں جلدی کرتے تھے۔

ایک شام ہم اپنی والدہ کے کمرے میں بیٹھے تھے، چائے کی چسکیاں لے رہے تھے اور تربوز کے بیجوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے ، مختلف موضوعات پر گفتگو ہو رہی تھی جب خبریں سننے کا وقت آیا ، محمد نے ٹیلی ویژن پر خبریں چلائی اور پتہ چلا کہ خبریں لیک ہوئی ہیں کہ فلسطینیوں جو کہ فلسطینی لبریشن آرگنائزیشن کے نمائندے ہیں، اور اسرائیل کے درمیان کسی یورپی دارالحکومت میں طویل عرصے سے خفیہ مذاکرات ہو رہے ہیں، اور دونوں فریقین کے درمیان معاہدے کی شکل پر اتفاق قریب ہے۔

فائزہ نے "حسن" کو بلایا اور اس نے مذاق میں مذاکرات کرنے والوں پر تنقید شروع کر دی ، حالیکہ وہ اس طرح کے کسی بھی واقعے کی مذمت کرتا ہے ، کیونکہ اس کی نظر میں یہودیوں کے ساتھ کسی بھی صورت میں مذاکرات کرنا جائز نہیں ہے ، مذاکرات کا مطلب اسرائیل کو تسلیم کرنا اور فلسطین کی سرزمین پر اس کے وجود کو قبول کرنا ہے، اور کسی بھی فلسطینی کو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے ، محمود حسن کے اس موقف پر اپنی ناپسندیدگی ظاہر کر رہا تھا، اور حیران تھا کہ ایسے معاملے میں دین کو کیوں شامل کیا جا رہا ہے ، یہ ایک سیاسی معاملہ ہے، اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے ، سیاستدان معاملات کا اندازہ لگاتے ہیں اور ضروری اقدامات اٹھاتے ہیں ، وہ سوال کرتا ہے کہ حسن کے ہدف اور اسلامی گروہ کا اس انتفاضہ سے کیا مقصد ہے، اور اس کے ساتھ ہونے والی سرگرمیوں، شہداء، اور قربانیوں کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ ساری کوششیں بے معنی ہیں؟ کیا اس کا کوئی مقصد نہیں، صرف مرنا ہے؟ یا اس کا کوئی مخصوص مقصد ہے؟ وہ نتیجہ نکالتا ہے کہ انتفاضہ کے واضح اور معقول سیاسی مقاصد ہونے چاہیے ، اور بندوق غیر سیاسی ہے صرف ایک خودکشی اور بے معنی کوشش ہے ، ابراہیم پوچھتا ہے اور آپ کے مطابق واضح اور معقول مقاصد کیا ہیں؟ محمود جواب دیتا ہے کہ بین الاقوامی قوانین کے فیصلوں کا نفاذ ہونا چاہئے جو 1969 میں مقبوضہ اراضی میں فلسطین کی ریاست کے قیام کی وضاحت کرتا ہے ،حسن چلا کر کہتا ہے : یعنی ہمیں اسرائیل کے حق کو فلسطین کی تاریخی اراضی کے 75٪ سے زیادہ پر تسلیم کرنا ہوگا، بدلے میں وہ مغربی کنارے اور غزہ پٹی سے پیچھے ہٹ جائیں گے اور وہاں

فلسطینی ریاست قائم ہوگی؟ محمود جواب دیتا ہے : ہاں، اور کیا آپ اس سے زیادہ چاہتے ہیں؟ حسن زور سے کہتا ہے، ہاں، میں اس سے زیادہ چاہتا ہوں کیونکہ اسرائیل ایک غاصب ریاست ہے جو ہماری زمین پر قائم ہوئی ہے، اور اسے ختم ہونا چاہئے ، محمود مسکراتے ہوئے کہتا ہے : کس نے کہا کہ اسرائیل کو ختم نہیں ہونا چاہئے، بھائی، ہم ابھی بلند بانگ نعروں کی بات نہیں کر رہے، ہم اس وقت سیاسی مرحلے کے حقائق اور حالات کی بات کر رہے ہیں... حقیقت یہ ہے کہ دنیا ہمارے قضیے کو منصفانہ طور پر حل کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے، عرب کچھ فیصلہ کن کرنے میں ناکام ہیں، اور ہم فلسطینیوں کے پاس وہ صلاحیت نہیں ہے... حسن نے غصے اور تعصبا اسے کاٹتے ہوئے کہتا ہے : کس نے کہا کہ ہمارے پاس صلاحیت نہیں ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ہم نے دو سالوں میں ان کے سینکڑوں کو مارا ہے، محمود ہنستے ہوئے بات کاٹتا ہے : اور اس کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے بھی ہمارے کئی گنا زیادہ کو مارا ہے، حسن چلا کر کہتا ہے : اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنے موقف کو تبدیل کرنے کے لیے تیار ہو چکے ہیں، کیا آپ نے حالیہ دنوں میں ان کے سیاستدانوں کی غزہ چھوڑنے کی تیاری کے بارے میں بیانات نہیں سنے؟ محمود جواب دیتا ہے : سنے ہیں اور یہ ہوگا کہ وہ غزہ اور مغربی کنارے سے نکل جائیں گے، اور وہاں ہم فلسطینی ریاست قائم کریں گے، ابراہیم مداخلت کرتے ہوئے کہتا ہے : محمود مشکل فلسطینی ریاست کے قیام میں نہیں ہے، کوئی فلسطینی نہیں ہے جو فلسطینی ریاست کے قیام کو نہ چاہتا ہو، لیکن مشکل اس قیمت میں ہے جو ہم فلسطینی عوام ریاست کے قیام کے بدلے میں ادا کریں گے، محمود طنزیہ مسکراتے ہوئے کہتا ہے : یعنی اے فلسفی، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ریاست کا قیام بغیر اسرائیل کو تسلیم کیے ممکن ہے ؟ ابراہیم مسکراتے ہوئے کہتا ہے: ہاں، محمود چلا کر کہتا ہے، کیسے؟ اور کون... ابراہیم بات کاٹتے ہوئے کہتا ہے: واضح ہے کہ مزاحمت اور فوجی سرگرمیاں جو قابض کو جانی نقصان پہنچا رہی ہیں، اور عوامی انتفاضہ جو اسے سیاسی اور میڈیا نقصان پہنچا رہا ہے، اسے غزہ اور مغربی کنارے سے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیں گی، اور اس وقت ہم کسی بھی زمین پر جو دشمن خالی کرے گا، ریاست قائم کر سکیں گے، محمود

دوبارہ طنزیہ مسکراتے ہوئے کہتا ہے : اور فرق کیا ہے اے فلسفی؟ مریم چلا کر کہتی ہے، آپ اس سے اس انداز میں کیوں بات کر رہے ہیں؟ محمود کے جواب دینے سے پہلے، ابراہیم نے اشارے سے مریم کو خاموش رہنے کا کہا، کہتا ہے : مریم، محمود سے ناراض نہ ہو، اسے اسی طرح کرنے دو جیسے وہ چاہتا ہے، وہ ہم سب کا (ابو) ہے۔

محمود نے شرمندگی سے نظر پھیری اور کہا: اہم بات یہ ہے کہ اسرائیل کے مغربی کنارے اور غزہ یا کسی بھی حصے سے معاہدے کے ساتھ یا بغیر معاہدے کے نکلنے میں کیا فرق ہے؟ تو ابراہیم نے جواب دیا: فرق یہ ہے کہ اگر وہ معاہدے کے ساتھ نکلتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم فلسطینیوں کو کم از کم اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ان کا ہماری باقی زمین پر بھی حق ہے ، لیکن اگر وہ بغیر معاہدے کے مزاحمت کے دباؤ میں نکلتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم نے کسی چیز کی پابندی نہیں کی اور ہمارے لیے دروازہ کھلا ہے کہ ہم فوراً یا کچھ وقت بعد جب ہمیں مناسب وقت ملے، جدوجہد جاری رکھیں۔

یہاں محمود نے اسے کاٹتے ہوئے کہا: آپ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ حالات ایسے ہی چلتے ہیں، یہ سیاسی نادانی ہے ، آپ لوگ سیاست اور ہمارے مسئلے کے گرد و نواح کے حقائق کو نہیں سمجھتے، اور نہ ہی آپ ہماری ذاتی یا موضوعی حالتوں کو جانتے ہیں ، حسن غصے میں بولا : تم ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہو محمود ، حملہ کرتے ہو اور بڑی بڑی اصطلاحات استعمال کرتے ہو جو موقع کے لیے مناسب نہیں ہیں ، ہماری ذاتی اور موضوعی اور ڈرامائی اور بتنجی حالتیں " محمود ہنستے ہوئے بولتا ہے : یہی تو میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ تم لوگ سیاسی نادان ہو، اور چیزوں کو سادگی سے دیکھتے ہو ، حسن نے چیخ کر کہا : نادان مت کہو اور بغیر حملے کے احترام سے بحث کرو ، اس وقت میری ماں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: بس کرو آج رات کے لیے، اپنے اپنے کاموں کو جاؤ، مجھے سونا ہے، تم لوگوں نے اپنی سیاسی باتوں سے ہمارا سر کھول دیا ہے۔

یحیٰی اپنے ایک دوست کے گھر میں (شمالی مغربی کنارے کے قراوۃ بنی حسان گاؤں میں) چھپا ہوا ہے اور وہاں

رہتے ہوئے کچھ بم تیار کرتا ہے جنہیں اس کے کچھ معاونین ان گروپوں تک پہنچاتے ہیں جن کے ساتھ اس نے کام کرنے کا معاہدہ کیا ہے ، یہ گروپ سڑکوں پر گشت کرنے والی گاڑیوں یا آبادکاروں کے راستے میں انہیں نصب کرتے ہیں، جس سے کچھ محدود کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں ، لیکن اس نے بلاشبہ لڑائی کے آلات میں ایک نیا عنصر شامل کیا ، اس وقت قابض فوج یحیٰ کی تلاش میں کبھی کبھار اس کے گھر پر چھاپہ مارتی ہے،، لیکن ناکام رہتی ہے ، وہ گھر کا سارا سامان الٹ پلٹ کر تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے والدین سے تفتیش کرتے ہیں جن کے پاس اپنے بیٹے کے بارے میں کچھ نہیں ہوتا۔

عام حالات میں گھر کی گلی کے کونے پر ایک لڑکا مشکوک انداز میں کھڑا رہتا ہے، جو زیادہ تر وقت گھر کی نگرانی کرتا ہے جبکہ ارد گرد کی چیزوں میں مشغول ہونے کا بہانہ کرتا ہے اور کھلے عام... یحیٰ پچھلی طرف سے چھپ کر آتا ہے، کھڑکی سے گھر میں داخل ہوتا ہے، اپنے والدین کے ہاتھوں اور سروں کو چومتا ہے، اپنے بچے کو پیار کرتا ہے، اپنی بیوی سے ملتا ہے، نہاتا ہے اور کپڑے تبدیل کرتا ہے، پھر اپنے چھپنے کی جگہ اور کام کی طرف واپس چلا جاتا ہے۔

غزہ میں ابراہیم ، عماد اور دو دیگر مجاہدین کے ساتھ ابو نضال کے گھر میں ملتا ہے ، وہ کمرے میں اکیلے بیٹھے ہیں جہاں نضال نے انہیں چائے پیش کی اور ان کے نجی امور پر بات کرنے کے لیے کمرے سے نکل گیا ، ابراہیم ایک رپورٹ پیش کرتا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ صبح چھ سے سات بجے کے درمیان دو گاڑیوں پر مشتمل ایک دوہری گشتی دستہ ہر روز شارع النصر پر الشاطئ کیمپ کے قریب حرکت کرتا ہے ، وہ ان کے سامنے چٹائی پر ایک تقریباً نقشہ رکھتا ہے جس میں سڑک اور اس کے فروع دکھائے گئے ہیں اور قلم سے اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے : یہ فرع باطون کے ڈرموں سے بند ہے جو قابض افواج نے رکھے ہیں، یہ فرع ایسی ہے جس سے گاڑی چپکے سے نکل سکتی ہے، اور یہ فرع کچی ہے، جو گاڑیوں کے لیے موزوں نہیں ہے ، عام طور پر گشتی دستے شمال سے آتے ہیں اور جنوب کی طرف جاتے ہیں لیکن کبھی کبھار مخالف سمت میں

بھی حرکت کرتے ہیں ، عمار نے ابراہیم کے ہاتھ سے قلم لیتے ہوئے کہا: وہاں کوئی شخص ہونا چاہیے جو گشتی دستے کی آمد اور اس کے رخ کا اشارہ دے ، ہم دو حصوں میں تقسیم ہوں گے : پہلا حصہ یہاں ہوگا، (قلم سے مغرب کی طرف ایک فرع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اور دوسرا حصہ یہاں ہوگا، (پہلی فرع کے جنوب میں ایک اور فرع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اشارے کا شخص دونوں فروع کے درمیان عام سڑک پر حرکت کرے گا اور گشتی دستے کی آمد اور رخ کو فوراً دونوں گروپوں کو منتقل کرے گا، خاص طور پر دوسرے گروپ کو جو گشتی دستے کی آمد کے نقطے سے دور ہے، اور فوراً اس میں شامل ہو جائے گا ، پہلا گروپ گشتی دستے کو اپنے سامنے سے گزرنے دے گا، پہلی گاڑی کو گزرنے دے گا اور دوسری گاڑی کے گزرنے کے بعد اس پر فائر کھولے گا ، اس وقت پہلی گاڑی پہلے گروپ تک پہنچ چکی ہو گی اور وہ اس پر حملہ کرے گا، اس طرح دونوں گاڑیوں کو گھات لگا کر مارا جائے گا اور ایک دوسرے کی مدد نہیں کر پائیں گی کیونکہ ہر ایک گاڑی ہمارے کھولے گئے فائر میں پھنس جائے گی۔

آج ہم مقام کا جائزہ لینے اور انخلاء کے راستے دیکھنے کے لیے نکلیں گے، اور کل صبح اس کے لیے نکلیں گے، ان شاء اللہ ، وہ جواب دیتے ہیں ان شاء اللہ ، ابراہیم بات جاری رکھتا ہے، عماد ! کل مجھے بھی تمہارے ساتھ شامل ہونا چاہیے، اب میں صرف انٹیلی جنس کے کام پر صبر نہیں کرسکتا، اور مجھے کچھ کارروائیوں میں تمہارے ساتھ شامل ہونا ضروری ہے ، ایک موجود شخص جواب دیتا ہے، لیکن... عماد اسے کاٹتے ہوئے کہتا ہے : کوئی بات نہیں ابراہیم، کوئی بات نہیں، کل صبح ساڑھے پانچ بجے ہمیں ملنا ، صبح مقررہ وقت پر دو افراد پہلی فرع میں اور دو دوسری فرع میں گھات لگائے بیٹھے ہیں اور ایک نوجوان عام سڑک پر چل رہا ہے، ظاہر کر رہا ہے کہ وہ اپنی کام کی گاڑی کا انتظار کر رہا ہے ، ہر فرع کے آخر میں ایک گاڑی کھڑی ہے جس کا ڈرائیور اسٹیئرنگ وہیل کے پیچھے بیٹھا ہے اور انجن روانگی کے انتظار میں چل رہا ہے ، اشارے کے نوجوان نے اعلان کیا کہ گشتی دستہ شمال سے آ رہا ہے ، اور وہ دستہ دیر سے گروپ میں شامل ہوا، اور پانچ مشین

گئیں تیار ہو گئیں، پہلی جیپ کار فرع اول کے سامنے گزری، اور جب دوسری پہنچی تو دو مجاہد دوڑتے ہوئے تفرع کے سرے پر پہنچے اور اپنی بندوقوں سے فائرنگ شروع کردی جبکہ وہ گاڑی کے پیچھے چھپے ہوئے تھے ، اسی وقت تین افراد دوسری فرع سے مرکزی سڑک کی طرف بڑھے جہاں انہوں نے پہلی گشت کو دیکھا اور اپنی تین بندوقوں سے فائرنگ شروع کردی ، پانچوں میں سے ہر ایک نے اپنی بندوق کا میگزین بدلا، اور دوسرے میگزین سے چند گولیاں چلائیں، جو دونوں گشتوں کی طرف سے غیر مرتکز انداز میں آئیں، اور دونوں گاڑیاں دیوار سے ٹکرا گئی ، جب قابض فوجی اپنے خون میں ڈوب رہے تھے، مجاہدین اپنی گاڑیوں کی طرف واپس آئے اور اس جگہ سے روانہ ہوگئے ، بڑی تعداد میں کمک اور فورسز موقع پر پہنچ گیں جہاں فوجی، افسران، مخبرات کے اہلکار اور طبی عملہ سڑک پر حالات کا جائزہ لے رہے تھے ، ایک چھوٹے درخت کے نیچے، سڑک کے قریب ایک باغ میں، ایک نوجوان نے دو دستی بم پھینکے جو پھٹ گئے اور متعدد زخمیوں کا باعث بنے ، سیاسی، فوجی اور سیکیورٹی اسرائیلی قائدین کا جنون بڑھ گیا، ایک نے میز پر ہاتھ مارا اور اپنے ماتحت کو کہا کہ وہ عماد کا سر چاہتا ہے اور جلد از جلد ، انتظار نہیں کیا جا سکتا اور کوششوں پر توجہ دی جانی چاہیے، کام کے گھنٹے دگنا کرنے ہوں گے، اور عملے کی تعداد بڑھانی ہوگی ، زیادہ سے زیادہ مخبروں کو متحرک کرنا ضروری ہے تاکہ عماد عاقل کا سر کاٹ سکیں۔

ابراہیم اپنے مزدوروں کے ساتھ ایک گھر میں معمول کے مطابق تعمیراتی کام پر جاتا ہے، جیسے کہ وہ ابھی اس معرکے میں شامل نہیں تھا، اور شام کو کام ختم کرکے گھر لوٹتا ہے ، وہ غسل کرتا ہے، اپنے کپڑے بدلتا ہے، کھانا کھاتا ہے، اور اپنے بیٹے اور بیٹی کے ساتھ کھیلتا ہے ، مغرب کی نماز کے لیے مسجد جاتا ہے، پھر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر کچھ وقت بعد واپس آتا ہے ، وہ قومی کانفرنس کے کمرے میں شامل ہوتا ہے جو ماں کے پاس ہورہی ہوتی ہے ، وہاں اس دن صبح کی فدائی کارروائی کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہوتی ہے، اور بات ہو رہی ہوتی ہے کہ عماد اس کے سرغنہ تھے، اور سر انجام دینے والوں کی بہادری اور دلیری کی تعریف ہوتی ہے ،

ابراہیم خاموش رہتا ہے جیسے کہ اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ، جب محمود نے ٹی وی پر خبریں لگائیں، تو اس کارروائی کی تفصیلات کو عمدہ کوریج ملی ، کچھ اسرائیلی قائدین کے بیانات آئے، کچھ دھمکیاں دے رہے تھے، اور کچھ غزہ سے نکلنے اور اسے اس کی مصیبتوں کے ساتھ چھوڑنے کی بات کر رہے تھے ، پھر اگلی خبر یہ آئی کہ اسرائیلی فلسطینی مذاکرات کے بارے میں خبریں تصدیق شدہ ہیں کیونکہ مطلع ذرائع، جنہوں نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی درخواست کی، نے بتایا کہ دونوں فریقوں کے درمیان ایک معاہدہ تقریباً تیار ہے اور مذاکرات ناروے کے دارالحکومت اوسلو میں خفیہ طور پر ہوئے اور جلد ہی ایک عبوری معاہدہ پر دستخط کیے جائیں گے ، ابراہیم نے کہا: کیا تم نہیں سمجھتے کہ تم بہت جلدی اور زیادہ پر امید ہو؟ پہلے ہمیں معاہدہ دیکھنے دو تاکہ ہم اس کا جائزہ لے سکیں اور اس پر اپنی رائے دے سکیں ، محمود نے جواب دیا: تمہارا موقف شروع سے ہی معلوم ہے، تم صحیح یا غلط کے اعتبارات سے ہر چیز کی مخالفت کرتے ہو، یہ تمہارا شروع سے موقف ہے، تم ہر چیز پر اعتراض کرتے ہو اور ہر چیز کو رد کرتے ہو، اور میں تمہارے کسی بھی چیز اور کسی بھی معاہدے کو رد کرنے کی توقع کر رہا ہوں، کیونکہ تم صرف مخالفت کرنا ہی جانتے ہو۔

جب خبروں میں بتایا گیا کہ جلد ہی اوسلو معاہدے پر دستخط کیے جائیں گے، جسے غزہ اریحا پہلے کے نام سے جانا گیا، فلسطینی عوام اس پر منقسم ہو گئے ، کچھ حمایت میں اور کچھ مخالفت میں کھڑے ہو گئے ، کیمپ میں دو مظاہرے ہوئے، ایک مظاہرہ محمود اور اس کے دوستوں کی قیادت میں تھا جو اس کی حمایت میں تھا، اور دوسرا حسن اور اس کے دوستوں کی قیادت میں تھا جو مخالفت میں تھا ، دونوں مظاہرے بڑے تھے اور حمایتی نعرے لگا رہے تھے "غزہ اریحا ابتدا... اور القدس اختتام"، جبکہ مخالفین نعرے لگا رہے تھے "غزہ اریحا رسوائی، اس سے بدبو آئی۔

دونوں مظاہرے مختلف سمتوں میں جا رہے تھے، پہلے مظاہرے نے قابض فوج کی گشتیوں کے پاس سے گزرتے ہوئے زیتون کی شاخیں ان کی طرف پھینکی جبکہ فوجی اپنی بندوقیں مظاہرین کی طرف کیے ہوئے تھے

اس خوف سے کہ کوئی مخالف اس مظاہرے میں شامل ہو کر ان پر بم یا گولہ نہ پھینک دے یا ان پر گولی نہ چلا دے ، جب دوسرا مظاہرہ گزرا تو مظاہرین نے گشتیوں پر پتھر پھینکے اور ان کے نعرے بلند ہوئے "جان و خون سے تمہیں نثار کریں گے اے فلسطین... القدس ہمارا ہے نہ کہ ظالموں کا... جنگ میں ان کے لیے تباہی ہے ۔

فوجیوں نے آنسو گیس کے گولے اور ربڑ کی اور پلاسٹک کی گولیاں چلائی ، جب دونوں مظاہرے ملے، محمود ایک مظاہرے میں کندھوں پر اٹھایا گیا تھا اور حسن دوسرے میں، اور ہر ایک اپنے نعرے لگا رہا تھا، ایک حمایت میں اور دوسرا مخالفت میں ، لمحے بھر کے لیے ان کی آنکھیں ملیں اور شور ہوا ، آواز بلند ہوئی اور ادھر ادھر کے کچھ مظاہرین کے درمیان کچھ ہلکی پھلکی جھڑپیں اور تصادم ہوئے، لیڈروں کی تصاویر ٹیلی ویژن پر نشر ہو رہی تھی جب وہ اوسلو میں معاہدے پر دستخط کر رہے تھے۔

یہ غزہ کے الزیتون علاقے میں مسجد مصعب بن عمیر کی چھت پر ایک لڑکا تھا جس کی عمر بیس سال سے کم تھی، وہ راستے کو دیکھ رہا تھا ، مسجد کے قریب ایک ویران گھر میں عماد اور ابراہیم چھپے ہوئے تھے، لڑکے کی چھوٹی سی اشارہ کا انتظار کر رہے تھے ، عماد کے ہاتھ میں ایک چھوٹی M16 رائفل تھی اور ابراہیم کے ہاتھ میں ایک کلاشینکوف رائفل تھی، اور دونوں کے پاس اضافی گولیاں تھی ، دور سے ایک جیپ نظر آئی جس میں تین اسرائیلی فوجی تھے، لڑکے نے پہلی سیٹی بجائی، عماد اور ابراہیم تیار ہوگے، پھر دوسری سیٹی بجائی، جیسے ہی جیپ ویران گھر کے سامنے پہنچی، انہوں نے اسے کچھ مزید آگے بڑھنے دیا اور پھر خودکار ہتھیاروں سے فائرنگ شروع کر دی۔

تینوں فوجی زمین پر گر گئے، اور جیپ آگے بڑھتی رہی یہاں تک کہ ایک دروازے سے ٹکرا گئی ، عماد اور ابراہیم جیپ کے پیچھے دوڑتے ہوئے اپنی رائفلوں کی گولیاں تبدیل کر رہے تھے اور فائرنگ جاری رکھی ، جب گاڑی رک گئی، عماد اور ابراہیم نے جیپ کو پہنچ کر ایک فوجی کو زمین پر کھینچ لیا، عماد نے اس کی گردن

پر پاؤں رکھا اور اس کے سر میں آخری گولی ماری، ابراہیم نے منظر کی تین تصاویر اتاری ، عماد اور ابراہیم نے تین نئی رائفلیں اٹھائیں، ان کی گاڑی آئی اور وہ اس میں سوار ہو کر نکل گئے۔

اسی وقت، الخلیل اور بیت لحم کے درمیان عام راستے پر چار مجاہدین، جن کی قیادت ابو رشدی کر رہے تھے، راستے کے کنارے پتھروں کے پیچھے چھپے تھے، ہر ایک کے ہاتھ میں خودکار رائفل تھی ، وہ کسی اسرائیلی گاڑی کے گزرنے کا انتظار کر رہے تھے، ایک بس گزری جس میں کئی فوجی تھے ، جیسے ہی بس ان کے سامنے پہنچی، چاروں نے اپنی رائفلوں سے فائرنگ شروع کر دی، بس آگے بڑھتے ہوئے سڑک کے کنارے رک گئی اسی وقت ان کی گاڑی آئی اور مجاہدین اس میں سوار ہو کر ایک پہاڑی راستے پر نکل گئے۔

گاڑی ایک لمبا فاصلہ طے کر چکی تھی، ایک موڑ پر ایک فوجی چیک پوسٹ تھی، چار اسرائیلی فوجی سڑک کے کنارے کھڑے تھے اور گاڑی کو رکنے کا اشارہ دے رہے تھے ، خالد، جو گاڑی چلا رہا تھا، نے پوچھا : کیا کروں؟ ابو رشدی نے سخت آواز میں جواب دیا : ظاہر کرو کہ تم رکنا چاہتے ہو، اور جیسے ہی قریب پہنچو، تیزی سے نکل جاؤ اور ہر ایک اپنے سمت میں فوجیوں پر فائرنگ کرے ، پانچ میٹر کے فاصلے پر ہوتے ہی... تیار ہو؟ سب نے جواب دیا : اللہ کے حکم سے تیار ہیں ، گاڑی نے اپنی رفتار کم کر دی تھی، اس پر فلسطین کا جھنڈا لہرا رہا تھا، اور اس کے ساتھ ہی ایک زیتون کی شاخ بھی تھی تاکہ دھوکہ دیا جا سکے ، خالد نے جب فوجیوں کی طرف دیکھا تو مسکرا دیا، فوجیوں نے بھی مسکرا کر جواب دیا : اتنے میں ابو رشدی نے زور سے کہا : اب ! چار بندوقیں اٹھی اور ان سے آگ کی طرح گولیاں برسنے لگی، فوجی زمین پر گر پڑے اور ایک بھی گولی نہیں چلا سکے ، خالد نے گاڑی کو تیزی سے بھگا دیا، ایک بندوق سے گولیاں اس کے سر کے اوپر سے گزر رہی تھی ، جب گاڑی کئی سو میٹر آگے بڑھ گئی، ابو رشدی نے چلّا کر کہا : واپس مڑو اور ان کی موت کی تصدیق کرو، اور ہتھیار لے لو، وہاں چار بندوقیں ہیں ، خالد نے تیزی سے گاڑی کا اسٹیئرنگ موڑا اور گاڑی تیز رفتاری سے چل رہی تھی، گاڑی گھومی اور توازن کھو بیٹھی، پھر ایک طرف الٹ گئی اور کھائی میں جا گری ،

لوہے نے ابو رشدی کی ٹانگ کو دبا دیا، اور دیگر ساتھیوں کو چوٹیں اور زخم آئے۔

قابض فوج کی ہجوم اور کمک کی آوازیں بلند ہو رہی تھی اور ایک ہیلی کاپٹر کی آواز گونج رہی تھی، جو بلند ہوتی جا رہی تھی ، مجاہدین حادثے سے ہوش میں آئے اور اپنے آپ کو گاڑی سے نکالنے کی کوشش کرنے لگے، پھر بڑی مشکل سے اپنے قائد اور بھائی کو نکالنے کی کوشش کی ، بڑی مشکل سے انہیں نکالا، اور وہ دو ساتھیوں کی مدد سے آگے بڑھنے لگا ، ہیلی کاپٹر کی آواز بلند ہو رہی تھی اور صاف ظاہر تھا کہ علاقے میں بڑی تلاشی کی کارروائی ہونے والی ہے ، ابو رشدی نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھنے سے رک کر کہا: جو بھی گولیاں ہیں مجھے دو اور دوسرے راستے سے نکل جاؤ ، اس نے پہاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: میں اس پہاڑ کے پیچھے چھپ کر ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت تک لڑوں گا، تم لوگ دوسرے راستے سے نکل جاؤ ، لیکن وہ نہیں ہلے اور ایک آواز میں جواب دیا: ہم تمہیں کیسے چھوڑ سکتے ہیں، ابو رشدی؟ یہ نہیں ہو سکتا، یا تو ہم سب بچیں گے یا سب شہید ہوں گے ، ابو رشدی ہنستے ہوئے کہتا ہے: تمہیں بہت سا کام کرنا ہے، جاؤ گولیاں دو اور نکلو، یہ حکم ہے، مخالفت نہیں کر سکتے، جاؤ، جاؤ! وہ اسے گولیاں دیتے ہیں اور روتے ہوئے رخصت ہوتے ہیں۔

خالد کہتا ہے: ہم سب مختلف سمتوں میں جائیں، اگر ایک پکڑا گیا تو دوسرے بچ جائیں گے ، بڑی تعداد میں قابض فوجی پہنچے اور علاقے کو گھیر لیا ، ابو رشدی نے پتھروں کے پیچھے سے ان پر گولیاں چلانا شروع کر دیں، اور مختلف پتھروں کے پیچھے چھپ کر گولیاں چلاتے رہے تاکہ فوجیوں کو یہ لگے کہ گولیاں کئی لوگ چلا رہے ہیں، نہ کہ صرف ایک شخص ، اس طرح ابو رشدی نے قابض فوج کو ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ مصروف رکھا، یہاں تک کہ ہیلی کاپٹر نے اس کا ٹھکانہ معلوم کر لیا اور کئی میزائلوں سے اسے ختم کر دیا ، اس کی پاک روح اپنے خالق سے جا ملی، اس جنت کی طرف جو آسمانوں اور زمین کی وسعت کے برابر ہے۔

خالد ایک قریبی گاؤں کے کنارے پہنچا تو ایک مقامی باشندے سے ملا، جس نے اسے اپنے گھر میں چھپا لیا،

اور اس کے زخموں کی مرہم پٹی کرنے اور محبت اور گرمی کے ساتھ کھانا پینا فراہم کرنے میں جلدی کی ، عبد الرحمن علاقے کی ایک بستی میں پہنچا جہاں تعمیراتی سامان تھا، تو وہ زمین پر لیٹ گیا اور اس نے سیمنٹ ملانے والے ٹب کو اُلٹ دیا، اور اس کا ایک کنارہ پتھر سے سہارا دیا تاکہ سانس لے سکے اور حالات کا جائزہ لے سکے ، محمد ایک پرانے زیتون کے درخت پر چڑھ گیا اور اس کی ایک موٹی شاخ پر لیٹ گیا، اور ابورشدی کے ساتھ قابض افواج کی جھڑپ جاری رہی ، موقع پر بمباری کے بعد جب پہاڑ کی تلاشی لی گئی تو کوئی نہیں ملا، انہوں نے دوسری سمتوں میں دوبارہ تلاشی لینا شروع کی ، فوجی اس درخت کے نیچے کھڑے تھے جہاں محمد شاخ پر لیٹا تھا، لیکن وہ اسے نہ دیکھ سکے، اللہ نے ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا ، انہوں نے بستی کے راستوں کی طرف نہیں دیکھا، کیونکہ کوئی بھی یہ فرض نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی مجاہد وہاں چھپ سکتا ہے۔

اگلے چند دنوں میں ہمارے گھر میں تناؤ کا ماحول چھایا ہوا تھا ، محمود اور حسن دونوں نے گھر میں ملنے سے گریز کیا، اور کئی دنوں تک وہ ماں کے کمرے میں بیٹھنے اور بات چیت کے لیے نہیں آئے ، جب وہ ملتے تو ایک دوسرے سے منہ موڑ لیتے، اگر انہیں ایک دوسرے کو سلام کرنا پڑتا، تو وہ غیر واضح الفاظ میں کچھ کہتے، اور دوسرا بھی مبہم انداز میں جواب دیتا ، میں اور ابراہیم ماں کے پاس بیٹھتے رہے، اور خبروں اور واقعات کا جائزہ لیتے رہے ، میں فدائی حملوں کی خبروں پر حیران اور جذباتی ہو جاتا، جبکہ ابراہیم کا چہرہ پتھر کی طرح جامد رہتا، اور وہ اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرتا، لیکن اس نے اوسلو معاہدے پر دستخط کرنے والوں کو بغیر گالی دیے تنقید کا نشانہ بنایا۔

میرے بھائی محمود کے ایک دوست جو باہر سے آئے تھے، جب کہ اتھارٹی کی افواج غزہ سیکٹر میں داخل ہو رہی تھی، ہمیں دو خبریں دینے آئے ، ایک خبر یہ تھی کہ ہمارے دو بھائی، ماجد اور خالد، جو ہمارے والد کے ہیں، وہ باہر سے آنے والی افواج کے ساتھ آئیں گے ، جب محمود نے یہ سنا تو چیخ پڑا ، آخری آواز جسے ہم سنتے جا رہے ہیں، میرے دو بھائی ہیں جنہیں میں نہیں جانتا، ماجد اور خالد، اور وہ افواج کے ساتھ آئیں گے ،

یعنی وہ بڑے ہیں؟ ہاں، وہ اپنی بیس کی دہائی کے شروع میں ہیں ، محمود چچا، اور میرے والد؟ میرے والد کی کیا خبر ہے؟ مہمان نے جواب دیا: یہ بری خبر ہے، لگتا ہے کہ تمہارے والد اردن میں ہونے والے تصادمات کے بعد وفات پا چکے ہیں ، میری والدہ یہ سن کر زمین پر بے ہوش ہو کر گر پڑی اور ہم کولونیا کی بوتل ان کی ناک کے قریب لا کر انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے ، ہم ایسے تھے جیسے کسی نے ہمارے سر پر ہتھوڑے سے مارا ہو۔

چھبیسویں فصل

میرے والد کی اردن میں وفات اور میرے دو بھائیوں کی خبر، جن کے بارے میں ہم نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا، نے ہمارے گھر میں کافی وقت اور توجہ حاصل کرلی ، یہ واضح ہو گیا کہ جب 1967 میں مغربی کنارے اور غزہ پٹی پر قبضہ ہوا تو میرے والد وہاں سے زندہ نکل کر مصر پہنچے، اور پھر مصر سے اردن میں مقیم ہو گئے، جہاں انہوں نے بقاء کیمپ میں ایک فلسطینی عورت سے شادی کی اور اس سے ان کے جڑواں بچے خالد اور ماجد پیدا ہوئے ، کچھ دن کے بعد میرے والد وہاں ہونے والی جھڑپوں میں شہید ہو گئے اور خالد اور ماجد اپنی ماں کے ساتھ اردن میں بڑے ہوئے ، ان کی ماں بھی چند سال پہلے وفات پا چکی ہے اور وہ دونوں فلسطینی افواج کے ساتھ غزہ اور اریحا میں داخل ہوں گے جنھیں معاہدے کے تحت اجازت دی گئی ہے ، جب سے قبضہ ہوا تھا، ہم نے اس سے پہلے کبھی اپنے والد کے بارے میں کچھ نہیں سنا، اور ہم نے سمجھا کہ وہ شہید ہو چکے ہیں ، اچانک ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ہمارے دو جوان بھائی ہیں اور وہ غزہ آئیں گے، جس کا مطلب ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ہمارے خاندان میں شامل ہو جائیں گے ، میری ماں کئی دنوں تک ایک طرح کی ہسٹریا کی حالت میں رہی اور ایسا لگتا تھا کہ وہ ایک نفسیاتی اور اعصابی صدمے سے گزر رہی ہے ، جسے عبور کرنا مشکل ہے ، ہم نے اپنی پوری کوشش کی کہ انہیں تسلی دیں اور ان کے درد کو کم کرنے کی کوشش کریں ، جب کہ میرے والد تقریباً تین دہائیوں تک غائب رہے، میری ماں امید کرتی رہی کہ وہ کسی

دن زندہ ہمارے گھر آئیں گے ، لیکن جب انہیں یہ خبر ملی کہ انہوں نے کسی اور سے شادی کر لی تھی اور چار سال تک ہم سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا، اور پھر ان کی وفات کی خبر ملی، تو یہ سب کچھ برداشت کرنا ان کے لیے مشکل تھا ، ہم نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کی کہ جنگ کے بعد کے ابتدائی سال مشکل تھے اور یقینی طور پر وہ ہم سے رابطہ کرنے کے قابل نہیں تھے ، بہر حال اللہ انہیں بخشے، انہوں نے جو کیا اس کا حساب اللہ کے پاس ہے اور ہم الحمدللہ، جیسے آپ دیکھ رہی ہیں، ہم مرد بن کر کھڑے ہیں، اور ہم ان کی زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دیتے ، ہم انہیں دوسروں کی کہانیاں اور مصیبتیں سناتے اور ان کے حالات کا موازنہ کرتے، اور اس بات پر زور دیتے کہ ہم بہترین حالت میں ہیں، یہاں تک کہ ان کی حالت کچھ بہتر اور مستحکم ہونے لگی ، لیکن یہ واضح تھا کہ وہ ایک شدید دھچکے سے گزری تھی اور اب وہ پہلے جیسی متحرک اور مضبوط نہیں رہی تھی۔

ایک اور موضوع جو ہمارے گھر اور فلسطینی عوام کی توجہ کا حصہ بن گیا تھا، وہ یہ تھا کہ حالیہ غزہ کے الزیتون محلے میں ہونے والے آپریشن میں مارے جانے والے تین فوجی دروز تھے ، بہت سے دروز نوجوان اسرائیلی بارڈر پولیس، پولیس یا جیلوں کی انتظامیہ میں شامل ہو گئے تھے، اور اپنے فرائض بہترین طریقے سے انجام دے رہے تھے جیسے کہ یہودی ، فوجیوں کی طرف سے مظاہرین یا مجاہدین کے خلاف اکثر تشدد آمیز اور بُرے سلوک کا مظاہرہ کیا گیا، یا یہاں تک کہ کچھ نے اخلاق اور تہذیب کی حدود کو پار کرتے ہوئے خواتین اور لڑکیوں کو ہراساں کرنے اور ان کی عزت پر حملہ کرنے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے ان کے خلاف ناراضگی اور غصے کے جذبات پیدا ہوئے ......

فائدہ : دروز ایک مذہبی فرقہ ہے جو اسلام کی شاخ شیعہ اسماعیلی سے نکلا ہے ، دروزی عقیدہ کے پیروکار اپنے آپ کو "دروز" یا "دروزوں" کہتے ہیں ، یہ فرقہ خاص طور پر لبنان، شام، اور اسرائیل میں پایا جاتا ہے ، دروزی عقیدہ میں مذہبی، فلسفی، اور روحانی عناصر شامل ہیں، اور اس کے پیروکار اپنے عقائد کو گہرائی سے

چھپاتے ہیں ، دروز ایک مخصوص و نسبتی گروہ ہیں جو اپنی معاشرتی و ثقافتی شناخت میں مضبوط ہیں، اور ان کی تعلیمات میں عقل، روحانیت، اور انسانیت کی مساوات پر زور دیا جاتا ہے۔

..... لیکن اس کے باوجود، مجاہدین نے کبھی بھی اپنے اہداف میں کسی خاص طور پر ان فوجیوں کو نشانہ بنانے کا ارادہ نہیں کیا، کیونکہ ان کے بارے میں یہ احساس ہمیشہ رہا کہ وہ ہمارے عرب فلسطینی عوام کا حصہ ہیں، چاہے انہوں نے کچھ بھی کیا ہو ، جب "عملیة الزیتون" ہوئی، اس وقت بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ دروز ہیں ، واضح اور مخصوص ہدف یہ تھا کہ قابض فوجیوں کی ایک گشتی گاڑی کو نشانہ بنایا جائے جس میں فوجی اپنی فوجی وردیوں میں، ہتھیاروں کے ساتھ، اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے موجود ہوں اور یہی کچھ ہوا۔

جب یہ حقیقت سامنے آئی کہ وہ دروز ہیں، تو ابراہیم کی آنکھوں میں افسوس اور درد کے معنی دیکھے جا سکتے تھے اور یقیناً وہ دل میں کہتا ہو گا کہ کاش وہ یہودی ہوتے!! جب ہم نے ٹیلی ویژن پر ان کی بیویوں، ماؤں اور بہنوں کو ان کے مرنے پر روتے دیکھا، تو ابراہیم نے اپنے دل سے ایک جلتی ہوئی آہ نکالی ، اس کے ساتھ ہی، بہت سے قومی دروز دانشوروں نے اس بات کا مطالبہ کیا کہ دروز نوجوانوں کو قابض فوج میں خدمات انجام دینے اور مغربی کنارے اور غزہ پٹی میں اپنے اہل کے خلاف کام کرنے سے باز رہنا چاہئے ، اس مقصد کے لیے کچھ گروپ بھی بنے ، اس معاملے پر گفتگو کے دوران ایک اور پہلو کا ذکر آیا، یعنی بہت سے بدو اور چرکس نوجوانوں کی اسرائیلی فوج میں خدمات انجام دینے کا مسئلہ ، بدو فوج میں سراغ رساں کے طور پر کام کرتے ہیں اور بڑی خدمات انجام دیتے ہیں، اور فلسطین اور جنوبی لبنان میں مزاحمت کے خلاف خطرناک مشن سرانجام دیتے ہیں ، بدو کا مسئلہ دروز کے مسئلے سے زیادہ حساس تھا اور یہ مزاحمت کاروں کے لیے بڑی مشکلات پیدا کرتا تھا ، کیوں کہ ان کی کارروائیوں کے نتیجے میں یہودی فوجیوں کی بجائے بدو مارے جاتے تھے۔

ان مسائل پر گفتگو کے دوران ہمارے درمیان متضاد نقطہ نظر سامنے آتے تھے، لیکن آخر میں سب اس

حقیقت کو قبول کر لیتے تھے کہ جو کوئی بھی اسرائیلی فوج کی وردی پہنتا ہے، ہتھیار اٹھاتا ہے اور اپنے فرائض انجام دیتا ہے، اس کو مزاحمت کی کارروائیوں میں نشانہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے ، مسئلہ اور بھی پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا کیونکہ 1948 میں مقبوضہ علاقوں میں بدو معاشرے میں تضاد بہت زیادہ تھا، مسجدوں کے امام ان مقتولوں کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کی تدفین کرنے یا ان کے لیے دعا کرنے سے انکار کرتے تھے ، کئی خاندان اپنے بیٹوں کے تابوتوں کو اسرائیلی پرچم میں لپیٹنے یا انہیں سرکاری فوجی جنازے دینے سے انکار کرتے تھے ، ان تمام حالات کے باوجود، ابراہیم اپنے معمول کے جملے کو دہراتا : دیکھو یہودی ہمارے لوگوں کے ایک حصے کو کس حد تک بھرتی کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں ، جو اب اس کی حفاظت کر رہے ہیں ۔

ایک بار پھر اسرائیلی لیڈروں کا دماغ عماد کی جرات اور طاقت سے اڑ گیا اور اس کی وجہ سے ان کو شدید شرمندگی ہو رہی تھی ، یہ انہیں اس طرح دکھاتا تھا کہ جیسے وہ غزہ سے مزاحمت کے خوف سے بھاگ رہے ہوں، نہ کہ کسی سرکاری معاہدے کے تحت نکل رہے ہوں ، جنوبی علاقے کے کمانڈر نے اپنی فوج اور خفیہ ایجنسیوں کے افسران کو جمع کیا اور میز پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے کہا : مجھے عماد کا سر چاہیے، تمام کام اس پر مرکوز ہونا چاہیے ، سب نے اپنے اپنے کام میں لگ گئے ، عماد کی ہزاروں تصاویر، داڑھی والے اور بغیر داڑھی کے، کوفیہ والے اور بغیر کوفیہ کے، لمبے بالوں والے اور چھوٹے بالوں والے، چشمے والے اور بغیر چشمے کے، فوجیوں میں تقسیم کی گئی ، جو سیکٹر میں سینکڑوں چیک پوسٹیں لگا رہے تھے، تلاشی لے رہے تھے، گھر گھر گھوم رہے تھے اور خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار ان کی قیادت کر رہے تھے ، دوسری طرف خفیہ ایجنسی کے اہلکار اپنے جاسوسوں سے رابطہ کرتے، ان میں سے کچھ کو اپنے دفاتر میں بلاتے اور کچھ سے سنسان سڑکوں کے کنارے ملتے، انہیں عماد کی مختلف تصویریں دکھاتے اور ان سے اس کے ساتھ مشتبہ سرگرمیوں میں ملوث افراد کی نگرانی کرنے اور فوری طور پر رپورٹ کرنے کو کہتے۔

بہت سے کارکنوں کو تقریباً مستقل نگرانی میں رکھا گیا تھا ، ہم نے دیکھا کہ دو افراد گھر کے دروازے کی

نگرانی کر رہے تھے اور بہت سے مکانات جو مشتبہ تھے کہ عماد وہاں آ سکتا ہے، زیر نگرانی رکھے گئے تھے ، ایک جاسوس الشجاعیہ میں ابو نضال کے گھر کی نگرانی کر رہا تھا، شاید انہیں گھر پر شک تھا یا گھر کے کسی بچے نے اپنے دوست سے عماد کے آنے کے بارے میں بات کی تھی ، ایک شام عماد خاموشی سے ابو نضال کے گھر آیا، خاندان نے ہمیشہ کی طرح محبت اور وفاداری سے اس کا استقبال کیا ، ام نضال فوراً اس کے لیے کھانا تیار کرنے لگی ، کیونکہ وہ روزے سے تھے ، مغرب کی اذان ہوئی اور عماد نے مٹی کے برتن کا پانی اپنے ہونٹوں سے لگایا تاکہ کچھ قطرے پی سکے اور کہا : اللھم لک صمت، وعلی رزقک ، اس لمحے نضال کی آواز آئی جو بھاگتا ہوا آیا کہنے لگا : بڑی تعداد میں فوجی دستے علاقے کو گھیرے ہوئے ہیں ، عماد نے پانی کا برتن بغیر چکھے واپس رکھ دیا اور کہا : اللہ کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا، یہ ایک معمول کی بات ہو سکتی ہے، لیکن آیئے دیکھیں اور پریشان نہ ہوں اور وہ اوپر چڑھ گیا تاکہ جگہ کا جائزہ لے سکے ، فوجی دستے گھر کے چاروں طرف گھیراؤ ڈال چکے تھے، اور سینکڑوں بندوقیں ان کی طرف نشانہ باندھ رہی تھی، اور ان کے پیچھے بھی سینکڑوں مزید فوجی موجود تھے ، بلند آواز میں اسپیکر سے عماد کو پکارا گیا کہ وہ خود کو حوالے کر دے کیونکہ اس کی شناخت ہو چکی ہے، اور مزاحمت کا کوئی فائدہ نہیں ، عماد نے جواب دیا...

أي يَومَيَّ مِنَ المَوتَ أفِر   يَومَ لا يَقدِرُ أو يَومَ قَدِر

يَومَ ما قُدِّرَ لا أرهَبُهُ   وَإذا قُدِّرَ لا يُنجِي الحَذَر

ترجمہ : میں موت کے کون سے دن سے بھاگوں؟ وہ دن جب وہ مقدر نہ ہو یا وہ دن جب وہ مقدر ہو ،

جس دن کا مقدر نہیں ہے، میں اس سے نہیں ڈرتا اور جب وہ مقدر ہے تو بچنے کی کوشش بھی بے سود ہے۔

پھر اس نے اپنی پستول نکالی اور گولی چلانے کے لیے تیار ہو گیا، اور چھت پر چھپ کر ان کے قریب آتے ہوئے دیکھنے لگا ، جب اس نے ایک فوجی کو گھر کے قریب آتے دیکھا، تو اس نے اپنی پسٹل اس کی طرف کی

اور گولی چلائی، جو اس کے دونوں آنکھوں کے بیچ لگی ، اس کے بعد سینکڑوں بندوقیں اس جگہ کی طرف مڑ گئی جہاں سے گولی چلی تھی، اور پھر ایک گہری خاموشی چھاگئی ، سب نے سوچا کہ عماد دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔

فوجی دوبارہ آگے بڑھے، تو عماد چھت سے کود کر نیچے آگیا اور نعرے بلند کرتے ہوئے گولی چلانے لگا :اللہ اکبر، اللہ اکبر ، ایک بار پھر ان کی طرف گولیاں چلنے لگی اور اس کا پاکیزہ جسم خون میں رنگ گیا ، آسمان کے دروازے کھل گئے تاکہ بیسویں صدی کے نوے کی دہائی کے ایک عظیم فلسطینی مجاہد کی روح کو خوش آمدید کہا جاسکے ، فوجی دور سے اسے دیکھتے رہے، اور قریب آنے کی ہمت نہ کر سکے ، اسپیکر سے آواز آئی کہ "ابو نضال" گھر سے باہر نکل آئے ، ابو نضال باہر آئے، انہیں حکم دیا گیا کہ اپنے ہاتھ اوپر اٹھائیں ، لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا ، انہیں حکم دیا گیا کہ عماد کے پاس جائیں جو زمین پر پڑا تھا اور اس کی حالت دیکھیں ، ابو نضال قریب گئے اور عماد کے پاکیزہ جسم کو پلٹا، جسے گولیوں نے چھلنی کر دیا تھا ، ان کا خون زمین پر بہہ رہا تھا اور زیتون کے درخت کے نیچے گر رہا تھا، جو اپنے شاخوں سے اسے شبنم کی طرح چھونے کی کوشش کر رہا تھا، تاکہ اسے رات کی ہواؤں اور دشمن کی قساوت سے بچایا جاسکے ، یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح ملک میں پھیل گئی، اور لوگ گلیوں، سڑکوں اور میدانوں میں نکل آئے، نعرے لگاتے ہوئے: "جان دے کر، خون دے کر، ہم تمہیں بچائیں گے، اے فلسطین! جان دے کر، خون دے کر، ہم تمہیں بچائیں گے، اے شہید! جان دے کر، خون دے کر، ہم تمہیں بچائیں گے، اے عماد!

پورے ملک کے میدانوں نے ایک عظیم تصادم کا منظر پیش کیا، جس میں لوگوں نے قابض فوج کے خلاف زبردست مزاحمت کی، اور مجاہد عماد حسین عقل کی روح کو الوداع کہا ، ہمیں یہ خبر گھر میں ملی، جیسے ہی وہ ہر گھر میں اسی دن ، رات دیر گئے پہنچی، اور ہم سب کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے، سوائے ابراہیم کے جس کی آنکھیں جم گئی اور چہرہ بدل گیا اور وہ کھڑا ہوگیا ، میری بہن مریم کمرے کے دروازے پر کھڑی

تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، اور اس کی بانہوں میں یاسر تھا اور اس کے ساتھ ہی اسراء کھڑی تھی، جو اپنے شوہر کی طرف دیکھ رہی تھی، جس نے چیخ کر کہا: مریم، ہتھیار لے آؤ؟ اس کے الفاظ بجلی کی طرح تھے کیونکہ یہ پہلی بار تھا کہ ابراہیم نے اپنی حقیقت کو اتنی واضح طور پر ظاہر کیا، مریم نے مجھے اپنا بیٹا یاسر تھمایا اور سیڑھیاں تیزی سے چڑھ گئی اور واپس آئی، ہاتھ میں ایک کلاشنکوف بندوق اور کچھ گولہ بارود کے بھرے میگزین تھے ، اس نے وہ ابراہیم کو دیے، اور اپنے آنسو اپنے رومال کے کنارے سے صاف کرتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

ہماری روحوں کی گہرائیوں سے ، اور ابراہیم نے بندوق تھامی، اسراء کے سر کو جھک کر چوم لیا، پھر یاسر کے سر کو چوما، اور مریم کے گال سے ایک اور آنسو صاف کرتے ہوئے گھر سے باہر نکل گیا ، ہمارے دل دعا کر رہے تھے کہ اللہ اسے محفوظ رکھے اور اس کے قدموں کو کامیاب کرے ، اس وقت مجھے یاد آیا کہ میری ماں اسراء کا پالنا ہلاتے ہوئے گاتی تھی : دروازے پر کھڑی ہو، میرا رومال لے آؤ... میرا ہتھیار لے آؤ، دروازے پر کھڑی ہو، میرا ہتھیار لے آؤ ، پھر مجھے یاد آیا جب میں اپنی ماں کے ساتھ رینگتا تھا، وہ مریم کا پالنا ہلاتے ہوئے وہی الفاظ دہراتی تھی ، تب مجھے احساس ہوا کہ ان الفاظ کی کتنی اہمیت تھی جو ہم اپنی ماؤں کے دودھ کے ساتھ پیتے تھے، اور ہم سنتے تھے کہ وہ الفاظ ہمارے خون کے ذرات میں جاگتے تھے ، میں نے یہ سب یاد کیا جب میں نے مریم کو دیکھا، وہی مریم جو ہم ہوا کے جھونکوں سے بھی بچاتے تھے، اپنے آنسو صاف کرتی ہوئی اور اپنے خوابوں کے شہسوار، اپنے شوہر اور بچوں کے والد کو الوداع کہتی ہوئی، اسے ہتھیار دے رہی تھی اور آنسو صاف کر رہی تھی بغیر کسی جھجک کے، اور بغیر کوئی لفظ خوف یا ہچکچاہٹ کے ، تب مجھے یقین ہوا کہ ہم ایک مضبوط اور عظیم قوم ہیں جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتی یا پیچھے نہیں ہٹ سکتی، یا کوئی عجیب روح جو ہمارے وجود میں بہتی ہے، ہمیں اس قربانی اور فداکاری کے لیے تیار کرتی ہے ، میری ماں کی آواز میرے کانوں میں گونجتی رہی : دروازے پر کھڑی ہو، میرا ہتھیار لے آؤ... میرا ہتھیار لے آؤ! کبھی نہیں،

اے دل کی جان... کبھی نہیں، آرام نہیں کروں گا، اپنے ہتھیار لے کر اور اپنے دشمن کو مار کر، اپنے خون اور آگ سے اپنی کامیابی حاصل کروں گا... میرا ہتھیار لے آؤ، میرا ہتھیار لے آؤ، دروازے پر کھڑی ہو... میرا ہتھیار لے آؤ۔

غزہ کے علاقے میں قابض فوج کے اعلیٰ افسران اور خفیہ ایجنسیوں کے اہلکاروں کی گاڑیاں اب شہر کے مرکز سے مشرق کی طرف جانے والے راستے کے بجائے، جو شہر کے وسط اور اس کے مشرقی حصے کی گنجان آبادی میں سے گزرتا تھا، مغرب کی طرف شارع النصر سے ہوتے ہوئے اور السودانیہ کے چوراہے سے مغرب کی طرف سمندری راستے سے آنے جانے لگی ، ابراہیم کو یہ معلومات ملی تھی کہ قابض فوج کے ایک کمانڈر کی گاڑی ایک مخصوص وقت پر رات کے اوائل میں اس راستے سے گزرتی ہے ، اس نے عماد کی شہادت کا فوری اور تیز جواب دینے کے لیے اسے نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا۔

شمالی نصر روڈ کے اختتام پر جہاں ایک سڑک مشرق کی طرف جبالیہ اور مغرب کی طرف ساحل سمندر پر السودانیہ کے مقام کی طرف جاتی ہے، قابض افواج نے کچھ سیمنٹ کے بلاکس رکھے ہوئے ہیں جو گزرنے والی گاڑیوں کو روکنے پر مجبور کرتے ہیں تاکہ وہ قابض افواج کی گشتی گاڑیوں کو راستہ دے سکیں ، انہوں نے سڑک کے چوراہے کے ارد گرد کے باغات کی دیواروں اور باڑوں کو بھی مسمار کر دیا تھا ، کرفیو کا نظام رات کے آغاز سے ہی نافذ تھا ، قابض افواج کی گاڑیاں یا تو جنوب سے آتی تھی اور جب چوراہے پر پہنچتی تھی تو اپنی رفتار کم کر کے مغرب کی طرف مڑتی ، یا مغرب سے آتی اور جب چوراہے پر پہنچتی تو رفتار کم کر کے جنوب کی طرف نصر روڈ کی طرف مڑتی ، جو شہر کے قلب کی طرف جاتا ہے۔

درختوں اور سنترے کے پیڑوں کے پیچھے، ہر درخت کے تنے کے پیچھے سولہ آنکھیں چمکتی ہوئی نظر آتی ہیں، ہر درخت کے پیچھے دو آنکھیں ایک مجاہد کی ہیں، اندھیرے میں ایک صف میں آٹھ کلاشینکوف (ایم 16)بندوقوں کی نالوں کے پیچھے سے چمکتی ہیں ، وہ اپنے پیٹ کے بل زمین پر لیٹے ہوئے تھے، ان کی انگلیاں

ٹریگر پر تھی ، اور وہ مطلوبہ ہدف کے آنے کا انتظار کر رہے تھے ، ایک فوجی جیپ کا ڈرائیور مغرب سے آتا ہے، اپنی رفتار کم کرتا ہے اور جنوب کی طرف مڑتا ہے، درختوں پر سرچ لائٹ ڈال دیتا ہے جہاں مجاہدین چھپے ہوئے ہیں، جس سے جگہ دن کی طرح روشن ہو جاتی ہے اور مجاہدین کے دلوں کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے جو دور سے سنائی دیتی ہے ، یہ ہدف نہیں تھا، اگر فوجیوں نے کسی مجاہد کی آنکھوں کی چمک یا کسی بندوق کی نال کی چمک دیکھی ہوتی تو وہ درختوں پر گولیاں چلا دیتے، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ مشن اور آپریشن ناکام ہو جاتا اور اسے انجام نہ دیا جا سکتا، لیکن اللہ نے حفاظت کی ، گشتی گاڑی نے مڑ کر جگہ چھوڑ دی، اور چند منٹوں بعد زمین پر دوڑتی ہوئی گاڑیوں کی آواز سنی گئی۔

فرامل کی آواز نے دو فوجی جیپوں کی رفتار کو چوراہے کے قریب آنے پر روکا ، پہلی جیپ ایک جدید فوجی جیپ تھی جسے بڑے فوجی کمانڈر استعمال کرتے ہیں، اور اس کے پیچھے ایک عام جیپ حفاظت کے لیے تھی ، دونوں گاڑیاں اپنی رفتار کم کرتی ہیں اور ابراہیم کی آواز آتی ہے : اللہ اکبر بسم اللہ... اللہ اکبر، اور اچانک آٹھ بندوقیں نرک کی آگ کی طرح دونوں گاڑیوں پر فائر کھول دیتی ہیں ،آٹھ مجاہدین اپنی بندوقوں کی میگزینیں بدلنے لگتے ہیں اور کھڑے ہو کر دوڑتے ہوئے گاڑیوں کی طرف بڑھتے ہیں تاکہ دوبارہ فائر کر سکیں ، پہلی جیپ سیمنٹ کے بلاکس سے ٹکرا کر رک جاتی ہے، اور دوسری جیپ پہلی جیپ سے ٹکرا کر رک جاتی ہے ، ان کا ردعمل صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ دوسری جیپ میں ایک فوجی پچھلا دروازہ کھولتا ہے اور اپنی بندوق کے ساتھ سر باہر نکالتا ہے لیکن ایک گولی چلانے میں بھی ناکام رہتا ہے ، مجاہدین دو گروپوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، پہلا گروپ شمال کی طرف ایک زرعی سڑک پر دوڑتا ہے جہاں ایک گاڑی ان کا انتظار کر رہی ہوتی ہے اور وہ جبالیہ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں ، سڑک میں ایک موڑ پر اور چند درجن میٹر آگے ایک گشتی جیپ رکتی ہے، اور اس کے افراد رکاوٹیں لگانا شروع کر دیتے ہیں اور آگے بڑھتی ہوئی گاڑی کو رکنے کا اشارہ دیتے ہیں ، ابراہیم نے ڈرائیور پر چیختے ہوئے کہا کہ یوں ظاہر کرو کہ تم رکنے والے ہو، اور جیسے ہی

قریب پہنچو پوری رفتار سے نکل جاؤ، اور تم لوگ گشتی دستے پر گولیاں چلاؤ، جیسے ہی گاڑی گشتی دستے کے پاس پہنچی، گاڑی کے شیشے جو گولیاں لگنے سے ٹوٹ چکے تھے، سے بندوقوں کی نالیاں باہر نکل آئیں اور گولیوں کی بوچھاڑ نے گشتی دستے کے فوجیوں کو ہدف بنایا، جن کے چیخنے اور خوفزدہ ہونے کی آوازیں بلند ہوئیں، اور وہ زمین پر گرنے لگے، زمین پر کچھ فوجی مر گئے اور کچھ زخمی ہو گئے، جبکہ گاڑی پوری رفتار سے چل پڑی، ایک فوجی جو جیپ کے پیچھے چھپا ہوا تھا، گاڑی کے گزرتے ہی اپنی بندوق سے فائر کرنے لگا، جس سے گاڑی کا پچھلا شیشہ ٹوٹ گیا، اور سب نے اپنے سر جھکا لیے، ایک گولی ابراہیم کے سر کو چھوتے ہوئے گزر گئی اور اس کے بال جل گئے، ڈرائیور نے ایک ذیلی سڑک پر مڑتے ہوئے دیکھا کہ سڑک کنکریٹ کے ڈرموں سے بند ہے، وہ گھبرا گیا اور پیچھے ہٹنے کی کوشش کرنے لگا، لیکن ابراہیم نے چیختے ہوئے کہا کہ رک جاؤ اور نیچے اترو تاکہ ہم رکاوٹ کو پار کر سکیں اور پیدل نکل جائیں، وہ نیچے اترے اور ڈرموں پر چڑھ کر دوسری طرف ایک عالیشان گھر کے دروازے کے پاس پہنچ گئے، ایک جدید گاڑی وہاں رکی اور اس میں سے ایک بوڑھا شخص اور اس کی بیوی نکلے، مجاہدین ان کے پاس پہنچے اور گاڑی کی چابی مانگی، وعدہ کرتے ہوئے کہ وہ اسے واپس کر دیں گے، بوڑھا آدمی چار مسلح افراد کے سامنے کانپ رہا تھا، ڈرائیور نے اس کے ہاتھ سے چابی چھین لی اور گاڑی میں بیٹھ کر چل پڑا، جبکہ بوڑھا شخص زمین پر گر پڑا، ایک مجاہد نے کچھ مسافت پر کہا کہ یہ سموسنائٹ بیگ بہت بھاری ہے، اور جب اسے کھولا تو وہ ڈالرز کے گڈوں سے بھرا ہوا تھا، جس کی تعداد تقریباً ایک ملین ڈالر تھی۔ ابراہیم ہنس کر بولا: ہم اب واپس نہیں جا سکتے، کیونکہ یقیناً قابض فوجیں وہاں پہنچ جائیں گی، اور بوڑھے آدمی کو صبح تک انتظار کرنا پڑے گا، جیسے ہی سورج کی پہلی کرن نمودار ہوئی، ایک نوجوان آدمی بوڑھے کے گھر واپس آ گیا، دروازے کی گھنٹی بجائی، اور بوڑھا باہر آیا، نوجوان نے اسے سلام کہا اور گاڑی کی چابی دیتے ہوئے کہا: مجاہدین آپ کا بہت شکریہ ادا کرتے ہیں اور بدتمیزی کے لئے معذرت خواہ ہیں، انہیں مجبوری تھی، بیگ جیسا کا تیسا گاڑی میں ہے، جا کر لے لیجیے اور اس میں موجود

چیزوں کی گنتی کر لیجیے ، بوڑھا آدمی حیرت زدہ تھا، اور وہ بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگا: آسمان کے رب کا شکر ہے، تم کون ہو؟ خدا تمہاری حفاظت کرے اور تمہاری مدد کرے، تم واقعی قابل ہو کہ خدا تمہیں فتح دے ، انتظار کرو بیٹے، انتظار کرو ، لیکن نوجوان کچھ سنے بغیر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

صبح کے وقت ایک بیان جاری ہوا جس میں شہید ہیرو کی روح کا بدلہ لینے کی کارروائی کا ذکر کیا گیا، اور ریڈیو خبروں نے اعلان کیا کہ قابض فوج کے متعدد فوجی ہلاک ہو گئے ہیں، جن میں غزہ سیکٹر میں قابض فوج کی اسپیشل فورسز کے کمانڈر، کرنل مشیر فیٹز بھی شامل ہیں ، لوگ نعرے لگانے لگے : تحیہ للکتائب... کتائب عزالدین۔

جہاد اسلامی کے تین مجاہدین، جو کہ مغربی کنارے میں عنزہ گاؤں کے قریب قابض افواج اور ان کے آبادکاروں کے گزرنے والے راستے میں ایک بم نصب کرتے ہیں ، اندھیرے میں غائب ہو جاتے ہیں ، ان کا ہدف ایک گاڑی (G.M.C) ہے جو اس مقام سے گزر رہی ہوتی ہے ، عصام برقی تار کو بیٹری کے قطب سے جوڑتا ہے، جس سے ایک زوردار دھماکہ ہوتا ہے اور ایندھن کا ٹینک جل اٹھتا ہے ، اس دھماکے میں تین قابضین ہلاک ہو جاتے ہیں اور مجاہدین وہاں سے نکل جاتے ہیں ، کچھ دنوں بعد تحقیقات سے حملہ آوروں کا پتہ چلتا ہے اور ان میں سے دو کو گرفتار کر لیا جاتا ہے ، جبکہ عصام بچ نکلتا ہے اور اپنی سرگرمیاں جاری رکھتا ہے ، کچھ عرصے بعد قابض افواج کو عصام کے چھپنے کی جگہ کا علم ہو جاتا ہے، اور بڑی تعداد میں افواج وہاں پہنچتی ہیں ، وہ جگہ کو گھیر لیتے ہیں اور عصام کو ہتھیار ڈالنے کی دعوت دیتے ہیں، لیکن کوئی جواب نہیں ملتا ، وہ جگہ پر حملہ شروع کر دیتے ہیں اور عصام ان پر گولی چلاتا ہے، جس سے کچھ فوجی ہلاک اور زخمی ہو جاتے ہیں ، فوجی پیچھے ہٹتے ہیں اور اپنے ہلاک اور زخمی ساتھیوں کو کھینچ کر لے جاتے ہیں، پھر جگہ کو بمباری کر کے تباہ کر دیتے ہیں اور دوبارہ حملہ کرتے ہیں ، عصام پھر ان پر گولیاں برساتا ہے، جس سے وہ دوبارہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور جگہ کو مکمل طور پر تباہ کرنے کی کارروائی شروع کرتے ہیں۔ عصام کی پاک

روح جنت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو جاتی ہے۔

تین مجاہدین اسرائیلی مسافروں سے بھری ایک بس پر سوار ہوتے ہیں، اور اپنے ہتھیار اور بم نکال کر اعلان کرتے ہیں کہ بس اغوا ہو چکی ہے ، ان کا مقصد قابض فوجیوں کی قید سے فلسطینی قیدیوں کی رہائی کے لیے بات چیت کرنا تھا ، ایک گولی نامعلوم سمت سے چلتی ہے، جس سے ایک مجاہد زخمی ہو کر بس کی فرش پر گر جاتا ہے ، بس میں افرا تفری مچ جاتی ہے اور یہ ایک بجلی کے کھمبے سے ٹکرا جاتی ہے ، باقی دو مجاہدین گولیاں چلاتے ہیں، کچھ لوگوں کو مار دیتے ہیں اور دیگر کو زخمی کر دیتے ہیں، پھر بس سے اتر کر ایک گزرنے والی گاڑی کو روک کر اس میں سوار ہو جاتے ہیں اور ڈرائیور کو جنوب کی طرف جانے کا حکم دیتے ہیں ، القدس سے بیت جالا اور بیت لحم کی طرف جاتے ہوئے ایک چیک پوسٹ پر قابض فوجی گاڑی کو میزائلوں سے نشانہ بناتے ہیں اور اس میں موجود تمام افراد مارے جاتے ہیں۔

ابراہیم سفر کی تیاری کرتا ہے اور رام اللہ پہنچتا ہے، جہاں وہ اپنے کچھ مجاہد بھائیوں سے ملتا ہے ، فوراً وہ دو دیگر ساتھیوں کے ساتھ ایک گاڑی میں روانہ ہوتے ہیں اور رام اللہ کے قریب عوفر فوجی کیمپ کے علاقے میں پہنچتے ہیں ، وہ ایک آبادکاری کی گاڑی کو دیکھتے ہیں اور اس پر فائرنگ کر کے اس کے مسافروں کو ہلاک کر دیتے ہیں، اور پھر غائب ہو جاتے ہیں ، قابض افواج پہنچ جاتی ہیں، علاقے کا محاصرہ کر کے تلاشی لیتی ہیں، مگر کچھ نہیں پاتی ، چند دن بعد، وہ القدس - رام اللہ روڈ پر دوبارہ نکلتے ہیں اور ایک نئے ہدف کی تلاش کرتے ہیں ، ان کو ایک آبادکاری کی گاڑی نظر آتی ہے جس کا ایک ٹائر خراب ہو چکا ہوتا ہے اور اس کے تین مسافر ٹائر بدلنے میں مشغول ہوتے ہیں ، وہ گاڑی کے قریب سے گزرتے ہوئے ان پر فائرنگ کرتے ہیں اور تینوں کو مار دیتے ہیں، اور تیزی سے علاقے سے نکل جاتے ہیں جہاں کرفیو نافذ کر دیا جاتا ہے ، قابض افواج کی خفیہ ایجنسیوں کا جنون بڑھ جاتا ہے اور وہ علاقے میں بڑے پیمانے پر گرفتاریاں کرتی ہیں، شاید کوئی سراغ مل جائے جو حملہ آوروں تک لے جائے ، عبد المنعم گرفتار ہونے والوں میں سے ایک تھا ، وہ ایک

بیس سالہ نوجوان تھا، جو انتفاضہ میں سرگرم اور فعال تھا ، حالیہ دنوں میں اس کی ملاقات ابراہیم اور اس کے مجاہد بھائیوں سے ہوئی، جنہوں نے اسے ہتھیاروں کی تربیت دی، اس امید پر کہ وہ آنے والے دنوں میں جہادی کارروائی کا آغاز کرے گا ، اس کے کچھ ساتھی نوجوان، جو گرفتار ہوئے تھے، جاسوسوں کی چالوں میں پھنس گئے اور تفتیش میں اپنے آپ پر اعتراف کرلیا ، ان کے خلاف سرگرمیوں اور کارروائیوں کا انکشاف کیا گیا، جس کی وجہ سے انہیں کم از کم دس سال کی سزا ہوسکتی ہے ، عبد المنعم پر تفتیش سخت ہو گئی، اس کے ساتھیوں کے اعترافات کے بارے میں اس سے پوچھ گچھ کی گئی، لیکن اس نے کچھ نہیں بتایا ، اسے "عصافیر" لے جایا گیا، لیکن وہ دھوکہ نہیں کھایا ، اسے اس کے ساتھیوں کے ساتھ اکٹھا کیا گیا اور ان پر جاسوسی کے آلات نصب کیے گئے، لیکن یہ بے سود رہا ، وہ ان سب سے محتاط رہا ، جب بھی اس کے کسی ساتھی نے اس سے کچھ بات کی، وہ فوراً چیخ کر انکار کر دیتا کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔

تفتیش سخت تر ہوتی گئی، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا ، ایک محقق اس کے پاس آیا اور اس سے اس کی آزادی کے بارے میں سودے بازی شروع کی، یہ واضح کرتے ہوئے کہ وہ جانتا ہے کہ عبد المنعم اعتراف نہیں کرے گا کیونکہ وہ قید خانے میں نہیں رہنا چاہتا، لیکن اس کے ساتھیوں نے اس پر اعتراف کیا ہے، اور چاہے وہ اعتراف کرے یا نہ کرے، اسے پندرہ سال قید میں رہنا ہوگا ، محقق نے اسے سودے کی پیشکش کی : اگر وہ ان کے ساتھ تعاون کرنے پر راضی ہو جائے تو وہ اسے رہا کر دیں گے ، اس کے بعد انہوں نے اسے سوچنے کے لیے وقت دیا ، عبد المنعم اپنی سیل میں اکیلا بیٹھ کر سوچنے لگا : اللہ اکبر، ہتھیار اٹھانے اور مسلح جہاد شروع کرنے کا وقت آ گیا ہے ، فرض ادا کرنے اور دل کی تسکین حاصل کرنے کا وقت ہے اور اس سے پہلے کہ میں کچھ کروں، یہ گرفتاری غیر متوقع طور پر سب سے برے وقت پر آ گئی ہے ، یا اللہ، یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کیا میں ان کے ساتھ تعاون کرنے پر راضی ہو جاؤں تاکہ میں قید سے بچ سکوں؟ اور پھر میں جلدی سے اپنے چنے ہوئے راستے پر چل پڑوں؟ اس نے بار بار سوچا اور آخر کار فیصلہ کیا ، جب محقق دوبارہ

اس سے اس کے فیصلے کے بارے میں پوچھنے آیا، تو اس نے اپنی رضامندی کا اعلان کیا، پھر محقق نے جو اب دوست بننے کی کوشش کر رہا تھا، عبد المنعم کو سمجھایا کہ اسے فوجی عدالت میں پیش کیا جائے گا، جو اس کی رہائی کا فیصلہ کرے گی، تاکہ اس پر شک نہ ہو، اور وہ اپنے کام کو انجام دے سکے، چند دن بعد، قید خانے کا دروازہ کھلا اور عبد المنعم باہر کھڑا ہوا، اس نے تازہ ہوا کو گہرائی سے سانس لیا اور اللہ کی قسم کھائی کہ وہ کبھی ہار نہیں مانے گا اور کبھی سودے بازی نہیں کرے گا، وہ ایک گھر کی طرف روانہ ہوا اور مالک کو بتایا کہ وہ جلد از جلد کسی مجاہد سے ملنا چاہتا ہے، چند گھنٹوں بعد، ایک آدمی نے آکر اسے بتایا کہ اسے ایک مخصوص گلی میں ایک وقت مقررہ پر انتظار کرنا ہوگا، وہ وہاں انتظار کرنے لگا، جہاں ایک گاڑی آئی جس میں ابراہیم اور عبد الرحمن تھے، گاڑی روانہ ہوئی، اور عبد المنعم نے انہیں ساری صورتحال بتائی کہ اس کی ملاقات بدھ کے روز شام پانچ بجے ایک مخصوص گلی میں بیتونیا میں ایک انٹیلی جنس افسر سے ہوگی، عبد المنعم اس سے کام کی تفصیلات طے کرے گا جسے اُسے انجام دینا ہے، اور مشورہ دیا کہ اُسے وہاں گھات لگا کر پکڑیں، جہاں اُسے اور اس کے ساتھیوں پر گولی چلائی جائے۔

مقررہ وقت پر عبد المنعم ایک غیر محفوظ باغ کے پیچھے ایک خالی مکان کے ارد گرد چکر لگا رہا تھا، جہاں ابراہیم اور عبد الرحمن اپنی کلاشینکوف رائفلوں کے ساتھ خفیہ ایجنسی کی گاڑی کا انتظار کر رہے تھے، اس کے علاوہ، پچھلی سڑک پر ایک گاڑی ڈرائیور کے ساتھ فوری طور پر وہاں سے نکلنے کے لیے تیار کھڑی تھی، ایک مرسڈیز گاڑی عربی نمبر پلیٹ کے ساتھ سڑک کے آغاز سے نمودار ہوئی، عبد المنعم نے اپنی رفتار تیز کر دی تاکہ گاڑی کے ساتھ مل سکے، منصوبہ یہ تھا کہ جب گاڑی رک جائے اور عبد المنعم اس کے پاس پہنچے تو اُسے زمین پر جھکنا ہوگا، جہاں سے دونوں طرف سے کلاشینکوف کی گولیاں چلائی جائیں گی، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اور گاڑی کے پاس پہنچ گیا، اور اپنی کمر سے پستول نکال کر خفیہ ایجنسی کے افسر کے سر پر گولی مار دی اور اس کے ساتھی کی طرف رخ کیا، لیکن ڈرائیور نے گاڑی تیز رفتاری سے بھگا دی، تب ابراہیم اور عبد الرحمن

نے اپنے ہتھیاروں سے گاڑی پر فائرنگ شروع کر دی اور تینوں فوری طور پر گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے نکل گئے۔

عبد المنعم ایک قریبی گاؤں میں چھپ گیا، اور ابراہیم اور عبد الرحمن نے الخلیل اور اس کے ارد گرد کے علاقوں کی طرف رخ کیا، خفیہ ایجنسی کے اہلکاروں کا غصہ آسمانوں تک پہنچ گیا کیونکہ انہیں زبردست دھچکا لگا تھا، انہوں نے عبد المنعم اور اس کے ساتھیوں کو پکڑنے یا مارنے کے لیے ہر ممکن کوششیں شروع کر دی، عبد المنعم کا نام ان کے لیے معروف اور مخصوص تھا، انہوں نے اس کی تصویر اپنے فوجیوں، چوکیوں اور جاسوسوں میں تقسیم کی اور اس کی تلاش شروع کر دی، ایک جاسوس نے اسے ایک قریبی قصبے میں پہچان لیا اور فوراً اپنے خفیہ ایجنسی کے اہلکاروں کو اطلاع دی، ایک درمیانی سائز کی سبزیوں سے بھری ہوئی ٹرک، جسے ایک شخص عربی لباس پہنے ہوئے اور سر پر کالی رومال اوڑھے ہوئے چلا رہا تھا، اور اس کے ساتھ ایک اور شخص جو اسی لباس میں ملبوس تھا، عبد المنعم اور اس کے ساتھی زہیر کے پیچھے چل رہی تھی، ٹرک ایک مقام پر رکا، اور عبد المنعم اور اس کا ساتھی اس سے اترے، اچانک ٹرک رک گیا، اور سبزیوں کے صندوقوں کے پیچھے سے تقریباً دس خصوصی دستے کے سپاہی اپنی اسلحہ لے کر باہر آئے اور عبد المنعم اور اس کے ساتھی کو ہتھیار ڈالنے اور ہاتھ اوپر کرنے کا حکم دیا، لیکن انہوں نے اپنے ہتھیار نکال لیے اور فائرنگ شروع کر دی، جس پر فوراً خفیہ ایجنسی کے اہلکاروں نے ان پر گولیاں چلا دیں اور وہ شہید ہو گئے، ان دونوں کی روحیں جنت الفردوس میں بلند ہو گئیں، جہاں وہ سچے مقام پر قادر مطلق بادشاہ کے پاس ہیں، اس وقت ابراہیم خلیل میں مجاہدین کے ساتھ تھے، جو ایک اور فدائی حملے کی تیاری کر رہے تھے، جب انہوں نے خبریں سنیں، تو وہ اپنی گاڑی میں سوار ہو گئے اور ایک سڑک کی طرف روانہ ہو گئے جو القدس کی طرف جاتی ہے، جہاں خاص طور پر مفرق ثلہ خارصینا کے قریب، جو کریات اربع کی طرف جاتی ہے، آبادکاروں کی گاڑیوں اور قابض فوج کی گشت کی نقل و حرکت زیادہ ہوتی ہے۔

سڑک پر ایک آبادکار نے اپنی گاڑی روکی اور وہ اور اس کے بچے گاڑی سے اترے، وہ یروشلم جانے والی کسی گاڑی کا انتظار کر رہے تھے تاکہ ان کا ایک بچہ یروشلم میں اپنے مذہبی مدرسے جا سکے ، مجاہدین کی گاڑی وہاں سے گزری اور انہوں نے اپنی بندوقوں سے آبادکاروں پر فائرنگ کر دی، جس سے وہ خون میں نہا گئے ، آبادکار اور دو دیگر افراد ہلاک ہوگئے، جبکہ دو دیگر زخمی ہوئے ، مجاہدین وہاں سے ایک قریبی گاؤں کی طرف روانہ ہوگئے تاکہ تلاشی کی مہمات کے ختم ہونے تک وہاں چھپ سکیں۔

فوجی قبضے کی فورسز وہاں فوری پہنچ گئی ، انہوں نے علاقے کا محاصرہ کر لیا اور کرفیو نافذ کر دیا ، الخلیل اس دوران پر سکون نہیں رہا، جیسے ہی کرفیو ہٹایا گیا اور مجاہدین کو حرکت کرنے کی اجازت ملی، انہوں نے نئے اہداف کی نگرانی کی اور ان پر حملہ کیا ، ہر ہفتے یا دو ہفتے میں وہ قابض فوجیوں اور آبادکاروں کو قتل یا زخمی کرتے رہے۔

ستائیسویں فصل

رمضان المبارک کا چاند نظر آیا، اور اس کے ساتھ ہی پاکیزگی اور عبادت کی روح پھیل گئی، خاص طور پر فجر کی نماز کے وقت مساجد میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ، لوگ سحری کھانے کے بعد نماز کے لیے نکلتے ہیں ، بڑی تعداد میں نمازی حرم ابراہیمی میں جمع ہوتے ہیں اور نماز کے لیے صف بندی کرتے ہیں ، مؤذن اذان دیتا ہے، پھر نمازی فجر کی سنت ادا کرتے ہیں ، مؤذن کچھ وقت انتظار کرتا ہے، پھر امام کھڑا ہوتا ہے، مؤذن اقامت کہتا ہے اور لوگ صفوں کو درست کرتے ہیں اور خدا کے حضور کھڑے ہوتے ہیں ، امام تکبیر تحریمہ کہتا ہے، نمازی بھی تکبیر کہتے ہیں، اور امام سورۃ الفاتحہ کی تلاوت شروع کرتا ہے: "غیر المغضوب علیہم ولا الضالین" تو جماعت کی آواز آتی ہے "آمین" اور پھر مکمل خاموشی چھا جاتی ہے ، پھر امام سورہ الاسراء کی ابتدائی آیات کی تلاوت شروع کرتا ہے : وقضينا إلى بني إسرائيل لتفسدن في الأرض مرتين ولتعلن علوا كبيرا " پھر امام رکوع کرتا ہے، پھر رکوع سے اٹھتا ہے اور سجدے میں جاتا ہے ، جب تمام نمازی خدا

کے حضور سجدے میں ہوتے ہیں، ایک لمبے قد والا، بکھری ہوئی داڑھی والا آبادکار مسجد کے دروازے پر آتا ہے، اپنی بندوق اٹھاتا ہے اور سجدے میں پڑے نمازیوں کے سروں اور پیٹھوں پر گولیاں چلانا شروع کر دیتا ہے ، وہ بندوق کی میگزین کو ایک بار، دو بار، تین بار بدلتا ہے، اور گولیوں کی آواز بلند ہوتی ہے، اور درجنوں نمازی خدا کے حضور سجدے کی حالت میں اپنی روحیں اعلیٰ مقام پر پہنچاتے ہیں، اور درجنوں زخمی ہو جاتے ہیں ، کچھ نوجوان صدمے کی حالت سے نکلتے ہیں، اور آگ بجھانے والے لوہے کے پائپ کی طرف دوڑتے ہیں ، ان میں سے ایک اسے اٹھا کر قاتل کی طرف دوڑتا ہے، اور اسے اس کے سر پر مارتا ہے، جس سے اس کی کھوپڑی ٹوٹ جاتی ہے اور سر چکنا چور ہو جاتا ہے ، تکبیر کی آوازیں بلند ہوتی ہیں، اور زخمیوں اور شہداء کو باہر نکالنے کا عمل شروع ہوتا ہے ، تمام وطن حرم ابراہیمی کے شہداء پر سوگ کا اعلان کرتا ہے، اور عوام اس بھیانک قتل عام کے خلاف احتجاج کرنے کے لیے نکل آتی ہے، لیکن قابض فوج کی گولیاں ہر گلی اور سڑک پر ان کا سامنا کرتی ہیں۔

قابض فوج یہ بھول چکی تھی کہ اس کی حکومت نے چند ہفتے پہلے ہی فلسطینی فریق کے ساتھ ایک معاہدہ کیا تھا، جس کے تحت غزہ اور اریحا سے اس کی واپسی کا آغاز ہونا تھا جو امن معاہدے کی ابتدا تھی، لیکن قابض فوج کی گولیوں نے درجنوں لوگوں کی جانیں لے لیں، سینکڑوں کو زخمی کر دیا اور فلسطین پر سوگ چھا گیا، جو زخموں اور درد سے بھرا ہوا تھا ، اسی وقت یعبد القسام گاؤں کے ایک گھر اور قباطیہ شہر کے ایک گھر میں، تین نوجوان قرآن پر ہاتھ رکھے عہد کر رہے تھے کہ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ابراہیمی مسجد میں شہید ہونے والوں کا بدلہ نہ لے لیں ، چند دن بعد ایک خاص گاڑی اندرونی اسرائیلی علاقے کے شہر عکو میں مسافروں سے بھری ہوئی ایک بس کے قریب پہنچتی ہے اور اس سے ٹکراتی ہے، جس کے بعد ایک زبردست دھماکہ ہوتا ہے، جس سے بس تباہ ہو جاتی ہے، پانچ مسافر مارے جاتے ہیں اور درجنوں زخمی ہوتے ہیں اور مقام پر شدید نقصان پہنچتا ہے۔

چند دن بعد ایک نوجوان جو اپنے کمر پر دھماکہ خیز بیلٹ باندھے ہوئے ہوتا ہے، شہر الخضیرہ میں ایک بس اسٹاپ کے قریب پہنچتا ہے اور وہاں خود کو دھماکے سے اڑا لیتا ہے، جس سے متعدد افراد ہلاک اور درجنوں زخمی ہوتے ہیں اور شدید نقصان پہنچتا ہے ، اعلامیے جاری ہوتے ہیں کہ یہ ابراہیمی مسجد میں ہونے والے قتل عام کا جواب ہے، اور مزید جوابی کارروائیاں آئیں گی۔

شہر الخلیل میں کچھ مجاہدین ایک گاڑی کو نشانہ بنا کر اس پر گولی چلاتے ہیں اور پھر شہر الخلیل کی ایک بڑی عمارت میں چھپ جاتے ہیں ، قابض فوج اور اس کی انٹیلی جنس ایجنسیاں مجاہدین کے شدید اور مسلسل حملوں کے بعد چوکنا ہو جاتی ہیں، اور ایک مخبر نے مجاہدین کو عمارت میں داخل ہوتے دیکھ لیا ہوتا ہے ، چند لمحوں میں قابض فوج کے سینکڑوں فوجی اور اعلیٰ فوجی اور سیکیورٹی افسران عمارت کو گھیر لیتے ہیں اور ہزاروں فوجی شہر میں پھیل جاتے ہیں ، فوج کا لاؤڈ اسپیکر مجاہدین سے عمارت سے باہر نکل کر ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن کوئی جواب نہیں ملتا ، قابض فوج عمارت کے رہائشیوں سے عمارت خالی کرنے کا مطالبہ کرتی ہے، اور باہر نکلنے والوں کی شناخت کی جانچ کرتی ہے اور کچھ کو حراست میں لے لیتی ہے ، پھر دوبارہ لاؤڈ اسپیکر پر مجاہدین سے ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ ہوتا ہے، لیکن کوئی جواب نہیں ملتا ، پیدل فوجی عمارت کی تلاشی لینے کے لیے آگے بڑھتے ہیں، اور ان پر شدید فائرنگ ہوتی ہے، جس سے کچھ فوجی زخمی ہو جاتے ہیں اور فوجی چیخنے لگتے ہیں ، جواب میں عمارت کی جانب سینکڑوں بندوقوں سے گولیاں چلائی جاتی ہیں، اور پھر خاموشی چھا جاتی ہے ، قابض دستے نے کچھ دیر انتظار کیا اور پھر ایک اور دستہ عمارت کی طرف بڑھا، تو دوبارہ اس پر فائرنگ کی گئی، چیخ و پکار بلند ہوئی اور انہوں نے آگ کے شعلوں کی طرح جواب دیا، پھر خاموشی چھا گئی ، قابض دستے نے اپنی ایک بڑی بلڈوزر کو طلب کیا، جو عمارت کی طرف بڑھی اور تباہی کا آغاز کیا ، جیسے ہی بلڈوزر نے دیواروں کو پیٹنا شروع کیا، اچانک ایک مجاہد ملبے میں سے بجلی کی تیزی کے ساتھ نمودار ہوا، جس نے اپنی بندوق کا رخ بلڈوزر کے ڈرائیور کی طرف کیا اور اس کے سر پر گولی چلائی ، بلڈوزر رک گئی اور اس سے

پہلے کہ فوجی اور ان کے قائدین سمجھ پاتے کہ کیا ہوا زمین نے اسے نگل لیا، فائرنگ اور راکٹ حملے دوبارہ عمارت پر شروع ہو گئے، محاصرہ اور جھڑپیں تین دن اور راتوں تک جاری رہیں، اور جب بھی قابض دستے عمارت کے قریب پہنچتے، دوبارہ فائرنگ شروع ہو جاتی، آخر کار انہوں نے عمارت کو مکمل طور پر تباہ کر دیا اور کوئی پتھر دوسرے پر نہ رہا، پھر بلڈوزر نے مجاہدین کی لاشوں کی تلاش کے لیے کام شروع کیا تاکہ ان کی موت کی تصدیق ہو سکے، ابراہیم غزہ واپس آیا کچھ دن پہلے جب علاقے کی رسمی منتقلی ہو رہی تھی، جہاں اسرائیلی فوج کا وجود کم ہو گیا تھا اور غزہ تقریباً خالی ہو چکا تھا، اس کا خیر مقدم گھر میں خوشیوں اور آنسوؤں کے ساتھ ہوا۔

ابراہیم کی واپسی پر مریم وہ نہیں رہی جسے اس نے چھوڑا تھا، گویاکہ کہ اس نے اپنی نرمی، جذبات اور محبت اس کے واپس آنے تک محفوظ کر رکھے تھے، اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی، اس کے پیر اسے سنبھال نہ سکے اور اس نے دیواروں کا سہارا لینے کی کوشش کی، پھر وہ زمین پر بیٹھ گئی، میری ماں نے اپنی تنہائی توڑ دی اور ابراہیم کو خوش آمدید کہنے کے لیے دوڑ کر باہر نکل آئی، اسے چومنے اور اس کے جسم کو محسوس کرنے لگی جبکہ ابراہیم اس کے ہاتھوں پر جھک کر بوسے دے رہا تھا۔

اس رات سے ہم نے دوبارہ اپنی ماں کے کمرے میں بیٹھنا شروع کیا اور وہاں جمع ہونا معمول بن گیا، اس رات ہم نے اپنے بھائیوں ماجد اور خالد کی واپسی کے بارے میں بات کی اور کہاں اور کیسے ان کا استقبال کریں گے؟ ہم اس بارے میں ماں کے سامنے بات کرنے سے ہچکچاتے تھے، لیکن یہ پہلی بار تھا کہ ہم اس طرح جمع ہوئے تھے، ہم ہچکچاتے ہوئے بات کرتے رہے اور کوئی بھی پوری طرح سے اپنی بات نہیں کہہ سکا، ماں مسکرا کر بولی: لگتا ہے کہ تم سمجھتے ہو میں انہیں یہاں نہیں چاہتی، میرے پاس کوئی اعتراض نہیں ہے، وہ بھی میرے لیے تم سب کی طرح ہیں اور یہ گھر وسیع ہے، میری ماں کے ان الفاظ نے ہمارے سینوں سے وہ بوجھ ہٹا دیا جو صرف اللہ ہی جانتا ہے، کیونکہ ہمیں ڈر تھا کہ وہ اس کی مخالفت کرے گی اور اس کی

تنہائی کا ایک حصہ اس کے شعور سے پیدا ہوا ہے کہ اس کی سوکن کے بیٹے جو اچانک آئے ہیں، اس کے گھر میں اور اس کے بچوں کے درمیان رہیں گے ، ہم نے عارضی طور پر ان کے لیے میرا کمرہ خالی کرنے پر اتفاق کیا اور میں اپنی ماں کے کمرے میں اس کے ساتھ رہنے لگا تاکہ ہم معاملات کو بہتر طریقے سے طے کر سکیں ، ہم نے اتھارٹی اور اس کی آمد، اس کی صلاحیتوں اور مخالف قوتوں کے ساتھ اس کے تعامل کے موضوع پر بھی تبادلہ خیال کیا۔

یقینی طور پر محمود کی ایک واضح اور قطعی نظر تھی کہ یہ اتھارٹی فلسطین لبریشن آرگنائزیشن (پی ایل او) کا نتیجہ ہے جو فلسطینی عوام کا واحد جائز نمائندہ ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک واحد اتھارٹی ہونی چاہئے جس کی سب کو اطاعت کرنی چاہئے، اور اس کے فیصلے، پالیسیاں اور معاہدے سب کے لیے لازم ہیں ، یہاں حسن جذباتی ہو کر بحث کرتا کہ اوسلو معاہدہ فلسطینی عوام کے بہت سے شعبوں اور قوتوں کی طرف سے مسترد کیا گیا ہے، اور یہ قومی اصولوں کی خلاف ورزی ہے، اور یہ کسی پر لازم نہیں جو اس کی پابندی نہیں کرنا چاہتا ، مقاومت ایک الگ معاملہ ہے، کسی نے اپوزیشن کے دھڑوں سے اس بارے میں مشاورت نہیں کی، اور نہ ہی فلسطینیوں کے اندرون اور بیرون ملک عام انتخابات یا ریفرنڈم ہوئے ہیں، اور محمود کیسے ان قوتوں اور شعبوں سے جو معاہدے کو حقوق اور اصولوں کی خلاف ورزی سمجھتے ہیں، اس معاہدے کا احترام کرنے اور اس کی پابندی کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

محمود جواب دیتا کہ اوسلو معاہدہ ایک مرحلہ وار معاہدہ ہے اور غزہ اور اریحا اس کی ابتدا ہیں، اور اس معاہدے پر بین الاقوامی گواہ موجود ہیں، اور یہ ہمارے فلسطینیوں کے لیے اچھا نہیں ہے کہ ہم دنیا میں احترام اور ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے یہ ظاہر کریں کہ ہم معاہدوں کا احترام نہیں کرتے اور ان کی پابندی نہیں کرتے ، حسن جواب دیتا کہ جو معاہدہ پر دستخط کرے وہ اس کا احترام اور پابندی کر سکتا ہے، لیکن جو دستخط نہ کرے اور جس سے رائے نہیں لی گئی، اسے کوئی چیز پابندی پر مجبور نہیں کر سکتی ،

محمود مسکراتے ہوئے کہتا ہے کہ وقت آپ کو اتھارٹی اور اس کے معاہدوں کی پابندی کرنے پر مجبور کرے گا ، حسن اعلان کرتا ہے کہ کوئی ہمیں اس پر مجبور نہیں کر سکتا ، محمود ہنستے ہوئے کہتا ہے کہ اگر کچھ لوگ موسیٰ کی بات نہیں مانیں گے تو فرعون کی لاٹھی سے مانیں گے، جب ہزاروں جنگجو باہر سے آئیں گے اور اندر سے ہزاروں کو حوالہ کیا جائے گا، ہم دیکھیں گے کہ کون فیصلوں کی خلاف ورزی کر سکتا ہے ، حسن چیخ کر کہتا ہے: اگر باہر سے لوگ آئیں گے تو مقاومت کو دبانے اور اسرائیل کے خلاف کارروائیوں کو روکنے کے لیے آئیں گے۔

محمود ہنستے ہوئے کہتا ہے : آپ چیزوں کو جیسے چاہیں نام دے سکتے ہیں، ہم اسے ایک اعلیٰ قومی مفاد اور ایک تاریخی موقع کہتے ہیں کہ فلسطینیوں کے لیے دہائیوں پر محیط قبضے کے بعد سیاسی وجود ہو جائے ، اس موقع اور اس اعلیٰ مفاد کو ہمیں محفوظ رکھنا چاہیے اور نافذ کرنا چاہیے، چاہے کچھ جذباتی لوگ جو اپنی ناک سے آگے نہیں دیکھ سکتے، اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اس مفاد کو خطرے میں ڈالیں، تو ہمارے پاس اخلاقی جواز اور مادی صلاحیت موجود ہے کہ انہیں روکا جا سکے ، حسن کہتا ہے :افسوس... افسوس، یہ اسرائیل پھر سے انتفاضہ کے دوران سالوں کی وحدت کے بعد ہماری فلسطینی صفوں کو توڑنے میں کامیاب ہو رہا ہے ، محمود چلاتے ہوئے کہتا ہے: آپ لوگ ہماری فلسطینی صفوں کو توڑنا چاہتے ہیں، تو قیادت کو اس منصوبے میں موقع کیوں نہیں دیتے ؟ حسن جواب دیتا ہے : کون سا موقع اور کس چیز کا موقع ؟ یہ کہ یہودیوں کو مزاحمت کے دباؤ سے بچایا جائے جو ان سے ہر روز اپنے فوجیوں اور آبادکاروں کی جان کا خراج وصول کر رہی ہے، اور اندرونی طور پر منقسم ہو جائیں... محمود نے اسے کاٹتے ہوئے کہا : اور یہ مزاحمت کب تک جاری رہے گی؟ ابراہیم اعتماد اور سکون کے ساتھ جواب دیتا ہے: جب تک کہ قبضہ خود بخود اور بغیر شرط کے یہاں سے نکل جائے، اور بغیر ہماری طرف سے کسی ذمہ داری کے، محمود : بغیر اس کے کہ ہم اپنے وطن کی زمین پر ان کے وجود کو تسلیم کرنے والے معاہدوں میں شریک بنیں ، محمود چلاتے ہوئے کہتا ہے: یہ سب عارضی ہے اور جب

طاقت کے توازن بدل جائیں گے تو ہمیں یہ پابند نہیں کریں گے ... ابراہیم نے پر سکون آواز میں کہا: لیکن معاہدوں کی کیا ضرورت ہے؟ آپ جانتے ہیں اور میں جانتا ہوں، اور ہر دیکھنے والا اور ماہر جانتا ہے کہ اگر اسرائیل کو کوئی فریق نہ ملے جس سے وہ معاہدہ کرے تاکہ وہ غزہ پٹی اور مغربی کنارے کی ذمہ داری سنبھالے، اور مزاحمت جاری رہے اور یہاں رہنے کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے، تو وہ بھاگ جائے گا، تو اس کے ساتھ معاہدہ کیوں کیا جائے ؟ اور اسے نکلنے کا راستہ کیوں دیا جائے؟ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ پابندیاں کیوں رکھی گئی ، سیکیورٹی تعاون، مشترکہ گشت، تعاون اور رابطے؟ یہ سب کیوں جبکہ ہم دوسرے قواعد نافذ کر سکتے ہیں؟ وہ مزاحمت کے ضربات کے تحت بھاگتے ہیں، اور ہم ہر قسم کی وابستگیوں، ان تشکیلوں، ناموں اور پیچیدگیوں سے آزاد رہیں گے ، محمود کہتا ہے، کیا یہ کافی نہیں کہ معاہدہ ہزاروں مزاحمتی فوجیوں اور ان کے خاندانوں کو وطن واپسی کی اجازت دے گا؟ ابراہیم جواب دیتا ہے، یہ ایک اچھی بات ہے، اور تم جانتے ہو کہ ہر فلسطینی ہر پناہ گزین کی وطن واپسی پر خوش ہوتا ہے، اور ہم ان میں سے ہر ایک کو اپنی آنکھوں کا تارا بنائیں گے، اور ان کو وطن میں زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرنے کے لیے اپنے منہ سے نوالہ نکالیں گے، لیکن یہ اس بھاری قیمت کے بدلے نہیں ہو سکتا کہ ہم انہیں معاہدے کے تحت ایک باعزت راستہ فراہم کریں، جبکہ انہیں مزاحمت کے وار سے ذلت آمیز فرار ہونا چاہیے، اور ان معاہدوں کے تحت جن پر بین الاقوامی گواہ موجود ہیں، جو صیہونی ریاست کو ہماری سرزمین کے بڑے حصے پر حق تسلیم کرتے ہیں ، محمود کہتا ہے : لیکن یہ سب کچھ صرف شروعات ہے، اور ایک عرصے کے دوران مستقل حل پر مذاکرات ہوں گے، اور تم جانتے ہو کہ آج جو معاہدے کمزوری کی حالت میں دستخط کیے جائیں گے، وہ مستقبل میں ہمیں باندھ نہیں سکتے جب طاقت کے توازن بدل جائیں گے۔

اس وقت مریم کھڑی ہو کر کہتی ہے : الحمدللہ کہ ہم سب دوبارہ آپ کے پاس، ماں، اکٹھے ہو گئے ہیں تاکہ آپ سیاسی بحثیں دوبارہ سن سکیں ، مجھے جانے دو تاکہ میں آپ کے لیے چائے بنا سکوں ، حسن کہتا ہے : یار،

میں ایک بات سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ آپ لوگ مذاکرات کی بات پر کیوں اصرار کرتے ہیں، یہاں تک کہ آپ مستقل حل کے مذاکرات کی بات کرتے ہیں، جس کا مطلب ہے کہ آپ صرف یہودیوں کے ساتھ مذاکرات کریں گے، اور یہ کہ مذاکرات قرارداد 242 کے نفاذ پر ہوں گے ، اس کا مطلب ہے کہ یہودیوں نے 5 جون 1967 سے پہلے کی اپنی ریاست کی حدود کو محفوظ کر لیا ہے اور وہ قرار داد کے نفاذ پر مذاکرات کریں گے، مطلب وہ ہمیں القدس شریف، پناہ گزینوں کی واپسی، بستیوں کے انہدام، اور سرحدی خطے پر واپس کریں گے ، اس کا مطلب ہے کہ وہ فلسطین کی تاریخی اراضی کا 75% سے زیادہ محفوظ کر چکے ہیں، اور وہ مغربی کنارے اور غزہ پٹی کی اراضی پر ہم سے جھگڑنا شروع کریں گے۔

محمود نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: نہیں، یہ صحیح نہیں ہے، یہ سب کچھ قرارداد 242 میں درج ہے اور اس کا ضامن بھی ہے، اور یہ سب کچھ عارضی ہے جب تک کہ طاقت کے توازن میں تبدیلی نہ آئے ، ابراہیم نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: صحیح کہا ، اللہ تمہیں خوش رکھے، انتفاضہ اور مزاحمت ، اسرائیل کو بغیر کسی اعتراف، سیکورٹی تعاون یا رابطے کے ہمیں مجبور کریں گی کہ وہ واپس چلے جائیں، اور ہمارا مقابلہ اسرائیل کے ساتھ ہمارا اندرونی مسئلہ بن جائے گا ، محمود کہتا ہے : یہ سب کچھ اب کارگر نہیں ہے، اور اب سب کو واحد اتھارٹی کی پابندی کرنی چاہئے تاکہ ہم دیکھ سکیں کہ کیا نتائج آتے ہیں۔

ابراہیم ہنس کر کہتا ہے : جیسے کہ قوم کی قسمت اور قضیہ کا مستقبل ایک تجرباتی میدان ہے، موقع دو اور نتائج دیکھو، چیزیں اس طرح نہیں چلتی ہیں، ہم اس طرح شہداء کی قربانیوں اور خون کا جوا کھیل رہے ہیں، اور یہودی صرف تب ہمیں کچھ دیں گے جب ہماری جوتے ان کی گردنوں پر ہوں گے، اور مزاحمت کی بندوقیں انہیں کاٹ رہی ہوں گی۔

محمود نے چیختے ہوئے کہا؛تم کیا کہہ رہے ہو؟ اگر حسابات اس طرح ہیں تو اسرائیل ہمیں چند منٹوں میں تباہ

کر سکتا ہے۔

ابراہیم ہنس کر کہتا ہے : اگر ایسا ہے تو انہوں نے ہمیں کیوں نہیں تباہ کیا؟ معادلے کے اجزاء صرف فوجی مادی طاقت نہیں ہیں، محمود، اسرائیل جانتا ہے کہ ہمارے پیچھے ایک عرب اور اسلامی قوم ہے، صحیح ہے وہ منتشر ہے، لیکن اگر انہوں نے ہمیں زیادہ طاقت سے دبایا تو کائنات کے توازن الٹ جائیں گے ، اسرائیل ہمیں تباہ کرنے کے قابل نہیں ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ بہت ساری معادلات کے پابند ہے، اور ان میں سے کسی ایک کو توڑنے کا مطلب ہے کہ وہ خود بھی تباہ ہو جائے گا۔

افواج کی آمد شروع ہوگئی تھی جو بیرون ممالک سے فلسطینی مزاحمت اور انقلاب کے لوگ غزہ کی پٹی میں داخل ہو رہے تھے، خاص طور پر مصر کے سرحدی راستے سے ، سب کی خوشی نے ان کی سیاسی اور فکری اختلافات کو بھلا دیا، اور بہت سے فلسطینی گھروں میں زغردیں (خوشی کی آوازیں) گونجنے لگی ، سالوں کے بعد والدین اور بچوں کی واپسی نے جلاوطنی اور ممالک کے درمیان سفر کی مشکلات کا مداوا کیا ، ہم نے بھی اپنے پڑوسیوں کی خوشی میں شریک ہوئے جب انکے بیٹے واپس آئے، اور ہم ماجد اور خالد کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے، جو آخری لوگوں میں سے تھے جو آئیں گے ، ہم نے انکے استقبال کے لیے گھر کو تیار کیا، جہاں میری ماں نے میرے کمرے کی چیزیں منتقل کی ، اور انکے لیے دو بستر اور ضروری سامان تیار کیا ، پھر ہم انکے استقبال کے لیے مصر کے سرحدی پوائنٹ پر مقررہ وقت پر پہنچے ، ہم نہیں جانتے تھے کہ ہم کس کا انتظار کر رہے ہیں کیونکہ ہمارے پاس ان کی کوئی تصویر نہیں تھی، لیکن ہم نے انہیں بس کی کھڑکی سے فوراً پہچان لیا کیونکہ وہ جڑواں تھے اور ہم سب کی مشابہت تھی۔

جب میں نے انہیں دیکھا تو چلایا: " خالد ماجد " ہم نے ہاتھ ہلایا، میں نے اپنے بھائیوں اور ابراہیم کو بلایا: یہ رہے ! اور میں بس کی طرف بھاگا ، میں ان دونوں سے چمٹ گیا ، اور میرے پیچھے محمود، حسن، اور ابراہیم تھے، ہم سب ان سے ہاتھ ملانے کو بیتاب تھے ، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے کیونکہ آخرکار سالوں کی

جلاوطنی اور جدائی کے بعد، انکی فیملی انہیں محبت اور مودت کے ساتھ خوش آمدید کہہ رہی تھی ، میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا اور لحہ بہ لحہ مجھے لگتا کہ میں بے ہوش ہو جاؤں گا ، ہم سب نے اپنا تعارف کرایا ، "میں احمد ہوں،" "میں محمود ہوں،" "میں حسن ہوں،" "میں محمد ہوں،" "میں تمہارا چچا زاد ابراہیم ہوں " اور جب بس تیزی سے روانہ ہونے لگی تو ابراہیم چلایا "ہم تم سے پہلے سرایا پہنچ جائیں گے اور تمہارے استقبال کے لیے وہاں ہوں گے، ان شاء اللہ ، ہم جلدی سے گاڑی میں بیٹھے تاکہ بس کو پیچھے چھوڑ سکیں ، جو بھی اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوتا، وہ بستر، کمبل، کھانا اور پینے کی چیزیں لے کر نکلتا، اور ابراہیم سے کہتا کہ اسے سرایا لے جاؤ تاکہ وہ نئے آنے والے مزاحمت کاروں کو پہنچا سکیں ، ممکن ہے کہ وہ سرایا میں رک جائیں یا جن کے پاس کوئی گھر نہیں ہے وہ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں ، ابراہیم بھی اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوتا اور سامان لے کر نکلتا، محمود بھی سامان لے کر نکلتا ، وہ سب سامان ابراہیم کی گاڑی پر لادتے جو سرایا کی طرف روانہ ہو جاتی ، وہاں سرایا میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں لوگ موجود تھے، جو بستر، کمبل، اور کھانے کی چیزیں لیے ہوئے تھے، اور انہیں مزاحمت کاروں کو دے رہے تھے جن کی آنکھیں اپنے لوگوں کی سخاوت دیکھ کر حیران تھیں، اور انکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

فلسطینی اتھارٹی نے غزہ پٹی میں امور سنبھالنا شروع کر دیے ہیں اور اپنے معاملات کو بتدریج ترتیب دے رہی تھی ، اسرائیل نے بھی اپنے جیلوں میں سالوں سے قید کچھ فلسطینی قیدیوں کو رہا کرنا شروع کر دیا ، لیکن تعداد توقع سے بہت کم تھی ، اس کے علاوہ اسرائیلی حکام نے قیدیوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرنے کی بات شروع کر دی ، مثلاً یہ لوگ اوسلو معاہدے کے حامی تنظیم سے ہیں اور یہ مخالف تنظیم سے ہیں اور مخالفین میں سے ایک کو بھی رہا نہیں کیا جائے گا، اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھوں خون ہے اور وہ لوگ جن کے ہاتھوں خون نہیں ہے ، جو لوگ خون میں ملوث ہیں، انہیں رہا نہیں کیا جائے گا۔

یہ تقسیم ہر فلسطینی شہری کی زبان پر تھی کیونکہ کوئی بھی فلسطینی گھر ایسا نہیں تھا جس میں کوئی قیدی یا اسیر

اسرائیلی جیلوں میں نہ ہو ، سب کو امید تھی کہ معاہدوں کے دستخط کے وقت ان کے بیٹے کو رہا کر دیا جائے گا، لیکن رہا کیے جانے والوں کی تعداد محدود تھی ۔

ابراہیم "صلاح" سے، جو ابھی بھی بیرزیت یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہے، اس مسئلے کا حصہ حل کرنے کی ایک منصوبہ بندی پر متفق ہوتا ہے ، صلاح مغربی کنارے کے نابلس میں مجاہدین سے ملنے جاتا ہے جو وہاں چھپے ہوئے ہیں، اور ان میں سرفہرست یحیٰ ہے، اور وہ دونوں جو چند مہینے پہلے یروشلم میں جھڑپ سے بچ گئے تھے، ان میں سے ایک "حسن" ہے جو اس منصوبے کو عملی بنانے کے قابل سمجھتا ہے اور اپنے دو جاننے والوں کو یروشلم سے بلانے کی درخواست کرتا ہے تاکہ ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جا سکے ، وہ دونوں چند گھنٹوں بعد آتے ہیں، ان میں سے ایک "زکی" ہے ،زکی نے یقین دہانی کرائی کہ اس کے پاس (ایسی جگہیں ہیں جو نگاہوں سے دور ہیں اور اغوا کیے گئے فوجی اور اس کے ساتھ رہنے والوں کو رکھنے کے لیے موزوں ہیں، اور وہ اس بات کی بھی یقین دہانی کراتا ہے کہ وہ کھانے اور خبروں کی فراہمی کے لیے بنا کسی شک و شبہ کے اس گھر میں آ سکتا ہے،) جبکہ مجاہد نے اس بات کی تصدیق کی کہ اس کے لیے گاڑی حاصل کرنا آسان ہے تاکہ اغوا کی کارروائی کی جا سکے، اور وہ اسے چلانے کے لیے تیار ہے، اور انہیں (زکی کی بتائی ہوئی جگہ) لے جانے کے لیے ایک اور گاڑی بھی فراہم کر سکتا ہے ، زکی اور مجاہد ہفتہ کی شام (اس جگہ) لے جانے کے لیے روانہ ہوئے ، زکی ایک ٹرک چلاتے ہوئے آتا ہے، جہاں وہ صلاح، حسن اور عبد الکریم کو ان کے ہتھیاروں اور کچھ سامان کے ساتھ یروشلم کی طرف لے جاتا ہے ، بیرّن بالا کے پر سکون اور وادی علاقے میں ایک وِیلا میں انہیں اتارتا ہے، اور ان کی ضروریات فراہم کر کے ان سے الگ ہو جاتا ہے، اس امید پر کہ اگلے دن انہیں واپس لانے کے لیے آئے گا۔

اور واقعی ہفتے کی شام کو مجاہد آیا جو کہ ایک ٹرک چلا رہا تھا، اس نے تین مجاہدین صلاح حسن اور عبد الکریم کو ان کے ہتھیاروں اور کچھ سامان کے ساتھ لے لیا اور انہیں یروشلم کے قریب بیربالا نامی گاؤں میں لے

گیا، یہ ایک پر سکون اور پر امن گاؤں تھا، جہاں ایک الگ تھلگ جگہ میں انہیں اتارا، انہیں ضروری سامان فراہم کیا اور اگلے دن کے لیے ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا، اتوار کی دوپہر کو وہ اپنی گاڑی میں واپس آیا اور انہیں اور ان کے ہلکے ہتھیاروں کو لے کر یروشلم کی جانب روانہ ہوا، راستے میں ایک فوجی نے گاڑیوں کو اشارہ کیا، تاکہ اسے اس کے رہائشی علاقے تک پہنچایا جائے، گاڑی رک گئی، اور اس نے پوچھا کہ آیا وہ اس کے علاقے کی طرف جا رہے ہیں؟ انہوں نے عبرانی زبان میں جواب دیا اور اسے سوار ہونے کی دعوت دی، جیسے ہی گاڑی چند میٹر چلی، مجاہدین نے اس پر کئی پستول تان لیے اور اسے خاموش رہنے کا حکم دیا تاکہ اس کی جان بچی رہے، ان کا مقصد اسے قتل کرنا نہیں تھا بلکہ اسے قیدیوں کے تبادلے کے لیے زندہ پکڑنا تھا، اس لیے فوجی کو ہدایت دی کہ وہ کوئی احمقانہ حرکت نہ کرے جو اس کی موت کا باعث بنے، کار نے اس کا رخ موڑ لیا، جب کہ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے گئے اور اس کا سر ڈھانپ دیا گیا، اور اسے بیر نبالا لے جایا گیا، جہاں کار ایک گھر کے گیراج میں داخل ہوئی، فوجی کو دوسری منزل کے ایک کمرے میں اتار دیا گیا، جہاں کھڑکیوں کو موٹے پردوں سے ڈھکا گیا تھا، اس کی ویڈیو ریکارڈ کی گئی، جس میں ایک مجاہد اس کے پیچھے کھڑا ہو کر اس کی حکومت سے اغوا کاروں کے مطالبات پورے کرنے کا مطالبہ کر رہا تھا، ایک مجاہد نے ویڈیو ٹیپ، فوجی کی بندوق، اور اس کی شناختی کارڈ لے کر غزہ شہر پہنچا، اور ایک طے شدہ جگہ پر رکھا، جہاں سے ابراہیم نے اسے اٹھا لیا، اور ایک نقاب پوش مجاہد کی ویڈیو ریکارڈ کی گئی، جس میں وہ فوجی کی بندوق اور شناختی کارڈ دکھا رہا تھا اور اسرائیلی جیلوں میں قید پانچ سو فلسطینی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کر رہا تھا، جن میں شیخ احمد یاسین بھی شامل تھے۔

ویڈیو ایک صحافی کو پہنچائی گئی، جس نے اسے نیوز ایجنسیوں میں تقسیم کر دیا، ایک گھنٹے کے اندر، ٹی وی نیٹ ورکس اور خبروں نے اسے نشر کرنا شروع کر دیا، اگلے دن دوسرا ویڈیو ٹیپ تقسیم کیا گیا، جس میں فوجی کی تصویر تھی اور اسرائیلی حکومت کو جمعہ کی شام تک کا وقت دیا گیا کہ مطلوبہ مطالبات پورے کرے، ورنہ

فوجی کو قتل کر دیا جائے گا ، سیکورٹی فورسز اور قابض افواج نے تلاشی اور چھاپوں کے ساتھ ساتھ کثرت سے انٹیلیجنس کارروائیاں شروع کی ، چونکہ ویڈیوز غزہ سے جاری کی گئی تھی، اسرائیلی حکومت نے فلسطینی اتھارٹی سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے وعدوں اور معاہدوں کو پورا کرے، اور فوجی کو زندہ واپس لانے اور اغوا کاروں کو سزا دینے کے لیے تلاشی لیں ، فلسطینی اتھارٹی کی سیکورٹی فورسز نے ضروری تحقیقات اور تلاشی کے بعد اسرائیلی حکومت کو یقینی طور پر مطلع کیا کہ فوجی ان کے کنٹرول میں نہیں ہے۔

جمعرات کی رات کے بعد، بڑے پیمانے پر فوج نے بیت حنینا میں مجاہد کے گھر پر چھاپہ مارا اور اسے گرفتار کر لیا، اور اسے رام اللہ کے قریب ایک فوجی کیمپ میں منتقل کر دیا، جہاں اسے سخت تفتیش کا سامنا کرنا پڑا ، تفتیش کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت کے شاباک کے سربراہ نے عدالتی حکام سے اجازت طلب کی کہ وہ قیدی پر جسمانی، نفسیاتی، اور اعصابی تشدد کے تمام طریقے استعمال کر سکے ، تاکہ اسے اعتراف کرنے پر مجبور کیا جا سکے ، اور مجاہد پر جہنم کھل گیا، وہ ایک ہی سوال کا جواب چاہتے تھے ، فوجی کہاں ہے ؟ یہ سوال انکار یا گفتگو کے لیے نہیں تھا ، فوجی کہاں ہے ؟ فجر کے بعد، کئی گھنٹوں کے بعد، انہوں نے اس سے فوجی کے چھپنے کی جگہ کا اعتراف کروا لیا ، جمعہ کی شام سورج غروب ہونے کے بعد، اور مسجد الاقصیٰ میں مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد "زکی" گاڑی میں روانہ ہوا جہاں وہ کچھ مقدسی کنافۃ خریدنے کے لیے رکا، اسے ساتھ لیا اور اپنی گاڑی میں بیرنبالا کی طرف روانہ ہوا ، جب وہ گھر میں داخل ہوا تو اس کے ساتھ کنافۃ کا ڈبہ تھا، مجاہدین نے اس میں سے کچھ کھایا اور اپنے ساتھ موجود قیدی فوجی کو بھی کھلایا ، زکی نے ان سے ان کی ضروریات کے بارے میں پوچھا، انہوں نے انکار میں جواب دیا، تو زکی ان سے الوداع کہہ کر روانہ ہوگیا ، جب وہ اپنی گاڑی میں روانہ ہوا تو اس کے پیچھے خصوصی دستے کی گاڑی بھی روانہ ہوئی ، جب وہ رام چیک پوسٹ پر تلاشی کے لیے رکا تو خصوصی دستے کے جوان اس پر حملہ آور ہوئے، اسلحہ نکال کر اسے گاڑی سے نکالا، اور گاڑی کی ہر چیز کو الٹ پلٹ کر تلاشی لینے لگے ، آٹھ بجنے سے چند

منٹ قبل، خصوصی دستے کے کئی افراد گھر کی طرف بھیڑ کرنے لگے ، وہ دو حصوں میں بٹ گئے : پہلا گروپ باورچی خانے کی بالکونی سے دوسری منزل میں داخل ہونے لگا، جبکہ دوسرا گروپ دھماکے کر رہا تھا، اسی لمحے درجنوں مسلح فوجیوں نے دونوں سمتوں سے گھر میں داخل ہونے کی تیاری کی ، دھماکوں اور فوجیوں کے اندر دوڑنے کی آوازیں آنے لگی جو باورچی خانے کے دروازے سے داخل ہوئے، وہ اس کمرے کے قریب تھے جہاں قیدی فوجی کو رکھا گیا تھا اور مجاہدین موجود تھے ، ان کے داخل ہوتے ہی مجاہدین کی بندوقوں سے شدید فائرنگ شروع ہوگئی، اور دوسری ٹیم جو زمینی منزل سے داخل ہوئی تھی، ان پر بھی فائرنگ شروع ہو گئی ، داخلی یونٹ کا قائد فورا مارا گیا اور تیرہ افراد زخمی ہو گئے، قیدی فوجی بھی مارا گیا، اور شدید فائرنگ اور بمباری کی وجہ سے تینوں مجاہد بھی شہید ہو گئے۔

چند روز بعد "یحیی" ایک خودکش جیکٹ تیار کر رہا تھا، جسے "صالح" نے اپنے کمر کے گرد پہنا، اور اپنے ساتھی "عاصم" کے ساتھ تل ابیب کے قلب کی جانب روانہ ہوا ، وہ تل ابیب جانے والی بس میں سوار ہوئے، اور تل ابیب کے مرکزی اسٹیشن سے بس نمبر (۵) میں سوار ہوئے جو وسط تل ابیب کی طرف جاتی تھی ، جب وہ ڈیزنگوف سٹریٹ کے وسط میں پہنچے تو صالح نے جیکٹ کے ساتھ لگے برقی بٹن کو دبایا جس سے دھماکہ ہوا ، بس جلتی ہوئی دھات کے ٹکڑے میں تبدیل ہو گئی، جس سے بیس سے زائد افراد ہلاک اور درجنوں زخمی ہوئے اور علاقے میں بڑی تباہی ہوئی ، ٹیلی ویژن کے آلات نے واقعے کے تھوڑی دیر بعد ہی مقام واقعہ کی براہِ راست تصاویر نشر کی ، آنکھوں میں حقیقی دہشت اور سینکڑوں خوفزدہ حالتیں اور عصبی ٹوٹ پھوٹ کے مناظر دکھائے ، قابضین میں سے کسی نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ تل ابیب کے وسط میں ایسی موت اور تباہی دیکھیں گے، وہ سمجھتے تھے کہ وہ ہمارے شہروں، دیہاتوں اور کیمپوں میں دہشت اور موت پھیلانے میں کامیاب ہوں گے، لیکن جادوگر کا جادو الٹا ہوگیا اور جو کانٹے بوتا ہے، وہ صرف کانٹے ہی کاٹتا ہے۔

ویزنکوف آپریشن کے بعد ہونے والی تحقیقات اور گرفتاریاں یحییٰ کا نام دوبارہ منظر عام پر لائی ، اور اس کا نام اسرائیلی شہریوں کے لیے دہشت کا نشان بن گیا، جیسا کہ وہ سیاسی، عسکری اور سیکیورٹی کے قائدین کے لیے تشویش اور خوف کا نشان بن گیا تھا ، یحییٰ کے والدین کے گھر پر چھاپے بڑھ گئے اور اس کے گاؤں اور ان تمام لوگوں پر نگرانی سخت ہوگئی جو یحییٰ سے متعلق سمجھے جاتے تھے ، یہ واضح ہوگیا کہ مغربی کنارے میں اس کا رہنا مشکل اور تقریباً ناممکن ہے جہاں اسرائیلی قبضہ ابھی بھی جاری ہے، اس لیے یحییٰ نے کچھ عرصے کے لیے غزہ منتقل ہونے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ وہاں کسی محفوظ مقام پر نظروں سے اوجھل رہے، پھر کچھ عرصے بعد واپس آئے ، میں نے اسے ابراہیم کے ہاں دیکھا جب وہ اندھیرے کے بعد آیا کرتا تھا، تاکہ کوئی اسے پہچان نہ سکے ، ایک دن میں کسی ضرورت کے تحت ابراہیم کے اپارٹمنٹ پر گیا، دروازہ کھٹکھٹایا اور داخل ہوا تو وہاں ایک خاموش، شرمیلا اور کم گو نوجوان بیٹھا تھا ، اس کی باتوں سے فوراً اندازہ ہوگیا کہ وہ مغربی کنارے سے ہے نہ کہ غزہ سے ، ہم غزہ میں حرف "ق" کو یا تو "ج" کی طرح یا "ء" کے طور پر ادا کرتے ہیں، لیکن مغربی کنارے کے زیادہ تر لوگ اسے "ک" کی طرح بولتے ہیں ، اس کی پہلی گفتگو میں حرف "ق" کے تلفظ سے میں نے فوراً پہچان لیا کہ وہ مغربی کنارے کا ہے ، میں نے اس کا نام یا رہائش کے بارے میں سوالات کر کے اسے یا ابراہیم کو شرمندہ نہیں کیا، لیکن اس دن میں نے جان لیا کہ وہ مغربی کنارے سے ہے ، بعد میں میں نے اسے کئی بار ابراہیم کے ہاں آتے جاتے دیکھا، اور کبھی کبھار وہاں رات گزارتے ہوئے بھی ، کچھ عرصے بعد اس کی بیوی اور بیٹا بھی آئے، اور وہ کچھ دن ابراہیم کے ہاں مقیم رہے، پھر کچھ عرصے کے لیے چلے گئے اور دوبارہ آئے ، ابراہیم اس بات کی وضاحت کرتا تھا کہ وہ مغربی کنارے سے اس کا دوست ہے جو یہاں غزہ میں کام کرتا ہے اور سفر، وقت اور پیسے کی بچت کے لیے کبھی کبھار اس کے ہاں ٹھہرتا ہے تاکہ اپنے نئے رہائش کا انتظام کر سکے۔

ایک سیکیورٹی ڈیوائس کے ایک اہلکار نے ابراہیم کو اپنے دفتر میں بلایا تاکہ اس سے بعض امور پر بات چیت

کی جا سکے جو فلسطینی اتھارٹی کی موجودگی میں غزہ میں طرز عمل اور رویے کی نوعیت سے متعلق ہیں ، اس شخص نے بار بار کہا کہ اب حالات پہلے کے مقابلے میں مختلف ہیں، اب ایک فلسطینی اتھارٹی ہے جو اختیارات کی حامل ہے، اور اس نے بین الاقوامی گواہوں اور نگرانی کے ساتھ معاہدوں پر دستخط کیے ہیں اور انہیں نظرانداز کرنا جائز نہیں ہے ، پھر اس نے اس بات کی تصدیق کی کہ وہ جانتے ہیں کہ ابراہیم ایک کارکن ہے اور اوسلو معاہدے کا مخالف ہے، اور اس کے بارے میں سخت نظریات رکھتا ہے اور وہ ان کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں، اور وہ سیکیورٹی ڈیوائس کی نگرانی میں ہیں اور ان کی توجہ کا مرکز ہیں ، وہ نہیں چاہتے کہ وہ کوئی ایسی حرکتیں یا کام کریں جو اتھارٹی کو شرمندہ کریں اور اسے ظاہر کریں کہ اس نے معاہدوں کی خلاف ورزی کی ہے۔

ابراہم نے جواب دیا کہ وہ اوسلو معاہدے اور اس سے پیدا ہونے والی تمام چیزوں کی مخالفت کرنے کی حقیقت کو نہیں چھپاتے، اور وہ اسے واقعات کے سیاسی استحصال میں ناکامی سمجھتے ہیں ، وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اوسلو معاہدے پر دستخط کے نتیجے میں ایک اسٹریٹیجک خطرہ پیدا ہوا ہے، اور اس خطرے کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسرائیل کو تسلیم کیا، جبکہ اس کی قیمت ہمیں پہلے ہی ادا کرنی تھی، بغیر اس کے کہ ہمیں کچھ بھی ملتا ، صرف ہماری طرف سے مزاحمت جاری رکھنے کی ضرورت تھی، جس کی وجہ سے قابض قوتیں ہماری سرزمین سے بغیر کسی قیمت کے صرف مزاحمت کے دباؤ سے بچنے کے لیے بھاگنے پر مجبور ہوجاتی۔

اس شخص نے بات کاٹتے ہوئے کہا: ہم یہاں سیاسی بحث میں نہیں ہیں کہ معاہدے پر دستخط کرنا صحیح تھا یا نہیں، یہ میری ذمہ داری نہیں ہے ، میری ذمہ داری یہ ہے کہ آپ کو یہ سمجھایا جائے کہ جب یہ ظاہر ہو کہ وہ ان علاقوں میں سیکیورٹی کو یقینی بنانے اور معاملات کو کنٹرول کرنے میں ناکام ہے جو اس کے کنٹرول میں ہیں ، تب آپ کو اتھارٹی کی قانونی حیثیت سے باہر نہیں نکلنا چاہیے، اور اتھارٹی کو شرمندہ نہیں کرنا چاہیے۔

ابراہیم نے مسکراتے ہوئے کہا: دیکھا ؟ ایک ایسی چیز کے بدلے جو اسرائیل ویسے بھی مزاحمت کی دباؤ کے تحت خود بخود ادا کرے گا ہم سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ ہم دو گروپوں میں تقسیم ہو جائیں ، ایک گروپ مزاحمت جاری رکھنا چاہتا ہے، جبکہ دوسرا گروپ معاہدوں اور دستخط شدہ عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہوئے مزاحمت روکنا چاہتا ہے... اس شخص نے غصے سے کہا: اب یہاں دو گروپ نہیں ہیں، یہاں ایک اتھارٹی ہے جو ذمہ دار اور قانونی ہے، اور وہاں شہری ہیں جو اتھارٹی کے فیصلے کی پابندی کریں گے؛ کیونکہ اس میں فلسطینی عوام کے اعلیٰ قومی مفاد ہیں، اور سب کو چاہیے ... ابراہیم نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا: آرام سے، غصہ کیوں؟ ہم تو بات کر رہے ہیں اور بحث کر رہے ہیں ، اس شخص نے مسکراتے ہوئے کہا: ہاں ہاں، لیکن آپ جانتے ہیں کہ ہم اب اپنے قومی اہداف کو حاصل کرنے کے راستے پر ہیں، ایک آزاد ریاست قائم کرنے کے ساتھ جس کا دارالحکومت یروشلم شریف ہوگا، اور ہمیں اپنے ان اہداف کے حصول کے لیے محتاط رہنا ہوگا اور ایسی حرکتیں نہیں کرنی چاہیے جو ان اہداف کے حصول کے راستے میں رکاوٹ بن سکیں ۔

ابراہیم مسکراتے ہوئے کہنے لگے : مجھے امید ہے کہ ہمارے مقاصد جو میں نے ذکر کیے ہیں اور دیگر تمام مقاصد پورے ہوں گے، لیکن میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ یہ صرف مذاکرات کے ذریعے پورے نہیں ہو سکتے ، یہ صرف بندوق کی نالی کے ذریعے پورے ہو سکتے ہیں، کیونکہ ہمارے دشمن بارود اور آگ کی زبان کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتے ، وقت تمہیں ثابت کر دے گا کہ اس راستے پر چلنا غلط ہے، اور زیادہ دیر نہیں لگے گی یہاں تک کہ یہ ہو جائے ، ہم مذاکرات کے بعد حتمی حل پر آتے ہیں..." اس دوران اس شخص نے بات کاٹتے ہوئے کہا: تب اللہ وہ پیدا کرے گا جو تم نہیں جانتے، لیکن ابھی میں امید کرتا ہوں کہ تمہیں ہمارے یہاں بلانے کا مقصد سمجھ میں آگیا ہوگا، اور میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم وعدے کی پاسداری کرو اور اپنے دوستوں کے ساتھ ہمیں ان معاہدوں کی خلاف ورزی کے درمیان شرمندہ نہ کرو جن پر اتھارٹی نے دستخط کیے ہیں، اور ہمیں تمہیں گرفتار کرنے یا جیل میں ڈالنے پر مجبور نہ کرو ، ابراہیم مسکراتے ہوئے اٹھ

کھڑے ہوئے اور بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگے: اللہ خیر کرے، اللہ خیر کرے۔

جہاد اسلامی کا ایک نوجوان جو قابض فوج کی وردی پہنے ہوئے ہے، اپنی پیٹھ پر ایک بارودی بیگ لے کر مضبوط قدموں سے اس کینٹین کی طرف بڑھتا ہے جہاں درجنوں فوجی جمع ہیں، یہ منظر بیت لید کے چوراہے کا ہے، وہ فوجیوں کے درمیان پہنچ جاتا ہے اور بیگ کا الیکٹریکل بٹن دباتا ہے، جس سے اس کا بیگ زور دار دھماکے سے پھٹ جاتا ہے اور کئی لوگ ہلاک اور زخمی ہو جاتے ہیں، چیخ و پکار شروع ہو جاتی ہے، چند منٹ بعد فوجی، طبی عملہ، سیکیورٹی اور پولیس اہلکار وہاں پہنچ جاتے ہیں، اسی دوران جہاد اسلامی کا ایک اور نوجوان، جو اسی طرح قابض فوج کی وردی پہنے ہوئے ہے اور بارودی بیگ لے کر وہاں پہنچتا ہے جیسے کہ وہ بھی طبی عملہ یا فوجیوں میں سے ہے جو وہاں آئے ہیں، وہ بھیڑ میں داخل ہو کر اپنا بیگ دھماکے سے پھاڑ دیتا ہے، جس سے ایک اور زوردار دھماکہ ہوتا ہے، مزید لوگ مارے جاتے ہیں اور کئی زخمی ہوتے ہیں، دور کھڑے طبی عملہ، فوجی اور سیکیورٹی اہلکار ایک دوسرے کو خوفزدہ نظروں سے دیکھتے ہیں، اس حملے میں پچیس فوجی مارے جاتے ہیں اور بہت سے زخمی ہو جاتے ہیں۔

اٹھائیسویں فصل

جب میری والدہ اپنی تنہائی سے باہر نکل کر دوبارہ اپنے کمرے میں سونے لگی، تو اس نے دوبارہ میری شادی کی کہانی شروع کر دی، میں اس معاملے سے غافل ہو چکا تھا، لیکن اس کے اصرار اور بار بار ذکر کرنے پر، میں نے اسے اجازت دی کہ وہ میرے لیے ایک لڑکی تلاش کرے جو اسے پسند ہو اور حقیقت میں ہر چند دنوں بعد وہ مجھ سے پوچھتی کہ فلاں کی بیٹی یا فلاں کی بیٹی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اور میں ان لڑکیوں کو نہیں جانتا تھا، پھر وہ خود جواب دیتی کہ فلاں کی بیٹی تھوڑی سی چھوٹی ہے اور فلاں کی بیٹی کی جلد کا رنگ تھوڑا سا سیاہ ہے، پھر وہ دوبارہ روزانہ کی طرح باہر نکلتی اور تلاش میں لگی رہتی، آخر کار اس نے ایک لڑکی تلاش کر لی جو اسے پسند آئی اور اس نے مجھے اس کے بارے میں بتایا، میں اس کے ساتھ اس کے والدین

کے گھر گیا، مجھے وہ لڑکی پسند آئی اور مختصر وقت میں ہم نے منگنی اور نکاح کر لیا۔

ابراہیم نے مجھے اپنی اپارٹمنٹ میں رہنے کی پیشکش کی تھی، اس کے بعد وہ صفاوی نوجوان "یحیٰ" ہمارے پاس کم آتا تھا، جب میں ابراہیم سے اس کے بارے میں پوچھتا تو وہ کہتا کہ اس نے ایک مکان کرایہ پر لے لیا ہے اور اب ابراہیم کے پاس رہنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن وہ کچھ گھنٹوں کے لیے مہمان کی حیثیت سے آتا تھا۔

اس دوران نابلس کا ایک نوجوان عبد الواحد اسلامی یونیورسٹی میں آیا جہاں اس کی ملاقات ابراہیم اور یحیٰ سے ہوئی، یحیٰ نے اسے بم وغیرہ بنانے کے طریقے سکھائے جو اس وقت (ام العبد) کے نام سے مشہور تھے، اور کس طرح بیلٹ اور بم بنائے جاتے ہیں عبد الواحد نے ان سے سب کچھ اچھی طرح سمجھا اور نابلس واپس چلا گیا جہاں اس نے ایک اپارٹمنٹ کرایہ پر لیا، ضروری مواد اور آلات خریدے، اور اپنے ایک بھائی کی مدد سے مواد تیار کرنے لگا، پھر اس نے ایسے نوجوان کی تلاش شروع کی جو شہادت کے لیے تیار ہو اور جو اسے 1948 میں مقبوضہ فلسطین کے کسی صیہونی اجتماع کے اندر لے جا سکے۔

21 جولائی 1995 کی دوپہر کو ایک فلسطینی نوجوان ایک اسرائیلی بس میں سوار ہوا جو رامات میں تھی، تھوڑی دیر بعد اس نے اپنے آپ کو دھماکے سے اڑا لیا، جس سے پانچ افراد ہلاک اور تینتیس زخمی ہوگئے، اسی وقت عبد الواحد دوسرے بیلٹ کی تیاری میں مصروف تھا اور ایک نئے شہید کی تلاش میں تھا، سب کچھ مکمل طور پر تیار تھا، بیلٹ بھی تیار تھا، شہید بھی تیار تھا اور جو اسے ہدف تک پہنچائے گا وہ بھی تیار تھا، اور یہ سب روانگی کے لیے تیار تھے، کچھ دن بعد جب عبد الواحد ایک پبلک فون سے کال کر رہا تھا، تو اسے اسرائیلی فوج کے خصوصی دستوں نے گرفتار کر لیا اور اسے تفتیشی مرکز لے گئے، فوراً اس کے ساتھ ہر اس چیز کے بارے میں تفتیش شروع ہوگئی جو آپریشن کے بارے میں تھی اور کسی بھی دوسرے تیاری کے بارے میں جو کئی گھنٹوں اور رات دن جاری رہتی اور اذیتیں اس کے سر پر ڈالی جا رہے تھیں اور وہ اس معاملے

میں اپنی کسی بھی شمولیت کو یاد کرتا رہا، تاکہ وقت گزر سکے اور دوسرا فدائی کارروائی کے وقت سے پہلے اس عمل کو انجام دے سکے، اس نے محققین سے اس کارروائی کے بارے میں اعتراف کیا جو انجام دی جا چکی تھی، تو وہ اپنے افسران کے لیے حاصل کی گئی فتح اور کامیابی پر خوش ہو کر نکلے، انہیں بتانے کے لیے کہ انہوں نے فدائی کارروائی کے منصوبہ ساز عبد الواحد سے اعتراف لے لیا ہے، وہ کچھ دیر کے لیے غائب ہو گئے اور تبھی دوسرا دھماکہ زور سے ہوا، جب ایک نوجوان نے القدس رمات اشکول میں ایک بس میں چڑھ کر خود کو دھماکے سے اڑایا جس سے پانچ افراد ہلاک اور تین سو زخمی ہو گئے، جبکہ محققین اپنے کامیابی کا فخر کر رہے تھے کہ انہوں نے عبد الواحد سے اعتراف لے لیا، تو ان کے بیلٹ پر موجود مواصلاتی آلات بجنے لگے، اور الیکٹرانک پیغام انہیں بتا رہا تھا کہ اسی خصوصیات کے ساتھ ایک نئی فدائی کارروائی ہوئی ہے، وہ عبد الواحد کے پاس گئے اور اسے مارنے لگے اور وہ دل میں ہنس رہا تھا اور وہ چیخ رہے تھے کہ تم نے ہمیں دھوکہ دیا، تم اس کے پیچھے ہو! اور وہ مسکرا رہا تھا اور سر ہلا رہا تھا۔

اس کے ساتھ اسرائیلی ریاست میں ہونے والی کارروائیوں کی بنا پر، اس کے رہنما ایک بڑے وقت میں مبتلا ہو گئے، وہ دو آگوں کے درمیان تھے، ایک طرف وہ کارروائیاں تھیں جو ان کی گہرائی میں ضرب لگاتی تھیں اور ان کے احساسِ امنیت اور استحکام کو ہلا دیتی تھیں اور دوسری طرف انتہائی دائیں بازو کے کمزور عناصر جو مزید علاقوں کو فلسطینی اتھارٹی کے حوالے کرنے کو تیار نہیں تھے، لیکن وہ اس بات پر مکمل یقین رکھتے تھے کہ ان کارروائیوں کا حل صرف یہ ہے کہ فلسطینی آبادیوں سے فرار اختیار کریں اور انہیں فلسطینیوں کے حوالے کریں، جو ان کارروائیوں کو روکنے کے لیے زیادہ قابل ہو جائیں گے، اس طرح اسرائیلی رہنماؤں نے کھل کر اعلان کیا کہ وہ امن کا عمل جاری رکھیں گے، جیسے کچھ بھی نہ ہوا ہو، اس نے انتہاپسندوں اور دائیں بازو کی جماعتوں اور تنظیموں کے غم و غصہ کو بھڑکایا، جس کے نتیجے میں یروشلیم اور تل ابیب میں حکومت کے خلاف اور فلسطینی اتھارٹی کو مزید علاقے دینے کے خلاف بڑے مظاہرے ہوئے، متعدد یہودی حاخامات

اور مذہبی رہنما بھی سامنے آئے جنہوں نے فلسطینیوں کو اراضی دینے کی ممانعت کی اور اس کے حوالے کرنے پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا، ہر روز تناؤ بڑھتا جا رہا تھا، اور حکومت اور سیکیورٹی ادارے یہ یقین کرنے لگے کہ اس پتھر کے گولے کو دوسرے کے حوالے کرکے ہی مشکلات سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ خود اس کا سامنا کریں۔

ہم اپنی ماں کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے، وہ ٹیلی ویژن دیکھ رہی تھی اور ہم پیش رفتوں کو دیکھ رہے تھے، ابراہیم مسکرا رہا تھا جب وہ خبریں دیکھ رہا تھا، جس سے محمود کو غصہ آیا اور اس نے پوچھا: تم مسکرا کیوں رہے ہو؟ کیا میں اس کی وجہ سمجھ سکتا ہوں؟ ابراہیم ہنستے ہوئے بولا : میں دیکھ رہا ہوں کہ ہم نے اپنے دشمنوں کو کس مشکل میں ڈال دیا ہے ؟ محمود نے پوچھا: کون سی مشکل؟ ابھی تو ہم خود مشکل میں ہیں!! ابراہیم ہنستے ہوئے بولا : ہم مشکل میں ہیں؟ تمہیں کیا ہوا آدمی؟ کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ اسرائیلی سڑکوں پر کیسی تقسیم ہو چکی ہے اور ان میں کیسا غصہ اور تناؤ ہے کہ ایک دوسرے کو مارنے کے درپے ہیں، اور کیسے ان کے لیڈر باوجود کارروائیوں کے چیخ رہے ہیں کہ وہ امن عمل جاری رکھیں گے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر ان علاقوں سے ایسی کارروائیاں نہ ہوتی جو ابھی بھی ان کی فورسز کے کنٹرول میں ہیں، حالیکہ وہ انہیں روکنے میں ناکام ہیں، جبکہ ان علاقوں سے جہاں سے وہ نکل چکے ہیں، وہ پر سکون ہیں اور وہاں کوئی ایسی کارروائی نہیں ہوئی، کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ انہیں چھوڑ دیں گے ؟

محمود نے کہا ہاں، یہ معاہدہ ہے ، حسن ہنستے ہوئے بولا : بھائی تم غلط فہمی میں ہو، تم ان لوگوں کو نہیں جانتے، کب انہوں نے ہمیں ہمارے حقوق دیے ہیں؟ کب انہوں نے ان حقوق کو تسلیم کیا ہے؟ اور کب انہوں نے معاہدوں اور وعدوں کی پاسداری کی ہے؟ جیسے کہ تم نے وہ آیت نہیں سنی : أو لكما عاهدوا عهداً نبذه فريق منهم (جب بھی انہوں نے کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک گروہ نے اسے توڑ دیا) محمود نے چیخ کر کہا: تم لوگ ہر چیز کو اپنے نام کرنا چاہتے ہو، تم ہی ہر کامیابی کا سبب ہو، یہی تم دکھانا چاہتے ہو، ابراہیم

مسکراتے ہوئے بولا : ہم حقیقت بیان کر رہے ہیں محمود ، انتفاضہ نے انہیں مجبور کیا ہے کہ وہ ہمیں اور ہمارے حقوق کو تسلیم کریں ، انتفاضہ کے چند دنوں پہلے ہمارا نام "علاقوں کے باشندے" تھا ، پھر دو ماہ کے بعد ہمارا نام "علاقوں کے فلسطینی" ہوگیا ، پھر ہمارا نام "فلسطینی" ہو گیا ، پھر انہیں فلسطین لبریشن آرگنائزیشن کے ساتھ بیٹھنے پر مجبور ہونا پڑا جسے وہ دہشت گرد اور تخریب کار تنظیم سمجھتے تھے، اور اب وہ غزہ سے نکل چکے ہیں، اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کے لیڈر مزاحمت کے حملوں کے تحت اعلان کر رہے ہیں کہ وہ مغربی کنارے سے بھی نکل جائیں گے....

محمود نے بات کاٹتے ہوئے کہا : لیکن کیا تم نہیں سمجھتے کہ اس سے ساری چیزیں الٹ پلٹ ہو سکتی ہیں اور پورا امن عمل برباد ہو سکتا ہے؟ حسن ہنستے ہوئے بولا : کاش کہ وہ برباد ہو جائے اور جہنم میں جائے ، محمود نے چیخ کر کہا : یہی تم لوگ چاہتے ہو، تم لوگ فلسطینی قوم کے مستقبل اور اعلیٰ مفادات کے ساتھ کھیل رہے ہو، اسرائیل کا مغربی کنارے سے انخلا قریب ہے، اور فلسطینی ریاست کا اعلان ہونے والا ہے اور تم لوگ ایسی کارروائیاں کر رہے ہو جس سے یہ سب برباد ہو جائے۔

ابراہیم مسکراتے ہوئے کہنے لگا : سنو محمود ! ہم نے پہلے بھی اس معاملے پر بات کی ہے ، ہمارا ماننا ہے کہ اوسلو معاہدہ ایک اسٹریٹجک مقصد ہے، اور یہ ایک سیڑھی ہے جس سے قبضہ کرنے والا نیچے اتر سکتا ہے ، اگر آپ لوگوں نے یہ سیڑھی نہ بنائی ہوتی، تو وہ خود ہی غزہ اور مغربی کنارے سے بھاگ جاتے، بغیر کسی اعتراف کے... محمود نے اسے کاٹتے ہوئے کہا : تم نے کہا تھا کہ یہ محض ایک حکمت عملی ہے، اور یہ اس مرحلے میں ہمیں فائدہ پہنچا رہی ہے جب تک کہ طاقت کے توازن اور اصول تبدیل نہ ہوں... ابراہیم نے پھر سے کاٹتے ہوئے کہا : ہم اس معاملے میں آپ سے اختلاف رکھتے ہیں اور اسے غلط سمجھتے ہیں، لیکن اب ہم اوسلو کی صحت یا غلطی پر بحث نہیں کر رہے، ہم اب ان علاقوں سے مسلسل کاروائیاں کرنے کے نقطہ نظر سے بات کر رہے ہیں جہاں اب بھی قابض فوج کا کنٹرول ہے، اور ان علاقوں میں نسبتا سکون ہے جہاں

سے وہ ہٹ چکے ہیں اور انہیں اتھارٹی کے حوالے کر دیا ہے، یہ ان کے انخلا کو بہتر بنانے کا بہترین طریقہ ہے اور ان کی ٹال مٹول کو ختم کرنے کا بھی... محمود نے کاٹتے ہوئے کہا: تو تم کہنا چاہتے ہو کہ ہر انچ زمین کی آزادی کا سہرا تمہارے اور تمہاری مزاحمت کے سر ہے نہ کہ فلسطینی مذاکرات کار کی حکمت اور تجربہ کے ... حسن نے کاٹتے ہوئے کہا: مذاکرات کار اور اس کی حکمت کی کیا ضرورت ؟ وہ تو غزہ اور مغربی کنارے سے بھاگنے ہی والے تھے، کیا تم نے خبریں نہیں سنی اور دیکھی ، یا پھر تم کسی اور دنیا میں ہو!! اس دوران خالد اور ماجد ایک ساتھ بیٹھے تھے اور ان کی نظریں بولنے والوں پر جمی تھی ، اور وہ بولنے والے کے منہ کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ کون بات شروع کرے گا، یہ دیکھ کر مریم نے کہا... خالد اور ماجد، تمہیں کیا ہوا ہے؟ دونوں نے ایک ساتھ کہا: ہاں، کیا ؟ تو مریم نے کہا: تم دونوں کیوں حیران ہو؟ اور تمہاری نظریں ہر بولنے والے پر جمی ہیں، خالد نے کہا: سچ یہ ہے کہ ہم نے پہلی بار اس قدر سکون کے ساتھ سیاسی بحث سنی ہے، خدا کی قسم، تم لوگ مقبوضہ زمینوں میں سیاسی شعور اور حالات سے آگاہی کے معاملے میں بہترین ہو۔

ایک یہودی انتہا پسند ، وزیر اعظم اسرائیل اسحاق رابین جس کا فوجی ماضی شاندار تھا ، اپنے ہتھیار میں گولیاں بھرے ہوئے ، ان زمینوں کو فلسطینیوں کے حوالے کرنے کی غداری کی سزا دینے کے لیے رابین کو قتل کرنے کے ارادے سے تاک میں بیٹھا ہے ، رابین ایک بڑے جشن کی جگہ سے نکلتا ہے جو اسے امن عمل میں عوامی حمایت اور تائید دکھانے کے لیے منعقد کیا گیا تھا، اس کے ارد گرد محافظ ہوتے ہیں تو انتہا پسند ایگال امیر ان کے درمیان سے نکلتا ہے اور اپنا ہتھیار نکال کر اس پر گولیاں چلاتا ہے اور اسے قتل کر دیتا ہے۔

ہم اپنی ماں کے کمرے سے نکل کر اپنے کمرے میں جانے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ اچانک ٹی وی پروگرامز کٹ گئے اور خبر آئی کہ رابین پر گولی چلائی گئی ہے اور اسے اسپتال منتقل کر دیا گیا ہے، ہم بیٹھ

کئے اور خبر کی ترقیات کو ترقب اور جوش کے ساتھ دیکھنے لگے، کچھ وقت بعد اس کی موت کا اعلان ہوا، ہم میں سے کوئی بھی رابین کی موت پر ناخوش نہیں تھا، وہ ان ظالم قصابوں میں سے ایک تھا جس نے ہمارے لوگوں کے خلاف جرائم کیے تھے، کوئی بھی اس کی حالیہ تاریخ کو نہیں بھول سکتا جب اس نے انتفاضہ کے دوران فلسطینی شہریوں کے خلاف ہڈی توڑنے کی پالیسی پر عمل درآمد کا حکم دیا تھا، اور کوئی بھی ۱۹۶۷ میں یروشلم پر قبضے میں اس کے کردار کو نہیں بھول سکتا، اور ہمارے لوگوں اور قوم کے خلاف کیے گئے دوسرے جرائم کو بھی نہیں۔

محمود مستقبل کے امن عمل کے بارے میں فکر مند تھا کیونکہ رابین اپنی مضبوط شخصیت اور اسرائیل کی خدمت اور اس کی بقا کے لیے اپنی بھرپور تاریخ کی وجہ سے امن عمل کو آگے بڑھانے کے لیے سب سے زیادہ اہل تھا، رابین کے قتل نے اسرائیلی عوامی رائے کے نتائج کو پلٹ دیا قتل سے پہلے ان رائے شماریوں میں دائیں بازو کی جماعتوں کا بائیں بازو پر برتری واضح تھی اور اگلے انتخابات میں دائیں بازو کے جیتنے کی توقع تھی ، لیکن قتل کے بعد کیونکہ قاتل دائیں بازو کے مخالفین میں سے تھا جو رابین کی پالیسیوں کی مخالفت کرتے تھے، اسرائیلی عوامی رائے نے پلٹا کھایا اور بائیں بازو کے حق میں ہوگئی اس طرح ان رائے شماریوں نے شمعون پیریس، جو رابین کے جانشین تھے، اور ان کی جماعت کی جیت کی امید بڑھا دی۔

یحییٰ ایک گھر میں چھپے ہوئے تھے جو بیت لاہیا کے رہائشی منصوبے میں تھا، اسرائیلی خفیہ ایجنسی نے اس گھر کا پتہ لگا لیا اور اپنے ایک ایجنٹ کے ذریعے ایک موبائل فون اس گھر کے مالک کو پہنچایا، یہ فون یحییٰ کے استعمال میں آیا جس سے وہ مغربی کنارے میں اپنے خاندان سے رابطہ کرتے تھے ، فون میں خرابی پیدا ہو گئی، تو مالک نے اسے مرمت کے لیے بھیجا اور پھر یحییٰ کو واپس کر دیا تاکہ وہ اپنے والد سے بات کر سکیں ، جمعہ کے روز 5 جنوری 1996 جب انہوں نے پہلی بار بات شروع کی، فون ان کے کان پر پھٹ گیا اور ان کا سر اڑا دیا، اس طرح اسرائیلی خفیہ ایجنسی نے اپنی جنگ میں ایک بڑی کامیابی حاصل کی ، گھر کے مالک نے

فوراً مجاہدین کو اطلاع دی جو فوراً موقع پر پہنچے، ان میں ابراہیم بھی شامل تھے تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ کیا ہوا ہے ، ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ، چند گھنٹوں میں یہ خبر سارے ملک میں پھیل گئی، جو یحییٰ کو اپنے دل کی گہرائیوں سے چاہتا تھا ، یحییٰ عیاش فلسطین کے مظلوم لوگوں کے دلوں میں بسا ہوا تھا اور عرب اور اسلامی دنیا میں بھی محبوب تھا ، انہوں نے اسرائیل کے قلب میں خوف اور دہشت پھیلا کر جدوجہد کی ایک نئی مثال قائم کی تھی ، یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور عوام سڑکوں پر نکل آئے، پوچھتے اور تصدیق کرنے کی کوشش کرتے ، وہ یقین نہیں کر پا رہے تھے جو انہوں نے سنا، کیونکہ یحییٰ ایک ہیرو بن چکے تھے اور لوگ نعرے لگا رہے تھے ، اگلے دن پورا غزہ یحییٰ کو الوداع کہنے کے لیے نکل آیا ، غزہ ایک بے قابو سمندر کی طرح ہل رہا تھا، شہید کو الوداع کہہ رہا تھا، شہداء کے لیے جان و مال نچھاور کرنے کے نعرے لگا رہا تھا، اور انتقام کی آوازیں بلند ہو رہی تھی "یا کتائب القسام"۔

عبدالرحیم جو کہ میری چچا زاد فاطمہ کا بیٹا ہے، نے مسجد کے کچھ نوجوان ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایک مزاحمتی گروپ بنانے کا فیصلہ کیا تاکہ قبضے کے خلاف جنگ شروع کی جا سکے ، یہ فیصلہ انہوں نے شہید "ابو رشدی" کی شہادت کے بعد کیا، جس نے عبدالرحیم کو بہت متاثر کیا تھا اور وہ ان کے انتقام کے لیے کچھ کرنا چاہتے تھے ، انہوں نے اپنی گاڑیاں بیت لحم اور الخلیل کے درمیان شاہراہ پر دوڑائیں جہاں اکثر فوجی گاڑیاں اور آبادکاروں کی گاڑیاں چلتی ہیں ، بیت امر کے قریب انہوں نے ایک سفید گاڑی دیکھی جس پر فوجی نمبر پلیٹ لگی ہوئی تھی ، عبدالرحیم نے اپنی گاڑی اس کے پیچھے دوڑائی اور جب اس کے قریب پہنچے تو عبدالرحیم نے اپنی کلاشنکوف سے اس پر فائرنگ شروع کر دی جبکہ اس کے ایک دوست نے پستول سے فائرنگ کی ، گاڑی سڑک سے ہٹ کر کنارے سے ٹکرا گئی اور اس میں موجود ایک فوجی ڈاکٹر اور ایک فوجی ہلاک ہو گئے ، عبدالرحیم کو محسوس ہوا کہ انہوں نے شہید کے خون کا کچھ حساب چکایا ہے۔

خان یونس کے قریب السطر الغربی گاؤں میں چار مجاہدین، جن میں ابراہیم بھی شامل تھا، ایک بڑے حملے کی

منصوبہ بندی کر رہے تھے ، رات کے وقت مجاہدین نے اپنے بیگ کمر پر ڈالے اور دو لمبی لکڑی کی سیڑھیوں کے ساتھ دیوار کی طرف بڑھنے لگے جو غزہ اور 1948 کے علاقے کے درمیان تھی ، اندھیرے میں انہوں نے دیوار کے قریب پہنچ کر تسلی کر لی کہ وہاں کوئی فوجی گھات نہیں ہے ، پھر دو مجاہدین نے پہلی سیڑھی کو دیوار سے لگا کر دوسرے مجاہد نے اس پر چڑھتے ہوئے دوسری سیڑھی کو اوپر اٹھایا ، جب وہ دوسری سیڑھی کو دیوار کے دوسری طرف پھینکنے کی کوشش کر رہا تھا، تو دور سے ایک فوجی گاڑی کی روشنی نظر آئی ، انہوں نے فوراً سیڑھیوں کو چھپایا اور ریت کے ڈھیروں کے پیچھے چھپ گئے ، گاڑی گزرنے کے بعد انہوں نے دوبارہ سیڑھیوں کو نصب کیا اور تین مجاہدین بھاری بیگ کے ساتھ دیوار کے دوسری طرف چلے گئے ، باقی مجاہدین نے سیڑھیوں کو ہٹا دیا اور وہاں سے روانہ ہو گئے، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو ، تین مجاہدین اپنے بیگ پشت پر لادے مغرب کی طرف بڑھے، 1948 میں قبضے میں لی گئی زمینوں میں داخل ہوتے ہوئے سرحدی پٹی سے دور جا رہے تھے ، ایک گاڑی ان کی منتظر تھی، جس نے انہیں اشدود شہر کے نزدیک ایک بڑے باغ میں پہنچایا ، وہاں انہوں نے کھدائی کر کے بیگ دفنائے اور دو واپس غزہ چلے گئے ، تیسرا شخص ایک بڑی چادر میں لپٹ کر درختوں کے درمیان ٹھہر گیا، نارنگی کے گھنے درختوں نے اسے اپنے شاخوں اور پتیوں سے ڈھانپ لیا، محبت اور شفقت سے اسے دشمنوں کی نظروں سے بچا لیا ، وہ دوسرے قافلے میں آنے والے خودکش حملہ آوروں کا انتظار کر رہا تھا ، وقت کافی گزرا اور کوئی نہیں آیا، مقررہ وقت گزر گیا، ایک دن اور گزرا، مزید پھر ایک اور دن ، یہ واضح ہو گیا کہ کچھ مسئلہ پیش آیا ہے، حسان نے اجتہاد سے کام لینے کا فیصلہ کیا، وہ رام اللہ چلا گیا جہاں اس نے کچھ جان پہچان والوں سے رابطہ کیا جو شہادت کے لیے تیار نوجوانوں کی تلاش میں تھے ، اس نے دو نوجوان پائے جو اس کے لیے بے تاب تھے، پھر وہ ابو دیش چلا گیا تاکہ بیگ حاصل کرنے کے لیے مددگاروں کی تلاش کرے جو بیلٹ لے کر جائیں اور خودکش حملہ آوروں کو اہداف تک پہنچائیں ، اس نے دو افراد کو پایا جن کے پاس دو گاڑیاں تھی ، وہ ایک کے ساتھ روانہ ہوا اور اشدود کے

قریب باغ سے تینوں بیگ لے کر رام اللہ پہنچے پھر ابو دیش پہنچا، صبح سویرے ابو دیش سے دو گاڑیاں روانہ ہوئی ، ہر ایک گاڑی میں ایک خودکش حملہ آور تھا، جس نے بیلٹ اپنے کمر پر باندھ رکھی تھی اور وہ روزے سے تھا اور قسم کھائی تھی کہ وہ زمین پر کھانے یا پینے کی کوئی چیز نہیں چکھے گا، اس کا افطار ان شاء اللہ جنت کے نعمتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہوگا ، ایک گاڑی مغربی یروشلم کے قلب کی طرف روانہ ہوئی جہاں وہ پختہ قدموں سے چلتا ہوا بس نمبر 18 کی طرف بڑھا جو مسافروں سے بھری ہوئی تھی، وہ اس میں سوار ہوا اور جب وہ چند میٹر آگے بڑھی تو اس نے بیلٹ کا الیکٹرک بٹن دبایا، زوردار دھماکہ ہوا، اور بس جلتی ہوئی دھات کے ٹکڑوں کی ڈھیر میں تبدیل ہو گئی اور لاشیں اور اعضاء بکھر گئے، جس میں درجنوں افراد ہلاک ہو گئے ، ایمبولینسیں، دھماکہ خیز مواد کے ماہرین، پولیس اور سکیورٹی اہلکار فوراً موقع پر پہنچ گئے ، جب وہ اپنے کام میں مصروف تھے، ایک اور دھماکے کی خبر آئی جو عسقلان کے مقبوضہ شہر کے داخلی دروازے پر فوجیوں کے انتظار کے ایک سٹیشن پر ہوا، جہاں کئی افراد ہلاک اور زخمی ہوئے ، مغرب کی اذان کی آواز بلند ہوئی، حسان جلدی سے اگلے کمرے میں گیا تاکہ رائد کو افطار کے لیے جگائے کیونکہ وہ روزے سے تھا ، رائد بستر پر بیٹھا، حسان کی طرف دیکھتا رہا جو کہنے لگا: مغرب کی اذان ہوگئی ہے، اٹھو اور افطار کرو ، رائد مسکراتے ہوئے بولا: میں اس زمین پر تمہارے کھانے کی کوئی چیز نہیں چکھوں گا۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک بس میں سوار ہو رہا ہوں جو قبضہ کرنے والوں سے بھری ہوئی ہے اور میں خود کو دھماکہ کر رہا ہوں، اور بس میں موجود سب کو مار رہا ہوں، پھر میں نے دیکھا کہ میں نور کے ایک ستون میں آسمان کی طرف اٹھ رہا ہوں ، حسن نے دوبارہ کہا: کھانا تیار ہے، آؤ کھانا کھا لیں ، رائد نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا: میں نے کہا نا کہ میں اس زمین کی کوئی چیز اپنے منہ میں نہیں ڈالوں گا، پھر وہ اٹھا، وضو کیا اور مغرب کی نماز پڑھی ، صبح کی ابتدائی ساعتوں میں رائد ایک خودکش بیلٹ باندھ کر کریم کی گاڑی میں روانہ ہوا جس نے پچھلے ہفتے اس کے بھائی کو یروشلم کے قلب میں پہنچایا تھا ، وہی جگہ پہنچی، گاڑی سے اتر گیا

اور مضبوط قدموں کے ساتھ بس نمبر ۱۸ کی طرف بڑھا ، اس میں سوار ہوگیا، اور بس کے چند میٹر چلنے کے بعد اس نے خود کو دھماکہ سے اڑا لیا جس سے بس میں موجود تمام ۲۳ افراد ہلاک ہو گئے، اور درجنوں لوگ جو سڑک پر موجود تھے زخمی ہو گئے ، رائد کی روح اپنے رب کی طرف اٹھ گئی، جو اس نے چاہا تھا وہ پورا ہوا کچھ دنوں بعد اسلامی جہاد کی تحریک کے ایک مجاہد نے تل ابیب کے دیزنگوف اسٹریٹ کے وسط میں خود کو دھماکہ سے اڑا دیا جس سے تیرہ استعماری ہلاک ہوگئے ، صیہونی ریاست کے حکام پاگل ہوگئے اور دلوں میں خوف چھا گیا، سڑکوں، اداروں، ریستوران اور کافی شاپس میں لوگوں کی تعداد کم ہوگئی اور بسیں خالی ہوگئی ، ایک حکومتی اہلکار نے میز پر ہاتھ مارا اور مطالبہ کیا کہ اتھارٹی اپنی ذمہ داریوں اور وعدوں کو پورا کرے تاکہ اپنے زیر کنٹرول علاقوں سے دہشت گردی کا خاتمہ کیا جا سکے ، اس کے بعد اتھارٹی کی فورسز نے اپنے علاقوں میں اسلامی کارکنوں کی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع کی ، جس میں سینکڑوں کو گرفتار ر کے جیلوں میں ڈال دیا گیا اور درجنوں کو شدید اور خوفناک تحقیقات کا سامنا کرنا پڑا۔

میرا بھائی ماجد دن کے درمیانی وقت میں گھر آیا جب کہ اس کے کام سے واپس آنے کا وقت نہیں تھا ، دوپہر کے وقت پوچھا کہ ابراہیم کہاں ہے ؟ جو گھر میں نہیں تھا ، ماجد نے میرے کان میں سرگوشی کی کہ ابراہیم کی گرفتاری کا حکم ہے اور ضروری ہے کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو جائے ، وہ اپنے کام پر واپس چلا گیا اور میں ابراہیم کو بتانے کے لیے نکلا ، میں نے اسے ایک دوست کے پاس پایا، اسے صورتحال بتائی، اور فوری طور پر غائب ہونے کی تیاری شروع ہوگئی ، میں اسے اس دوست کے گھر لے گیا اور اس کی گاڑی لے کر واپس آ گیا تاکہ مریم اور میری والدہ کو بتا سکوں کہ وہ مطلوب ہے اور ایک دوست کے ہاں چھپ گیا ہے تاکہ اتھارٹی کی سیکیورٹی فورسز اسے گرفتار نہ کر سکے ، جب تک کہ حالات ٹھیک نہ ہو جائیں ، شام کو ہم سب والدہ کے کمرے میں جمع ہوئے، جہاں حسب معمول آخری وقت کے موضوعات پر بات چیت ہوئی، حالیہ کارروائیاں، وسیع پیمانے پر گرفتاریاں اور کچھ گرفتار شدگان کے خلاف تشدد آمیز تحقیقات کے بارے میں

افواہیں ، حسن اپنے غصے میں تھا جو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ، میری ماں کو کئی بار کہنا پڑا کہ حسن اپنی آواز دھیمی کرے تاکہ باہر سے کوئی نہ سنے اور وہ بھی گرفتار نہ ہو جائے ، حسن محمود کی طرف چیختا ہوا کہہ رہا تھا : یہ شریف لوگوں کو کیسے گرفتار کر سکتے ہیں اور انہیں جیلوں میں ڈال سکتے ہیں ؟ جب کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے پچھلے سالوں میں مزاحمت کی چادر اٹھائی اور قبضے کو مجبور کیا کہ وہ چلا جائے ، محمود ہنستے ہوئے کہتا ہے : یہ تم اور تمہاری جماعت کی سوچ ہے، یہ اہم بات ہے ، یہ لوگ امن عمل کو برباد کرنا چاہتے ہیں اور فلسطینی عوام کے اعلیٰ قومی مفادات کو داؤ پر لگا رہے ہیں ، اس لیے انہیں روکنا ضروری ہے ، حسن چیختا ہے : کون سے مفادات کی بات کر رہے ہو، آدمی؟ فلسطینی عوام کے مفادات یہ ہیں کہ شریف لوگوں کو گرفتار کیا جائے اور انہیں تحقیقاتی جیلوں میں ذلیل کیا جائے؟ کیا یہ فلسطینی عوام کے مفادات ہیں ؟ محمود اسے کاٹتے ہوئے کہتا ہے : اعلیٰ قومی مفادات ہماری آزاد فلسطینی ریاست کا قیام ہے جو آنے والے سالوں میں ہوگا، جب ہم مستقل حل کے مذاکرات کریں گے۔

حسن چیختا ہے : اور کس نے حملہ شروع کیا ؟ کیا ہم نے پہلے کارروائیاں کی یا آپ کا امن شریک اسرائیل ؟ جس نے یحییٰ عیاش کو مار ڈالا ؟ اور ہم اس کے بارے میں کیا کریں ؟ کیا ہم چپ رہیں تاکہ اسرائیل دوسروں کو مارنے کی جرات کرے ؟ اور جب انہوں نے یحییٰ کو مارا تو آپ نے کیا کیا ؟ آپ نے کیا کیا ؟ محمود جواب دیتا ہے : آپ عقل اور حکمت سے کام نہیں کر رہے تھے، ضروری تھا کہ آپ امن عمل کو موقع دیتے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا، اور آپ نے 1995 میں... حسن چیختا ہے : یہ کارروائیاں ان علاقوں میں ہوئی جو ابھی بھی قابض فوج کے کنٹرول میں تھے اور انہیں اتھارٹی کو نہیں سونپا گیا تھا، تو آپ کیوں... محمود اسے کاٹتے ہوئے کہتا ہے : یہ کارروائیاں اسرائیلی حکومت پر دباؤ ڈالتی ہیں جس کی وجہ سے انہوں نے عیاش کو مارنے کا فیصلہ کیا ، حسن چیختا ہے : اوہ، یعنی اگر اسرائیلی حکومت شدت پسندوں سے دباؤ میں ہوتی ہے تو اسے اپنے دباؤ کو کم کرنے کے لیے ہمارے جدوجہد کے نشانوں کو مارنا چاہیے، اور ہمیں بس

تماشا دیکھنا چاہئے، اور کہنا چاہئے کہ انہیں موقع دیں، اور امن عمل کو خراب نہ کریں ؟ اور اگر شریف لوگ انجینئر کے خون کا بدلہ لیں تو انہیں گرفتار اور جیلوں میں مارا جائے اور..." محمود اسے کاٹتے ہوئے کہتا ہے : کسی کو جیلوں میں نہیں مارا گیا اور نہ ہی... حسن اسے کاٹتے ہوئے کہتا ہے : ہاں، مارا گیا اور مارا جا رہا ہے ، ماجد اور خالد کی طرف دیکھ کر پوچھتا ہے : کیا ایسا نہیں ہے، ماجد؟ کیا ایسا نہیں ہے، خالد؟ کیا لوگوں کو نہیں مارا جاتا اور ذلیل کیا جاتا؟ خالد اور ماجد نے سر ہلا کر تائید کی، تو محمود کہتا ہے : یہ لوگ اس لیے نہیں مارے جاتے کہ انہوں نے قابض فوج کے خلاف کارروائیاں کی ، بلکہ اس لیے کہ وہ اتھارٹی کے لیڈران کو مارنے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں ، حسن چیختا ہے : یہ سچ نہیں ہے، یہ جھوٹ اور محض بہتان ہے، اور یہ ناممکن ہے کہ کسی نے قتل کی منصوبہ بندی کی ہو اور تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہم نے اتھارٹی کے لوگوں کا استقبال کیسے کیا، اور وہ فوجی جو باہر سے آئے تھے، تم نے دیکھا کہ ہم نے انہیں کتنی عزت دی اور ہمارے دل اور سینے ان کے لیے کھولے، اور ہم نے کیسے... محمود نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: لیکن اب آپ لوگ بالکل برعکس رویہ اپنا رہے ہیں ؟ کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ آپ نے اسرائیل پر جہنم کے دروازے کھول دیے ہیں؟ آٹھ دنوں میں تین بڑی کارروائیاں، درجنوں ہلاک اور سینکڑوں زخمی، آپ لوگ کیا سوچ رہے ہیں؟ یہ تو پاگل پن ہے، یہ... جنون ہے ، مریم نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: وہ اپنے بھائی کو کیسے گرفتار کر سکتا ہے، اسے قید میں ڈال سکتا ہے اور اذیت دے سکتا ہے؟ خالد اور ماجد نے احتجاج کرتے ہوئے کہا: ہمارا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے، ہم صرف چھوٹے سپاہی ہیں جو ہمیں حکم دیا جاتا ہے وہی کرتے ہیں، ہمیں سیاست کی سمجھ نہیں ہے اور... محمود نے مداخلت کرتے ہوئے کہا : جب بھائی اپنے خاندان کے منصوبے کو خراب کرنا چاہتا ہے اور ان کے مفادات کو نقصان پہنچاتا ہے، تو اسے قید کرنا اور اس کا راستہ روکنا ضروری ہوتا ہے۔

مریم نے چیختے ہوئے کہا: اے آدمی، کیا تیرے پاس دل نہیں ہے؟ کیسے تم اپنے بھائیوں کو گرفتار کر سکتے ہو

کیونکہ وہ قبضے کے خلاف کام کر رہے ہیں؟ اور کیسے تم اپنی بہن کے شوہر اور اپنے چچا کے بیٹے کو گرفتار کر سکتے ہو؟ کیا تم لوگوں کی سختی اس حد تک پہنچ گئی ہے؟ اللہ اکبر ! محمود نے کہا: اے مریم ! یہ زیادہ وقت کے لیے نہیں ہے، چند دنوں یا مہینوں میں انہیں رہا کر دیا جائے گا، یہ صرف ہم پر ڈالے گئے دباؤ کو کم کرنے کے لیے ہے۔

حسن نے چیختے ہوئے کہا: پھر تفتیش، اذیت اور بدسلوکی کیوں ؟محمود نے کہا: میں نے تمہیں بتایا ہے کہ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جن کا منصوبہ بندی میں ملوث ہونا ثابت ہوتا ہے ، حسن نے چیختے ہوئے کہا: یہ محض بہانہ ہے اور یہ واضح جھوٹ ہے ، محمود نے ہنستے ہوئے کہا: تمہیں پتہ نہیں ہے کہ کیا ہو رہا ہے، حسن، تمہارے لوگ دنیا کو تباہ کرنا چاہتے تھے، تم لوگ پاگل ہو، عقل سے کام نہیں لیتے ، حسن نے چیختے ہوئے کہا : ہم عقل سے کام نہیں لیتے ؟ دیکھو گے محمود، دیکھو گے، زیادہ دیر نہیں لگے گی جب تک چیزیں واضح نہ ہو جائیں اور آپ کو پتہ چلے گا کہ یہودیوں نے آپ کو دھوکہ دیا ہے اور آپ کو آپ کی اپنی مکاریوں میں پھنسا دیا ہے ، یہ لوگ بے گناہوں کو قتل کر رہے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کر رہے ہیں، ان کا کوئی عہد و پیمان نہیں ہے، تم یہ سمجھ رہے ہو کہ جسے تم حتمی حل کی مذاکرات کہہ رہے ہو، وہ یروشلم سے دستبردار ہو جائیں گے یا بستیوں سے دستبردار ہو جائیں گے یا پانچ جون کی حالت پر واپس آ جائیں گے، یہ سب محض ہماری فلسطینی صف کو تقسیم کرنے، ہمیں آپس میں لڑانے اور قومی مفاد کو نقصان پہنچانے کی کوشش ہے۔

محمود نے ہنستے ہوئے کہا: اب تم سیاست کے ماہر ہو گئے ہو اور مستقبل میں کیا ہوگا اس کی پیشن گوئی کر رہے ہو ؟ حسن مسکراتے ہوئے کہا: یہ میری پیشن گوئی نہیں ہے بھائی، یہ وہ ہے جو اللہ نے ہمیں ان کے بارے میں بتایا ہے، جب اس نے ہمیں ان کی نفسیات اور ان کے طرز عمل کے بارے میں آگاہ کیا ہے کہ یہ لوگ کسی عہد و پیمان کو تسلیم نہیں کرتے اور صحیح راستے پر نہیں آسکتے، جب تک کہ ان کے سروں پر پہاڑ

نہ اٹھا ہو جیسے کہ وہ بادل ہوں، صرف خوف اور دہشت کے احساس کے ساتھ وہ آگے بڑھ سکتے ہیں ، محمود نے ہنستے ہوئے کہا: تم لوگ ہمیشہ اپنے دین کی سمجھ کو سیاست کے ساتھ ملا دیتے ہو، قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے یہودیوں کے بارے میں کیا ذکر ہے اور آج کی صورتحال میں کیا تعلق ہے، حسن ؟ حسن نے مسکراتے ہوئے کہا: سبحان اللہ، کیا تم نہیں جانتے کہ تاریخ خود کو دہراتی ہے اور یہودی وہی یہودی ہیں؟ دیکھو گے محمود، دیکھو گے، اور میں تمہیں یاد دلاؤں گا اگر ہم دنیا میں زندہ رہے۔

کچھ دنوں بعد حسن کو گرفتار کر لیا گیا اور کچھ وقت کے بعد ہمیں اس سے ملنے کی اجازت ملی ، ہمیں معلوم ہوا کہ اس سے نہ تو تفتیش کی گئی اور نہ ہی تشدد کیا گیا، لیکن اس نے ہمیں یہ یقین دلایا کہ کچھ لوگوں پر جنونی تشدد کیا گیا تھا اور ان میں سے کچھ کو جسمانی نقصان بھی پہنچا تھا ، میری ماں حسن کی گرفتاری برداشت نہیں کر پا رہی تھی، اس لیے جب بھی ہم ملاقات کے لیے جاتے یا واپس آتے، وہ جیل کے نگہبانوں اور افسران کو برا بھلا کہنے سے باز نہیں آتی تھی ، جو ہمیں اندر لے جاتے اور باہر نکالتے تھے ، وہ جواب نہیں دیتے تھے بلکہ وہ ایسے ظاہر کرتے تھے جیسے وہ کچھ سن نہیں رہے یا کسی اور کام میں مصروف ہیں ، کبھی کبھی جب گالیاں ان کے سامنے دی جاتی تو ان میں سے کوئی نرمی سے کہتا: یا حجہ ! اللہ آپ کو بھلائی دے، ہم تو محض حکم کی تعمیل کر رہے ہیں، یہ ہمارا روزگار ہے ، لیکن ماں ان کے روزگار پر بھی گالیاں دیتی رہتی ۔

ایک دن ماجد نے میرے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا کہ ان سے اور خالد سے کہا گیا ہے کہ وہ فوراً کسی بھی معلومات کو بتائیں جو انہیں ابراہیم کے بارے میں ملتی ہیں، اور اگر یہ ثابت ہوا کہ انہوں نے کوئی معلومات چھپائی ہیں، تو انہیں سزا دی جائے گی ، انہیں اپنے افسروں کے ساتھ شرمندگی سے بچنے کی ضرورت ہے اور کسی بھی معلومات کو نہ چھپانے کی تلقین کی گئی ہے ، ہمیں ایک مناسب طریقہ ڈھونڈنا ہوگا جب ہم مریم، اسراء اور یاسر کو ابراہیم کے پاس لے کر جائیں، اور یہ تب کرنا ہوگا جب ماجد اور خالد گھر پر نہ ہوں بلکہ کام پر ہوں اور ہمیں مریم، اسراء اور یاسر کو یہ نصیحت کرنی ہوگی کہ وہ اس بارے میں بات نہ کریں،

اور ہمیں ہمیشہ کوئی دوسرا بہانہ تلاش کرنا ہوگا کہ انہیں گھر سے باہر کیوں لے جا رہے ہیں۔

اسرائیلی انتخابات کا وقت قریب آ رہا تھا اور رائے عامہ کے جائزے یہ ظاہر کر رہے تھے کہ لیکود پارٹی کا امیدوار بنیامین نیتن یاہو، حزب العمل کے امیدوار شمعون پیریس کے مقابلے میں سبقت حاصل کر رہا ہے ، جو لوگ امن یا اوسلو معاہدے کی امید پر تھے، وہ انتخابات کے نتائج کے بارے میں حقیقی خطرہ محسوس کرنے لگے تھے ، ہم نے بھی گھر میں ان انتخابات پر نظر رکھی اور ان کے نتائج کا انتظار کیا کیونکہ یہ ہمارے لیے بہت اہم تھے ، محمود چاہتا تھا کہ حزب العمل جیتے کیونکہ اس سے امن عمل جاری رہے گا، جو کہ اتھارٹی کو اپنے مقاصد حاصل کرنے میں مدد دے گا ، اسے بنیامین نیتن یاہو اور لیکود کے جیتنے کا بہت خوف تھا کیونکہ وہ یقیناً معاملات کو معطل کر دیں گے ، ہم گھر میں نہیں جانتے تھے کہ ہم کیا چاہتے ہیں، محمود کی باتوں اور تجزیے میں کچھ سچائی تھی، کم از کم ہمیں یہ جاننا چاہیے تھا کہ ہماری فلسطینی مسئلے کا یہ سفر کہاں جا رہا ہے اور اوسلو معاہدے کی سچائی اور اس کے نتائج کیا ہیں، لیکن ہم یہ بھی دیکھنا چاہتے تھے کہ دائیں بازو اور لیکود کے جیتنے پر معاملات کیسے چلتے ہیں ، اس لیے ہمارا موقف واضح نہیں تھا ، ہم پوری رات خبریں دیکھتے رہے، نیند کے غلبہ کے باعث ہم نتائج معلوم نہ کر سکے لیکن صبح ہمیں پتا چلا کہ نیتن یاہو اور لیکود جیت گئے ہیں۔

یہ بات سب کے لیے حیران کن تھی کہ حزب اختلاف کے رہنما نتن یاہو اور حکومت کے سربراہ نتن یاہو میں بہت فرق تھا ، ایسا لگتا ہے کہ عہدہ، بین الاقوامی تعلقات اور سفارتی رابطوں کا نظریاتی مواقف پر بڑا اثر ہوتا ہے ، یہ میدان جہاں نظریاتی مواقف سیاسی اور حقیقت پسندانہ دباؤ کے ساتھ ٹکراتے ہیں، عملی مواقف پیدا کرتا ہے ، لہٰذا ہم نے کچھ وقت بعد حکومت اسرائیل کے موقف میں تبدیلی دیکھی جب بات الخلیل شہر کو فلسطینی اتھارٹی کے حوالے کرنے کی آئی ، ایک طرف، نتن یاہو پچھلے معاہدے کو یکسر مسترد نہیں کر سکا ، لیکن سیاسی اور سفارتی دباؤ کے پیش نظر، اس نے اسے رسمی طور پر نبھایا، معاہدہ ایک نئی شکل میں سامنے آیا جس میں الخلیل شہر کو تقسیم کرنے یا اس کے علاقوں پر کنٹرول کے لیے نئے مصطلحات ایجاد کیے گئے۔

فائدہ : اوسلو معاہدہ ایک تاریخی امن معاہدہ ہے جو 1993 میں اسرائیل اور فلسطینی لبریشن آرگنائزیشن (PLO) کے درمیان ہوا۔ اس معاہدے کا مقصد اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان جاری تنازعے کا حل تلاش کرنا اور امن قائم کرنا تھا 1980 اور 1990 کی دہائی میں اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان کشیدگی اور تشدد کی فضا قائم تھی 1991، میں میڈرڈ امن کانفرنس کے بعد، کئی کوششیں کی گئیں تاکہ دونوں فریقین کے درمیان مذاکرات کا آغاز ہو سکے ، 1992 میں ناروے کی حکومت نے خفیہ مذاکرات کا آغاز کیا، جو اوسلو میں منعقد ہوئے ، ان مذاکرات میں اسرائیل اور PLO کے نمائندے شامل تھے ، مذاکرات کے کئی راونڈز کے بعد، 1993 میں ایک ابتدائی معاہدے پر اتفاق ہوا ، اس معاہدے میں یہ طے پایا کہ فلسطینیوں کو خود مختاری دی جائے گی اور اسرائیل کو مغربی کنارے اور غزہ پٹی سے اپنی فوجیں واپس لینی ہوں گی ، 13 ستمبر 1993 کو واشنگٹن ڈی سی میں وائٹ ہاؤس کے لان میں اوسلو معاہدے پر دستخط کیے گئے ،معاہدے پر دستخط کرنے والوں میں اسرائیلی وزیراعظم اسحاق رابین، PLO کے چیئرمین یاسر عرفات اور امریکی صدر بل کلنٹن شامل تھے ، اوسلو معاہدے نے اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان ایک نیا دور شروع کیا، جہاں دونوں فریقین نے امن کی طرف بڑھنے کی کوشش کی ،تاہم اس معاہدے کے بعد بھی کئی مسائل اور رکاوٹیں سامنے آئیں، اور امن عمل میں پیش رفت سست رہی ، یہ معاہدہ امن کی راہوں کو ہموار کرنے کی ایک اہم کوشش تھی، مگر وقت کے ساتھ ساتھ اس کے نتائج میں مختلف چیلنجز اور رکاوٹیں بھی سامنے آئیں۔

.... میری خالہ فتحیہ کا بیٹا عبد الرحیم اپنی مختصر قید کی مدت ختم کرنے کے بعد کچھ وقت تک تعمیراتی کاموں میں مصروف رہا، پھر نرسنگ کی تعلیم حاصل کرنے چلا گیا ، میرے بھائی حسن کو اتھارٹی کی حراست میں معقول حالات میں رکھا گیا تھا ، جب لیکوڈ نے انتخابات میں کامیابی حاصل کی تو انہیں ہفتے کے آخر میں گھر پر رات گزارنے کی اجازت مل گئی ، وہ جمعہ کا دن ہمارے ساتھ گزارتے اور ہفتے کی صبح واپس جیل چلے جاتے ، اگر گھر میں کوئی ہنگامی صورتحال ہوتی تو انہیں اکثر آنے کی اجازت مل جاتی ، ابراہیم مسلسل روپوش

رہا، لیکن اس کی گھر آمد و رفت زیادہ آسان ہو گئی تھی کیونکہ اتھارٹی کی سیکیورٹی کا اس پر دباؤ کم ہو گیا تھا، تاہم وہ اب بھی اپنی نقل و حرکت اور پناہ گاہوں میں احتیاط برتتا تھا۔

میری والدہ نے مجھ پر زور دیا کہ میں کسی ماہر ڈاکٹر سے مشورہ لوں کیونکہ یہ واضح ہو گیا تھا کہ ہمارے ہاں اولاد نہ ہونے کی وجہ سے کوئی مسئلہ ہے، کچھ وقت تک میں نے اس بات کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ درست تھی، اور یہ معاملہ ہمارے لیے اہم بن گیا۔

نتن یاہو کے اقتدار میں آنے کے بعد اسرائیل اور اتھارٹی کے مابین حالات کشیدہ ہو گئے، اہم ترین واقعہ اُس وقت ہوا جب یہ خبر سامنے آئی کہ اسرائیلی حکومت مسجد الاقصیٰ کے نیچے ایک سرنگ بنا رہی ہے، جو مسجد کے انہدام کا خطرہ پیدا کر رہی تھی، اس خبر نے عوام کو مشتعل کر دیا اور لوگ سڑکوں پر نکل آئے، فلسطینی اتھارٹی کے اہلکاروں اور اسرائیلی قابض فوج کے درمیان شدید تصادم ہوا، بہت سے فوجی اور پولیس اہلکار جان سے گئے، میرا بھائی خالد بھی ان جھڑپوں میں شامل تھا جو اریز سرحدی چوکی پر ہوئی، اسے کندھے میں گولی لگی اور اس کے ہاتھ اور کندھے میں پلستر ڈال دیا گیا اور اسے طبی رخصت دی گئی، لیکن ہمیں حیرانی ہوئی کہ اسے رخصت کے دوران بھی طلب کیا گیا، چند گھنٹوں بعد جب وہ واپس آیا تو اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا، اسے فوجی عدالت میں پیش کیا گیا اور اریز چوکی پر بغیر اجازت گولی چلانے کے جرم میں 500 شیکل جرمانہ عائد کیا گیا، اسرائیلی حکومت کے ساتھ حالات مزید کشیدہ ہوتے گئے، لیکن اس کے برعکس اتھارٹی کے حزب اختلاف کے ساتھ تعلقات بہتر ہونے لگے، کئی قیدیوں کو رہا کیا گیا جن میں میرا بھائی حسن بھی شامل تھا، جو تقریباً ایک سال بعد اپنے گھر، بیوی اور بچوں کے پاس واپس آ گیا۔

انتیسویں فصل

غزہ شہر کے شجاعیہ محلے میں ایک گھر میں ابو نضال، ام نضال، نضال، محمد اور دو بیٹیاں بیٹھی ہیں، محمد جس کی

عمر تقریباً پچیس سال ہے، زیتون کھانے میں بہت دلچسپی لیتا ہے جس پر ام نضال پوچھتی ہیں کہ "محمد تم صرف زیتون کیوں کھاتے ہو؟ کیا تمہیں دوسرے کھانے پسند نہیں؟ محمد جواب دیتا ہے، نہیں ماں، مجھے سب کچھ پسند ہے، لیکن زیتون زیادہ پسند ہے، کیا یہ زیتون ہمارے اس پیڑ کے زیتون نہیں ہیں جس کے نیچے عماد شہید ہوا تھا؟ ام نضال کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور وہ کہتی ہیں "اللہ اس پر رحم کرے، ہاں بیٹا، محمد کہتا ہے: اسی لیے مجھے یہ زیتون پسند ہے، مجھے لگتا ہے کہ اس زیتون میں عماد کی روح بستی ہے، اور میں اسے بہت محبت سے کھاتا ہوں کیونکہ میں عماد سے بہت محبت کرتا ہوں۔

یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ نیتن یاہو کے اسرائیل کی حکومت سنبھالنے کے بعد امن عمل دلدل میں پھنس چکا تھا اور آگے نہیں بڑھ رہا تھا، سیاسی حالات دن بدن بگڑتے جا رہے تھے، جس کی وجہ سے اوسلو عمل کے مخالفین کو اس بات کا پختہ یقین ہو چکا تھا کہ یہ عمل ناکام ہو چکا ہے، وہ دیکھتے ہیں کہ معاہدے ٹوٹ رہے ہیں اور ان سے انحراف کیا جا رہا ہے۔

یہ بات میرے بھائی حسن نے کئی بار ہمارے گھر میں ملاقاتوں کے دوران ذکر کی، محمود جواب دیتا کہ یہ سب ان کی کاروائیوں کی وجہ سے ہوا ہے، اگر ان کی کاروائیاں نہ ہوتی تو نیتن یاہو حکومت میں نہ آتا اور امن عمل منصوبے کے مطابق چلتا رہتا، سب متفق تھے، امن عمل یا تو منجمد ہو چکا ہوتا یا ختم ہو چکا ہوتا۔

عبد الرحیم دو مجاہدین کے ساتھ اپنی گاڑی میں بیت شمش کے قریب، جو 1948 سے مقبوضہ علاقے میں ہے اور صوریف سے چند کلومیٹر دور ہے، کلاشنکوف رائفلوں کے ساتھ گزرنے والی کسی گاڑی کا انتظار کر رہے ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ ایک گاڑی سڑک کے کنارے سے ٹکرا گئی ہے اور اس میں سوار دونوں افراد مارے گئے ہیں، کچھ دن بعد عبد الرحیم اور اس کے ساتھی مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھے اپنی زندگی کے معاملات پر گفتگو کر رہے ہوتے ہیں، عبد الرحیم کہتا ہے، بھائیو! ہزاروں فلسطینی قیدیوں کو قابض حکومت

کی جیلوں سے رہا کیا گیا ہے، لیکن اوسلو کے مخالف ہمارے بھائیوں کو ابھی تک رہا نہیں کیا گیا۔

جمیل کہتا ہے : ہاں تم صحیح کہہ رہے ہو، ان قیدیوں میں سینکڑوں ایسے ہیں جن پر اسرائیلیوں کے خون کا الزام ہے اور انہیں رہا نہیں کیا جائے گا، عبد الرحیم کہتا ہے ، ہمیں ان قیدیوں کو قابض حکومت کی جیلوں سے آزاد کرنے کے لیے کچھ کرنا ہو گا، دوسرے جواب دیتے ہیں : ہاں، ہاں، ہمیں کچھ سنجیدہ کرنا ہو گا۔

جیپ کار، تین مجاہدین کے ساتھ 1948 کے مقبوضہ علاقوں میں صرند فوجی کیمپ کے قریب سڑک پر روانہ ہوتی ہے ، وہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ قابض فوجی ہیں ، ایک فوجی غروب کی اس گھڑی میں ایک انتظار اسٹیشن پر کھڑا ہے، جو اپنی چھاؤنی چھوڑ کر اپنے گھر کی طرف جا رہا ہے، اور ہاتھ سے کار کو رکنے کا اشارہ کرتا ہے تاکہ وہ اسے راستے میں لے جائے ، مجاہدین کی کار فوجی کے قریب رکتی ہے، تو ایک مجاہد اپنی پستول نکالتا ہے اور اسے تین گولیاں مار کر ہلاک کر دیتا ہے ، مجاہدین اس کی لاش کو قریبی زیتون کے کھیت میں پھینک دیتے ہیں اور عبد الرحیم کے پاس واپس آتے ہیں، جو ایک زندہ فوجی کا انتظار کر رہا ہوتا ہے تاکہ اسے چھپا سکے اور قیدیوں کی رہائی پر مذاکرات شروع کر سکے ، وہ اسے بتاتے ہیں کہ کیا ہوا، تو وہ ان کے ساتھ نکلتا ہے اور لاش کو دفن کر دیتا ہے تاکہ مستقبل میں اسے قیدیوں کی رہائی کے لیے ایک اضافی دباؤ کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔

چند دنوں بعد عبد الرحیم اور اس کے کچھ مجاہدین بیت شمیش کے قریب شاہراہ پر نکلتے ہیں اور ایک کار پر گولیاں چلاتے ہیں، جس میں تین مسافر مارے جاتے ہیں اور وہ اسی وقت واپس اپنے گاؤں لوٹ آتے ہیں ، وزیر اعظم نتن یاہو اپنی حکومت کی زمین پر قبضہ کی پالیسی اور ظلم و ستم کو جاری رکھتا ہے ، اس کی حکومت نے یروشلم میں ابو غنیم کی زمین پر قبضہ کر لیا اور وہاں ایک یہودی رہائشی علاقہ بنانے کا کام شروع کر دیا جو عرب بستیوں اور گاؤں کو یروشلم سے جدا کر دے گا ، اس پر ایک بڑا میڈیائی اور سیاسی ہنگامہ برپا ہوتا ہے ، عبد الرحیم اور اس کے ساتھی سوچتے ہیں کہ اس کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے ، اس وقت بہت سے مجاہدین اس

بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جنگ کا وقت ضرور آئے گا اور یہودیوں کے ساتھ امن کا وہم جلد ختم ہو جائے گا ، نشانیاں ظاہر ہو رہی ہیں، لہذا وہ اس دن کی تیاری شروع کر دیتے ہیں۔

مغربی کنارے میں ایک فوجی کمانڈر انتہائی خفیہ طور پر نئی خلیات کی تنظیم اور تربیت میں مصروف ہوتا ہے، اور مختلف علاقوں میں بشمول یروشلم میں اسلحہ جمع کر کے تقسیم کر رہا ہے ، غزہ میں حسن ابراہیم کی ہدایت اور ایک ماہر کے مشورے سے اپنے آلات، مشینوں اور ورکشاپ کا استعمال کر کے دستی بم بنانے اور ذخیرہ کرنے میں مصروف ہوتا ہے، اور مقامی بندوقیں بنانے کی کوشش کر رہا ہے، حالانکہ ان کی معیار محدود ہے لیکن وہ پتھروں اور کبریتی بموں سے بہتر ہو سکتی ہیں، جیسا کہ پہلے قابض فوج کے خلاف ہوا تھا۔

جبل ابو غنیم کے معاملے پر ہونے والی پیش رفت کے ساتھ، مغربی کنارے میں القسام بریگیڈ کے فوجی کمانڈر نے عبد الرحیم سے رابطہ کیا، کیونکہ ان کا سیل اس وقت تک ایک بڑا فدائی حملہ کرنے کے لیے تیار اور فعال تھا ، صیہونی ریاست کی گہرائی میں اسرائیلی حکومت کے جبل ابو غنیم میں کیے گئے اقدامات کے جواب میں، انہوں نے انہیں تیار شدہ دھماکہ خیز مواد کا بیگ فراہم کیا تھا جسے قابضین کے اجتماع کے کسی مقام پر رکھنے کا منصوبہ تھا، اور پھر اسے ریموٹ کنٹرول سے دھماکہ کرنا تھا ، انہوں نے بیگ وصول کیا، جسے موسیٰ اور ایک اور مجاہد اپنی کار میں لے کر تل ابیب روانہ ہوئے، جہاں موسیٰ نے ایک کیفے کا انتخاب کیا جو لوگوں سے بھرا ہوا تھا ، جمعہ کی دوپہر کو اصل منصوبہ یہ تھا کہ دوسرا مجاہد بیگ کو اٹھا کر نیچے لے جائے اور اسے مجمع کے درمیان کسی میز کے نیچے رکھ دے، اور ایسے ظاہر کرے جیسے وہ کیفے کے کچن سے کچھ لینے جا رہا ہو اور باہر نکل جائے، پھر وہاں ریموٹ کنٹرول سے دھماکہ کیا جائے ،لیکن آسمان موسیٰ عبد القادر ابو دیہ کے استقبال کے لیے تیار تھا، اس نے بیگ اٹھایا اور نیچے اترا، کیفے کے احاطے میں داخل ہوا، اور بجائے اس کے کہ بیگ کو رکھ کر باہر نکلے، دھماکہ ہو گیا جس میں وہ شہید ہو گیا اور تین افراد ہلاک اور پچاس سے زائد زخمی ہوئے۔

قابض حکومت کی جنونیت بڑھ گئی اور انہوں نے دھمکیاں دینا شروع کر دیں، شہید موسیٰ کی شناخت کی گئی اور فلسطینی اتھارٹی کے سیکیورٹی اداروں نے عبد الرحیم اور جمیل کو گرفتار کر لیا، جہاں انہیں خلیل جیل میں پوچھ گچھ کی گئی اور پھر جیل میں ڈال دیا گیا۔

خدیجہ فتحیہ تقریباً پاگل ہوگئی جب اس کے بیٹے عبد الرحیم کو جیل میں ڈالا گیا، جب اس کا والد یا چچا گھر میں داخل ہوتے، وہ چیختی کہ انہیں کچھ کرنا چاہیے تاکہ اسے رہا کیا جا سکے، وہ انہیں امید دلاتے اور باہر جا کر کسی مؤثر یا ثالث شخص سے رابطہ کرتے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوتا، وہ اسے وقتاً فوقتاً جیل میں ملنے جاتی اور اپنے ساتھ اپنی ایک بیٹی کو لے جاتی، اور اس کا دل درد سے پھٹنے کے قریب ہوتا جب وہ اسے جیل میں دیکھتی، اور وہ اسے ہنسانے اور مزاح کرنے کی کوشش کرتا جیسے وہ قیدی نہ ہو، تقریباً آٹھ ماہ بعد اس کے جیلر آئے اور اسے اور جمیل کو اطلاع دی کہ انہیں محاکمہ کے لیے اریحا جیل منتقل کیا جائے گا، انہوں نے انہیں خبردار کیا کہ یہ ایک بڑی غلطی ہے کیونکہ قابض افواج انہیں فلسطینی پولیس سے چھین سکتی ہیں، جیلروں نے اس انتباہ کو نظر انداز کیا، اور ان سے خلیل جیل کے ایک ذمہ دار سے ملاقات کروائی جو اس معاملے کو نظر انداز کرتے ہوئے انہیں یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا، انہیں ہتھکڑیاں لگا کر ایک کار میں لے جایا گیا جسے ایک اور پولیس کار نے حفاظت فراہم کی، اور کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد انہوں نے خود کو ایک کمین گاہ میں پایا جو قابض افواج نے تیار کیا تھا، افواج نے بندوق کی نوک پر کار کو روکا، دروازے کھولے اور ان پر بندوق تانی، اور انہیں ان کے نام لے کر نیچے اترنے کو کہا، جہاں انہیں قابض فوج کی گاڑی میں لے جایا گیا جو انہیں تفتیش کے لیے یروشلم لے گئی، چند ماہ بعد خالہ کو اپنے بیٹے سے ملاقات کی اجازت ملی جو کہ قابض فوج کی قید میں تھا، وہ اپنے لخت جگر کی حالت دیکھ کر خوف اور ترس سے کانپ رہی تھی، اور جیسے ہی اس نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو آنسو بہا دیے، بیٹا اس کو ہنسانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کو تسلی دے رہا تھا، اور بتا رہا تھا کہ کیا ہوا تھا، خالہ نے اس پر چیخ کر کہا: واللہ!

انہوں نے تمہیں اور تمہارے ساتھی کو یہودیوں کے حوالے کر دیا ، اور دل سے ان پر بد دعائیں دینے لگی ، ملاقات ختم ہوئی اور خالہ کو قید سے باہر نکال دیا گیا اور وہ گھر واپس آ کر اپنے گھر والوں کو بتانے لگی کہ کیا ہوا تھا ، وہ قسمیں کھا کر کہتی رہی کہ عبدالرحیم کو دشمنوں کے حوالے کر دیا گیا اور بد دعائیں دینے لگی اور آج بھی خالہ کو ملاقات کی اجازت نہیں ہے، اور وہ اس بات پر پکا یقین رکھتی ہے کہ عبدالرحیم کو دشمنوں کے حوالے کر دیا گیا تھا ، ہمارے گھر میں یہ باتیں کرنا معمول بن گیا تھا کہ عبدالرحیم کے ساتھ کیا ہوا ، میری ماں کا غصہ بہت زیادہ تھا کہ بہن کا بیٹا ایسی حالت میں ہے ، محمود نے یہ باتیں صاف کرنے کی کوشش کی کہ یہ سب غیر ارادی تھا، اور قابض فوج نے یہ سب ایک قزاقی کارروائی کے طور پر کیا اور عبدالرحیم اور اس کے ساتھی کو اغوا کر لیا ، محمود کا کہنا تھا کہ انہیں حوالے کرنا ناممکن ہے ، حسن نے اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے محمود پر حملہ کیا اور کہنے لگا : یہ بات کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ اور ان لوگوں کو ان کی غفلت پر کیوں نہیں پکڑا گیا ؟ یہودیوں کو کیسے معلوم ہوا کہ قیدی باہر جا رہے ہیں ؟ اور ان کے نام کیسے معلوم ہوئے ؟ اور محمود نے اسے ناممکن کیوں کہا ؟ کیا انہیں آٹھ مہینے سے زیادہ قید نہیں کیا گیا ؟ کیا سینکڑوں مزاحمتی نوجوانوں کو قید نہیں کیا گیا ؟ کیا لوگوں کو تفتیش میں اور سلاخوں میں تشدد کا نشانہ نہیں بنایا گیا ؟ اور محمود خاموش رہا جب تک حسن خود خاموش نہیں ہوا ، پھر محمود نے کہا : تم پانی میں مچھلیاں پکڑنے کی کوشش کر رہے ہو اور میری ماں کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کر رہے ہو کیونکہ قیدی اس کا بھانجا ہے، اور یہ تمہارے لیے شرم کی بات ہے کہ تم ایسا کر رہے ہو ، حسن ہنس کر کہنے لگا : شرم کی بات میرے لیے ؟ کیا مجھے خود سات مہینے قید میں نہیں رکھا گیا ؟ کیا انہوں نے ابراہیم کو گرفتار کرنے نہیں آئے ؟ اور اسے کئی مہینے چھپنے پر مجبور نہیں کیا ؟ میں ماں کے جذبات سے کھیل رہا ہوں ؟ ۔

کشیدگی کے بڑھنے کی وجہ سے حالات ایک انتہائی نقطہ پر پہنچ گئے تھے، خاص طور پر جب مجاہد محی الدین شریف کو رام اللہ میں شہید کیا ،حماس نے الزام لگایا کہ فلسطینی اتھارٹی نے اسرائیلی خفیہ اداروں کے ساتھ

مل کر اس کا قتل کیا، جبکہ فلسطینی اتھارٹی نے الزام لگایا کہ حماس نے اندرونی اختلافات کی بنا پر اس کو قتل کیا،تناؤ کی حد اُس وقت عروج پر پہنچ گئی جب ایک نوجوان قیدی رہائی کے بعد جیل سے باہر آیا، اس کے پاس ایک منصوبہ تھا جس کا مقصد فلسطینی قیدیوں کی رہائی کو یقینی بنانا تھا جو ابھی بھی قابض فوج کی جیلوں میں مقید تھے ، اس منصوبے میں خودکش حملوں کی ایک مہم چلانا، اور ان حملوں کو قیدیوں کی رہائی کے مطالبے سے جوڑنا شامل تھا ، اگر قیدیوں کو رہا نہ کیا گیا تو مزید حملے کرنے کی دھمکی دینا بھی شامل تھا ، رہائی کے فوراً بعد اُس نوجوان نے کچھ مجاہدین سے رابطہ کیا اور مختلف حملوں کی تیاری شروع کی ، پہلا حملہ یروشلم کے محنی یہودا بازار میں ہوا جہاں دو خودکش حملہ آوروں نے خود کو دھماکہ سے اڑا لیا، جس سے بڑی تعداد میں لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے اور کافی تباہی پھیل گئی ، اس کے بعد ایک بیان جاری کیا گیا جس میں قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا اور مزید حملوں کی دھمکی دی گئی ، ایک اور حملہ بھی کیا گیا جس میں مزید ہلاکتیں اور تباہی ہوئی۔

اس کے بعد نیتن یاہو حکومت کا جنون سر پر چڑھ گیا اور انہوں نے سخت دھمکیاں دینا شروع کردیں ، امریکی دباؤ کی وجہ سے فلسطینی اتھارٹی پر بھی دباؤ بڑھنے لگا، جس سے اتھارٹی اور اپوزیشن کے درمیان تناؤ میں مزید اضافہ ہوا ، اتھارٹی نے اپوزیشن، خاص طور پر حماس کے خلاف نئی گرفتاریوں کی مہم شروع کی اور شیخ جمال اور شیخ عبد الرحمن سمیت درجنوں قیدیوں کو بیتونیا جیل میں قید کر دیا۔

ہمارے گھر میں محمود، حسن اور ابراہیم کے درمیان بحث و مباحثے کی شدت میں اضافہ ہوا ، یہ بحثیں بعض اوقات الزامات تک پہنچ جاتی اور کبھی کبھار ہاتھا پائی کے قریب بھی پہنچ جاتی ، خاص طور پر محمود اور حسن کے درمیان ، کچھ دن بعد حسن کو دوبارہ گرفتار کر لیا گیا جبکہ ابراہیم آخری لمحے میں گرفتاری سے بچ کر غائب ہوگیا۔

انتہا پسند مذہبی جماعتوں کی مخالفت کے باعث نتن یاہو کی لیکود حکومت گر گئی اور اسرائیل میں نئے انتخابات

کی تیاریاں شروع ہوگئی جن میں حزب العمل کے امیدوار ایہود باراک نے کامیابی حاصل کی ، باراک کی کامیابی فلسطینی اتھارٹی اور امن کے حامیوں کے لیے امید کی کرن ثابت ہوئی کیونکہ وہ یقیناً امن عمل کو آگے بڑھائے گا ، فلسطینی-اسرائیلی تعلقات میں بہتری کے ساتھ ہی اتھارٹی اور اپوزیشن کے درمیان تناؤ میں مزید اضافہ ہوا اور اتھارٹی نے اپوزیشن پر اپنے دباؤ میں اضافہ کر دیا تاکہ امن کے عمل میں رکاوٹ نہ آئے۔

اطلاع ملی کہ ابراہیم کہاں چھپے ہوئے ہیں ؟ تو فلسطینی اتھارٹی کی سیکیورٹی فورسز نے بڑے پیمانے پر وہاں کا گھیراؤ کر لیا اور دھمکیاں دی کہ اگر اس نے خود کو نہ سونپا تو سنگین نتائج بھگتنا ہوں گے ، ابراہیم نے خود کو سونپ دیا اور اسے جیل بھیج دیا گیا ، میری ماں کا غم اب اور بھی بڑھ گیا، ایک طرف بھانجا جیل میں تھا، دوسری طرف بیٹا اور داماد بھی قید تھے ، اس کے علاوہ حسن کی بیوی کا غم، مریم کا غم، اور حسن اور مریم کے بچوں کا غم، سب نے مل کر گھر کو ایک بار پھر خاموشی، آنسوؤں اور غم کے قبرستان میں تبدیل کر دیا، اس دوران خبریں آنے لگیں کہ اسرائیل کے نئے وزیر اعظم ایہود باراک فلسطینیوں کے ساتھ حتمی حل کے مذاکرات کے لیے تیار ہیں ، اس پر فلسطینی اتھارٹی نے خوشی کا اظہار کیا اور امریکی حمایت بھی حاصل ہوئی ، بڑی امیدیں وابستہ کی جانے لگی کہ فلسطینی ریاست کے قیام اور اس کی دارالحکومت القدس شریف کے خواب جلد ہی پورے ہوں گے، اور 1967 کی جنگ سے پہلے کی سرحدوں پر اسرائیلی انخلا کے ساتھ قبضہ ختم ہو جائے گا ، واقعی کیمپ ڈیوڈ میں فلسطینی اور اسرائیلی مذاکرات شروع ہو گئے، جن کی نگرانی امریکی صدر بل کلنٹن کر رہے تھے۔

ہم سب خبریں بڑی سنجیدگی اور دلچسپی سے دیکھنے لگے اور دوبارہ اپنی ماں کے پاس بیٹھ کر ٹیلی ویژن پر خبریں دیکھنے لگے ، حسن اور ابراہیم کی غیر موجودگی کی وجہ سے ان کی مخالفت کی آواز غائب تھی، جو کہ اسرائیل کے ساتھ مذاکرات اور امن کے خلاف تھی ، میری ماں کا غم اور حسن اور ابراہیم کی قید پر ان کا اثر واضح تھا، محمود نے بار بار کوشش کی کہ وہ ماں کو تسلی دے اور انہیں امید دلائے کہ کیمپ ڈیوڈ میں مذاکرات کے

اختتام اور اس پر عمل درآمد کے بعد حسن اور ابراہیم کی رہائی ممکن ہو جائے گی ، حتیٰ کہ اسرائیل بھی اپنے قیدیوں کو رہا کر دے گا، کیونکہ فلسطینی مذاکرات کاروں نے اس مسئلے کو اٹھایا تھا اور معاہدے کے بعد اسرائیل کے پاس قیدیوں کو رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہوگا ، تب عبد الرحیم کی بھی رہائی ممکن ہو جائے گی ، چند دن بعد مذاکرات ناکام ہو گئے کیونکہ بڑے مسائل جیسے کہ القدس، پناہ گزینوں کا مسئلہ، 1967 کی جنگ سے پہلے کی سرحدیں اور نوآبادیاتی بستیوں پر اسرائیل کسی معقول حل کی پیشکش کے لیے تیار نہ تھا ، خبریں آئیں کہ فلسطینی صدر یاسر عرفات پر امریکی صدر بل کلنٹن سمیت زبردست دباؤ ڈالا گیا کہ وہ ان مسائل پر اسرائیل کے سامنے جھک جائیں، لیکن عرفات کا جواب سخت انکار تھا ، مذاکراتی ٹیموں کو واپس بلا لیا گیا اور خطہ ایک بند گلی میں داخل ہوگیا، جہاں کسی بھی وقت ایک چنگاری یا شرارہ اسے بھڑکا سکتا تھا ، چنگاری اس وقت بھڑکی جب حزبِ لیکوید کے نئے صدر "اریکل شارون" جو کہ اب مقبوضہ ریاست میں حزب اختلاف کے رہنما بن چکے تھے، نے مسجد اقصیٰ کے صحن میں داخلہ کیا ، ان کے ساتھ سینکڑوں فوجی اور پولیس اہلکار موجود تھے ، اس اقدام سے علاقے میں شدید اشتعال پھیل گیا غزہ، مغربی کنارے اور القدس میں عوام نے اپنے سینوں کو ڈھال بناتے ہوئے احتجاج کیا اور قابض فوج کی چوکیوں پر حملہ آور ہوئے ، پتھروں اور خالی بوتلوں سے لیس مظاہرین کی جھڑپیں شدت اختیار کر گئی اور پہلی انتفاضہ کی تصاویر دہرانے لگی۔

قابض فوج کا ردعمل شدید اور غیر متوقع تھا، خاص طور پر اس ماحول میں جب حکومت کو امن اور مذاکرات کی حامی کہا جا رہا تھا ، لیکن باراک سیاستدان اور باراک فوجی میں کوئی فرق نہ رہا، بلکہ وہ سیاست میں بھی اتنے ہی سخت اور بے رحم ثابت ہوئے جتنا کہ فوج میں ، ان کا ماننا تھا کہ فلسطینی عوام کو سڑکوں پر لا کر سیاسی اور میڈیا دباؤ ڈالنے کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ وہ کیمپ ڈیوڈ کانفرنس میں اپنی پیش کردہ شرائط سے دستبردار ہو جائیں ، لہٰذا قابض فوج کو حکم دیا گیا کہ وہ مظاہرین کے ساتھ بے رحمی سے نمٹیں، جس سے کئی افراد شہید اور زخمی ہوئے ، فلسطینی پولیس اور سیکیورٹی فورسز کے کچھ افراد اپنی جذبات پر قابو نہ رکھ سکے جب

انہوں نے اپنے بچوں اور بھائیوں کو قابض فوج کے ہاتھوں مرتے دیکھا ، کچھ نے جوابا فائرنگ کی جس سے قابض فوج کے اہلکار بھی مارے گئے اور زخمی ہوئے ،یہ واضح ہو گیا کہ حالات بگڑتے جا رہے ہیں اور یہ محض مذاکراتی چال نہیں بلکہ ایک سنجیدہ بحران بن چکا ہے ، فلسطینی شہداء کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی اور قابض فوج کی قیادت کی ہدایت پر وہ بے دردی سے قتل اور دہشت گردی کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔

غزہ کے مرکزی جیل کے ایک کمرے میں پندرہ قیدی ٹیلیویژن کے گرد بیٹھے شام کی خبریں دیکھ رہے ہیں، جو واقعات اور جھڑپوں کے بارے میں بتا رہی ہے اور درجنوں شہداء اور سینکڑوں زخمیوں کی خبریں دے رہی ہے " آج کے دن میں تصادم کے مقامات اور وہاں ہونے والی جھڑپوں اور تصادمات، شہداء اور زخمیوں کی بات کی جائے گی ،شہداء اور زخمیوں کی خبریں رفح شہر میں صلاح الدین گیٹ پر، خان یونس شہر کے مغرب میں التفاح چوکی پر، اور اسی طرح دیر البلح کے قریب کفار داروم کی بستی اور نتساریم کی بستی کے قریب شہداء چوراہے پر، اور معبر ایرز سرحدی چوکی اور مشرقی شجاعیہ میں، اور مغربی کنارے میں بھی ایسی ہی تصویر نظر آتی ہے، جیسے یروشلم شہر اور اس کے اطراف، رام اللہ شہر کے کنارے، نابلس میں یوسف کی قبر کے قریب، اور جنین اور اس کے کیمپ کے ارد گرد نظر آتی ہیں ،کمرے میں خبریں دیکھتے ہوئے مکمل خاموشی چھائی ہوئی ہے، اور جیسے ہی خبریں ختم ہوتی ہیں، ان نوجوانوں میں غصے کا اظہار شروع ہوتا ہے ، ایک اللہ اکبر کہہ کر چیخ اٹھتا ہے، دوسرا بستر پر پاؤں مار کر چلانے لگتا ہے : یہ کب تک چلے گا ؟ تیسرا سر کو ہاتھوں میں لے کر دبانے لگتا ہے بغیر کچھ کہے، چوتھا سر پر ہاتھ مار کر اپنے غصے کا اظہار کرتا ہے، اور اسی طرح کے دوسرے غصے کے اظہار یا غیر سنجیدہ ردعمل۔

ابراہیم بستر کے کنارے بیٹھا ہے، اس کے پاؤں زمین پر لٹک رہے ہیں، اس نے اپنے بازو گھٹنوں پر رکھے ہیں اور سر کو ہاتھوں میں تھام رکھا ہے، اور خاموش ہے ،ایک نوجوان اس سے پوچھتا ہے : ابراہیم ! تمہاری کیا رائے ہے؟ ابراہیم اس کی طرف دیکھتا ہے اور کہتا ہے : یہی ہمارا حال ہے، ہمارے قوم کے لوگوں کی جانیں

اور خون اوسلو کے تجربات کے میدان بن گئے ہیں، اگر یہ کامیاب ہوتے ہیں تو بہت اچھا، اور اگر نہیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا، ہم دوبارہ شروع کر سکتے ہیں، یہی حل ہے ، پہلی انتفاضہ کی تمام قربانیاں ضائع ہوگئی ، اور اب سیاستدانوں اور مذاکرات کاروں کے ساتھ معاملات بے نتیجہ ہیں، تو کیا فرق پڑتا ہے کہ ہم دوبارہ شروع کریں؟

سینکڑوں بلکہ ہزاروں شہداء گر جائیں گے، اور ہزاروں زخمی ہوں گے، اور پھر کوئی آئے گا اور ایک نئے اوسلو یا کسی بھی نام سے ایک نیا معاہدہ پیش کرے گا، اور اسی طرح ہر جدوجہد کے بعد سیاستدان آ کر پھل توڑنے کی کوشش کرتے ہیں؛ کیونکہ وہ پھل کو وقت سے پہلے توڑنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لیے وہ سزا کے طور پر اس سے محروم ہو جاتے ہیں، نہ تو پھل درخت پر رہ کر مکمل پکنے دیتا ہے، اور نہ ہی اس کا فائدہ ہوتا ہے جب وہ توڑ لیا جاتا ہے کیونکہ وہ ابھی پک نہیں پایا ، یہی حال ہماری پہلی انتفاضہ کے ساتھ ہوا، اور ہمیں دوبارہ شروع کرنا پڑتا ہے تاکہ کوئی آئے اور یہ سمجھے کہ پھل پک گیا ہے اور اس کا وقت آ گیا ہے، اور وہ سب کچھ تباہ کر دے جس کے لیے ہماری قوم نے قربانیاں دی ہیں۔

نوجوان نے پوچھا : کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ حالات اسی طرح طویل عرصے تک چلتے رہیں گے ؟

ابراہیم مسکراتے ہوئے بولے، : ہاں، یہ حالات جاری رہیں گے اور طویل ہوں گے ، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یہ علاقہ پیچیدگی اور خود کی بربادی کی حالت میں داخل ہو رہا ہے؟ ہر چیز بموں سے بھری ہوئی ہے اور ہر چیز دوسری چیز سے جڑی ہوئی ہے ، ہر دھماکہ متواتر دھماکوں کو جنم دیتا ہے ، قابض کے پاس کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو قابض سے مذاکرات کرنے کے لیے تیار یا قابل ہو اور ہمارے قوم کے مطالبات پر دستبردار ہو، نہ تو القدس کے موضوع پر، نہ ہی 1967 کی سرحدوں پر، نہ ہی پناہ گزینوں پر، نہ ہی بستیوں پر، نہ ہی پانی پر ، اور آپ فلسطینی عوام میں کسی کو نہیں پائیں گے جو ان مسائل کے حل ہونے تک ایک قدم بھی آگے بڑھ

سکے اور جو بھی جرات کرے یا ایسا کرے، وہ ہزاروں لوگوں کو اپنے خلاف چیختے ہوئے پائے گا، اور اسے غداری کا الزام دیا جائے گا۔

تب تو حالات پیچیدہ رہیں گے اور نوجوان کا زخم نازک رہے گا اور یہ لڑکے موت کے سامنے قابض کی بندوقوں اور ٹینکوں کے سامنے بغیر کسی مقابلے کے خود کو جھونکتے رہیں گے ، یہ حرام ہے اور یہ نہیں ہونا چاہیے ، کسی کو جرات اور بہادری کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور انہیں روکنا چاہیے ، انہیں کہنا چاہیے : بس کرو، یہ سب بیکار جا رہا ہے۔

ابراہیم ہنسے اور بولے : نہیں بھائی، یہ بیکار نہیں جاتا ، یہ لڑکے اللہ کے نزدیک شہادت حاصل کرتے ہیں کیونکہ ان کی نیت خالص اور سچی ہے ، یہ ایک دھچکا ہے جس میں ہمارے خون کا حصہ لیا جاتا ہے اور حالات بلا شبہ ترقی کریں گے آپ دیکھیں گے کہ کل عوام کا غضب بڑھ جائے گا اور حالات خود بخود اس مقام تک پہنچ جائیں گے جہاں کوئی جرات مندانہ طور پر جھنڈا اٹھائے گا اور جلاد کے سامنے تلوار نکالے گا اور دشمن اس خون کی قیمت جو اس نے بہایا ہے، اپنے خون سے، اپنی راحت سے، اپنے امن سے، اپنے استحکام سے، اپنی معیشت سے اور اپنی آنکھوں کے پانی سے چکائے گا۔

نوجوان نے پوچھا : اور کب تک وہ ہمیں جیلوں میں رکھے رہیں گے؟ امن کا وہم اس بدصورت قابض کے ساتھ ٹوٹ چکا ہے ، ابراہیم ہنسے اور بولے : یہ زیادہ دیر نہیں رہے گا، صرف چند ہفتے، صرف چند ہفتے۔

انتفاضہ کی سرگرمیاں جاری رہیں اور شدت بڑھ گئی ، قابض افواج نے اپنی تمام تر طاقت اور طریقوں کے ساتھ اپنی کوششوں کو اکٹھا کیا ، یہ واضح ہوگیا کہ قابض افواج کے ماہر نشانہ باز نگرانی کے ٹاورز پر، چیک پوائنٹس یا رکاوٹوں یا بستیوں پر موجود ہیں اور مظاہرین کے سروں پر نشانہ بنا کر گولیاں چلاتے ہیں ، ٹی وی چینلز نے اس بارے میں رپورٹس دکھائی ، جہاں ایک سپاہی بڑے دوربین سے مظاہرین کو دیکھ رہا تھا، ایک

مظاہر کو نشانہ بنا کر اسنشاپر کو بتا رہا تھا جو اس کے ساتھ بندوق کے پیچھے لیٹا ہوا تھا، اس نے کہا: وہ مظاہرہ کرنے والا جو زرد قمیض پہنے ہوئے ہے، لمبے بال ہیں، اس کے ہاتھ میں پتھر ہیں، دیکھو، اس نے پتھر پھینکا، کیا تم اسے دیکھتے ہو؟ نشانہ باز نے جواب دیا: ہاں، ہاں، میں اسے دیکھ رہا ہوں، پہلا سپاہی بولا: اسے راستے سے ہٹا دو، نشانہ باز نے گولی چلائی، اور نوجوانوں نے اس کے ارد گرد جمع ہو کر اسے گولیوں کی بوچھاڑ کے نیچے اٹھا لیا، اور وہ سپاہی اپنے ساتھی کو بتاتا رہا، اس نے ایک اور پوائنٹ پر گولی ماری، یہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ وہ نشانہ باز ماہر اور انتہائی مہارت اور تجربے کا حامل تھا۔

اس بہادری اور بربریت کے سامنے فلسطینی سیکیورٹی اور پولیس کے مزید ارکان نے جواباً گولیاں چلانا شروع کر دیا، جو ان کی طرف اور لوگوں کی طرف اور ان کے ارد گرد تھی، اس کے بعد واضح طور پر نشانہ بنانے کی کارروائیاں شروع ہوئی، جن میں ہتھیار اٹھائے ہوئے افراد، یہاں تک کہ پولیس اہلکاروں کو بھی نشانہ بنایا جانے لگا پھر پولیس کے بعض مقامات کو نشانہ بنانے کے لیے بمباری شروع ہوئی، قابض حکومت اور اس کے ادارے اور میڈیا نے الزام لگانا شروع کر دیا کہ فلسطینی اتھارٹی اپنے جیلوں میں قید مجرموں کے لیے راستے کھول رہی ہے تاکہ وہ ان کے خلاف کارروائیاں کرنے کی منصوبہ بندی کر سکے، یہ واضح ہونا شروع ہو گیا کہ وہ جیلوں میں قید لوگوں کے خلاف کارروائی کرنے کی تیاری کر رہی ہے، ان کوششوں میں سے پہلی کوشش (صنین) جیل، نابلس میں کی گئی، ایک سیکشن کو (F16) طیاروں نے اپنے آدھا ٹن وزنی بموں سے مکمل تباہ کر دیا، مطلوب شخص محمود ابو ھنود اس سیکشن کے کنارے پر تھا اور اللہ نے اسے بچا لیا، لیکن بہت سے پولیس اہلکار جو جیل کے محافظ تھے مارے گئے اور بہت سے زخمی ہو گئے، اتھارٹی نے اپنے آپ کو دو آتشوں کے بیچ پایا، ایک طرف یہ کہ ان قیدیوں کو اسرائیلی معاہدے کے تحت جیل میں رکھے، یا انہیں آزاد کرے، اور دوسری طرف امریکیوں کے سامنے جو ہر چیز پر دباؤ اور دھمکی دیتے ہیں۔

بیتنیا جیل میں درجنوں قیدی رکھے ہوئے ہیں، ایک سیکشن کے ایک کمرے میں شیخ جمال اور شیخ عبدالرحمن

بھی قیدیوں کے ساتھ موجود ہیں ، ایک نوجوان چیختا : یہ اپاچی ہیلی کاپٹر ہیں، یہ یہاں پر منڈلا رہے ہیں، کیا آپ انہیں نہیں دیکھ رہے؟ وہ کھڑکی سے اشارہ کرتا ہے ، دوسرا نوجوان چیختا ہے : لگتا ہے کہ وہ ہم پر بمباری کرنا چاہتے ہیں ، اور کمرے میں افراتفری اور شور و غل کا ماحول بن جاتا ہے ، دوسرے کمروں میں شیخ جمال نوجوانوں کو خاموش رہنے اور خود پر قابو رکھنے کے لیے پکارتے ہیں اور گارڈ کو بلاتے ہیں جو کافی دیر بعد سستی سے، جیسا کہ گارڈز کی عادت ہے، کسی غیر مخصوص جگہ پر چلتے ہوئے آتا ہے، اس خوف سے کہ ان کے کمرے بمباری کا نشانہ نہ بن جائیں ، پولیس والا جواب دیتا ہے کہ وہ کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے پاس ایسا کرنے کا اجازت نامہ نہیں ہے ، شیخ جمال اسے ڈیوٹی پر موجود افسر کو بلانے کے لیے کہتے ہیں، وہ بہانے بناتا اور جمائیاں لینا شروع کر دیتا ہے ، شیخ جمال دروازے کی سلاخوں کے پیچھے سے چیخ کر اسے اس کی سستی اور کاہلی سے جگا دیتے ہیں ، میں نے کہا کہ افسر کو بلاؤ، کیا تم میری بات نہیں سمجھ رہے؟ یہاں بمباری ہو سکتی ہے ، پولیس والا جلدی سے کہتا ہے : حاضر، حاضر ، وہ کوریڈور کے آخر میں فون اٹھاتا ہے اور اپنے افسر کو کال کرتا ہے جو متجسس ہو کر آتا ہے ، کیا ہوا ؟ شیخ جمال اسے صورتحال بیان کرتے ہیں، افسر انہیں یقین دہانی کروانے کی کوشش کرتا ہے کہ کچھ نہیں ہوگا، ہم آپ کے پاس ہی ہیں ، شیخ اسے واضح کرتے ہیں کہ اپاچی ہیلی کاپٹر کمرے پر بمباری کریں گے ، ہر کمرے کے لیے ایک مخصوص اور ہدایت یافتہ میزائل ہے، افسر پھر پر سکون کرنے کی کوشش کرتا ہے، شیخ اس پر چیختے ہیں کہ ہم اس کمرے میں نہیں رہیں گے، کسی بھی صورت میں نہیں ، افسر جواب دیتا ہے کہ میں کیا کر سکتا ہوں؟ شیخ جواب دیتا ہے کہ ہمیں یہاں سے نکالو، تمہارے دفاتر اور کمروں میں لے جاؤ، افسر جواب دیتا ہے کہ میں نہیں کر سکتا کیونکہ میرے پاس احکام نہیں ہیں، شیخ چلاتے ہیں ، اپنے کمانڈر سے رابطہ کرو، جو کچھ بھی ہمارے ساتھ ہو گا تم اس کے ذمہ دار ہو ، وہ رابطہ کرنے جاتا ہے اور نوجوان ہیلی کاپٹرز کو دیکھتے ہیں جو مسلسل عمارت کے ارد گرد پرواز کر رہی ہوتی ہے ، جمال چلا کر افسر سے پوچھتا ہے کہ کیا ہوا اور کیا جواب آیا، تو اسے بتایا جاتا ہے کہ آپ کی درخواست

مسترد کر دی گئی ہے، شیخ چلاتے ہیں کہ مسترد؟ اور نوجوانوں کو کہتے ہیں: دروازے توڑ دو، کچھ نوجوان آہنی بستر اٹھا کر دروازے سے ٹکراتے ہیں بار بار، یہاں تک کہ دروازہ اپنی جگہ سے ہٹ جاتا ہے اور اسی طرح دوسرے کمروں میں بھی ہوتا ہے، سب لوگ کمروں کے سامنے راہداری میں نکل آتے ہیں، اور اگرچہ دور سے مسلح افواج ڈنڈے اور گیس اور ڈھالوں کے ساتھ پوری تیاری میں آتی ہے، ان کے ساتھ مقام کا کمانڈر بھی ہوتا ہے، اور قیدی نعرے لگاتے ہیں اور تکبیر کہتے ہیں، ایک نوجوان کہتا ہے: کیا تمہیں شرم نہیں آتی، ہم دشمن کے میزائلوں اور تمہارے بندوقوں اور ڈنڈوں کے درمیان ہیں، شرم کرو۔

مقامی کمانڈر نے اپنے فوجیوں کو رکنے اور پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور شیخ جمال سے مذاکرات شروع کیے جنہوں نے صورت حال کی وضاحت کی، اس نے انہیں راہداری اور میدانوں میں موجود رہنے کی اجازت دی، اور اگر ضرورت ہو تو پولیس کے کمروں اور دفاتر میں جانے کی اجازت دی، واقعات اور صورتحال تیزی سے بدلتی گئی کیونکہ دشمن کے فوج کی ظلم و بربریت کے سامنے بہت سے لوگ انتفاضہ کی کارروائیوں کے بارے میں سوچنے لگے جو دشمن اور اس کے شہریوں کو نقصان پہنچائے، کئی استشہادی کارروائیوں کی کوششیں ہوئیں، اسرائیلی قبضے میں 1948 سے زمین میں ان کوششوں میں سے کچھ نے کچھ حد تک کامیابی حاصل کی اور کچھ لوگوں کو قتل کیا لیکن زیادہ تر ناکام رہے اور صرف زخمیوں کا سبب بنی، لیکن انہوں نے قیدیوں میں خوف کی فضا پیدا کرنا شروع کر دی اور آنے والے واقعات کی پیشن گوئی کی، کئی مرتبہ کچھ نوجوان 1948 کی زمین کے اندر بندوقوں کے ساتھ داخل ہونے میں کامیاب ہوگئے جہاں وہ بازار، سڑک یا اسٹیشن میں موجود لوگوں پر گولیاں برسانا شروع کرتے، کچھ کو قتل کرتے اور بہت سے لوگوں کو زخمی کرتے، پھر دشمن کی پولیس اور سیکورٹی فورسز ان کے ارد گرد جمع ہو کر انہیں قتل کر دیتی یا گرفتار کر لیتی، ہر روز عوام کی بڑی تعداد شہداء کے جنازے میں شرکت کرتی، غصے کا اظہار کرتی اور انتقام کا مطالبہ کرتی، اور دشمن کو اس کے جرائم کا حساب چکانے کا اعلان کرتی۔

قواتِ قبضہ نے ہیلی کاپٹرز اور ہوائی جہازوں کا استعمال کرتے ہوئے سیکیورٹی فورسز اور پولیس کے مقامات کو زیادہ نشانہ بنایا، جو کہ اتھارٹی سے تعلق رکھتے تھے، وہ پہلے ان کے ارد گرد پرواز کرتے، جس سے ان مقامات کو خالی کر دیا جاتا، پھر ان کو بمباری کر کے تباہ کر دیتے، جیسے وہ اتھارٹی کو یہ پیغام دینا چاہتے ہوں کہ اگر حالات اسی طرح رہے تو انہیں تباہ کر دیا جائے گا، اتھارٹی نے اس خطرے کو محسوس کیا کہ اگر قبضہ کرنے والی افواج نے ان کی جیلوں پر حملہ کیا، جہاں سیاسی مخالفین قید ہیں، تو انہیں خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، لہٰذا انہوں نے کچھ قیدیوں کو رہا کرنا شروع کر دیا، میرے بھائی حسن کو رہا کر دیا گیا، اور دیگر قیدیوں کو نامعلوم عوامی عمارات میں منتقل کر دیا گیا، جہاں انہیں حراست میں رکھا گیا، جیسے کہ ابراہیم کے ساتھ ہوا، باراک کی حکومت گر گئی اور اسرائیل میں نئے انتخابات ہوئے، جس میں ارئیل شارون، جو اپنے قصابانہ کردار سے مشہور ہے، وزیر اعظم بن گیا، یہ واضح ہو گیا کہ حالات مزید بگڑنے اور پیچیدہ ہونے کی طرف جا رہے ہیں۔

تیسویں فصل

اقصیٰ انتفاضہ کے پہلے ماہ میں، جو 28 ستمبر 2000 کو شارون کی مسجد اقصیٰ کے دورے کے بعد بھڑک اٹھی تھی، غزہ اور مغربی کنارے میں مظاہرین پر قابض فوج نے تقریباً ایک ملین گولیاں چلائیں، جیسا کہ اسرائیلی صحافیوں کے شائع کردہ اعداد و شمار میں بتایا گیا ہے۔

قابض حکومت کے رہنما، خواہ وہ ایہود باراک ہوں یا ان کے بعد آنے والے ایریئل شارون، انہوں نے اپنے فوجی قائدین کو انتفاضہ کو دبانے اور اس کی جڑیں ختم کرنے کے لیے سبز جھنڈی دی، اور ان قائدین نے اپنے فوجیوں کو مظاہرین کو کچلنے کا حکم دیا، ہماری عوام پیچھے نہیں ہٹی، نہ ہی تاخیر کی، اور نہ ہی ہچکچائی، اور نوجوان قابض فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے، اپنے جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر بغیر کسی سوچ کے آگے بڑھتے رہے، قابض ریاست کی منظم دہشت گردی اور قتل کے سامنے، فلسطینی عوام کے مختلف نظریاتی اور سیاسی عقائد اور تنظیمی وابستگی کے حامل آزاد لوگوں کا جوش و خروش بھڑک اٹھا، انہوں نے ہتھیار اٹھا لیے اور اپنے

لوگوں کی جانوں کی حفاظت کے لیے اس مجرمانہ قابض ریاست کے خلاف، جو ہمیشہ جمہوریت اور انسانی حقوق کے نعرے بلند کرتی رہی ہے کھڑے ہوگئے ، فتح، حماس، جہاد، اور دیگر محاذوں کے لوگ سب ایک ہی مقصد کے تحت جمع ہوئے، اور مجرم قابض کے ظلم کے خلاف، انہوں نے بندوقیں اٹھالیں اور قاتل کو اس تلخ پان کا مزہ چکھانے کے لیے تیار ہو گئے جو اس نے ہمارے عوام کو غزہ، رام اللہ، نابلس اور تمام شہروں اور دیہاتوں میں چکھایا تھا ، نوجوانوں کے فدائی سیل بننے لگے اور قابض فوجیوں اور آبادکاروں کو نشانہ بنانے کے لیے کام کرنے لگے۔

اوسلو عمل کے خلاف مزاحمت کرنے والی قوتیں ابھی بھی اتھارٹی کے حملوں کا شکار تھی جو انتفاضہ کے پھٹنے سے پہلے ان پر کیے گئے تھے، جس کی وجہ سے وہ ابتدا میں مضبوطی سے کام کرنے کے قابل نہیں تھی ، لیکن ان کا کام بتدریج ترقی پذیر ہو رہا تھا ، جہاں تک تحریک فتح کا تعلق ہے، اس کے افراد اتھارٹی کے اداروں میں پھیلے ہوئے تھے، ان کے پاس نوجوان، ہتھیار اور صلاحیت تھی، لیکن ان کے پاس فیصلہ کرنے کی کمی تھی ، انہوں نے عزم اپنے کندھوں پر لے لیا اور دوبارہ قابض مجرم کے خلاف مسلح جدوجہد کے راستے پر چل پڑے۔

مہند ابو حلاوہ نے تیس اکتوبر کو مشرقی القدس میں نیشنل بینک کی ایک شاخ پر دو محافظوں کو قتل کیا، اور اس کارروائی کی ذمہ داری الاقصیٰ کے شہداء بریگیڈ نے قبول کی ، اس طرح فتح تحریک کے ان گروپوں نے الاقصیٰ کے شہداء بریگیڈ کے نام سے کام کرنا شروع کیا ، حسین عبیات اپنی صلاحیتوں اور جرات کی بنا پر بیت لحم اور بیت جالا کے علاقے میں ان بریگیڈز کے قائد بن گئے ، انہوں نے اور ان کے ساتھ موجود درجنوں جنگجوؤں اور مزاحمت کاروں نے اس علاقے میں قابض فوجیوں اور آبادکاروں کی نیندیں حرام کر دی ، خاص طور پر جیلوں کی بستی کے قریب ، حسین عبیات کو نو نومبر سن دو ہزار میں قتل کر دیا گیا ، غزہ میں، الاقصیٰ کے شہداء بریگیڈ کے پہلے گروپ تشکیل پائے اور انہوں نے قابض فوج اور آبادکاروں کے خلاف اپنی

کارروائیاں شروع کر دی ۔

شہداء کے جنازوں میں شرکت کرنے والی بڑی عوامی بھیڑ نے پرانے دور کے رہنماؤں کے خلاف نعرے بازی شروع کی، جو اسرائیل اور امریکیوں کے ساتھ تعاون میں ملوث تھے ، یہ بھیڑ بار بار ان مراکز پر حملہ آور ہوئی جہاں اپوزیشن کے قیدیوں کو رکھا گیا تھا، ان کی رہائی کا مطالبہ کیا اور بعض اوقات ان مراکز کی دیواریں ہلا کر انہیں گرا دیا اور قیدیوں کو آزاد کر دیا ، ابراہیم اور ان کے بھائیوں سمیت غزہ اور مغربی کنارے کے سینکڑوں مجاہدین کو آزاد کر دیا گیا، جو فوراً اپنی قوم کی حفاظت کے لیے جو قابض فوج کے حملوں کا شکار ہو رہی تھی تیار ہو گئے ، ان میں سے ایک مجاہد جب اسے بتایا گیا کہ اسے رہا کیا جا رہا ہے، تو اس نے کوئی جذباتی رد عمل نہیں دکھایا اور نہ ہی فوراً جانے کی تیاری کی، بلکہ وہ خاموش بیٹھا رہا ، جب محافظوں نے اس سے اس رویے کا سبب پوچھا، تو اس نے کہا کہ وہ نہیں جانا چاہتا اور وہ اسے کچھ اور وقت کے لیے وہاں رکھ سکتے ہیں ؟ محافظوں نے اسے اٹھا کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور اسے گاڑی میں ڈال کر اس کے گھر تک پہنچا دیا ، اس کی بیڑیاں کھول کر اسے گاڑی سے باہر نکال دیا۔

ابراہیم کی رہائی کا جشن منایا گیا اور اس کے بچے، اسراء اور یاسر، اس کے گلے لگ کر اسے چومتے اور کھیلتے رہے ، اس کے بہت سے دوست اور ہمسائے بھی اس کے گھر پہنچے تاکہ اس کی خیریت معلوم کریں اور مبارکباد دیں ، اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، ابراہیم نے سب کے سامنے امن کے جھوٹ کا ذکر کیا، جو ہمارے لوگوں پر مسلط کیا گیا تھا اور جس نے ہماری پہلی انتفاضہ کی محنت، جدوجہد اور قربانیاں ضائع کر دی ، انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ قابضین کے ساتھ امن کی بات ایک دھوکہ ہے جو ہمارے لوگوں کو ان کی آزادی اور عزت سے دور کرنے کے لیے فروخت کیا جا رہا ہے، اور یہ کہ مزاحمت کا راستہ ہی ہے جس نے لبنان میں قابضین کو جنوبی لبنان سے بھاگنے پر مجبور کیا۔

یہ قبضہ گروپ غزہ سے بھاگنے کے لیے تیار تھا، اور 1993 میں مغربی کنارے سے بھی بھاگنے کے لیے تیار تھا

جب مزاحمت نے ان کو اپنی ضربوں سے اندھا کر دیا، اور اس وقت انکے بہت سے قائدین نے کہا تھا کہ وہ ایسا کریں گے ، لیکن ہم فلسطینی آئے اور اپنے دشمن کو اس کی جرائم کی شاخ سے نیچے اترنے کے لیے سیڑھی دی ، نہ صرف یہ کہ ہم نے اسے اس کی مشکلات سے نکالا بلکہ ہم خود ان معاہدوں میں پھنس گئے جن میں ہم نے اپنی تین چوتھائی زمین پر اس کے حق کو تسلیم کیا اور ہم نے ان معاہدوں میں پھنس گئے جن میں ہم نے سیکیورٹی تعاون اور ہم آہنگی کی بات کی ، نتیجتاً مزاحمت کو روکا گیا، شرفاء کو گرفتار کیا گیا، جیل میں ڈال دیا گیا اور ان کے خلاف ظلم و تشدد کیا گیا ، ہم آسانی سے قبضہ گروپ کے حفاظت کرنے والوں میں تبدیل ہو گئے، اور ام سب کے بدلے ہمیں کیا ملا؟ اس نے ہمارے حقوق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ، جب ہم نے اپنے حقوق پر زور دیا تو اس نے ہم پر اور ہمارے لوگوں پر اپنی جنگ کی مشین کا جہنم کھول دیا ، روزانہ درجنوں شہید ہوتے ہیں، سینکڑوں زخمی ہوتے ہیں، اور اس کے امریکی ہیلی کاپٹر ہمارے شرفاء پر میزائل برساتے ہیں جو اپنی آزاد اور بہادر روحوں کے ساتھ قابضین کی بربریت کو ماننے سے انکاری ہیں ، یہ زمین، بھائیو ! مقدس، پاک اور بابرکت ہے، اللہ نے اس کے بارے میں کہا ہے (سبحان الذي أسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصى الذي باركنا حوله لنريه من آياتنا إنه هو السميع البصير) یہ زمین اسراء اور معراج کی زمین ہے، بابرکت زمین ہے، یہ تا قیامت، جہاد اور رباط کی زمین ہے اور کوئی بھی اس کو روک نہیں سکتا جب تک کہ ہماری امیدیں اللہ کی مدد سے پوری نہیں ہو جاتی ۔

عرب اور اسلامی جماعتوں نے فلسطین کے حالات کے ساتھ تعامل کیا ، اور اپنے ممالک کے دارالحکومتوں میں سڑکوں پر نکل آئے، رباط سے صنعا تک اور جکارتہ تک ، لاکھوں لوگ فلسطین میں انتفاضہ کی حمایت میں اور قبضہ گروپ کے جرائم اور قتل عام کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے ،سڑکوں پر نکلے، ان کی آواز گونجتی ہے "خیبر خیبر یا یهود... جیش محمد سوف يعود " ، اور وہ چیخ رہے ہیں " انتقام انتقام... یا كتائب القسام " ایک جوان آدمی اپنی گاڑی سے اتر کر تل ابیب کے ساحل پر اترتا ہے، پراعتماد قدموں سے چلتا

ہے اور اس کے لبوں پر ایک مطمئن مسکراہٹ ہے، جون کے آغاز میں ساحل پر ایک تفریحی علاقے کی طرف بڑھتا ہے، جہاں نوجوان مرد اور خواتین کا ہجوم ہے ،وہ ان کے درمیان سے پر اعتماد اور سکون سے گزرتا ہے اور اپنے ہاتھ سے الیکٹرک بٹن دباتا ہے، جس سے ایک دھماکہ ہوتا ہے جو کانوں کو بہرا کر دیتا ہے، چیخ و پکار بلند ہوتی ہے اور ایمبولینس، سیکورٹی اہلکار اور بم ماہرین جلدی پہنچتے ہیں ، درجنوں لوگ مارے جاتے ہیں اور دوسرے زخمی ہوتے ہیں ، ہم اپنی ماں کے کمرے میں بیٹھے تھے اور اپنے کمرے میں جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ اچانک ٹیلیوژن پر عام پروگراموں کو روک دیا گیا اور اس مقام سے براہ راست نشریات شروع ہو گئی ، مختلف اطراف سے اس دہشت گردانہ کارروائی کی مذمت کرنے والے بیانات آنے لگے ، میں نے ابراہیم کی جانب دیکھا جیسے میں اس سے پوچھ رہا ہوں : تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ اس نے میرے مطلب کو سمجھا اور کہا : کیا آپ اس ظالم دنیا کو نہیں دیکھتے، ہماری قوم پچھلے آٹھ مہینے سے مسلسل قتل ہو رہی ہے، اور قابض فوج اپنے جدید ہتھیاروں کی جہنم ہم پر برسا رہی ہے، وہ ہمارے خلاف اپنے تمام تر جدید ہتھیار، طیارے، ٹینک اور ہر قسم کے ہتھیار استعمال کر رہے ہیں، اور دنیا بہری اور گونگی بنی ہوئی ہے، اور جب بھی ہماری طرف سے، یعنی مظلوم، مغلوب اور مقہور فریق کی جانب سے کوئی کارروائی ہوتی ہے، جو اپنی آزاد اور باعزت زندگی کے کم از کم حق کا مطالبہ کر رہا ہے، تو آوازیں بلند ہوتی ہیں، یہاں تک کہ ہماری قوم کے کچھ لوگوں کی طرف سے بھی مذمت اور استنکار ہوتا ہے، لیکن اس سب کی کوئی قیمت نہیں، تو یہ لاکھوں لوگ جو رباط سے جکارتہ تک سڑکوں پر نکلے ہوئے تھے، انہوں نے حال ہی میں یہ مطالبہ کیا تھا، کیا دنیا نے انہیں نہیں سنا؟ وہ نعرے لگا رہے تھے، "انتقام، انتقام، یا کتائب القسام " تو ہماری قوم کیا انتقام چاہتی تھی اور اگر ہماری قوم یہ چاہتی ہے، جو ہمارا حق ہے کہ ہم اپنے دفاع میں لڑیں، تو اس میں کیا برا ہے؟

جولائی کے مہینے میں قابض افواج نے ہیلی کاپٹر، طیارے، ٹینک، میزائل، خصوصی فوجی دستے، اور اپنے ایجنٹوں

کی خفیہ چالوں کا استعمال کرتے ہوئے مغربی کنارے اور غزہ پٹی میں پچانوے قتل کی کوششیں کیں، جن میں سے تقریباً اسی میں کامیاب ہوئی ، جس میں معروف فلسطینی دھڑوں کے متعدد کارکنان کی جانیں گئیں ، نابلس میں اسلامی مطالعاتی مرکز کے دفاتر پر راکٹ لانچرز نے حملہ کیا، جو ایک رہائشی عمارت میں تھا، اور اس حملے میں جمال سلیم، جمال منصور، اور مرکز کے دیگر چار کارکنان مارے گئے ، نابلس اور وطن کے تمام شہروں، دیہاتوں اور کیمپوں میں عوام احتجاج کرتے ہوئے نکلی اور قابض فوج کے جرائم کے خلاف فوری رد عمل کا مطالبہ کرتے ہوئے نعرے لگائے ، لاکھوں لوگ " انتقام، انتقام، یا کتائب القسام " کے نعرے لگا رہے تھے ، یہ بلند آوازیں قابض فوج کے جرائم کے خاتمے کا مطالبہ کر رہی تھی ، قابض فوج نے واضح پالیسی اپنائی تھی جسے ان کے قائدین نے خفیہ طور پر " نشاطیوں کا شکار " کا نام دیا تھا، جس کے تحت قابض فوج کو کسی بھی فلسطینی کارکن کو نشانہ بنانے کی اجازت دی گئی تھی، جس کا نام کسی بھی جاسوس کی رپورٹ میں آتا ہو یا قابض فوج کی انٹیلی جنس کی کسی بھی چھان بین میں سامنے آتا ہو۔

ایک نوجوان فلسطینی صحافی ایک بڑی فدائی کارروائی کے لیے مناسب ہدف کی تلاش میں یروشلم روانہ ہوا ، اس نے ایک مصروف ریستوران دیکھا، اگلے دن وہ ایک موسیقی کے ساز میں چھپائے گئے دھماکہ خیز مواد کے ساتھ وہاں پہنچا ، اور اس کے پیچھے ایک نوجوان خالی ہاتھ چل رہا تھا تاکہ سیکیورٹی فورسز کو اس پر شک نہ ہو جو ہر جگہ فدائی کارروائیوں کے خوف سے پھیلی ہوئی تھی ، جب وہ ریستوران کے قریب پہنچتا ہے تو اپنی رفتار کم کر دیتا ہے اور وہ اپنی رفتار بڑھاتا ہے، اس سے بم لے کر ریستوران (سبارو) میں داخل ہو جاتا ہے، داخل ہونے کے چند منٹ بعد بم پھٹ جاتا ہے، دھماکہ زور دار ہوتا ہے اور مرنے والوں کی لاشیں ریستوران کے دروازوں سے باہر نکلنے لگتی ہیں، چیخ و پکار اور رونا دھونا بلند ہوتا ہے، ایمبولینس کی گاڑیاں اور سیکورٹی اہلکار اور بم کے ماہرین جلدی سے پہنچ جاتے ہیں، جہاں پندرہ سے زیادہ لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں اور درجنوں زخمی ہو جاتے ہیں۔

ابراہیم ، حسن اور ان کے ساتھ ایک اور نوجوان عدنان عسقولہ ، غزہ میں حسن کی ملکیت کی مشین شاپ میں خاموشی سے کام کر رہے تھے، نوجوان کی ہدایات کے مطابق مارٹر شیل کی ساخت تیار کر رہے تھے، اور مارٹر لانچر کو تیار کر رہے تھے، جس پر وہ دھماکہ خیز مواد اور پروپیلنٹ مواد بھر کر گاڑی کے ڈبے میں رکھ کر جنوب کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ رہائشی علاقے کے کنارے پر پہنچ کر مارٹر نصب کرتے ہیں اور اس میں شیل ڈال کر "بسم اللہ، اللہ اکبر، وما رمیت إذ رمیت ولکن اللہ رمی " کہتے ہیں، اور خود کو زمین پر گرا دیتے ہیں، مارٹر کی آواز دھماکے سے گونجتی ہے اور شیل آسمان کی طرف اڑ جاتا ہے، پھر قریب کی بستی نیتساریم میں گر جاتا ہے، مجاہدین تینوں ایک دوسرے کے گلے ملتے ہیں، اور کامیابی پر خود کو مبارکباد دیتے ہیں، پھر واپس ورکشاپ کی طرف چلے جاتے ہیں، جہاں وہ مزید شیلز اور سادہ ساخت کے مارٹر تیار کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں ، پہلا مارٹر اور پانچ شیلز تیار کرنے کے بعد ابراہیم انہیں اپنی گاڑی میں رکھ کر شمال کی طرف روانہ ہوتا ہے، جبالیہ کیمپ میں ایک گھر کے دروازے پر دستک دیتا ہے، ایک نوجوان باہر آتا ہے اور اس کے ساتھ گاڑی میں سوار ہوتا ہے، وہ اسے رہائشی علاقے کے کنارے شمال کی طرف لے جاتا ہے، مارٹر نصب کرتے ہیں اور نیتسانیت بستی پر پہلا شیل فائر کرتے ہیں، پھر گاڑی میں واپس آتے ہیں، جہاں ابراہیم نوجوان کو اتارتا ہے اور مارٹر اور باقی چار شیلز بھی چھوڑ دیتا ہے، اور جلدی سے ورکشاپ کی طرف واپس آتا ہے، جہاں نیا تیار کردہ مارٹر اور پانچ شیلز گاڑی میں رکھ کر جنوب کی طرف روانہ ہو جاتا ہے، خان یونس کیمپ میں ایک گھر کے دروازے پر دستک دیتا ہے، ایک نوجوان باہر آتا ہے اور اس کے ساتھ کیمپ کے کنارے پر جاتا ہے، مارٹر نصب کرتے ہیں اور پہلا شیل فائر کرتے ہیں، پھر واپس آتے ہیں، نوجوان مارٹر اور باقی شیلز کو لے لیتا ہے ،جب قابض قیادت کی طرف سے بستیوں پر مارٹر شیل فائر کرنے پر دھمکیاں اور وعیدیں بلند ہوتی ہیں، تو کچھ لوگ جو مغربی کنارے اور غزہ میں سیاسی زندگی میں نمایاں ہوتے ہیں، خوف زدہ ہو جاتے ہیں، اور کچھ متعقلین کی آوازیں بلند ہوتی ہیں، جو ان کھیلوں کو بند کرنے کا مطالبہ

کرتی ہیں جو فائدہ مند نہیں ہیں اور نقصان پہنچا سکتی ہیں ، ابراہیم اور حسن مزید تیاری کر رہے ہوتے ہیں، جبکہ وہ خبریں اور وہ درخواستیں سن رہے ہوتے ہیں اور مسکرا رہے ہوتے ہیں، ابراہیم کہتے ہیں، "ان لوگوں کا کیا کرنا چاہیے ؟ وہ چاہتے ہیں کہ قابض افواج ہمیں مار ڈالیں اور ہم کچھ نہ کریں سوائے رونے کے، سفید جھنڈے لہرانے کے اور قصائی سے رحم کی بھیک مانگنے کے جو رحم نہیں جانتا ، کام کرو، پیارے ساتھیو ! کام کرو، یہ جہاد ہے جہاد... فتح یا شہادت ، ہمیں سادہ ترین ہتھیار بنانا چاہیے، اور ہمیں اسے ترقی دینے کی کوشش کرنی چاہیے، ہر روز اس کی تباہ کن صلاحیت میں اضافہ کرنا چاہیے، اس کی رینج کو بڑھانا چاہیے اور اس دشمن پر حملہ کرنا چاہیے جو تمام فوجی صلاحیتوں کا مالک ہے ، ہمارے سادہ ہتھیاروں کی موجودگی اور ہماری کمزوری کے باوجود، اللہ کی مدد سے ہم جنگ میں ایک نئے توازن کو جنم دیں گے ، ہم دہشت اور روک تھام کے عمل میں توازن پیدا کریں گے ، وہ ہم پر بمباری کریں گے تو ہم بھی ان پر بمباری کریں گے ، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم، اگر میرے پاس کچھ نہ ہوتا تو میں ان کے خلاف جنگ کرتا ، اور الحمد اللہ ہمارے پاس ذرات سے بہتر بہت کچھ ہے ، ہمیں اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ ان سے جنگ کرنی چاہیے اور ہمیں ہمیشہ ان صلاحیتوں کو ترقی دینے کی کوشش کرنی چاہیے ، ہم اس معرکہ کے آغاز میں ہیں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیحین میں بیان کیا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم یہودیوں سے جنگ نہ کرو، یہاں تک کہ پتھر کہے گا : اے مسلمان، اے اللہ کے بندے، یہ یہودی میرے پیچھے ہے، آؤ اور اسے قتل کرو ، یہ دن آنے والا ہے اور انشاء اللہ قریب ہے۔

ابو علی مصطفیٰ جو کہ الجبھۃ الشعبیۃ کے جنرل سیکرٹری ہیں، اپنی گاڑی سے اترتے ہیں اور رام اللہ شہر میں واقع اپنی عمارت کے دفتر کی سیڑھیاں چڑھتے ہیں ، دفتر میں اپنی کرسی پر بیٹھنے کے چند منٹ بعد، ایک اپاچی ہیلی کاپٹر قریب آتا ہے اور عمارت پر فائرنگ کرتا ہے، دفتر پر بمباری کرتا ہے ، احتجاج کی ہلکی آوازیں بلند ہوتی ہیں کہ کس طرح قابض افواج ایک سیاسی شخصیت اور فلسطینی رہنما کو نشانہ بناتی ہیں اور مہذب دنیا اپنی

آنکھیں بند کر لیتی ہے اور اپنے کان بند کر لیتی ہے۔

چند ہفتوں بعد دو نوجوان یروشلم کے حیات ہوٹل میں ایک ہفتہ گزارتے ہیں، جہاں کبھی کبھار یہودی انتہاپسند وزیر رحبعام زئیوی بھی قیام کرتا ہے ، جو فلسطینیوں کو ملک بدر کرنے کی وکالت کرتا ہے ، جو کہ قابض فوج میں جنرل تھا، اور فلسطینی دہشت گردی کے خلاف حکومتی سربراہ کے عہدے پر فائز تھا ، وقت مقررہ پر، سات بجے کے چند منٹ بعد، وہ اپنی کمرے سے باہر آتا ہے، اور ایک نوجوان اس کا نام لے کر بلاتا ہے ، وہ مڑ کر دیکھتا ہے، اور پل بھر میں ان کی نظریں ملتی ہیں، اور اس نوجوان کے پستول سے گولیاں چلتی ہیں جو اس مجرم کو قتل کر دیتی ہیں، وہ دونوں نوجوان ہوٹل کی پارکنگ میں ایک گاڑی کی طرف دوڑتے ہیں اور وہاں سے نکل جاتے ہیں ، چند منٹوں میں ہوٹل اور اس کے ارد گرد کی دنیا الٹ پلٹ ہو جاتی ہے ، قابض حکومت دھمکیاں دیتی ہے اور اعلان کرتی ہے، فلسطینی جانب سے مزاحمت کو روکنے، خودکش حملوں کو روکنے اور مارٹر گولوں کی فائرنگ کو روکنے کی آوازیں بلند ہوتی ہیں ، ابراہیم مسکراتے ہوئے یہ آوازیں سنتا ہے اور کہتا ہے : یہ زیادہ دیر تک نہیں چلے گا... یہ زیادہ دیر تک نہیں چلے گا کیونکہ قابض ہمیں اس کی اجازت نہیں دے گا، وہ اپنے حملے جاری رکھے گا اور ہمارے پاس صرف ایک ہی آپشن ہے کہ مکمل حقوق سے دستبردار ہو جائیں، اس وقت شاید حملہ رک جائے گا ، ہمارے حاکم اور جلاد ایک ہی ہیں، کیونکہ ہم کبھی جھکنا قبول نہیں کر سکتے اور اپنے تمام حقوق سے دستبردار نہیں ہو سکتے، اور کیونکہ ہمارا دشمن ہمیں صرف اسی صورت میں قبول کرے گا جب ہم ایسا کریں، تو یہ زیادہ دیر تک نہیں چلے گا، ہمارا دشمن ہمیں دباؤ میں لانے کی کوشش کرے گا تاکہ ہم دستبردار ہو جائیں، اور ظاہر ہے کہ ہم ایسا نہیں کریں گے، تو وہ ہمیں قتل اور حملہ کرنے کی کوشش کرے گا، یہ سوچ کر کہ ہم دستبردار ہو جائیں گے، لہٰذا ہمیں تیار رہنا چاہیے اور تیاری جاری رکھنی چاہیے ، حسن ، ابراہیم، حسن اور تیسرا نوجوان عدنان گاڑی میں خان یونس کی طرف روانہ ہوتے ہیں وہاں وہ ایک مجاہد سے ملتے ہیں اور اس کے ساتھ جلال سٹریٹ میں ایک ورکشاپ میں جاتے ہیں جہاں

وہ گولے اور توپیں تیار کر رہے ہوتے ہیں، اور وہ ورکشاپ کے مالک اور دوسرے مجاہد کو کام کا طریقہ بتاتے ہیں، پھر وہ ایک اور ورکشاپ میں جاتے ہیں اور وہاں کے مالک کو تربیت دیتے ہیں، اور پھر چوتھی اور پانچویں ورکشاپ میں۔

ایک نوجوان جو کہ کتائب شہداء الاقصیٰ کا رکن ہے، تل ابیب میں ایک گاڑی سے اترتا ہے، اس کے ہاتھ میں ایک بیگ ہے، وہ مضبوط قدموں سے ایک شادی ہال کی طرف جاتا ہے جہاں قابضین بھرے ہوئے ہیں ، وہ بیگ کھولتا ہے اور اس میں سے ایک کلاشنکوف بندوق، کئی میگزینز اور دستی بم نکالتا ہے، وہ قریب جاتا ہے اور گولیاں چلاتا اور بم پھینکنا شروع کر دیتا ہے، یہاں تک کہ قابض فوج کی بڑی تعداد آ جاتی ہے اور اس سے لڑائی شروع کر دیتی ہے، اور اس کی روح بلند آسمانوں کو چلی جاتی ہے، اس نے درجنوں کو مارا اور زخمی کیا ہوتا ہے۔

قابض فوج کے جدید طیارے مجاہدین، کارکنان اور فلسطینی نوجوانوں پر پورے وطن میں بمباری کرتے ہیں، اور قابضین کی جنگی مشینری بے دریغ جانیں لے رہی ہوتی ہے، اور اس کے فوجی بھاری ٹینکوں، ہیلی کاپٹروں، جدید ہتھیاروں اور بڑی بڑی بلڈوزروں کے پیچھے سے طوفان مچا رہے ہوتے ہیں جو اپنے راستے میں آنے والی ہر چیز کو تباہ کر رہی ہوتی ہیں، گھروں، ورکشاپوں اور کھیتوں کو نگل رہی ہوتی ہیں۔ فلسطینی عوام کے مجاہدین اور فدائی ابتدائی مواد جیسے کھادوں سے بم تیار کر رہے ہوتے ہیں اور انہیں اپنی کمر پر باندھ رہے ہوتے ہیں، اور دشمن کے علاقے میں داخل ہو کر انہیں وہی جبر کا مزہ چکھا رہے ہوتے ہیں جو وہ ہمارے عوام کو دن رات دے رہے ہیں ، بڑے شہروں جیسے کہ القدس، تل ابیب، حیفا، نیتانیا، اور اشدود میں کارروائیاں بڑھ گئی تھی ، اور قابضین کے دلوں میں خوف اور دہشت چھا گئی تھی، سڑکیں خالی تھیں ، سوائے کسی بوڑھے یا نوجوان کے جو جلدی سے اپنا کام نمٹانے کی کوشش کر رہا ہوتا تھا، کیفے خالی تھے، ریسٹورنٹ میں کوئی نہیں جاتا تھا، پبلک ٹرانسپورٹ اور بسیں تقریباً خالی ہوتی تھیں ، دو یا تین لوگ بمشکل ان میں سوار

ہوتے تھے۔

تل ابیب اور مغربی یروشلم کے درمیان ریت کے تھیلے دروازوں اور دکانوں کے سامنے ایک میٹر اور آدھے کے اونچائی تک رکھے گئے ہیں، جیسے کہ فوجی مقامات اور چھاؤنیوں پر ہوتا ہے ، ہر جگہ ہزاروں فوجی موجود ہیں، اور فوجیوں اور پولیس اہلکاروں کی تعداد عام شہریوں سے دس گنا زیادہ ہے ، ہر دن یا کچھ دن بعد رکاوٹیں اور بیریئرز لگائے جاتے ہیں، جہاں وہ گاڑیوں اور ان میں موجود لوگوں کی تلاشی لیتے ہیں، کیونکہ انہیں آپریشنز کی وارننگ ملی ہے ، گاڑیاں طویل قطاروں میں کھڑی ہوتی ہیں اور زندگی دکانوں کے دروازوں پر معطل ہو جاتی ہے ، سینکڑوں دکانوں پر بورڈ لگا ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ یہ فروخت کے لیے ہے یا غیر معینہ مدت تک بند ہے، کیونکہ اقتصادی زندگی تباہ ہو چکی ہے ، اسی طرح اپاچی ہیلی کاپٹر ایک نئے شخص کو قتل کرتے ہیں، پھر ایک اور کو قتل کرتے ہیں ، ہزاروں لوگ بمباری کے نشانہ بننے والے مقام کی طرف بھاگتے ہیں تاکہ زخمیوں کو بچانے کی کوشش کریں اگر ان میں زندگی باقی ہو، اور وہ چلاتے ہوئے رد عمل اور ظلم کے خلاف کاروائی کا مطالبہ کرتے ہیں۔

ابراہیم، حسن اور عدنان بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے طویل فاصلے کے میزائلوں کے نقشے ہیں ، ابراہیم عدنان سے پوچھتا ہے کہ کیا وہ اپنی ورکشاپ میں ان نقشوں کو عملی شکل دے سکتا ہے؟ عدنان انہیں دوسری اور تیسری بار چیک کرتا ہے اور پھر سر ہلاتا ہے وہ کام پر لگ جاتے ہیں، پھر وہ جو تیار کیا ہے اسے گاڑی میں رکھتے ہیں اور بیت حانون کی طرف روانہ ہوتے ہیں، جہاں وہ میزائل نصب کرتے ہیں اور نیچے فتیلہ جلاتے ہیں اور تھوڑا پیچھے ہٹتے ہیں اور اللہ سے کامیابی کی دعا کرتے ہیں ، چند سیکنڈز بعد میزائل دھاڑتے ہوئے سرحد پار کرتا ہے ، تینوں مجاہد ایک دوسرے کو گلے لگاتے ہیں اور مزید تیاریاں کرنے اور دوسروں کو سکھانے کے لیے واپس لوٹتے ہیں۔

قسام اور دیگر میزائل درجنوں کی تعداد میں اس جرم یا اس جرم کے جواب میں فائر کیے جاتے ہیں ، کچھ

آوازیں خوفزدہ ہو کر بلند ہوتی ہیں کہ قابضین کا ردعمل کیا ہوگا، جو دھمکیاں دے رہے ہیں ، ابراہیم مسکراتے ہوئے کہتا ہے : وہ اور کیا کر سکتے ہیں جو انہوں نے نہیں کیا؟ اب قتل، حملے، بمباری اور تباہی ہو رہی ہے ، اب انہیں دوبارہ تعمیر کرنا ہوگا، تاکہ انہیں دوبارہ تباہ کر سکیں ، عدنان کہتا ہے : کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ شرط لگا رہے ہیں کہ لوگ تھک چکے ہیں اور قوم آرام چاہتی ہے، کیونکہ اس نے بھاری قیمت ادا کی ہے ، ابراہیم مسکراتے ہوئے کہتا ہے : کون تھکا ہوا ہے؟ تم یا میں؟ ہماری مائیں اور عورتیں جو اپنے بیٹوں کی جانوں، اپنے گھروں اور اپنے سب سے قیمتی چیزوں کی قیمت ادا کر رہی ہیں، ان میں سے کسی نے تھکاوٹ کی نشانی نہیں دکھائی ، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہر بار شہید کی ماں اعلان کرتی ہے کہ وہ القدس اور الاقصیٰ کے لیے اپنے باقی بیٹوں کی قربانی دینے کے لیے تیار ہے ، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہماری قوم تھک چکی ہے، وہ سیاسی یا اقتصادی مفادات کے حامل چند لوگ ہیں، ایک چھوٹی سی تعداد، لیکن صابر قوم اپنی عزت، کرامت اور مقدسات کے لیے ہر قیمتی چیز کی قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔

ایک سولہ سالہ نوجوان، جو فوجی لباس پہنے ہوئے ہے، جس کے سر پر ایک سبز ٹوپی ہے جس پر لکھا ہے "لا إله إلا الله محمد رسول الله"، عز الدین القسام بریگیڈز کا رکن، اپنی بندوق ہاتھ میں لیے ہوئے اور کمر پر کئی دستی بم باندھے ہوئے، گاڑی سے اترتا ہے اور الشجاعیہ میں "ابو نضال" کے گھر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتا ہے ، ام نضال کہتی ہیں : میرے پیارے بیٹے محمد، یہ کیا ہے؟ لڑکا مسکراتے ہوئے کہتا ہے : میں ایک شہادت کی کاروائی پر جا رہا ہوں اماں ، ماں کچھ لمحے خاموش رہتی ہے، پھر محمد کہتا ہے : کیا تم یاد رکھتی ہو اماں ! یہ زیتون کا درخت؟ اور اس زیتون کے درخت کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں عماد چند سال پہلے شہید ہوا تھا، کیا تم یاد رکھتی ہو اماں؟ کیا تم عماد کو یاد کرتی ہو؟ اور کیا تم یاد کرتی ہو کہ ہم اس کے پھل سے کتنا محبت کرتے تھے کیونکہ وہ عماد کی روح کے ساتھ مل گئے تھے؟ کیا تم یاد کرتی ہو کہ تم نے ہمیں فلسطین، القدس، جہاد اور قربانی سے محبت کرنا سکھایا؟ اب وقت آگیا ہے، اماں، میں نے خود کو ان کے مقام پر حملہ

کرتے ہوئے دیکھا، انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح مارتے ہوئے اور پھر شہید ہوتے ہوئے، اور میں نے خود کو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں میں جنت میں دیکھا، وہ مجھے خوش آمدید کہتے ہوئے کہہ رہے تھے : مرحبا محمد مرحبا، ماں کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں، اور وہ اپنے دوپٹے کے کنارے سے اپنے آنسو پونچھتی ہے اس سے پہلے کہ وہ اس کے گالوں پر گر جائیں، اور کہتی ہے : اللہ تمہیں کامیاب کرے، میرے بیٹے، اللہ تمہیں کامیاب کرے اور تمہارے نشانے کو درست کرے ، پھر وہ اسے گلے لگاتی ہے، چومتی ہے اور اس کے ہاتھ، سر اور بندوق کو بوسہ دیتی ہے، اور اسے نصیحت کرتی ہے : جب تم حملہ کرو، تو مت جھجکنا اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا میرے بیٹے، اور دین خدا کے سلسلے میں ان پر رحم نہ کرنا، میرے پیارے، اور جنت میں رسول اللہ کی ملاقات تک، میرے دل کے ٹکڑے ، میری جان کے ٹکڑے، الوداع !!!!!

محمد اس کے سر کو چومتا ہے، پھر جھک کر اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے، اور کہتے ہوئے روانہ ہوتا ہے کہ : فون کو اپنے پاس کھلا رکھنا ، میں وہاں سے تمہیں آخری الوداع کہوں گا ، ام نضال اپنی نماز کی چٹائی پر بیٹھتی ہے ، اپنے بیٹے کی کامیابی اور قبولیت کے لیے دل سے دعا کرتی ہے ، محمد عتصیون کی بستی کے گرد خاردار تاروں کو عبور کرتا ہے اور مذہبی عسکری مدرسے کی طرف بڑھتا ہے ، وہ اپنے مواصلاتی آلے کو کھولتا ہے اور ایک بٹن دباتا ہے ، ام نضال اپنے پاس سے آلہ اٹھاتی ہے اور کہتی ہیں : کہاں ہو ، میرے دل کی جان ؟ اور اسے محمد کی پر سکون اور پر اعتماد آواز سنائی دیتی ہے : یہاں ہوں اماں، میں اپنے ہدف پر پہنچ گیا ہوں، پیاری اماں الوداع ، اور جنت میں ملاقات تک، الوداع، میری پیاری اماں میں آلہ کھلا رکھوں گا تاکہ تم جنگ کی آواز سن سکو ، وہ آلہ کو اپنے بیلٹ پر کھلا رکھتا ہے اور نعرہ لگاتے ہوئے عمارت میں گھس جاتا ہے، : اللہ اکبر، خیبر کا دن آگیا، وہ ایک کے بعد ایک دستی بم پھینکتا ہے، پھر مرکزی ہال کے دروازے کی طرف بڑھتا ہے اور فائرنگ شروع کر دیتا ہے، اور ام نضال آواز سن کر دعائیں کرتی ہے ، اللہ اس کے نشانے کو درست کر دے، نشانے پر مار، کیونکہ تو اصل نشانے باز ہے اور تیرا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا، اے رب العالمین اور

فائرنگ کا تبادلہ شروع ہو جاتا ہے ان فوجیوں کے ساتھ جو موقع پر پہنچ گئی تھی، اور محمد گرتا ہے اور کہتا ہے، "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کے رسول ہیں" اور محمد کی ماں کی زبانی زغرودہ (خوشی کی آواز) گونجتی ہے، اور وہ کہتی ہے، "الحمد للہ جس نے مجھے اس کی شہادت سے شرف بخشا، اور اللہ سے دعا ہے کہ مجھے اس کے ساتھ اپنی رحمت کی جگہ میں جمع کرے ،لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور ان کی ایک پڑوسن پوچھتی ہے، تم نے اسے الوداع کہا جبکہ تم جانتی تھی کہ وہ موت کی طرف جا رہا ہے؟ تو وہ کہتی ہے : واللہ، وہ مجھے دنیا اور اس کے اندر کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے، لیکن وہ اللہ کی راہ میں اور القدس و الاقصیٰ کی خاطر کم ہے، واللہ میں نضال، حسام، اور رواد کو بھی اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے تیار ہوں، اور ہمارے لوگوں کی عظمت اور ہمارے قوم کی عزت کے لیے، اور میں امید رکھتی ہوں کہ اللہ ہمیں اپنی رحمت سے نوازے گا اور ہمیں سب کو اپنے پاس سچے مقام میں حبیب مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حضوری میں جمع کرے گا۔

میرا موبائل فون بجا، تو میں نے اسے کان سے لگایا، اگرچہ ابراہیم کی آواز دوسری طرف سے آئی : ہیلو احمد، السلام علیکم ، میں نے جوش سے کہا : ابراہیم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، تم کہاں ہو، بہت وقت سے نہیں دیکھے، تمہیں یاد کر رہا ہوں، اس لیے تمہیں فون کیا، تم کیسے ہو اور تمہارے اہل کیسے ہیں؟ سب کو میرا سلام کہو، اور نہ بھولو کہ اسراء اور یاسر کو چومو ، میں نے پوچھا : کیا تم انہیں دیکھنے نہیں آؤ گے؟ بہت وقت سے انہوں نے تمہیں نہیں دیکھا ، اس نے جواب دیا : پتہ نہیں، میں کوشش کروں گا، لیکن تم جانتے ہو کہ میں کتنا مصروف ہوں ، میں نے پوچھا : تمہاری کیا خبریں ہیں، ابراہیم ! اس نے ہنستے ہوئے کہا : احمد ! تم جانتے ہو، میں نے آج رات ایک خواب دیکھا جو صبح کی روشنی کی طرح واضح تھا، میں نے دیکھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث پڑھ رہا ہوں، ان میں سے ایک یہ ہے :

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : قیامت اس وقت تک قائم نہ

ہوگی جب تک مسلمان یہودیوں سے نہ لڑیں، تو مسلمان انہیں قتل کریں گے حتیٰ کہ یہودی پتھر اور درخت کے پیچھے چھپیں گے، اور پتھر اور درخت کہے گا، اے مسلمان، اے اللہ کے بندے، یہ یہودی میرے پیچھے ہے، آؤ اور اسے قتل کرو، سوائے غرقد کے، کیونکہ وہ یہودیوں کا درخت ہے ، ایک اور حدیث عبد اللہ بن حوالہ سے مروی ہے کہ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، 'تمہیں فوجیں بھیجی جائیں گی، ایک فوج شام میں، اور ایک فوج عراق میں، اور ایک فوج یمن میں،' عبد اللہ نے کہا، 'میں کھڑا ہو گیا اور کہا، اے رسول اللہ، مجھے حکم دیں،' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، 'تمہیں شام پر لازم ہے، جو وہاں نہ جا سکے وہ یمن میں جائے اور اپنے غور سے پانی پیے، کیونکہ اللہ عزوجل نے شام اور اس کے لوگوں کی ذمہ داری لی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے : حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ غالب اور دین پر رہے گا ، اپنے دشمنوں پر غالب رہے گا ، وہ اپنی مخالفت کرنے والوں یا بے یارو مددگار چھوڑ دینے والوں کی پرواہ نہیں کرے گا ، الاّ یہ کہ انہیں کوئی تکلیف پہنچ جائے ، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ جائے اور وہ اسی حال میں پر ہوں گے ، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ ! وہ لوگ کہاں ہوں گے ؟ نبی ﷺ نے فرمایا بیت المقدس میں اور اس کے آس پاس .

حضرت عبداللہ بن حوالہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا : یا رسول اللہ، مجھے کوئی ایسی جگہ بتائیں جہاں میں رہ سکوں، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ زندہ رہتے تو میں آپ کے قرب کو کسی چیز پر ترجیح نہ دیتا ، آپ نے تین مرتبہ فرمایا : شام کو اختیار کرو ، جب نبی ﷺ نے ان کی شام سے ناپسندیدگی دیکھی تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کیا کہتا ہے؟ اللہ فرماتا ہے: اے شام! اے شام! میرا ہاتھ تم پر ہے ، اے شام! تم میرے ملکوں میں سے میرے برگزیدہ ہو ، میں تم میں اپنے بہترین بندوں کو داخل کرتا ہوں ، تم میری نعمت ہو، اور میرے عذاب کا کوڑا، تم بہترین ہو اور تمہاری طرف ہی محشر ہے اور میں نے رات دیکھا کہ جب مجھے معراج ہوئی تو ایک سفید ستون جو موتی کی مانند تھا، فرشتے اُسے اٹھا رہے تھے ،میں نے پوچھا : کیا

لے جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم اسلام کے ستون کو لے جا رہے ہیں، ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اُسے شام میں رکھیں اور جب میں سویا ہوا تھا، میں نے دیکھا کہ ایک کتاب میرے تکیے کے نیچے سے نکالی گئی، تو میں نے سوچا کہ اللہ نے زمینی لوگوں سے کنارہ کشی کر لی ہے، تو میں نے اپنی نظر کو پیچھے لگایا، تو وہ ایک روشن نور تھا جو میرے سامنے تھا جب تک اُسے شام میں نہ رکھ دیا گیا، جو شام نہیں جانا چاہتا، وہ یمن کی طرف جائے اور اپنے تالابوں کا پانی پیے، کیونکہ اللہ نے میرے لیے ملک شام کی کفالت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔

اے احمد پھر میں نے خود کو دیکھا کہ میں روزہ دار ہوں اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: آج تمہارا افطار ہمارے پاس ہے ابراہیم، تو میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں ، میں نے چیخ ماری، کیا اس کا مطلب ...؟ اس نے مجھے روکا، چیخنا مت احمد، چیخنا مت، میں حد درجہ احتیاط کر رہا ہوں، لیکن یہ ایسی دعوت ہے جو رد نہیں ہوتی، اللہ حافظ احمد، اور اس نے آلہ بند کر دیا، میں ایک لمحے کے لیے اپنی جگہ پر جم گیا اور میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے کیونکہ میں نے یقین کر لیا کہ یہ الوداعی کلمات ہیں، پھر میں دوسرے منزل کی طرف سیڑھیاں چڑھنے لگا، تو میں نے مریم کو دیکھا جو مجھے دیکھ کر مسکرا رہی تھی، میں نے پوچھا: کیا اس نے تم سے بات کی؟ اس نے مسکرا کر کہا: ہاں، لیکن خواب میں، اُس نے مجھ سے ایسے الوداع کیا جو میں کبھی نہیں بھولوں گی، اور اس نے مجھے اسراء اور یاسر کی وصیت کی، وہ مسکرا رہی تھی اور میری آنکھوں سے میرے گالوں پر گرم گرم آنسو بہہ رہے تھے ،وہ مسکرا کر کہتی ہے: رو رہے ہو، اے بیوقوف، تمہیں کیا ہوا...؟ اسی وقت جب ایک اپاچی ہیلی کاپٹر نے اس کار پر بمباری کی جس میں ابراہیم تھا، میں نے محسوس کیا کہ میرا دل دھڑکنا بند ہو گیا ہے اور میں بھاگنے لگا، ہزاروں لوگ اس کار کی طرف دوڑنے لگے جو بمباری کا نشانہ بنی تھی اور میں نے کچھ لوگوں کو کہتے سنا کہ یہ ابراہیم صالح ہے، میں نے ابراہیم کے ٹکڑوں کو جمع کیا اور ایک سٹریچر پر رکھا اور شہید کی لاش کو ہجوم کے ساتھ لے کر گھر کی طرف روانہ ہوا، دروازے پر مریم اپنے سر پر دوپٹہ لپیٹے ہوئے کھڑی تھی، مسکراہٹ اس کے چہرے سے غائب نہیں ہو رہی تھی اور اس کی

زغردہ (عرب خواتین کی خوشی کی آواز) ہجوم کے شور پر غالب تھی ، اس کے دائیں طرف یاسر اور بائیں طرف اسرار تھے اور پیچھے سے میری ماں کا سر نظر آ رہا تھا جو اپنے دوپٹے کے کونے سے آنسو پونچھ رہی تھی ، دروازے پر پہنچا تو محمود بھی اسی وقت گھر سے نکل رہا تھا، میں نے یاسر کو اپنے کندھوں پر اٹھایا اور محمود نے اسراء کو اپنے کندھوں پر اٹھایا، میں نے مریم کی طرف ہاتھ بڑھایا اور محمود نے بھی ہاتھ بڑھایا، تو انھوں نے ہم دونوں کو ایک ایک کلاشینکوف رائفل دی ، ہم نے رائفلیں لیں اور انہیں سروں پر اٹھایا اور چل پڑے، پیچھے پیچھے عوام نعرے لگا رہے تھے : خيبر خيبر يا يهود... جيش محمد سوف يعود، بسم الله الله أكبر ... بسم الله قد حانت خيبر ، بالروح بالدم نفديك يا شهيد... بالروح بالدم نفديك يا فلسطين ... عالقدس رايحين... شهداء بالملايين- اور تنگ گلیوں سے ہزاروں نقاب پوش عز الدین القسام بریگیڈ کے افراد اپنی مخصوص وردیوں میں قطاروں میں نکل آئے، وہ سبز جھنڈے اٹھا رہے تھے، اور الاقصی شہداء بریگیڈ کے افراد اپنی مخصوص وردیوں میں قطاروں میں نکل آئے اور پیلے جھنڈے اٹھا رہے تھے، اور القدس بریگیڈ کے افراد سیاہ جھنڈے اٹھا رہے تھے، اور دوسرے لوگ بھی اپنے ہتھیاروں کے ساتھ، مختلف قسم کے ہتھیار انہیں ہوا میں لہرا رہے تھے ، شہید کو الوداع کہہ رہے تھے، میں اپنی رائفل ہلا رہا تھا اور یاسر کو دوسرے ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا جو میرے کندھے پر تھا اور ابراہیم کی باتیں اور لمحات میرے ذہن سے نہیں نکل رہے تھے، خاص طور پر وہ آخری الفاظ جو اس نے مجھ سے کہے تھے۔

یہ کہانی دسمبر ۲۰۰۴ میں بیر السبع جیل اسرائیل فلسطین میں ختم ہوئی ، اور بیر السبع جیل کی کوٹھریوں میں ہی لکھی گئی اور اپنے تیسویں باب میں مکمل ہوئی۔

الحمدللہ آج بروز منگل ، بوقت دوپہر تین بجے ، بتاریخ : 24 ستمبر 2024 ، بمقام دار العلوم شاہی چندرپور مہاراشٹر میں ڈبڈباتی آنکھوں اور زخمی دل کے ساتھ یہ ترجمہ پورا ہوا۔

نحن الذين بايعوا محمدا   على الجهاد ما بقينا أبدا